وبا کے دنوں میں محبت

گبریل گارشیا مارکیز

مترجم: ارشد وحید

اکادمی ادبیات پاکستان

وبا کے دنوں میں محبت

وبا کے دنوں میں محبت

گبریل گارشیا مارکیز

مترجم
ارشد وحید

اکادمی ادبیات پاکستان
پطرس بخاری روڈ، اسلام آباد

نگرانِ اعلیٰ	:	ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو
منتظم	:	ڈاکٹر راشد حمید
مصنف	:	گبریل گارشیا مارکیز
مترجم	:	ارشد وحید
تدوین و طباعت	:	اختر رضا سلیمی
ٹائٹل	:	سجاد احمد
تعداد کتب	:	1000
سن اشاعت	:	2017
مطبع	:	NUST پریس، اسلام آباد
قیمت	:	-/500 روپے

ISBN: 978-969-472-310-5

Waba ka Dino Main Mohabat

Written By
Gabriel Garcia Marquez

Translated By
Arshad Waheed

Publisher
Pakistan Academy of Letters
Pitras Bukhari Road,
Sector H-8/1, Islamabad.
Email: ar.saleemipal@gmail.com
Website: www.pal.gov.pk
Ph: +92-51-9269714, Fax: +92-51-9269719

حرف آغاز

دنیا میں وہی زبانیں بڑی زبانیں کہلائیں، جن میں دوسری زبانوں کے علمی و ادبی سرمائے کے زیادہ سے زیادہ تراجم ہوئے ہیں۔ آج انگریزی زبان ادبی لحاظ سے محض اس لیے پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہے کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں جب بھی کوئی قابل ذکر ادبی کتاب چھپ کر منظر عام پر آتی ہے تو اس کا انگریزی میں فوراً ترجمہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر میں نے فرانسیسی کی کوئی کتاب پڑھنی ہے تو ظاہر ہے مجھے انگریزی کے ذریعے ہی اس سے استفادہ کرنا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اب ان ممالک میں بھی جہاں انگریزی زبان نصاب کے طور پر نہیں پڑھائی جاتی، انگریزی سیکھنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ دوسری طرف ہماری زبان اردو، جو بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے دنیا کی تیسری بڑی زبان ہے، اسے سیکھنے کی طرف مائل ہونے والے بہت کم ہیں کیوں کہ اس میں علمی و ادبی سرمائے کا وہ ذخیرہ موجود نہیں جو دنیا کی تمام بڑی زبانوں کا خاصہ ہے۔

اکادمی ادبیات پاکستان کے قیام کا مقصد جہاں ایک طرف پاکستانی زبانوں کے ادب کی ترویج و اشاعت ہے وہیں یہ بات بھی اس کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ بین الاقوامی ادب کو پاکستانی زبانوں خاص کر اردو میں ترجمہ کروائے تا کہ ہماری زبانوں کے علمی و ادبی سرمائے میں اضافے کے ساتھ ساتھ پاکستانی ادبی قارئین دنیا بھر میں تخلیق ہونے والے ادب سے استفادہ کر سکیں۔

انھی باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے پاکستانی زبانوں سے بین الاقوامی زبانوں اور بین الاقوامی زبانوں سے پاکستانی زبانوں میں تراجم کا ایک وقیع منصوبہ تیار کیا ہے جس کے پہلے مرحلے میں بین الاقوامی ادب سے دس کتابیں اردو میں جب کہ اردو سے دس کتابیں

انگریزی میں ترجمہ کی جارہی ہیں۔

اس سے قبل اس سلسلے کے تحت ہم **اکیسویں صدی کے نوبل انعام یافتگان کی کہانیاں**، **Through The Wall Crack**، **سندھی وائی/کافی - ناول کافن** اور **معاصر چینی افسانے** شائع کر چکے ہیں جنھیں آپ کی جانب سے بےحد سراہا گیا۔

اب سلسلے کی چھٹی کتاب **وبا کے دنوں میں محبت** آپ کے ہاتھوں میں ہے۔نوبل انعام یافتہ فکشن نگار گبریل گارشیا مارکیز کا یہ ناول پاکستان کے انگریزی دان طبقے کے لیے تو کسی تعارف کا محتاج نہیں لیکن اردو دان طبقہ اس سے کم کم واقف ہے کہ اس کا ایک ہی ترجمہ آج سے بیس بائیس سال پہلے شائع ہوا تھا جو جناب ارشد وحید صاحب ہی کا ترجمہ کردہ تھا۔اب ہماری درخواست پر اس ترجمے پر انھوں نے ایک مرتبہ پھر نظر ثانی کی ہے اور یہ اس ترجمے سے کہیں بہتر صورت میں شائع ہو رہا ہے۔

جناب ارشد وحید صاحب نہ صرف تخلیقی طور پر متحرک ہیں بل کہ بطور مترجم بھی اب وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔اس سے قبل وہ دنیا کی کئی اہم کہانیوں اور ناولوں کا ترجمہ کر چکے ہیں جن میں سے کچھ کہانیاں ادبیات میں بھی شائع ہوتی رہی ہیں۔

اس کتاب کی ادارت اور تزئین و آرائش کے لیے میں اپنے رفیق کار اختر رضا سلیمی کا بےحد شکر گزار ہوں، جن کی محنت اور توجہ کی بدولت یہ کتاب اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ کو ہماری یہ کاوش پسند آئے گی۔ہمیں آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو

ابتدائیہ

گبریل گارشیامارکیز کولمبیا میں 1927 میں پیدا ہوااور 17اپریل 2017 کومیکسیکو میں وفات پائی۔وہ ایک ناول نگاراورافسانہ نگار کےطور پر جانے جاتے ہیں جب کہ انھوں نے بطورِصحافی اورسکرین پلے رائیٹر کےطور پر بھی کام کیا۔اُن کا شماربیسویں صدی اورخاص طور پر ہسپانوی زبان کے اہم ترین لکھاریوں میں ہوتا ہے۔انھیں 1982 میں ادب کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔

گبریل گارشیامارکیز کاناولEl amor en los tiempos del Colera پہلی بارہسپانوی زبان میں 1985 میں شائع ہوا۔تین سال بعد اس کا انگریزی ترجمہ Love in the Time of Choleraکےنام سےمظہرِ عام پرآیا۔

انگریزی ترجمہ گارشیامارکیز کی نگرانی میں مکمل کیا گیا۔زیرِنظر اردوترجمہ **"وبا کے دنوں میں محبت"** اسی کے انگریزی متن سے کیا گیا ہے، جو 1995 میں پہلی بارشائع ہوا۔اس ناول کو اردوزبان میں ڈھالنا نہایت محنت طلب کام تھا۔تاہم فلورنتیبوآریزا،فرمینادازااور جوینل اربینو کے درمیان اس کہانی کواردوزبان میں بیان کرنا نہایت دلچسپ تجربہ ثابت ہوا۔

اکادمی ادبیات کی تحریک پر میں نے اس ترجمے کودوبارہ دیکھااوراسے مزید بہتر کرنے کے لیے کچھ تبدیلیوں کے ساتھ دوبارہ ترتیب دیا جواب اس نئے ایڈیشن کی صورت میں پیشِ خدمت ہے۔

ارشد وحید

O

یہ ناگزیر تھا: کڑوے باداموں کی بو سے ہمیشہ اسے بے صلہ محبت کے انجام کا خیال آتا تھا۔ ڈاکٹر جووینل اربینو نے یہ اس وقت محسوس کیا' جب وہ اس ہنوز تاریک گھر میں داخل ہوا' جہاں وہ نہایت عجلت میں اس مریض کو دیکھنے آیا تھا' جس کے لیے اس قدر مستعدی کی ضرورت برسوں پہلے، اس کے دل سے نکل چکی تھی۔ جنگ میں معذور رہوا' بچوں کا فوٹو گرافر' اور شطرنج میں اس کا سب سے ہمدرد حریف' اینٹیلیئن مہاجر' جرمیہ ڈی سینٹ ایموز سونے کے سایانائیڈ کے خوش بودار بخارات سونگھ کر یادداشت کی تلخیوں سے آزاد ہو چکا تھا۔

کمبل سے ڈھکی ہوئی اس کی لاش، اس سفری چارپائی پر پڑی تھی' جسے وہ ہمیشہ سونے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک سٹول پر فلم کو کیمیاوی مسالے سے دھونے والی ٹرے پڑی تھی' جسے اس نے زہر کے بخارات بنانے کے لیے استعمال کیا تھا۔ فرش پر سیاہ گریٹ ڈین کی' جس کی چھاتی سفید تھی' لاش پڑی تھی۔ اس کے ساتھ بیساکھیاں رکھی تھیں۔ ایک کھڑکی سے صبح کی مدھم روشنی نے ابھی اس دم گھونٹ دینے والے پرہجوم کمرے میں اجالا بکھیرنا شروع کیا ہی تھا' جو بیک وقت خواب گاہ اور تجربہ گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ مگر وہاں اس قدر روشنی بہر حال موجود تھی کہ وہ فوری طور پر وہاں موت کی قطعیت کو پہچان سکے۔

دوسری کھڑکیوں سمیت کمرے میں موجود تمام درزوں کو پرانے کپڑوں سے ڈھانپا اور سیاہ کارڈبورڈ سے بند کیا ہوا تھا۔ ان سب نے مل کر کمرے کی فضا کو سخت بوجھل کر دیا تھا۔ ایک میز بغیر لیبل کے جار اور بوتلوں سے اٹا پڑا تھا۔ ان کے علاوہ اس پر ایک عام سے بلب کے نیچے سرخ کاغذ سے ڈھکی ہوئی دو خستہ حال جست کی ٹرے پڑی تھیں۔ تیسری ٹرے' جو چپکانے والے محلول کے لیے استعمال ہوتی تھی' لاش کے قریب پڑی تھی۔ وہاں ہر جگہ پرانے رسائل اور اخبارات پڑے تھے۔ شیشے کی پلیٹ پر نیگیٹو

تھے۔ٹوٹا پھوٹا فرنیچر تھا' مگر کسی ہاتھ نے ہر شے کو گرد سے پاک رکھا ہوا تھا۔کھڑکی سے آتی ہوا نے ،فضا کو کسی حد تک مصفا کر دیا تھا' پھر بھی وہاں کچھ ایسا تھا، جس سے کڑوے باداموں میں بد نصیب محبت کی بجھتی ہوئی چنگاریوں کو محسوس کیا جا سکتا تھا۔ڈاکٹر جووینل اربینو نے بغیر کسی پیش آگاہی کے اکثر یہ سوچا تھا کہ یہ جگہ کسی قابل احترام موت کے لیے موزوں نہیں ہے۔مگر وقت کے ساتھ ساتھ وہ یہ خیال کرنے لگا تھا کہ شاید یہاں کی بے ترتیبی خدا کے کسی موہوم فیصلے کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔

ایک پولیس انسپکٹر میڈیکل کے ایک نوجوان طالب علم کے ساتھ وہاں موجود تھا۔وہ لڑکا یہاں میونسپل ڈسپنسری میں قانون سے متعلقہ طب کی تربیت مکمل کر رہا تھا۔انھی لوگوں نے ڈاکٹر جووینل اربینو کے وہاں پہنچنے کے انتظار کے دوران میں کھڑکیاں کھول کر کمرے کو ہوادار بنا دیا تھا اور لاش کو ڈھانپ دیا تھا۔انھوں نے پر وقار انداز میں اسے سلام کیا جو اس موقع پر احترام سے زیادہ تعزیتی لگ رہا تھا۔کوئی بھی جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کے ساتھ اس کی غیر معمولی دوستی سے ناواقف نہیں تھا۔معزز استاد نے ہر ایک سے مصافحہ کیا جیسا کہ اپنی روزانہ کی جنرل کلینیکل میڈیسن کی کلاس شروع کرتے ہوئے اس کا معمول تھا۔پھر اس نے اپنی انگشتِ شہادت اور انگوٹھے کی پوروں سے کسی پھول کی طرح کمبل کے کنارے کو پکڑا اور ایک مذہبی احتیاط کے ساتھ آہستہ آہستہ اسے لاش پر سے ہٹا دیا۔جرمیہ ڈی سینٹ ایمور مکمل طور پر برہنہ تھا۔اس کا بدن بے لوچ اور گٹھا ہوا تھا۔آنکھیں کھلی تھیں اور جسم نیلا پڑ چکا تھا۔وہ گذشتہ شب کی نسبت پچاس سال زیادہ بوڑھا لگ رہا تھا۔اس کی پتلیاں منور تھیں۔داڑھی' سر کے بال زردی مائل تھے۔اس کے معدے کے اوپر ایک پرانے زخم کا نشان تھا۔بیساکھیوں کے استعمال نے اس کے دھڑ اور بازوؤں کو کسی سخت جان غلام کے جسم کی طرح چوڑا بنا دیا تھا' مگر اس کی معذور ٹانگیں کسی یتیم کی ٹانگوں کی طرح لگ رہی تھیں۔ڈاکٹر جووینل اربینو نے ایک لحظہ اسے دیکھا' اس کے دل میں وہی پرانا درد جاگا جو اتنے طویل برسوں کے دوران میں موت کے خلاف اس کی لاحاصل جدوجہد کے دوران میں کبھی کبھار ابھر آتا تھا۔

''احمق!'' اس نے کہا۔''جو ہونا تھا' ہو چکا۔'' اس نے اسے ڈھانپا اور دوبارہ اپنے عالمانہ وقار کو اختیار کر لیا۔گذشتہ سال اس کی ۸۰ ویں سالگرہ،ایک سہ روزہ سرکاری جشن کے طور پر منائی گئی تھی اور تقریر میں اپنی ممنونیت کا اظہار کرنے کے بعد' ایک بار پھر اس نے اپنے ریٹائر ہونے کے خیال کو رد کیا تھا۔اس نے کہا تھا:''موت کے بعد میرے لیے آرام کا بہت سا وقت ہوگا' مگر یہ امکان ابھی میرے

منصوبوں کا حصہ نہیں ہے۔" اگر چہ آہستہ آہستہ اس کی دائیں کان کی سماعت بری طرح متاثر ہو چکی تھی' اور اسے اپنی لڑکھڑاتی ہوئی چال کو چھپانے کے لیے نقرئی دستے کی ایک چھڑی کا سہارا لینا پڑتا تھا' وہ اپنی جوانی کے دنوں کی طرح، اب بھی لینن کا سوٹ پہنتا تھا اور اس کی واسکٹ پر طلائی گھڑی کی زنجیر ہوتی تھی۔ اس کی پاسچر جیسی داڑھی' جس کا رنگ گھونگھے کی اندرونی سطح جیسا شوخ نارنجی تھا اور اسی رنگ کے نہایت سلیقے سے الٹے بنائے ہوئے اس کے سر کے بال' جن کے درمیان میں مانگ تھی' اس کی شخصیت کی صحیح ترجمانی کرتے تھے۔ اس نے ہر ممکن اس احساس کی تلافی کی کوشش کی جو اس ہر لحظہ مٹتی ہوئی یاد کی تلخی سے پیدا ہو رہا تھا۔ وہ کاغذ کے پرزوں پر الٹے سیدھے الفاظ لکھ کر اپنی جیبوں میں بے ترتیبی سے ڈالتا رہا' بالکل اسی طرح جیسے اس کے ٹھسے ہوئے میڈیکل بیگ میں اس کے آلات' دوا کی بوتلیں اور دوسری بہت سی چیزیں بے ترتیبی سے زبردستی رکھی ہوئی تھیں۔ وہ نہ صرف شہر کا معمر ترین اور عالی مرتبت طبیب تھا' بل کہ سب سے زیادہ تنک مزاج شخص بھی تھا۔ پھر بھی اپنی علمی برتری کی شیخی اور زمانہ ساز انداز میں اپنی ناموری کے استعمال کی وجہ سے، اس کو وہ احترام نہ مل سکا تھا' جس کا وہ مستحق تھا۔

انسپکٹر اور اس میڈیکل طالب علم کو اس کی ہدایات واضح اور سریع تھیں۔ پوسٹ مارٹم کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ گھر میں پھیلی ہوئی بو اس بات کا واضح ثبوت تھی کہ موت کی وجہ ٹرے میں کسی فوٹو گرافک تیزاب کی مدد سے اٹھائے جانے والے سائنائیڈ کے بخارات تھے اور جرمیہ ڈی سینٹ ایمور، ان تمام چیزوں کے بارے میں اس قدر زیادہ جانتا تھا کہ اس کو حادثہ قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ جب انسپکٹر نے کچھ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا تو اس نے اپنے مخصوص انداز میں یہ کہہ کر اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ مت بھولو کہ موت کے سرٹیفکیٹ پر دستخط میں نے ہی کرنے ہیں۔" نوجوان ڈاکٹر مایوس نظر آ رہا تھا۔ اسے کسی مردہ جسم میں طلائی سائنائیڈ کے اثرات کے مشاہدے کا موقع پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔ ڈاکٹر جووینل اربینو حیران تھا کہ اس نے اس طالب علم کو میڈیکل سکول میں کبھی نہیں دیکھا تھا' مگر وہ فوراً ہی اس نوجوان کے شرمیلے پن اور اس کے انڈین لہجے سے سمجھ گیا کہ غالباً وہ اس شہر میں ابھی نووارد ہے۔ اس نے کہا: "ان دنوں محبت سے پاگل ہوا کوئی شخص تمھیں اس قسم کا موقع ضرور دے گا۔" یہ کہتے ہی اسے احساس ہوا کہ ان بے شمار خودکشیوں میں سے' جو اسے یاد تھیں' سائنائیڈ سے ہونے والی یہ پہلی خودکشی تھی، جس کی وجہ محبت کی اذیتیں نہیں تھیں۔

پھر اس کی آواز میں کچھ تبدیلی آئی۔

"جب تمہیں ایسا کوئی موقع ملے' احتیاط سے اس کا مشاہدہ کرنا۔" اس نے اس طالب علم سے کہا۔ "تقریباً ہمیشہ ہی ان کے دلوں میں کرسٹل ہوتے ہیں۔"

پھر وہ انسپکٹر سے یوں مخاطب ہوا' جیسے وہ اس کا ماتحت ہو۔ اس نے اسے حکم دیا کہ وہ قانونی کارروائی کے مسائل کو طے کر لے تا کہ اسی سہ پہر کو خصوصی امتیاز کے ساتھ اس کی تدفین ہو سکے۔ اس نے کہا۔ "میئر سے میں بعد میں بات کر لوں گا۔" وہ جانتا تھا کہ جرمیہ ڈی سینٹ ایمور قدیم سادگی کے انداز میں رہتا تھا اور اس نے اپنے فن سے جتنا کمایا تھا وہ اس کی ضرورت سے کہیں زیادہ تھا۔ چناں چہ اس گھر کی کسی ایک دراز میں اس قدر رقم ضرور موجود ہونی چاہیے تھی جس سے اس کی تدفین پر اٹھنے والے اخراجات ادا کیے جا سکتے ہوں۔

"لیکن اگر یہ تمہیں نہ ملے' تو کوئی بات نہیں۔" اس نے کہا۔ "میں ہر چیز کا خیال رکھوں گا۔ اس نے اسے ہدایت کی کہ صحافیوں کو یہی بتایا جائے کہ فوٹو گرافر طبعی موت مرا ہے۔ تاہم اسے یہ علم تھا کہ اس خبر سے انھیں کوئی زیادہ دلچسپی نہیں ہوگی۔ اس نے کہا: "اگر ضروری ہوا' تو میں گورنر سے بات کر لوں گا۔" انسپکٹر جو ایک سنجیدہ اور منکسر مزاج سرکاری ملازم تھا' جانتا تھا کہ ڈاکٹر کی اپنے شہری فرائض میں اصول پسندی سے اس کے قریب ترین دوست بھی برہم ہو جاتے تھے۔ اور اب وہ حیران تھا کہ اس کی جلد تدفین کے لیے وہ کتنی آسانی سے قانونی تقاضوں سے روگردانی کرتا جا رہا تھا۔ آرچ بشپ سے جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کی مقدس جگہ پر تدفین' وہ واحد بات تھی جو وہ نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ انسپکٹر جو خود اپنے اس بے محل خیال پر حیران تھا' اس کے لیے جواز پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"اس سے بھی زیادہ انوکھی بات۔" ڈاکٹر اربینو نے کہا۔ "مجھے لگتا ہے یہ شخص کوئی ولی تھا۔" اس نے کہا۔ "وہ ایک دہریہ ولی تھا۔ مگر یہ معاملات ایسے ہیں جن کا فیصلہ صرف خدا ہی کر سکتا ہے۔"

دور' اس نو آبادیاتی شہر کے دوسری جانب عظیم عشائے ربانی کے لیے کیتھڈرل کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ ڈاکٹر اربینو نے اپنا طلائی فریم اور نیم دائرہ نما شیشوں والا چشمہ لگایا اور زنجیر سے باندھی نازک اور خوش وضع گھڑی پر سے غلاف اتار کر وقت دیکھا: پینٹی کوسٹ عشائے ربانی کی ادائیگی کے لیے اس کے پاس بہت کم وقت رہ گیا تھا۔

دیوان خانے میں پبلک پارکوں جیسے مقامات پر استعمال ہونے والا' ایک بہت بڑا کیمرہ پہیوں پر ٹکا ہوا تھا۔ اس کے پس منظر میں، گھر میں تیار شدہ رنگوں سے بنائی ہوئی سمندر پر شام کے

دھند لکے کی تصویر تھی۔ دیواروں پر مختلف یادگاری مواقع پر کھینچی ہوئی بچوں کی تصویریں تھیں۔ جیسے پہلی شرکت' خرگوش کی وضع کے لباس اور سالگرہ کی تصویریں۔ سالہا سال' سہ پہروں کو شطرنج کھیلتے ہوئے سوچ بچار کے وقفوں میں ڈاکٹر اربینو نے ان دیواروں پر بڑھتی ہوئی تصویروں کو دیکھا تھا۔ اور بارہا اس نے افسوس کے احساس کے ساتھ یہ سوچا تھا کہ اتفاقی طور پر جمع کی ہوئی ان تصویروں میں شہر کا مستقبل پوشیدہ ہے۔ جس میں اپنی تمام آلائشوں سمیت یہ نامعلوم بچے اس کا انتظام سنبھالیں گے۔ اس وقت جب اس کی اپنی عظمت کی راکھ بھی باقی نہیں رہی ہوگی۔

ڈیسک پر' ایک جار کے قریب، جس میں قدیم سنگ بحری کی بہت سی نلیاں رکھی تھیں' شطرنج کی بساط پڑی تھی جس پر ایک نامکمل بازی جمی ہوئی تھی' وقت کی کمی اور اپنے اداس موڈ کے باوجود' ڈاکٹر اربینو اس نامکمل بازی کو دیکھنے کی خواہش نہ روک سکا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ گذری شب کی بازی تھی' کیوں کہ اسے یہ علم تھا کہ جرمیہ ڈی سینٹ ایمور ہفتے کے ہر دن شام ڈھلے کم از کم تین مختلف حریفوں کے ساتھ شطرنج کی بازی لگاتا تھا۔ مگر وہ ہمیشہ ہر بازی مکمل کیا کرتا تھا اور پھر بساط اور مہروں کو ڈبے میں بند کر کے' ڈبے کو میز کی ایک دراز میں رکھ دیتا تھا۔ ڈاکٹر جانتا تھا کہ وہ سفید مہروں سے کھیلتا تھا اور اس وقت یہ صاف عیاں تھا کہ اگلی چار ماتوں میں اسے بے رحمانہ انداز میں مات ہونے والی تھی۔ ''اگر کسی جرم کے ارتکاب کا شائبہ ہوتا تو یہ ایک بہترین سراغ تھا۔'' اربینو نے اپنے آپ سے کہا۔ '' میں جانتا ہوں کہ یہاں صرف ایک آدمی ہے جو اتنا زبردست چال بن سکے۔'' اگر اس کی زندگی میں یہ بات بہت اہم ہوتی تو وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ خون کے آخری قطرے تک لڑنے والے اس منہ زور سپاہی نے اپنی زندگی کی آخری جنگ کو نامکمل کیوں چھوڑ دیا تھا۔

اس صبح چھ بجے جب چوکیدار اپنا آخری گشت کر رہا تھا' اس نے اس مکان کے گلی میں کھلنے والے دروازے پر ایک رقعہ لگا ہوا دیکھا: '' دستک دیے بغیر اندر آ جاؤ اور پولیس کو اطلاع کر دو۔'' کچھ دیر بعد انسپکٹر اس زیر تربیت ڈاکٹر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ دونوں نے مل کر گھر میں کسی ایسے ثبوت کو ڈھونڈنے کی کوشش کی جو کڑوے باداموں کی ناقابل تردید بو کو جھٹلا سکے۔ مگر اس مختصر وقفے، جس کے دوران میں ڈاکٹر اس نامکمل بازی کو دیکھ رہا تھا' انسپکٹر کی نظر ڈیسک پر پڑے ایک لفافے پر پڑی۔ یہ خط ڈاکٹر جووینل اربینو کے نام تھا۔ اس کو بند کرنے کے لیے اس قدر زیادہ گوند استعمال کی گئی تھی کہ اس کو مکمل طور پر پھاڑ کر خط نکالنا پڑا۔ ڈاکٹر نے کھڑکی پر سے سیاہ پردہ اٹھا دیا' تاکہ مزید روشنی اندر آ سکے۔ دونوں

جانب محنت سے تحریر شدہ گیارہ صفحات پر اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور جب وہ پہلا پیراگراف پڑھ چکا تو اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ آج پینٹی کوسٹ کے اجتماع میں شریک نہیں ہو سکے گا۔ اس نے اکھڑے ہوئے سانسوں کے ساتھ وہ خط پڑھا، ورق پلٹ پلٹ کر کسی کھوئے ہوئے سرے کو پانے کی کوشش کی۔ جب وہ یہ خط ختم کر چکا تو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ مدتوں بعد کہیں بہت دور سے واپس آیا ہے۔ ضبط کی کوشش کے باوجود اس کی دل شکستگی صاف عیاں تھی۔ اس کے ہونٹ کسی لاش کے ہونٹوں کی طرح نیلے پڑ چکے تھے اور اس خط کو دوبارہ تہہ کر کے اپنی واسکٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے وہ اپنی انگلیوں کی لرزش پر قابو نہ پا سکا۔ پھر اسے انسپکٹر اور نوجوان کا خیال آیا اور غم کے دھندلکوں سے پرے اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''کوئی خاص بات نہیں۔'' اس نے کہا۔ ''یہ اس کی آخری ہدایات تھیں۔''

یہ ایک ادھورا سچ تھا۔ مگر انھوں نے اسے صحیح جانا، کیوں کہ اس نے انھیں حکم دیا کہ فرش پر ایک اکھڑی ہوئی سل کو اٹھائیں جہاں انہیں ایک خستہ حال بہی کھاتہ اور صندوق ملا۔ اس میں موجود رقم ان کی توقع کے مطابق تو نہیں تھی، مگر اس قدر ضرور تھی کہ اس کی تدفین اور دوسری چھوٹی موٹی رسومات پر اٹھنے والے اخراجات بآسانی پورے ہو سکتے تھے۔ پھر اس دوران میں ڈاکٹر اربینو کو احساس ہوا کہ وہ بائبل کے پڑھے جانے تک کیتھڈرل نہیں پہنچ سکتا۔

''جب سے میں نے سوجھ بوجھ حاصل کی ہے، یہ تیسرا موقع ہے کہ میں اتوار کی عشائے ربانی میں شرکت نہیں کر سکا۔'' اس نے کہا۔ ''مگر خدا ہر بات سمجھتا ہے۔''

چناں چہ اس نے کچھ دیر مزید وہاں ٹھہر کر تمام تفصیلات کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا، حالاں کہ وہ شدید طور پر یہ چاہ رہا تھا کہ خط میں تحریر رازوں میں فوری طور پر اپنی بیوی کو شریک کر لے۔ اس نے کہا کہ وہ اس شہر میں رہنے والے بہت سے مہاجرین کو اطلاع کر دے گا تا کہ ان میں سے جو چاہیں اس شخص کی آخری رسومات میں شریک ہو سکیں، جس نے اپنے برتاؤ سے یہ ثابت کیا تھا کہ وہ ان سب میں سب سے زیادہ قابلِ احترام، مستعد اور سب سے زیادہ انتہا پسند تھا، اس حقیقت کے عیاں ہونے کے بعد بھی کہ وہ اپنے ٹوٹے ہوئے تصورات کے بوجھ تلے پس کر رہ گیا تھا۔

اس نے اس کے شطرنج کے ساتھیوں کو بھی اطلاع کرنا تھی، جن میں ممتاز پیشہ ور لوگ اور گمنام مزدور سبھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کو بھی بتانا تھا، جن سے اس کی واقفیت زیادہ تو نہ تھی، مگر وہ

شاید اس کے جنازے میں شریک ہونا چاہیں۔ اس کے بعد از موت ملنے والا خط پڑھنے سے پہلے اس کا خیال تھا کہ وہ ان میں سب سے آگے ہوگا' مگر بعد ازاں وہ کسی چیز کے بارے میں بھی پُر یقین نہیں رہا تھا۔ بہرحال' وہ گارڈینیا کے پھولوں کا ہار اسے بھیجنے جا رہا تھا' کہ جرمیہ ڈی سینٹ ایمور نے اپنے آخری وقت میں پچھتاوے کا اظہار کیا تھا۔ تدفین شام پانچ بجے ہوگی جو ان گرم ترین مہینوں میں مناسب ترین وقت تھا۔ اگر انھیں اس کی ضرورت ہوئی تو وہ دوپہر کے بعد اپنے محبوب شاگرد ڈاکٹر سی واس اولیویلا کے قصباتی گھر پر ہوگا، جو ایک پر تکلف ظہرانے کی صورت میں اپنے اس پیشے کو اختیار کرنے کی سلور جوبلی منا رہا تھا۔

اپنی زندگی کی ابتدائی جدوجہد کا ہنگامہ خیز وقت گذارنے کے بعد ڈاکٹر جووینل نے ایک متعین معمول اختیار کر لیا تھا اور اس قدر احترام اور عزت حاصل کی، جس کا اس صوبے میں کوئی ثانی نہیں تھا۔ وہ سورج کی اولین کرنوں کے ساتھ بیدار ہوتا تھا۔ جس کے بعد وہ اپنی خفیہ ادویات کا استعمال شروع کر دیتا۔ پوٹاشیم برومائیڈ مزاج کی مستعدی کے لیے، برسات میں ہڈیوں کے درد کے لیے سیلی سلیٹس' سر چکرانے کے علاج کے لیے ارگوسٹرول کے قطرے اور پرسکون نیند کے لیے بیلا ڈونا۔ وہ ہر گھنٹے بعد کچھ نہ کچھ کھاتا تھا۔ ہمیشہ چھپ کر۔ کیوں کہ بحیثیت ڈاکٹر اور استاد کے اپنی طویل پیشہ ورانہ زندگی میں اس نے ہمیشہ ضعیف العمری کے لیے مسکن دواؤں کے تجویز کرنے کی مخالفت کی تھی۔ اپنے بجائے دوسروں کے درد برداشت کرنا اس کے لیے آسان تھا۔ اپنی جیب میں وہ ہمیشہ کافور کی ایک چھوٹی سی تھیلی رکھتا تھا اور سب سے چھپ کر اس کے دم کھینچتا۔ اس طرح وہ بہت سی دواؤں کے باہمی اختلاط کے خوف کو کم کرتا تھا۔

وہ ہر صبح آٹھ بجے میڈیکل سکول میں جنرل کلینیکل میڈیسن کی کلاس کو پڑھانے کے لیے اپنے مطالعے کے کمرے میں ایک گھنٹہ اس کی تیاری پر صرف کرتا تھا۔ اس کی یہ کلاس روزانہ سوموار سے ہفتہ تک ہوتی تھی۔ اس کا یہ معمول، اپنی موت سے ایک روز قبل تک برقرار رہا۔ وہ ان تازہ ترین کتب کے مطالعے کا از حد شوقین تھا' جو پیرس سے ایک کتب فروش اسے بذریعہ ڈاک بھیجتا تھا۔ یا وہ ان کتابوں کو پڑھتا تھا جو ایک مقامی کتب فروش اس کے لیے بارسلونا سے منگواتا تھا۔ تاہم وہ ہسپانوی لٹریچر کی نسبت فرانسیسی لٹریچر سے زیادہ قربت محسوس کرتا تھا۔ کسی بھی صورت میں وہ ان کتابوں کو صبح کے وقت نہیں پڑھتا تھا۔ وہ انھیں صرف قیلولہ کے بعد آدھ گھنٹے کے لیے اور رات کو سونے سے قبل پڑھتا

تھا۔ جب وہ مطالعے کے کمرے میں فارغ ہو چکتا تو غسل خانے میں کھلی کھڑکی کے سامنے پندرہ منٹ تک تنفس کی ورزشیں کرتا۔ وہ ہمیشہ اس طرف منہ کر کے سانس لیتا جس طرف پالتو مرغ بانگیں دے رہے ہوتے۔ کیوں کہ یہی وہ جگہ تھی جہاں ہوا تازہ ہوتی تھی اس کے بعد وہ غسل کرتا' داڑھی سنوارتا اور اجلی فینا جینوبر کی خوشبو میں بسے ماحول میں اپنی مونچھوں کی مالش کرتا تھا۔ پھر وہ سفید لینن کا لباس، واسکٹ، ایک نرم ہیٹ اور بکری کی کھال سے بنے جوتے پہن کر تیار ہو جاتا۔ اکیاسی برس کی عمر میں اس کا وہی پرسکون انداز اور ہشاش بشاش مزاج برقرار تھا' ان دنوں جیسا کہ' جب وہ ہیضے کی خوفناک وبا پھوٹنے کے فوراً بعد پیرس سے واپس آیا تھا اور فلزی رنگ کے علاوہ اس کے احتیاط سے سنورے ہوئے بال ویسے ہی تھے جیسا کہ اس کی جوانی کے دنوں میں ہوتے تھے۔ وہ ناشتہ اپنے خاندان کے ساتھ ہی کرتا تھا مگر اس کی اپنی مخصوص غذا ہوتی تھی۔ اپنے معدے کے لیے افسنتین کے پھولوں کا عرق پینے کے بعد وہ لہسن کی ایک پوتھی چھیل کر اسے لونگ کے ساتھ' چبا چبا کر چپاتی کے ساتھ کھاتا۔ اس سے وہ دل کی بیماری روکنے کا انتظام کرتا۔ کلاس لینے کے بعد یہ شاذونادر ہی ہوتا تھا کہ اس کے شہری منصوبوں' کیتھولک عبادت، ادبی یا سماجی نئے کاموں سے متعلق کوئی مصروفیت نہ ہو۔

وہ تقریباً ہمیشہ دوپہر کا کھانا گھر پر ہی کھاتا اور اس کے بعد صحن میں بنے چبوترے پر دس منٹ تک قیلولہ کرتا۔ اس سمے نیند کے دوران میں وہ آم کے درختوں کے پتوں تلے غلام لڑکیوں کے گانے کی آوازیں' گلی میں آوازیں لگاتے خوانچہ فروشوں کی صدائیں سنتا اور برآمدے کے آگے کے حصے سے آتی ہوئی موٹر کاروں کی آوازیں سنتا۔ گرم سہ پہروں میں ان گاڑیوں سے خارج ہونے والا دھواں یوں پھڑ پھڑاتا جیسے کسی فرشتے کو گلنے سڑنے کی سزا دی گئی ہو۔ پھر وہ ایک گھنٹے تک اپنی نئی کتابیں خصوصاً ناول اور تواریخ پڑھتا۔ اس کے بعد وہ اپنے پالتو طوطے کو فرانسیسی میں سبق دیتا۔ یہ طوطا برسوں سے مقامی لوگوں کی دلچسپی کا باعث بنا ہوا تھا۔ چار بجے لیمونیڈ کے یخ شربت کا ایک بڑا گلاس پینے کے بعد وہ اپنے مریضوں کو دیکھنے چلا جاتا۔ ضعیف العمری کے باوجود وہ مریضوں کو اپنے دفتر میں نہیں دیکھتا تھا، بل کہ اس نے مریضوں کے گھروں میں جا کر ان کی دیکھ بھال کرنے کا معمول برقرار رکھا تھا۔ شہر اس قدر مہذب تھا کہ کوئی بھی' کسی بھی جگہ تحفظ کے احساس کے ساتھ آ جا سکتا تھا۔

جب وہ پہلی بار یورپ سے واپس آیا تو شروع میں اس نے اپنی خاندانی بگھی استعمال کرنا شروع کی' جس میں دو سنہرے قیمتی گھوڑے جتے ہوئے تھے، مگر جب یہ قابل عمل نہ رہا تو اس نے اسے

ایک گھوڑے والی وکٹوریہ سے بدل دیا۔اب نئے رواج کے لیے ایک خاص حقارت کی وجہ سے اس نے ابھی تک اس کا استعمال ترک نہیں کیا تھا حالاں کہ گھوڑا گاڑیاں اب دنیا سے ناپید ہو رہی تھیں اور شہر میں موجو گھوڑا گاڑیاں اب محض سیاحوں کی سواری یا جنازوں پر پھولوں کے ہار لے جانے کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔اگر چہ اس نے ریٹائر ہونے سے انکار کر دیا تھا مگر وہ اس بات سے باخبر تھا کہ اس کو صرف ناامید مریضوں کے لیے بلایا جاتا ہے' تاہم وہ اسے بھی اپنی مہارت کا ایک رخ سمجھتا تھا۔ وہ مریض کو محض دیکھ کر ہی اس کا مرض بتا دیتا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ بازار میں دستیاب مستند ادویات پر سے اس کا اعتماد ختم ہوتا جا رہا تھا اور جراحی کے بارے میں اس کا تاثر بہت خراب تھا۔''نشتر،میڈیسن کی ناکامی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔''اس کا خیال تھا کہ تمام ادویات زہر ہیں اور عام غذاؤں کا ستر فیصد حصہ موت کو مزید قریب کر دیتا ہے۔''کسی بھی صورت میں۔''وہ کلاس میں کہا کرتا'۔''تھوڑا بہت طبی علم جو ہم جانتے ہیں اُس کا صحیح ادراک صرف چند ڈاکٹروں کو ہے۔''اپنی پر جوش جوانی گذارنے کے بعد وہ ایک ایسے کردار میں ڈھل گیا تھا۔ جسے اس نے انسانی جبریت کا نام دیا تھا۔''ہر شخص اپنی موت کا مختار خود ہے۔ہم صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ جب اس کی آخری گھڑی آن پہنچے تو اسے درد کے خوف سے ماورا ہو کر مرنے میں مدد دے سکیں''مگر ان انتہا پسندانہ نظریات کے باوجود جو پہلے ہی حکمت کی مقامی لوک روایات کا حصہ تھے'اس کے پرانے شاگرد جو اب اپنے پیشے میں بہت مستند مانے جانے لگے تھے'اس سے صلاح مشورے کے لیے آتے رہتے کیوں کہ انھیں اس میں ایک ایسا شخص نظر آتا تھا، جسے ان دنوں بے پناہ طبی بصیرت کا مالک سمجھا جاتا۔کسی بھی حوالے سے وہ ہمیشہ ایک منتخب اور مہنگا ڈاکٹر سمجھا جاتا رہا تھا'اور اس کے مریضوں کی اکثریت کا تعلق طبقہ امرا کے گھرانوں سے تھا۔

اس کے روزمرہ معمولات اس قدر باقاعدہ تھے کہ اس کی بیوی کو علم ہوتا تھا کہ اگر سہ پہر کو کوئی ہنگامی ضرورت پڑ جائے'تو اس کا پیغام کہاں بھیجا جائے۔ جب وہ نوجوان تھا تو گھر لوٹنے سے پہلے وہ کلیسائی حلقے کے کیفے میں رک جاتا تھا۔یہی وہ جگہ تھی جہاں اس نے اپنے سسر کے لنگوٹیا دوستوں اور کچھ کریبئن مہاجروں سے کھیل کھیل کر شطرنج میں اپنی مہارت کو پختہ کیا۔مگر نئی صدی کے آغاز کے بعد سے اس نے اس کیفے میں آنا ترک کر دیا تھا۔اس نے سماجی کلب کے زیر اہتمام ایک ٹورنامنٹ منعقد کروانے کی کوشش بھی کی تھی۔یہی وہ وقت تھا جب جرمیہ ڈی سینٹ ایمور یہاں وارد ہوا'اس کے گھٹنے پہلے ہی سے مفلوج تھے۔وہ ابھی بچوں کا فوٹو گرافر نہیں بنا تھا۔پھر بھی تین ماہ سے کم عرصے میں'ہر وہ شخص جسے

شطرنج کی بساط پر فیل چلاتا آتا تھا' جاننے لگا تھا کہ وہ کون ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی اسے کسی ایک بازی میں بھی مات دینے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ ڈاکٹر جووینل اربینو کے لیے اس وقت سے جب' شطرنج اس کے لیے ایک ناقابل تسخیر شوق کا روپ دھار چکی تھی' اور اس کے سامنے بہت کم حریف رہ گئے جو اسے مطمئن کر سکتے ہوں' یہ ایک معجز نما ملاقات تھی۔

اسی کی وجہ سے جرمیہ ڈی سینٹ ایمور نے اپنا موجودہ مرتبہ حاصل کیا تھا۔ ڈاکٹر اربینو نے غیر مشروط طور پر خود کو اس کا محافظ اور ہر بات میں اس کا ضامن بنا لیا تھا۔ یہ جاننے کی زحمت کیے بنا کہ وہ کون تھا اور کونسی شرمناک لڑائیاں لڑنے کے بعد وہ اس معذور اور خستہ حالت میں پہنچا تھا۔ پھر اس نے اسے فوٹوگرافی کا سٹوڈیو قائم کرنے کے لیے رقم ادھار دی' جس پہلے دن اس نے میگنیشیم کی روشنی میں چندھیائے ہوئے بچے کی پہلی تصویر اتاری' اس نے ایک مذہبی باقاعدگی سے، اس کے قرض کی پائی پائی ادا کر دی۔

یہ سب شطرنج کی وجہ سے تھا' شروع میں وہ رات کے کھانے کے بعد سات بجے کی بازی جماتے۔ چوں کہ وہ کھیل میں غیر معمولی مہارت رکھتا تھا' اس لیے ڈاکٹر اربینو کو بہت سی رعایات حاصل رہتی تھیں۔ مگر یہ رعایتیں کم ہوتی گئیں' حتیٰ کہ ایک روز بازی برابر ختم ہوئی۔ بعد ازاں جب ڈان گیلیلو ڈیکونٹے نے پہلا آؤٹ ڈور سینما کھولا' جرمیہ ڈی سینٹ ایمور نہایت باقاعدگی سے وہاں جانے لگا اور شطرنج کی بساط، صرف ان راتوں کے لیے محدود ہو گئی جب سینما میں کوئی نئی فلم نہ دکھائی جا رہی ہوتی۔ اس وقت تک وہ اور ڈاکٹر اچھے دوست بن چکے تھے اور وہ اکٹھے فلم دیکھنے جاتے۔ ڈاکٹر کی بیوی ان کے ساتھ کبھی فلم دیکھنے نہیں گئی۔ کچھ اس وجہ سے کہ وہ فلم کی پیچیدہ کہانی سے زیادہ دلچسپی نہ رکھتی تھی۔ دوسرا کچھ اس لیے کہ اسے ایک وجدانی احساس تھا کہ جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کسی کے لیے بھی اچھا ساتھی ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ اتوار کو اس کی مصروفیات مختلف ہوتی تھیں' وہ کیتھڈرل میں عشائے ربانی میں شرکت کر کے گھر واپس آ کر آرام کرتا اور صحن میں چبوترے پر بیٹھ کر مطالعہ کرتا' کسی مقدس دن شدید ضرورت کے سوا وہ شاذ ہی کسی مریض کو دیکھنے جاتا اور کئی سالوں سے کسی بہت ضروری سماجی تقریب کے لیے بھی اس نے اس دن کے لیے اپنی کوئی مصروفیت نہیں رکھی تھی۔ اس پینٹی کوسٹ پر انوکھا اتفاق ہوا تھا کہ دو غیر معمولی واقعات ایک ساتھ رونما ہو گئے تھے' ایک دوست کی موت اور ایک ہونہار شاگرد کی سلور جوبلی۔ پھر بھی جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کی موت کا سرٹیفکیٹ جاری کرنے کے بعد' سیدھا گھر جانے کے

ارادے کے باوجود اس نے اپنے آپ کو تجسس کی لہر کے ساتھ بہہ جانے دیا۔ جوں ہی وہ گھوڑا گاڑی میں بیٹھا، اس نے بعد از موت ملنے والے خط کو دوبارہ پڑھا اور گاڑی بان سے پرانی غلام بستی کے غیر مصروف علاقے میں چلنے کو کہا۔ اس کا یہ فیصلہ اپنی عمومی عادات سے اس قدر مختلف تھا کہ گاڑی بان نے اس سے دوبارہ پوچھا کہ کہیں وہ غلطی سے تو یہ نہیں کہہ رہا۔ مگر غلطی کا کوئی احتمال نہیں تھا۔ پتا واضح تھا اور جس شخص نے یہ تحریر کیا تھا اس کے پاس اسے اچھی طرح جاننے کا مکمل جواز موجود تھا۔ ڈاکٹر اربینو نے دوبارہ پہلے صفحے سے خط پڑھنا شروع کیا اور ایک بار پھر ان بے مہک انکشافات کے سمندر میں گم ہو گیا جو اس عمر میں بھی اس کی زندگی بدل سکتے تھے اگر وہ اپنے آپ کو محض اس بات کا یقین دلا سکتا کہ وہ ایک مرتے ہوئے شخص کے جنون آمیز خیالات نہیں ہیں۔

اس روز صبح ہی سے آسمان پر ابر چھانے لگا تھا اور موسم میں ٹھنڈک تھی لیکن دوپہر سے قبل بارش کا کوئی امکان نہیں تھا۔ کسی چھوٹے رستے کو تلاش کرتے ہوئے کوچوان نے اس نوآبادیاتی شہر کے کھردرے پتھریلے راستے پر گاڑی ڈال دی اور اسے بار بار پینٹی کوسٹ کی عبادت سے واپس آتی ہوئی مذہبی جماعتوں کے شور وغوغا سے گھوڑے کو بدکنے سے بچانے کے لیے روکنا پڑتا تھا۔ گلیاں کاغذی پھولوں، موسیقی، پھولوں، اور جھروکوں سے، رنگین چھتریاں اور ململ کی جھالریں لیے جشن کا نظارہ لیتی لڑکیوں سے بھری پڑی تھیں۔

کیتھڈرل کے پلازہ میں، جہاں نجات دہندہ کا مجسمہ، افریقی کھجور کے درختوں اور سٹریٹ لائٹس کے قمقموں میں چھپا ہوا تھا، عشائے ربانی کے ابھی ابھی ختم ہونے کی بنا پر ٹریفک کا بے پناہ ہجوم تھا اور پرشور مقدس کلیسائی کیفے میں بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ بھی باقی نہیں بچی تھی۔ گھوڑوں سے کھینچی جانے والی واحد بگھی ڈاکٹر اربینو کی تھی۔ شہر میں موجود چند بگھیوں میں یہ واضح طور پر علاحدہ نظر آتی تھی۔ اس کی چمڑے کی چھت ہمیشہ پالش شدہ رہتی تھی، اس کا باقی ساز و سامان کانسی کا تھا، جسے نمکیات کے اثر سے گل سڑ جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا، اور اس کے پہیوں اور پول کو وی آنا کے اوپیرا کی طربیہ راتوں کی طرح سرخ رنگ سے سجایا ہوا تھا۔ مزید برآں اگر بہت سے خاندان صرف اس بات پر ہی مطمئن ہو جاتے تھے کہ ان کے ڈرائیوروں نے صاف کپڑے پہن رکھے ہیں، اس کا پھر بھی اپنے کوچوان سے تقاضا ہوتا تھا کہ وہ اڑی رنگت کی مخملیں وردی اور کسی سرکس کے رنگ ماسٹر کی طرز کا ہیٹ پہنے، اس سے وقت کے مروجہ دستور سے انحراف سے زیادہ کریبئین گرمی کے سخت ترین دنوں میں اپنی رعونت کا اظہار مقصود تھا۔

شہر سے اپنے جنون کی حد تک لگاؤ اور اس کے بارے میں کسی بھی اور کی نسبت زیادہ جاننے کے باوجود اس اتوار کے سوا اس سے پہلے اس پرشور غلام بستی میں جانے کی جسارت کرنے کی کوئی اور وجہ اس کے پاس نہ ہو سکتی تھی۔ مطلوبہ گھر کو ڈھونڈنے کے لیے کوچوان کو کئی بار مڑنا اور راستہ پوچھنے کے لیے رکنا پڑا۔ جب وہ دلدلی علاقے کے پاس سے گزرے تو ڈاکٹر اربینو نے فضا کے بوجھل پن یہاں کے منحوس سکوت دم گھٹنے والی گیسوں کو ایک بار پھر اسی طرح محسوس کیا جب اس کی بہت سی بے خواب صبحوں میں یہ سب اس کے صحن میں چنبیلی کی خوشبو سے مل کر اس کی خواب گاہ میں در آتی تھیں، اور جو اسے قریب سے گزرتی ہوئی گزرے کل کی ہوا کی طرح لگتیں؛ جس کا اس کی موجودہ زندگی سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن جب اس کی بگھی دلدلی گلیوں میں، جہاں مذبح خانے کے باہر شکرے بچی کچھی اوجھڑیوں پر آپس میں لڑ رہے تھے لڑکھڑاتی ہوئی گزرنے لگی تو یاد کی تکرار سے، اس کے ذہن میں مجسم یہ وبا ایک ناقابل برداشت حقیقت کے طور پر ابھر آئی۔ طبقہ امرا کے علاقے میں پتھر سے بنے ہوئے مکانوں کے برعکس یہاں مکان کھپروں کی طرح رکھے ہوئے تختوں اور زنک کی چھتوں پر مشتمل تھے اور ان میں سے بیشتر کے آگے مختلف چیزوں کے ڈھیر لگا کر ہسپانیویوں کے وقت کے بنے ہوئے کھلی بدرؤں سے بہتے ہوئے پانی کو روکنے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ یہاں ہر شے برباد اور بدنصیب نظر آ رہی تھی، مگر غلیظ شراب خانوں سے بدمست موسیقی کی آواز ہر طرف یوں گونج رہی تھی جیسے یہ غریبوں کی مدہوش بے خدا عبادت کا جشن ہو۔ چیتھڑوں میں ملبوس بچوں کے بہت سے گروہ ان کی بگھی کا پیچھا کرنے لگے تھے اور کوچوان کی سرکس والوں کی طرح زیبائش کا مذاق اڑانے لگے تھے۔ کوچوان کو اپنے چابک کی مدد سے انھیں دور ہٹانا پڑ رہا تھا۔ ڈاکٹر اربینو نے خود کو اس خفیہ ملاقات کے لیے تیار کیا۔ بہت دیر بعد اسے احساس ہوا کہ بڑھاپے کی سادہ لوحی سے بڑھ کر کوئی اور معصومیت زیادہ خطرناک نہیں ہے۔

گھر پر کوئی نمبر نہیں لکھا ہوا تھا۔ اس کا بیرونی حصہ جھالردار پردوں والی کھڑکی اور کسی چرچ سے لیے ہوئے بھاری دروازے کے سوا اپنے کم نصیب ہمسائیوں کے گھروں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا۔

کوچوان نے دروازے پر دستک دی اور جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ صحیح گھر پہنچ گئے ہیں، اس نے ڈاکٹر کی مدد کر کے اسے بگھی سے اتارا۔ دروازہ بغیر کسی کھٹکے کے کھل گیا اور اس کے نیم تاریک اندرونی حصے میں سیاہ لباس میں ملبوس ایک پختہ عمر عورت نمودار ہوئی۔ اس کے کان کے پیچھے ایک سرخ گلاب اڑسا ہوا تھا۔ اپنی عمر کے باوجود، جو چالیس سال سے کسی طرح بھی کم نہ تھی وہ بے رحم شرقی

آنکھوں والی نخوت بھری عورت تھی۔ اس کے سنہرے بال اس طرح سختی سے سر سے بندھے ہوئے تھے جیسے اس نے کوئی آہنی خول پہن رکھا ہو۔ ڈاکٹر اربینوا سے پہچان نہیں سکا۔ اگرچہ اس نے کئی بار فوٹو گرافر کے سٹوڈیو میں شطرنج کھیلتے ہوئے' بے رونق لمحوں میں اسے دیکھا تھا اور ایک بار، اسے باری کے بخار کے علاج کے لیے نسخہ بھی تجویز کر کے دیا تھا۔ ڈاکٹر نے اپنا ہاتھ بڑھایا' جسے اس نے تھام لیا۔ اس کا انداز مصافحے سے زیادہ ڈاکٹر کو اندر آنے میں مدد کرنے کا تھا۔ دیوان خانے میں کسی نظر نہ آنے والے جنگل کی فضا کا سا تاثر تھا۔ یہ فرنیچر اور نفیس نوادرات سے بھرا پڑا تھا۔ ہر شے اپنے اصل مقام پر تھی۔ ڈاکٹر اربینو کے ذہن میں بغیر کسی تلخی کے پیرس میں پچھلی صدی میں خزاں کے موسم کی ایک سوموار میں دیکھی جانے والی قدیمی اشیا کی دکان نمبر ۲۶ روئے مونٹ مارٹرے کا خیال آیا۔ عورت اس کے روبرو بیٹھ گئی اور ہسپانوی لہجے میں اس سے مخاطب ہوئی۔

''ڈاکٹر یہ تمھارا اپنا گھر ہے۔ مجھے تمھارے اس قدر جلد آنے کی امید نہیں تھی۔''

ڈاکٹر اربینو کو یوں محسوس ہو' جیسے اس کا راز افشا ہو گیا ہو۔ اس نے اس کی بے پناہ ماتمی حالت اور اس کے باوقار دکھ کو دیکھا اور پھر وہ جان گیا کہ یہ ایک بے کار ملاقات تھی کیوں کہ وہ جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کے بعد از موت ملنے والے خط میں بیان کی گئی اور وضاحت کی گئی ہر بات کو اس سے کہیں زیادہ بہتر انداز میں جانتی تھی۔ یہ سچ تھا' وہ اس کی موت سے کچھ گھنٹے قبل تک اس کے ساتھ تھی۔ وہی خود سپردگی اور وفاداری لیے جو محبت کے قریب تر تھی' جس کے ساتھ اس نے اس فریب میں آدھی زندگی گزار دی تھی اور اس طرح کہ اس صوبائی صدر مقام، جہاں سرکاری راز تک زبان زد عام تھے' ان کے اس تعلق کا کسی کو علم تک نہیں تھا۔ وہ پورٹ آپرنس کے ایک شفا گھر میں ملے تھے۔ وہ یہاں پیدا ہوئی تھی اور اس نے اپنی ترک الوطنی کے ابتدائی سال وہاں گزارے تھے اور ایک سال بعد وہ اس کے پیچھے یہاں اس لیے آئی کہ اس سے ایک مختصر ملاقات کر سکے۔ حالاں کہ وہ دونوں بغیر کسی بات پر اتفاق کیے' یہ جانتے تھے کہ وہ یہاں ہمیشہ رہنے کے لیے آئی ہے۔ وہ ہفتے میں ایک بار لیبارٹری کی صفائی کرتی اور چیزوں کو ترتیب سے ان کی جگہ رکھتی۔ مگر ان کے کسی بد طینت ترین ہمسائے کو بھی اس ظاہری تعلق کی اصل حقیقت کا گمان تک نہ ہو سکا۔ کیوں کہ باقی سب کی طرح انھوں نے بھی یہ سمجھ رکھا تھا کہ جرمیہ ڈی سینٹ ایمور چلنے سے معذوری کے علاوہ اور بہت سی صفات سے بھی محروم تھا۔ ڈاکٹر اربینو بھی بہت سی ٹھوس طبی وجوہات کی بنا پر ایسا ہی سمجھتا تھا۔ اس خط میں کیے گئے انکشاف سے قبل اس کو اس بات کا مطلق اندازہ نہیں تھا کہ اس

کے دوست کے ایک عورت کے ساتھ تعلقات بھی تھے' کسی بھی حوالے سے اس کے لیے یہ سمجھنا بڑا مشکل تھا کہ دو آزاد انسانوں نے ،جن کا کوئی ماضی نہیں تھا' ایک متعصب اور بند معاشرے کے کناروں پر رہتے ہوئے غیر قانونی محبت کی تکلیفوں کا انتخاب کیا ہو۔ اس عورت نے وضاحت کی ۔'' یہ اس کی خواہش تھی ۔'' مزید برآں اس کے خیال میں ایک ایسے شخص کے ساتھ خفیہ زندگی بسر کرنا' جو مکمل طور پر اس کا اپنا بھی نہیں تھا اور جس میں اکثر اوقات خوشی اچانک وارد ہو جاتی تھی' کوئی ایسی صورت حال نہیں تھی جس کو ناپسند کیا جائے' اس کے برعکس زندگی نے اسے جو کچھ دیا' شاید وہی قابل رشک تھا۔

گذشتہ رات وہ الگ الگ سینما گئے تھے اور ایک دوسرے سے علاحدہ بیٹھے تھے ۔ جب سے اطالوی مہاجر' ڈان گیلیلو ڈیکو نٹے نے سترھویں صدی کے ایک کانونٹ کے کھنڈرات میں اپنا اوپن ایئر سینما شروع کیا ہوا تھا۔ ان دونوں کا یہ معمول تھا کہ وہ مہینے میں دوبار اس طرح سینما دیکھنے آئیں ۔ انھوں نے فلم '' آل از کوائٹ آن دی ویسٹرن فرنٹ'' دیکھی ۔ یہ گذشتہ سال کے مقبول ناول پر بنائی گئی فلم تھی' جو ڈاکٹر اربینو نے پڑھا تھا اور جنگ کے وحشیانہ پن کے بارے میں پڑھ کر ،اس کے دل کی ویرانی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ لیبارٹری میں ملے اور اس نے اسے کڑھتے ہوئے اور ماضی کو یاد کرتے ہوئے پایا۔ اس نے سوچا کہ یہ کیفیت جنگ میں مٹی گارے میں مرتے ہوئے زخمی آدمیوں کو دیکھنے کی وجہ سے ہے۔ اس نے اس کا دھیان فلم سے ہٹانے کے لیے شطرنج کی بازی لگانے کی دعوت دی جو اس نے ،اس کی خوشی کے لیے قبول کر لی۔ اس کے مہرے سفید تھے ۔ وہ بے دھیانی سے کھیلتا رہا' یہاں تک کہ اس کے بجائے اُسے یہ ادراک پہلے ہو گیا کہ اگلی چار چالوں میں اسے مات ہونے والی ہے۔ اس نے بغیر کسی مزاحمت کے ہار مان لی' یہاں ڈاکٹر اربینو نے خیال کیا کہ اپنی آخری بازی میں' جنرل جیرونموار گوٹ کے بجائے وہ اس کی حریف تھی' پہلے اس کو جنرل پر ہی شک تھا۔ وہ حیرانی سے بڑبڑایا۔

'' یہ بہت عمدہ بازی تھی ۔''

عورت نے اصرار کیا کہ وہ کسی تعریف کی مستحق نہیں تھی' بل کہ پہلے ہی سے موت کی دھند میں کھویا ہوا جرمیہ ڈی سینٹ ایمور اپنے مہروں کو بغیر کسی دلچسپی کے چلتا رہا۔ جب پبلک رقص گاہوں سے آنے والی موسیقی کی آواز بند ہو گئی تو اس نے تقریباً سوا گیارہ بجے شطرنج کھیلنا بند کر دیا۔ اس نے اسے کہا کہ وہ چلی جائے ۔ وہ ڈاکٹر جووینل کو ایک خط لکھنا چاہتا تھا' جسے وہ اپنے آج تک ملنے والوں میں سب سے زیادہ قابل احترام سمجھتا تھا اور جسے وہ اپنا روحانی دوست کہتا تھا۔ حالاں کہ ان دونوں میں واحد قدر

مشترک،شطرنج سے ان کا جنون کی حد تک لگاؤ تھا، جسے وہ سائنس سے زیادہ منطق کا مکالمہ سمجھتے تھے اور تب اسے علم ہو گیا کہ جرمیہ ڈی سینٹ ایمور پھر اپنے دکھ تکلیفوں کے خاتمے کے قریب آ گیا ہے، اور اس کے پاس محض اتنی زندگی باقی بچی تھی کہ وہ اس خط کو لکھ سکے۔ڈاکٹر کو اس بات پر یقین نہ آیا۔

''تو تم جانتی تھیں' وہ چیخا۔

وہ نہ صرف جانتی تھی'اس نے اقرار کیا'بل کہ اس نے اس کو اس تکلیف جھیلنے میں بھی اسی طرح مدد کی، جس طرح وہ مسرت کو تلاش کرنے میں اس کی مدد کرتی آئی تھی۔اس کی زندگی کے آخری گیارہ مہینے'انھی سفاک دکھوں کو جھیلتے ہوئے گزرے تھے۔

تمھارا فرض تھا کہ تم اس کی اطلاع کرتیں۔''ڈاکٹر نے کہا۔

''میں ایسا نہیں کر سکتی تھی۔'اس کی صدمے میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔''مجھے اس سے بے پناہ محبت تھی۔ڈاکٹر اربینو جس کا خیال تھا کہ وہ ہر بات سن چکا ہے'اس نے ایسا،اس سے پہلے کبھی نہ سنا تھا'اور یہ سب کچھ کس قدر رسادگی سے کہا گیا تھا۔اس نے براہ راست اس کو دیکھا اور اپنی پوری حسیات کے ساتھ کوشش کی کہ وہ اس لمحے،اس کے روپ کو اپنے حافظے میں نقش کر لے۔اپنی ناگن آنکھوں اور کانوں کے پیچھے سرخ گلاب کے ساتھ'سیاہ لبادے میں ملبوس،اس بے باک خاتون کو دیکھ کر،کسی دریا کا خیال ابھرتا تھا۔بہت عرصہ پہلے'ہیٹی کے ایک ویران ساحل پر، جہاں وہ محبت کرنے کے بعد برہنہ لیٹے ہوئے تھے'جرمیہ ڈی سینٹ ایمور نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا تھا۔''میں کبھی بوڑھا نہیں ہوں گا۔''اس نے جانا کہ یہ اس کا وقت کے تھپیڑوں کے خلاف بہادرانہ جدوجہد کا عزم ہے۔مگر وہ اپنی سوچ میں زیادہ واضح تھا۔اس نے ساٹھ سال کی عمر میں خود اپنی جان لینے کا ناقابل تنسیخ فیصلہ کر لیا۔

درحقیقت'وہ اس سال جنوری کی تئیس تاریخ کو ساٹھ سال کا ہو گیا تھا اور پھر اس نے روح القدس کو نیاز چڑھانے والے دن'پینٹی کوسٹ کی تعطیل سے ایک رات قبل کی تاریخ مقرر کر لی۔گذشتہ شب کی کوئی ایک بھی تفصیل ایسی نہ تھی جس کا اسے پہلے سے علم نہیں تھا اور ان واپس نہ آنے والے گزرتے دنوں میں'جنھیں ان دونوں میں سے کوئی بھی نہ روک سکتا تھا'ان میں دکھ جھیلتے اکثر انھوں نے اس بارے میں ایک دوسرے سے بات کی تھی۔جرمیہ ڈی سینٹ ایمور زندگی کے ساتھ ایک بے حس جذبے کے ساتھ محبت کرتا تھا۔اسے سمندر'سے محبت تھی'وہ اس سے اور اپنے کتے سے محبت کرتا تھا'جوں

جوں یہ تاریخ نزدیک آتی گئی' وہ دھیرے دھیرے مایوسی سے مغلوب ہوتا گیا' یوں کہ جیسے مرنے کا یہ فیصلہ اس کا اپنا نہیں تھا بلکہ یہ اس کا بے رحم مقدر تھا۔

''گذشتہ شب جب میں اسے وہاں چھوڑ کر آئی' تو وہ اس دنیا کا باسی نہیں لگ رہا تھا'' اس نے کہا۔

وہ کتے کو اپنے ہمراہ لے جانا چاہتی تھی مگر اس نے بیسا کھیوں کے قریب اونگھتے ہوئے کتے کو دیکھا اور اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کے جسم پر پیار کرنے لگا۔ اس نے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے' مگر مسٹر ووڈ رو ولسن میرے ساتھ آرہے ہیں۔'' جب وہ لکھ رہا تھا تو اس نے اس سے کہا کہ وہ کتے کو چارپائی کے ساتھ باندھ دے۔ اس نے ایسا کرتے ہوئے ایک جھوٹ موٹ کی گانٹھ لگا دی تاکہ کتا اپنے آپ کو آزاد کرا سکے۔ یہ اس کی واحد بے وفائی تھی اور اس کے پیچھے بھی اس کی یہی تمنا تھی کہ وہ اپنے مالک کے کتے کی سرد آنکھوں میں، اس کی یاد کو تازہ رکھ سکے۔ مگر ڈاکٹر اربینو نے یہ کہتے ہوئے اس کے بیان میں مداخلت کی کہ کتے نے اپنے آپ کو آزاد نہیں کروایا تھا۔ اس نے کہا۔ ''پھر یہ ہے کہ اس نے ایسا چاہا ہی نہ ہوگا۔'' وہ اس پر خوش ہوئی' کیوں کہ وہ اپنے مردہ محبوب کو اسی طرح یاد کرنا زیادہ پسند کرتی تھی جیسا کہ اس نے شب رفتہ اسے کہا تھا۔ جب اس نے پہلے سے شروع کیے ہوئے خط کو لکھنا بند کیا اور آخری بار اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے ایک گلاب کے ساتھ یاد کرنا۔''

وہ نصف شب گزرنے کے کچھ دیر بعد گھر لوٹ آئی تھی۔ وہ اپنے پورے لباس میں ملبوس بستر پر لیٹ کر' ایک کے بعد دوسرا سگریٹ پیتی رہی اور وہ اس وقت کے بارے میں اندازہ لگاتی رہی جو اس کے خیال میں اس طویل اور مشکل خط لکھنے میں اس نے لگایا ہوگا اور تین بجنے سے ذرا پہلے' اس نے سٹوو پر کافی کے لیے پانی رکھا' مکمل ماتمی لباس پہنا' اور صحن میں صبح کا پہلا گلاب توڑا۔ ڈاکٹر اربینو پہلے ہی سوچ چکا تھا کہ وہ کس طرح اس لاوارث عورت کی یاد کو مکمل طور پر کھرچ دے گا۔ اس نے سوچا کہ اس کی وجہ موجود ہے: صرف وہی شخص جس کے کوئی اصول نہ ہوں' دکھ کو اتنی آسانی سے جھیل سکتا ہے۔

اور اس کی بقیہ ملاقات میں اس نے اسے کچھ مزید جواز فراہم کیے۔ وہ جنازے میں شریک نہیں ہوگی' کیوں کہ اس نے اپنے محبوب سے یہی وعدہ کیا تھا۔ ڈاکٹر اربینو کا خیال تھا کہ اس نے خط کے ایک پیراگراف کو اس کے بالکل برعکس پڑھا تھا۔ وہ ایک بھی آنسو نہیں بہائے گی۔ وہ اپنی زندگی کے باقی

سال یاد کے وہم میں جلتے ہوئے ضائع نہیں کرے گی۔ وہ اس چار دیواری میں اسیر ہو کر اپنا کفن نہیں سیے گی' جیسا کہ وہاں کی مقامی بیواؤں سے توقع کی جاتی تھی۔ اس نے جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کے مکان اور اس کی ساری اشیا کو فروخت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا' جو، اب اس خط کے مطابق اس کی ملکیت تھیں اور وہ اسی طرح غریبوں کی موت کے اس جال میں' جہاں وہ خوش تھی، زندگی بسر کرتی رہے گی۔

یہ غریبوں کی موت کا جال' بگھی میں بیٹھے اپنے گھر واپس جاتے ہوئے یہ الفاظ اس کا پیچھا کرتے رہے' یہ تذکرہ بلا سبب نہیں تھا کہ اس لیے یہ شہر' اس کا شہر' وقت کے کناروں پر ساکت کھڑا تھا۔ وہی گرمی سے جھلستا ہوا خشک شہر' اس کی رات کی وحشتیں اور بلوغت کی تنہا خوشیاں۔ جہاں پھول مرجھا جاتے تھے اور لذتیں فنا ہو جاتی تھیں۔ جہاں پچھلی چار صدیوں سے مرجھائے ہوئے لارل کے پودوں اور متعفن دلدلی علاقوں میں' وقت کے دھیمے رفتار سے گزرنے کے علاوہ کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ سردیوں میں یہاں اچانک برسنے والی موسلا دھار بارشوں سے بیت الخلا ابل پڑتے اور گلیاں متعفن دلدلی علاقے میں تبدیل ہو جاتیں۔ گرمیوں میں سرخ گرم چاک کی طرح نظر نہ آنے والی گرم خاک اڑتی' اس کے تصور کے محفوظ ترین علاقوں میں بھی خاک آلود پاگل ہوا چلتی' مکانوں کی چھتیں اڑا دیتی اور بچوں کو دور دور تک اڑا کر لے جاتی' ہفتہ کے دنوں میں غریب مخلوط النسل لوگ اپنے پالتو جانوروں اور کھانے پینے کے برتنوں کے ساتھ' شور مچاتے ہوئے اپنے کارڈ اور ٹن سے بنے ہوئے چھپر دلدلی علاقے کے کناروں پر چھوڑتے اور اس نوآبادیاتی ضلع کی پتھریلی چٹانوں والے ساحلوں پر جشن منانے آ دھمکتے۔ ابھی چند برسوں پہلے تک' ان میں سے کچھ بوڑھوں کے جسموں پر شاہی غلامی کے نشان نظر آتے تھے یہ نشان ان کی چھاتیوں پر دہکتی ہوئی سلاخوں کے ساتھ داغے گئے تھے۔ ویک اینڈ کے دوران میں' وہ بلا تکان ناچتے' گھر کی بنی ہوئی شراب بے حساب پیتے۔ جنگلی پودوں میں بے لگام مباشرت کرتے اور اتوار کی نصف شب کو یہ سب کچھ ختم کرنے کے بعد ہر کوئی اپنی راہ لیتا۔ ہفتے کے باقی دنوں میں یہی پر جوش لوگ پلازوں اور پرانے قریبی علاقوں کی تنگ گلیوں میں اپنے اسباب کے ساتھ نظر آنے لگتے' ان کے اسباب میں ہر وہ چیز شامل ہوتی جو خریدی یا فروخت کی جا سکتی اور یہ لوگ بھنی ہوئی مچھلی سے خارج ہوتے ہوئے دھوئیں کی طرح اس مردہ شہر میں انسانی موجودگی کا احساس دلاتے۔ یہ ایک نئی زندگی کا آغاز تھا۔ سپین سے آزادی اور غلامی کے خاتمے نے اس مٹتی ہوئی اشرافیہ کے حالات میں مزید ابتری پیدا کر دی تھی، جس میں ڈاکٹر جووینل اربینو پیدا ہوا اور پروان چڑھا' پرانے عظیم خاندان

اپنے محلوں کے کھنڈرات میں خاموشی کے ساتھ فنا ہو گئے۔ ان پتھریلی گلیوں کے قریب، جو اچانک حملوں اور بحری قزاقوں کے آنے کی صورت میں ان کے بہت کام آتی تھیں، بہترین حالت میں رکھی ہوئی حویلیوں کی بالکنیوں سے بھی جنگلی گھاس پھونس لٹکتی نظر آتی اور ان کی سفیدی کی ہوئی دیواروں میں پڑے ہوئے شگاف دکھائی دیتے۔ ان علاقوں میں زندگی کے واحد آثار سہ پہر دو بجے کے قریب قیلولہ کے وقت مدھم روشنیوں میں پیانو کی مشق کرتی مضمحل آوازیں تھیں۔ گھروں کے اندر غصے میں بھری ٹھنڈی خوابگاہوں میں عورتیں اپنے آپ کو سورج سے یوں بچاتیں جیسے یہ کوئی شرمناک بیماری ہو اور یہاں تک کہ صبح کی دعا کے دوران میں بھی وہ اپنے چہروں کو نقاب سے چھپائے رکھتے۔ ان کے معاشقے اکثر سست رو اور پیچیدہ ہوتے اور کوئی بھی بدشگونی ان میں رخنہ ڈال سکتی تھی اور یوں لگتا جیسے زندگی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ مگر رات پڑتے ہی جھٹ پٹے کے وقت میں دلدلی علاقوں سے آدم خور مچھروں کا ایک سیلاب امڈ آتا، اور اطراف سے آتی ہوئی انسانی فضلے کی گرم اور اداس بو، ان کی روح کی گہرائیوں میں موت کے یقینی ہونے کا احساس جگا دیتی۔

اور یوں پیرس میں اپنے قیام کے افسردہ دنوں میں، نوجوان جووینل اربینو کے تصور میں اس نوآبادیاتی شہر کا، جو خوش کن تصویر ابھرتا، وہ یادوں کا ایک دھوکا تھا۔ اٹھارویں صدی امریکہ میں افریقی غلاموں کی سب سے بڑی منڈی ہونے کے سبب یہ پورے کریبئن علاقے میں سب سے زیادہ خوش حال شہر تھا۔ یہ غرناطہ کی نئی بادشاہت کے وائسرایوں کی مستقل اقامت گاہ بھی تھا۔ وہ دور دراز زمستانی دارالخلافے جہاں صدیوں سے برستی ہوئی بارش کے بجائے، جو ان کے ادراک حقیقت کے احساس کو کند کر دیتی تھی، یہاں دنیا کے ان سمندری ساحلوں پر بیٹھ کر حکومت کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ سال میں کئی بار پوٹوسی، کوئیٹو اور ویرا کروز کے خزانوں سے بھرے ہوئے بحری جہازوں کے بیڑے خلیج میں آتے۔ شہر اپنی عظمت کے دور سے گزر رہا تھا۔ ۸ جون ۱۷۰۸ء جمعہ کے روز سہ پہر چار بجے بحری جہاز "سان جوزے" کا دیز کے لیے روانہ ہوا۔ اس میں اس وقت کی کرنسی کے مطابق پانچ ارب پیسو کے بیش قیمت پتھر اور دھاتیں تھیں۔ بندرگاہ میں داخل ہونے سے قبل اسے ایک انگریزی سکواڈرن نے ڈبو دیا۔ دو صدیاں گزرنے کے بعد بھی اس جہاز کو باہر نہیں نکالا جا سکا۔ مونگوں پر پڑے ہوئے اس خزانے اور پل کے اطراف میں تیرتی ہوئی کمانڈر کی لاش، مورخوں کی نظر میں، یادوں میں غرقاب ہوئے شہر کی علامت تھی۔

خلیج کے کنارے پر، لا مانگا کے رہائشی علاقے میں ڈاکٹر جووینل اربینو کا گھر کسی اور وقت میں

ایستادہ تھا۔ایک منزلہ' وسیع اور ٹھنڈا'اس کے بیرونی چبوترے پر ایک دیہاتی طرز کے ستونوں والا سائبان تھا۔اس کے سامنے کا منظر بدبودار پانی اور خلیج میں غرق جہازوں کے ملبے پر مشتمل تھا۔ بیرونی دروازے سے لے کر باورچی خانے تک' فرش سیاہ اور سفید' شطرنجی طرز کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔اس کا تعلق اکثر ڈاکٹر اربینو کے شطرنج کے شوق سے جوڑا جاتا، بنا اس بات کو خاطر میں لائے کہ یہ اس صدی کے آغاز پر نودولتیوں کے لیے اس علاقے کو تعمیر کرنے والے کیٹالونین کاریگروں کی ایک عمومی کمزوری تھی ۔وسیع دیوان خانہ کی چھت بہت اونچی تھی اور باقی گھر بھی ایسا ہی تھا'اس کی چھ بڑی کھڑکیاں تھیں جو گلی کی طرف کھلتی تھیں اور اس کو کھانے کے کمرے سے ایک بڑا' منقش شیشے کا دروازہ علاحدہ کرتا تھا، جس پر انگوری بیلوں کے گچھوں اور مسحور ہوتی دوشیزاؤں کا منظر اتارا گیا تھا۔ڈرائنگ روم میں دیوار پر لگے گھڑیال سمیت، جو کسی زندہ چوکیدار کی طرح ایستادہ تھا' سارا سامان آرائش انیسویں صدی کے اواخر کی انگریزی چیزوں پر مشتمل تھا اور دیواروں کے ساتھ معلق لیمپ آنسو نما کرسٹل سے بنے ہوئے تھے۔ ہر طرف فرانسیسی برتن اور پیالیاں اور سفید سنگ مرمر جیسے پتھروں پر نقش کی ہوئی مظاہر پرست لوگوں کی لوک گیتوں کی کچھ مصور کہانیاں تھیں ۔لیکن باقی گھر میں یہ یورپی ربط ناپید تھا، جہاں بید کی آرام کرسیاں' وی آنا کے بنے جھولنوں اور مقامی کاریگروں کے بنائے ہوئے چمڑے کے پائیدان' سب آپس میں گڈمڈ پڑے تھے ۔سان جیکنٹو سے لایا ہوا رنگ برنگی جھالروں اور ریشمی دھاگے سے گوتھک حروف میں لکھے ہوئے اپنے مالک کے نام والا شان دار جھولنا، دوسرے بستروں کے ساتھ خواب گاہوں میں لٹک رہا ہوتا' طعام گاہ کے ساتھ والی جگہ، جو درحقیقت بڑے عشائیوں کے لیے مخصوص تھی اب موسیقی کی ان مخصوص محفلوں کے لیے استعمال ہوتی تھی جب مشہور موسیقار اس شہر میں آتے۔ خامشی کو مزید گہرا کرنے کے لیے ٹائلوں کو پیرس میں ہونے والے عالمی میلے سے خریدے گئے ترکی نمدوں سے ڈھک دیا گیا تھا۔سٹینڈ کے ساتھ مونوگراف کا جدید ترین ماڈل ایستادہ تھا، جس پر بڑے سلیقے سے ریکارڈ ترتیب دیے ہوئے تھے اور ایک کونے میں منیلا کی چادر تلے ڈھکا پیانو تھا، جسے ڈاکٹر اربینو نے برسوں سے نہیں بجایا تھا۔ پورے گھر میں ایک ایسی عورت کے سلیقے اور نگرانی کا احساس ہوتا جس کے قدم زمین پر مضبوطی سے جمے ہوئے تھے۔

لیکن کوئی اور کمرہ لائبریری جیسا پروقار نہیں تھا۔اپنی عمر کے اس حصے تک پہنچنے تلک یہ جگہ ڈاکٹر کے لیے انتہائی تقدیس کی حامل رہی تھی۔ یہاں اپنے باپ کے اخروٹی لکڑی کے ڈیسک اور چمڑے کی

آرام کرسیوں کے گرد' اس نے ساری دیواروں، حتیٰ کہ کھڑکیوں تک میں شیشے کے دروازوں والی شیلفیں بنوائیں اورانھیں ایک جیسی کھال میں جلد کی گئی تقریباً تین ہزار کتابوں سے' جن کی پشت پر اس نے سنہری روشنائی سے دستخط کیے ہوئے تھے' بھر دیا۔ دوسرے کمروں کے برعکس جہاں بندرگاہ سے چلنے والی متعفن ہواؤں اور شور کا سامنا تھا' لائبریری ایک خانقاہ کے سے سکون اور مہک سے معمور رہتی۔ کریبین کے توہمات کے ماحول میں پلے بڑھے ڈاکٹر اربینو اور اس کی بیوی یہ سمجھتے تھے کہ کھلے دروازوں اور کھڑکیوں سے ٹھنڈک اندر آتی ہے۔ مگر یہاں ایسا نہیں تھا اور اس وجہ سے انھیں اس بند گھر میں دم گھٹتا محسوس ہوتا تھا۔ مگر بعد ازاں گرمی سے بچنے کے لیے انھیں اس رومی حکمت عملی' کا قائل ہونا پڑا جس کے مطابق اگست کی کاہلی کے دنوں میں گلی سے آتی ہوئی گرم ہوا سے بچنے کے لیے گھر کو بند رکھا جاتا اور رات پڑتے ہی انھیں مکمل طور پر کھول دیا جاتا کہ ٹھنڈی ہوائیں اندر آسکیں اور اس وقت سے لے کر اب تک' لا منگا کے آگ برساتے سورج کے نیچے' ان کا گھر سب سے زیادہ ٹھنڈا ہوتا تھا اور اس کی اندھیری خواب گاہوں میں قیلولہ کرنا' سہ پہر کو پورٹیکو میں نیو اورلیز سے آتے ہوئے بھاری بھرکم' مٹیالے' مال و اسباب لانے والے بحری جہازوں کو گزرتے دیکھنا اور شام ڈھلے دریائی کشتیوں کے روشن چپوؤں کو دیکھنا' جو خلیج میں ٹھہری، غلاظت کو چھپ چھپ کرتے اپنے پیچھے چھوڑی ہوئی پانی کی لکیر سے مصفا کر رہے ہوتے، ایک دل پذیر منظر تھا۔ یہ دسمبر سے مارچ تک کے مہینوں میں بھی محفوظ ترین جگہ تھی۔ اس وقت ان مہینوں میں شمال سے چلنے والی تیز ہوائیں گھروں کی چھتوں تک اڑا دیتی تھیں اور رات کو یوں اڑتیں جیسے بھوکے بھیڑیے کسی شکار کی تلاش میں سرگرداں ہوں کہ دیکھتے ہی اس میں گھس جائیں۔ کسی کے ذہن میں بھی یہ گماں نہ گزر سکتا تھا کہ جس ازدواجی تعلق کی بنیاد ایسی مضبوط بنیادوں پر استوار ہوں' اس میں ناخوشی کا کوئی گزر ہو سکتا ہے۔

اس صبح دس بجے سے قبل ڈاکٹر اربینو جب گھر پہنچا تو کسی بھی اعتبار سے وہ پہلے کی طرح کا نہیں رہا تھا۔ ان دونوں ملاقاتوں سے وہ ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ ان کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ پینٹی کوسٹ کی عشائے ربانی میں بھی شامل نہ ہو سکا تھا بلکہ اسے یہ فکر بھی دامن گیر تھی کہ عمر کے اس حصے میں جب ہر چیز مکمل لگتی ہے، اس میں تغیر رونما ہو رہا تھا۔ اس نے چاہا کہ لیسی ڈس اولیویلا کے پر تکلف ظہرانے پر جانے سے قبل تھوڑا سا ستا لے' مگر اس کے اردگرد نوکر شور مچاتے ہوئے اس طوطے کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے جسے جب انھوں نے اس کے پر کاٹنے کے لیے پنجرے سے نکالا، تو وہ آم کے درخت کی

سب سے اونچی شاخ پر جا بیٹھا تھا۔ وہ ایک بے بال و پر کیا ہوا جنونی طوطا تھا' جو اس وقت بالکل نہیں بولتا جب اسے کہا جائے اور عین اس وقت جب اس سے بالکل توقع نہ کی جا رہی ہو بولنا شروع کر دیتا تھا اور اس وقت وہ اتنی واضح اور دانائی کی باتیں کرتا جو عام لوگوں میں بھی بہت کم پائی جاتی تھیں۔ اس کی تربیت خود ڈاکٹر اربینو نے کی تھی۔ اس وجہ سے اسے ایسی مراعات ملی ہوئی تھیں جو ان کے خاندان تک میں کبھی کسی اور کو میسر نہیں رہی تھیں' یہاں تک کہ اس کے بچوں کو بھی' جب وہ ابھی چھوٹے تھے۔

وہ بیس برس سے ان کے گھر میں تھا اور کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ اس سے پہلے اس کی عمر کیا تھی۔

ہر سہ پہر قیلولے کے بعد ڈاکٹر اربینو طوطے کو لے کر صحن میں بنے چبوترے پر بیٹھ جاتا۔ یہ گھر کا ٹھنڈا ترین حصہ تھا۔ اس نے انتہائی جذبے اور شوق سے اس کو تعلیم دی یہاں تک کہ اس کی فرانسیسی پر دسترس عالمانہ معیار تک پہنچ گئی۔ پھر یوں ہی اپنی محنت کی عادت کی بنا پر، اس نے اسے عشائے ربانی کے لاطینی لوازمات اور سینٹ میتھیو کی بائبل کے منتخب حصے سکھائے۔ اس کے بعد اس نے اسے چار کے عملی حسابی قاعدے سکھانے کی ناکام کوشش کی۔ اپنی آخری یورپی یاتراؤں میں سے ایک سے واپسی پر، وہ ٹرمپٹ سپیکر والا پہلا فونوگراف اپنے ہمراہ لایا۔ اس کے علاوہ، وہ بہت سے جدید مقبول عام کیسٹ اور اپنے محبوب موسیقاروں کے کلاسیک ریکارڈ بھی ساتھ لایا۔ کئی مہینوں تک' ہر روز یویٹ گلبرٹ اور ارسٹائیڈ برانٹ کے، جنھوں نے گذشتہ صدی میں پورے فرانس کو سحر کر رکھا تھا' گیت گاتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ طوطے کو از بر ہو گئے۔ اگر یہ عورت کی زبانی ہوتے تو وہ یہ گیت نسوانی آواز میں گاتا' اگر مرد کی عکاسی کر رہے ہوتے' تو انھیں مردانہ آواز میں گاتا اور انھیں ایک بدتہذیب قہقہے کے ساتھ ختم کرتا۔ یہ ان خادماؤں کے ہنسنے کی ماہرانہ نقالی تھی، جو اس کی فرانسیسی میں گانے سن کر ہنستی تھیں۔ اس کی ان خوبیوں کی شہرت اس قدر زیادہ پھیل چکی تھی کہ بعض موقعوں پر اندرونی علاقے سے کشتیوں پر آنے والے بعض معزز مسافر اسے دیکھنے کی اجازت کے طلب گار ہوتے اور ایک بار نیو اورلینز سے کیلے کی کشتیوں والے بہت سے انگریز سیاح اسے منہ مانگی قیمت پر خریدنے کے لیے کمر بستہ ہو گئے تھے۔ مگر اس طوطے کی عظمت کی معراج وہ دن تھا، جب جمہوریہ کے صدر ڈان مارکو فیڈل سواریز اپنی کابینہ کے وزیروں کے ہمراہ اس گھر میں طوطے کی شہرت کی تصدیق کرنے کے لیے تشریف لائے۔ وہ سہ پہر تین بجے یہاں پہنچے۔ اگست کے آگ اگلتے سورج کے تلے' انھوں نے ان سہ روزہ سرکاری تقریبات کے لیے گھیرے دار کوٹ اور ہیٹ پہن رکھے تھے، جن سے ان کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ مگر وہ اسی طرح تشنہ کام واپس گئے جس

طرح وہ آئے تھے کیوں کہ ڈاکٹر کی منت، دھمکیوں اور سرِعام جگ ہنسائی کو نظرانداز کرتے ہوئے اس نے دو گھنٹے کی سرتوڑ کوشش کے باوجود ایک لفظ بھی بولنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ ڈاکٹر ہی تھا، جس نے اپنی بیوی کے خبردار کرنے کے باوجود ضد کر کے اس احمقانہ دعوت پر اصرار کیا تھا۔

یہ حقیقت کہ نافرمانی کے اس تاریخی فعل کے باوجود، اس کے مخصوص استحقاق برقرار رہے، جو اس کے مقدس حقوق کا حتمی ثبوت تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور جانور کے گھر میں رکھے جانے کی اجازت نہیں تھی، ماسوا اس کچھوے کے، جو تین یا چار سالوں بعد باورچی خانے میں دوبارہ ظاہر ہو گیا تھا، جب کہ ہر شخص یہ باور کر چکا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے کھو چکا ہے۔ بہرحال اسے کوئی زندہ شے نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ خوش بختی کی ایسی علامت، جس کے مقام کے تعین کے بارے میں کوئی بھی یقین سے نہیں بتا سکتا تھا۔ ڈاکٹر اربینو جانوروں سے اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہوئے ہچکچاتا نہیں تھا، اس کے لیے وہ بہت سی سائنسی ایجادات اور فلسفیانہ جوازوں کا سہارا لیتا تھا، جس سے سوائے اس کی بیوی کے اکثر لوگ متاثر ہو جاتے۔ وہ کہتا تھا کہ جو لوگ ان سے بہت زیادہ پیار کرتے ہیں وہ انسانوں پر بے پناہ ظلم کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ اِس کا کہنا تھا کہ کتے وفادار نہیں بلکہ چاپلوس ہوتے ہیں، بلیاں موقع پرست اور دھوکے باز ہوتی ہیں۔ مور موت کے نقیب ہوتے ہیں۔ مکاؤ طوطے محض ایسی آرائش کے لیے ہوتے ہیں جسے دیکھ کر بیزاری ہوتی ہے۔ خرگوش حرص کو بڑھاوا دیتے ہیں، بندر نفس کو ہوا دیتے ہیں اور یہ کہ مرغ اس لیے منحوس ہیں کیوں کہ وہ مسیح کے تین بار انکاروں میں شریک رہے تھے۔

دوسری طرف اس کی بیوی فرمینا دازا، جو اس وقت بہتر برس کی تھی اور اپنی جوانی کی غزالی چال سے محروم ہو چکی تھی، منطقہ حارہ کے پھولوں اور پالتو جانوروں کی غیر معقول حد تک عاشق تھی، اور اپنی شادی کے اولین دنوں میں نئی محبت کے اصرار کا سہارا لے کر، ان میں سے اتنے سارے جانوروں کو گھر میں رکھ چکی تھی کہ عقل اس کی اجازت نہ دے سکتی تھی۔ پہلے پہل تین ڈالمیشیائی کتے آئے، ان کے نام رومی شہنشاہوں کے نام پر رکھے گئے تھے۔ یہ سب ایک کتیا کی نگاہِ التفات جیتنے کے لیے لڑتے رہتے۔ جس نے اپنے نام مسیالین کی لاج رکھتے ہوئے نو پلّوں کو جنم دینے میں، مزید دس بار حاملہ ہونے کی نسبت زیادہ وقت لیا۔ پھر وہاں ایبے سینیا کی عقاب نما، صحن میں لگے فراعین مصر کے سے انداز والی بلیاں آئیں۔ خمیدہ چشم والی سیامی اور شربتی آنکھوں والی ایرانی بلیاں جو کمروں میں سایوں کی طرح پھرتیں اور اپنی مکروہ غراہٹوں سے رات کا سکون برباد کر دیتیں۔ کئی سالوں تک ایک ایمیزونی بندر جس کی

کمرے اس کوآم کے درخت سے باندھا ہوا تھا، ایک خاص طرح کی ہمدردی کا مظہر بنا رہا' کیوں کہ اس کا چہرہ آرچ بشپ ایڈ ولیورے کی طرح قنوطی تھا اس کی آنکھیں اسی کی طرح کی راست بازا ور اس کے ہاتھ ویسے ہی گداز تھے۔ بہر حال فرمینا کے اس کو نکال باہر کرنے کی یہ وجہ نہ تھی' بل کہ اس کا سبب یہ تھا کہ اسے عورتوں کے سامنے اپنے تلذذ کا مظاہرہ کرنے کی بری عادت تھی۔

گھر میں راہداریوں کے ساتھ لٹکے پنجروں میں ہر قسم کے گونئے مالائی پرندے تھے۔ پیش آگاہ کرنے والی مرغابیاں' دلدل کے علاقوں کے لمبی پیلی ٹانگوں والے بگلے اور ایک نوعمر بارہ سنگھا جو گملوں میں لگے پودوں کو کھانے کھڑکیوں کے راستے اندر آنکلا تھا۔ آخری خانہ جنگی سے کچھ عرصہ قبل جب پہلی بار پوپ کے متوقع دورے کا ذکر زبان زد عام تھا' تو وہ گونئے مالا سے ایک طائر بہشت لے کر آئے۔ مگر یہ جاننے کے بعد کہ پاپائے اعظم کا مجوزہ دورہ سازشی آزاد خیالوں کو متنبہ کرنے کے لیے حکومت کی پھیلائی ہوئی ایک افواہ تھی' اس پرندے کو واپس بھیج دیا گیا۔ اس کے آنے میں جتنی دیر لگی تھی' اس کی واپسی میں اس سے کہیں کم وقت صرف ہوا۔ ایک اور دفعہ انھوں نے کوراکاؤ سے آنے والے سمگلروں کے جہاز پر' چھ پر مہک زاغوں سمیت تیلیوں سے بنا ہوا ایک پنجرہ خریدا۔ یہ بالکل ان پرندوں سے مشابہ تھے جو فرمینا دازا اپنے والد کے گھر میں اپنی دوشیزگی کے ایام میں رکھتی تھی' اور اب جب کہ وہ ایک شادی شدہ عورت تھی' وہ انھیں دوبارہ رکھنا چاہتی تھی' مگر ان کے مسلسل پھڑ پھڑاتے ہوئے پروں سے خارج ہونے والی جنازے کے پھولوں جیسی بو ہر ایک کے لیے ناقابل برداشت ہو گئی۔ وہ ایک سری لنکا کا اژدھا بھی لے کر آئے۔ یہ چار میٹر لمبا تھا۔ اس کی بے خواب کراہیں تاریک خوابگاہوں کے سکوت کو منتشر کر دیتی تھیں۔ تاہم اسے جس کام کے لیے لایا گیا تھا وہ اس نے پورا کیا اور وہ کام اپنی نزعی سانسوں سے برسات کے مہینوں میں گھر میں در آنے والے بے شمار مہلک مکوڑوں' آتشی کیڑوں اور چمگادڑوں کو خوفزدہ کرنا تھا۔ ڈاکٹر جوونیل اربینو' جو اس وقت اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں اور اپنی سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں میں اس قدر منہمک تھا کہ وہ یہی سوچ کر مطمئن رہتا کہ ان بہت سی مکروہ چیزوں کے درمیان اس کی بیوی موجود ہے، جو نہ صرف کریبئن کی حسین ترین عورت تھی بل کہ وہ سب سے زیادہ خوش بھی تھی۔ مگر ایک مینہ برساتی ہوئی سہ پہر کو جب وہ ایک تھکا دینے والا دن گزارنے کے بعد گھر واپس آیا تو وہاں ہونے والی ایک تباہی دیکھ کر اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ ڈرائنگ روم سے باہر اور جہاں تک نظر جاتی تھی' خون میں تیرتی ہوئی مردہ جانوروں کی ایک قطار دکھائی دے رہی تھی۔ خادمائیں حواس

باختہ ہو کر کرسیوں پر چڑھ گئی تھیں اور ابھی تک اس خون خرابے کی دہشت سے بحال نہ ہو پائی تھیں۔
گھر میں رکھے ہوئے ایک جرمن میسٹیف نے ریبیز کے اچانک حملے میں پاگل ہو کر اپنے راستے میں آنے والے ہر جانور کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ آخر کار ہمسایوں کے مالی نے ہمت کی اور اپنے چھرے سے کتے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس نے کتنے جانوروں کا کاٹا تھا اور کتنی چیزوں کو اپنے سبز لعاب سے آلودہ کر دیا تھا۔ چناں چہ ڈاکٹر اربینو نے نوکروں کو حکم دیا کہ وہ بچ جانے والے تمام جانوروں کو مار کر ان کی لاشیں کسی الگ تھلگ مقام پر لے جا کر جلا دیں۔ اس نے میزری کورڈیا ہسپتال کی خدمات حاصل کر کے پورے گھر میں جراثیم کش سپرے کروایا۔ بچ جانے والا واحد جانور ژبڑا سا، من موہنا سا خوش قسمت کچھوا تھا اور یہ اس لیے کہ وہ کسی کو یاد نہیں تھا۔
فرمینا دازا نے پہلی مرتبہ اعتراف کیا کہ اس کا شوہر کسی گھریلو معاملے میں درست تھا، اور اس واقعے کے بہت عرصہ بعد تک اس نے جانوروں کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔ اس نے اپنے شوق کی خاطر نیچرل ہسٹری کے رسالے سے تصویریں لے کر انھیں دیوان خانے کی دیواروں پر لگانا شروع کر دیا اور ہو سکتا تھا کہ بالآخر وہ گھر میں کسی جانور کے دوبارہ دکھائی دینے کے بارے میں مکمل طور پر ناامید ہو جاتی اگر ایک روز صبح سویرے، چور غسل خانے کی کھڑکی توڑ کر اس کے راستے گھر میں نہ گھس آتے، اور خاندان میں پانچ پشتوں سے آنے والے چاندی کے برتن چرا کر نہ لے جاتے۔ ڈاکٹر اربینو نے کھڑکیوں کے چوکھٹوں پر دوہرے حرکی قفل لگوائے، دروازوں کی اندرونی طرف ترچھی سلاخیں لگوا کر انھیں مزید مضبوط کیا، اپنی بیش قیمت اشیا کو ایک آہنی صندوق میں رکھا اور بعد ازاں اس نے جنگ کے زمانے کی اپنی عادت کے مطابق تکیے کے نیچے ریوالور رکھ کر سونے کے معمول کو دوبارہ اختیار کر لیا۔ مگر اس نے کسی خوں خوار کتے کو خریدنے کی مخالفت ہی کی، چاہے اسے حفاظتی ٹیکے لگائے گئے ہوں یا نہ لگائے گئے ہوں، چاہے کھلا پھرے یا اسے زنجیر سے باندھ کر رکھا جائے۔ چاہے چور اس کی ہر شے چرا کر ہی کیوں نہ لے جائیں، وہ کتا خریدنے کا مخالف رہا۔
اس نے کہا۔ "کوئی ایسی چیز جو بات نہ کر سکتی ہو، اس گھر میں نہیں آئے گی۔"
اس نے اپنی بیوی سے بحث ختم کرنے کے لیے یہ کہا تھا، جو دوبارہ ایک کتا خریدنے پر مصر تھی۔ اسے اس سے یہ مطلق اندازہ نہیں تھا کہ اس کی کہی ہوئی اس بات کی وجہ سے اسے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ فرمینا دازا نے، جس کی بے دھڑک شخصیت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ

نرم خو ہو گئی تھی، اپنے شوہر کی لاپرواہی سے کی گئی یہ بات پلے سے باندھے رکھی اور اس نقب زنی کے مہینوں بعد کرا گاؤ سے آنے والے بحری جہازوں پر گئی اور وہاں سے ایک شاہانہ پیرامیری بو طوطا خریدا۔ اسے صرف جہازیوں کی گندی گالیاں یاد تھیں مگر وہ انھیں اس قدر صاف انسانی آواز میں ادا کرتا تھا کہ وہ بارہ سینٹو کی خطیر رقم میں چنداں مہنگا نہیں تھا۔

بظاہر جیسا وہ دکھائی دیتا تھا، اس کے برعکس وہ ایک ہلکا اور نفیس طوطا تھا۔ اس کا سر پیلا اور زبان سیاہ تھی اور صرف اسی سے اس کو اس مینگ رو طوطوں سے ممیز کیا جا سکتا تھا جنھیں ٹر پنٹائن کی بلیاں دینے کے باوجود بولنا نہیں سکھلایا جا سکتا تھا۔ ڈاکٹر اربینو نے، جو خوش دلی سے شکست قبول کر لیتا تھا، اپنی بیوی کی ذہانت کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ اور وہ اس بات پر مزید حیران ہوا کہ وہ خود اس طوطے کی ان پیش قدمیوں سے کس قدر حظ اٹھانے لگا تھا جو وہ خادماؤں کو دیکھ کر پرجوش انداز میں کرتا تھا۔ مینہ برستی سہ پہروں میں، اپنے پروں کے بھیگنے سے ملنے والی مسرت سے اس کی زبان پھسلنے لگتی، وہ کسی اجنبی زمانے کی ایسی کہاوتیں بولتا جو اس گھر میں نہیں سیکھی جا سکتی تھیں اور اس سے انھوں نے یہ سوچا کہ اس کی عمر اس سے کہیں زیادہ ہے جو بظاہر دکھائی دیتی ہے۔ اور ایک رات اس بارے میں ڈاکٹر اربینو کے آخری شکوک بھی ختم ہو گئے جب چوروں نے ایک چاند رات میں روشن دان کے ذریعے داخل ہو کر دوبارہ نقب زنی کی کوشش کی۔ طوطے نے مسٹیف کتوں کی طرح بھونک بھونک کر انھیں شدید خوف زدہ کر دیا اور اس کی یہ آواز اتنی حقیقی تھی کہ شاید اصلی کتوں کی آواز بھی اتنی حقیقی نہ لگتی اور اس نے چور کو روکو، چور کو روکو، کا شور مچا دیا یہ وہ الفاظ تھے جو اس نے اس گھر سے نہ سیکھے تھے۔ تب سے ڈاکٹر اربینو نے طوطے کی ذمہ داری خود سنبھالی اور آم کے درخت کے نیچے طوطے کے لیے ایک مخصوص جگہ بنانے کا حکم دیا۔ جس میں اس کے لیے ایک پانی کا اور دوسرا تازہ کیلوں کا برتن اور قلابازیاں لینے کے لیے ایک جھولا بنوایا۔ دسمبر سے مارچ تک جب راتیں سرد ہوتیں اور شمال سے چلنے والی ہوائیں، کمروں سے باہر رہنے کو ناقابل عمل، بنا دیتی تھیں، سونے کے لیے اسے کمبل سے ڈھکے ہوئے پنجرے سمیت خواب گاہ میں لے آیا جاتا، اگرچہ 'ڈاکٹر اربینو کو خدشہ ہی رہتا کہ اس کے سوجے ہوئے قدیمی غدود انسانی تنفس کے لیے مضر ثابت ہو سکتے ہیں۔ کئی سالوں تک انھوں نے اس کے پر باندھے رکھے اور اسے کسی بوڑھے گھڑسوار کی بے ڈول چال چلتے ہوئے ہر کہیں گھومنے دیا۔ لیکن ایک روز وہ کچن میں پڑی لکڑیوں پر قلابازیاں کرتے ہوئے سٹوو میں گر پڑا اور یوں چیخنے لگا جیسے کوئی ڈوبتا ہوا ملاح ہر کسی کو اپنی مدد کے لیے بلا رہا ہو۔ اس کی خوش قسمتی تھی

کہ باورچی نے کف گیر سے اس کو نکال لیا' کھولتے پانی سے اس کے سارے بال و پر جل چکے تھے' مگر وہ پھر بھی زندہ تھا۔ اس وقت سے' اس بے ہودہ عقیدے کے باوجود بھی کہ پنجرے میں بند طوطے سیکھی ہوئی ہر بات بھول جاتے ہیں، اسے ہر وقت پنجرے میں رکھا جاتا' چاہے یہ دن کا وقت ہی کیوں نہ ہو۔ اور اسے صرف سہ پہر چار بجے کی ٹھنڈک میں ڈاکٹر اربینو کے سبق کے لیے صحن میں بنے چبوترے پر چھوڑا جاتا' کسی کو اس بات کا احساس بھی نہ ہوا کہ اس کے پر بہت بڑھ چکے تھے اور وہ اس صبح انھیں کاٹنے ہی والے تھے کہ وہ ان سے آزاد ہو کر آم کے درخت کی سب سے بلند ٹہنی پر چڑھ گیا۔

تین گھنٹوں سے وہ اسے پکڑنے میں ناکام رہے تھے۔ خادماؤں نے محلے کی دوسری نوکرانیوں سے مل کر اسے نیچے بلانے کے سارے جتن کر ڈالے' مگر وہ اپنی جگہ پر بیٹھے رہنے پر مصر رہا اور جنونی قہقہے لگاتے ہوئے لبرل پارٹی زندہ باد' لبرل پارٹی زندہ باد' لعنت ہو' کے نعرے لگاتا رہا۔ ڈاکٹر اربینو، اسے پتوں کے درمیان بمشکل دیکھ سکتا تھا اور وہ ہسپانوی فرانسیسی حتیٰ کہ لاطینی زبان میں اس کی خوشامد کرتا رہا کہ وہ نیچے اتر آئے۔ طوطا انھی زبانوں میں' آواز میں اسی لہجے اور دباؤ کے ساتھ اسے جواب دیتا رہا مگر وہ درخت کی چوٹی سے ذرا بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے کہ کوئی بھی اسے رضا کارانہ طور پر نیچے نہیں اتار سکے گا' ڈاکٹر اربینو نے انہیں فائر ڈیپارٹمنٹ کے عملے کو' جو اس کی تازہ ترین سماجی مصروفیت بھی تھی' بلانے کے لیے بھیج دیا تھا۔

دراصل اس سے کچھ عرصہ قبل رضا کار ہی' جہاں کہیں سے بھی ممکن ہو، پانی کی بالٹیاں لا کر اور راج مستری کی سیڑھی استعمال کر کے آگ بجھاتے تھے۔ ان کے طریقے اس قدر غیر منظم تھے کہ بعض اوقات وہ خود ہی آگ سے پہنچنے والے نقصان کی نسبت کہیں زیادہ کہیں زیادہ نقصان پہنچا دیتے تھے لیکن گذشتہ سال سے تعمیر عامہ کی ایک انجمن نے، ڈاکٹر جووینل اربینو جس کے اعزازی صدر تھے' پیسے جمع کر کے تربیت یافتہ فائرمینوں کا ایک عملہ تیار کیا تھا، جن کے پاس ایک سائرن اور گھنٹی والا پانی کا ایک ٹرک اور دوہائی پریشر ربڑ کی نالیاں تھیں۔ وہ اتنے مقبول ہوئے کہ جب ان کی کلیسائی گھنٹیاں الارم کے طور پر بجتی تھیں' تو سکولوں میں تعلیم معطل کر دی جاتی تا کہ بچے آگ کے ساتھ ان کی جنگ کا نظارہ کر سکیں۔ لیکن ڈاکٹر اربینو نے بلدیہ کے افسران کو بتا رکھا تھا کہ ہیمبرگ میں اس نے دیکھا کہ فائرمینوں نے تین روزہ برفباری کے طوفان کے بعد ایک تہہ خانے سے ملنے والے منجمد بچے کو زندہ کر دکھایا تھا۔ نیاپولیٹن کی ایک تنگ گلی میں اس نے انھیں دس منزلہ بالکونی سے کفن میں لپٹی ہوئی ایک لاش کو نیچے اتارتے بھی

دیکھا تھا' کیونکہ اس عمارت کے زینے اس قدر گھومتے اور بل کھاتے ہوئے تھے کہ اس کے خاندان کے لوگ لاش کو نیچے نہیں اتار سکتے تھے۔انھی باتوں کی وجہ سے مقامی فائرمینوں کو بہت سی دوسری خدمات بھی سرانجام دینا پڑی تھیں مثلاً قفل توڑنا یا زہریلے سانپوں کو ہلاک کرنا اور اب تو میڈیکل سکول نے انھیں چھوٹے موٹے حادثات کے دوران میں ابتدائی طبی امداد کی تربیت دینے کی دعوت بھی دے رکھی تھی۔ چناں چہ یہ کوئی خاص بات نہیں تھی کہ ان سے یہ کہا جائے کہ وہ مہربانی کر کے ایک شریف آدمی میں پائی جانے والی تمام خوبیوں والے ممتاز طوطے کو درخت سے نیچے اتار لیں۔ڈاکٹر اربینو نے کہا۔"انھیں کہو یہ خاص میرا کام ہے۔" اور وہ اپنی خواب گاہ میں اس خاص ظہرانے کے لیے لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔ اصل حقیقت یہ تھی' کہ اس لمحے جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کے خط سے وہ اس قدر اجڑا ہوا تھا کہ طوطے کی تقدیر سے قطعاً لاتعلق سا ہو گیا تھا۔

فرمینا داز انے سرین پٹی والا ایک ڈھیلا ریشمی لباس اور چھ غیر مساوی ڈوریوں میں جڑے ہوئے سچے موتیوں کا ہار پہنا ہوا تھا اس نے ساٹن کے اونچی ایڑی والے جوتے بھی پہنے تھے، جو وہ صرف خاص مواقع پر ہی پہنتی تھی کیوں کہ اس کی عمر اب اس قدر زیادہ فیشن کی اجازت نہ دیتی تھی۔اس کا یہ بناؤ سنگھار ایک محترم دادی اماں کے لیے تو ہرگز مناسب دکھائی نہ دیتا مگر یہ اس کے سراپے کے اعتبار سے بہت موزوں تھا۔استخوانی 'ابھی تک ایستادہ اور نازک اندام جسم کے اس کے لوچ دار ہاتھ، جن پر عمر نے ابھی کوئی داغ نہیں لگایا تھا اور اس کے گالوں تک خم کھاتے ہوئے سٹیل بلیو بالوں کی لٹیں' اس کی شفاف بادام جیسی آنکھیں' اور ازلی تمکنت ہی اب عروسی پورٹریٹ کے مطابق رہ گیا تھا' مگر عمر نے اس سے جو کچھ چھینا' اس سے کہیں زیادہ اس نے اپنی شخصیت سے اس کی تلافی کر لی تھی۔اسے یہ اچھا لگتا تھا: بند آہنی صدریوں اور سکرٹ کو سرین سے سہارا دینے والی کلوں کا زمانہ' جس سے سرین مزید نمایاں ہو جاتے تھے' ماضی میں گم ہو رہا تھا۔آزادانہ سانس لیتے ہوئے آزاد جسم ویسے ہی نظر آتے تھے جیسے کہ وہ ہونا چاہتے تھے' بہتر برس کی عمر میں بھی۔

ڈاکٹر اربینو نے دیکھا کہ وہ ایک آہستہ چلتے ہوئے پنکھے کے نیچے بنفشی نمدوں سے سجا ہوا ناقوس نما ہیٹ پہنے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ہے۔خواب گاہ وسیع اور روشن تھی۔اس میں ایک انگلش پلنگ تھا، جس پر لگی مچھر دانی پر گلابی رنگ سے کشیدہ کاری کی گئی تھی۔دو کھڑکیاں صحن میں درختوں کی طرف کھلتی تھیں اور جہاں سے بارش کی پیش گوئی لیے جھینگروں کا شور سنائی دیتا تھا۔اس وقت سے

جب وہ اپنے ہنی مون سے لوٹے تھے فرمینا دازا موسم اور موقع کی مناسبت سے اپنے شوہر کے لباس کا انتخاب کرتی اور ایک رات قبل انھیں کرسی پر رکھ چھوڑتی تا کہ اگلی صبح جب وہ باتھ روم سے باہر آئے تو اُسے لباس تیار ملے۔ اسے اب یاد بھی نہ رہا تھا کہ کب سے اس نے اسے لباس تبدیل کرنے میں مدد دینا بھی شروع کر دیا تھا اور بالآخر وہی اسے لباس پہناتی تھی۔ وہ جانتی کہ پہلی بار اس نے ایسا محبت میں کیا تھا، مگر قریباً گذشتہ پانچ سالوں سے بغیر کسی بھی وجہ کے ایسا کرنا اس کے فرائض میں شامل ہو گیا تھا کیوں کہ وہ اب خود سے کپڑے نہیں پہن سکتا تھا۔ انھوں نے ابھی کچھ عرصہ قبل ہی اپنی شادی کی گولڈن جوبلی منائی تھی اور وہ اب ایک دوسرے کے بغیر ایک لمحہ رہنے یا اس کے بارے میں سوچنے کی بھی سکت نہیں رکھتے تھے اور عمر کے ساتھ ساتھ اس سکت میں مزید کمی آتی جا رہی تھی۔ دونوں میں سے کوئی بھی یہ نہیں مان سکتا تھا کہ ان کی باہمی انحصاری کا سبب محبت تھی یا سہولت۔ انھوں نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کبھی یہ سوال کیا ہی نہیں تھا کیوں کہ دونوں ہی اس کے نہ جاننے کو ترجیح دیتے تھے۔ آہستہ آہستہ اس کے شوہر کی متزلزل چال، اس کے بدلتے مزاج، یادداشت میں وقفے اور حال ہی میں رونما ہونے والی سوتے ہوئے سسکیاں بھرنے کی عادت، اس پر کھل رہی تھی۔ مگر اس کو یہ ایک آدمی کے آخری زوال کی واضح علامتیں نہیں لگتی تھیں بل کہ وہ انھیں بچپن کی طرف خوشگوار مراجعت سے تعبیر کرتی تھی۔ اس وجہ سے وہ اس سے ایک مشکل بڈھے کے بجائے ایک بوڑھے بچے کی طرح برتاؤ کرتی اور یہ فریب دونوں ہی کے لیے مبارک تھا کہ اس طرح ان کے قریب سے ترحم کا گزر بھی نہیں ہوتا تھا۔

زندگی ان کے لیے بالکل مختلف ہوتی اگر انھوں نے بروقت اس حقیقت کو جان لیا ہوتا کہ روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی مصیبتوں کی نسبت شادی شدہ زندگی کے بڑے طوفانوں سے زیادہ آسانی سے گزرا جا سکتا ہے۔ مگر ان دونوں نے مشترکہ طور پر اگر کسی بات کو جانا تو وہ یہ تھی کہ بصیرت ہمارے پاس اس وقت آتی ہے جب یہ ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ سال ہا سال فرمینا دازا، اپنے شوہر کی پرجوش صبحوں کو ایک دکھی دل کے ساتھ برداشت کرتی آئی تھی۔ بری خبریں لیے ایک نئی صبح کے بہرصورت نمودار ہونے کی حقیقت سے بچنے کے لیے وہ نیند کے آخری لمحوں سے چمٹ رہی ہوتی، جب وہ ایک نوزائیدہ بچے کی سی معصومیت کے ساتھ جاگ اٹھتا۔ ہر نیا دن ایک اور دن تھا، جسے وہ جیت چکا تھا۔ وہ اسے مرغ کی اذانوں کے ساتھ اٹھتا سنتی اور اس کے جاگنے کی پہلی علامت بغیر کسی وجہ کے مصنوعی کھانسی کھانسنا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ بھی جاگ جائے۔ وہ اس کو بڑبڑاتے ہوئے سنتی، جس کا مقصد محض

اس کو تنگ کرتا تھا۔ وہ جوتوں کو ٹٹولنے لگتا' جو بستر کے ساتھ ہی پڑے ہوتے۔ وہ اسے اندھیرے میں راستہ ٹٹولتے ہوئے باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے سنتی۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ دوبارہ سو چکی ہوتی تو وہ اپنی مطالعہ گاہ سے واپس لباس تبدیل کرنے آتا۔ وہ بتی پھر بھی نہ جلاتا۔ ایک بار ایک پارٹی کے دوران میں جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ خود کو کیسے بیان کرے گا تو اس نے کہا: ''میں وہ شخص ہوں جو تاریکی میں کپڑے پہنتا ہے۔'' وہ اسے سنتی۔ اس کا اس دوران میں بپا کیا ہوا کسی قسم کا شور بھی ناگزیر نہیں تھا۔ وہ اسے دانستہ طور پر کرتا تھا مگر ظاہر کرتا تھا کہ یہ انجانے میں ہوا ہے' بالکل اسی طرح جیسے وہ جاگ رہی ہوتی مگر ظاہر کرتی کہ وہ سو رہی ہے۔ اس کے مقاصد واضح تھے: اس کی کبھی بھی یہ ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ ان گرتے پڑتے لمحوں میں اسی کی طرح اتنی بیدار اور مستعد ہو۔

رقص کے سے انداز میں بل کھاتا اس کا جسم اور پیشانیوں پر آپس میں ملتے ہوئے اس کے ہاتھ' کسی اور سونے والے کا روپ اس کے خوابیدہ سراپے سے زیادہ حسین نہیں تھا مگر اس وقت اس سے زیادہ کوئی اور قہرناک بھی نہ ہوتا جب اس کے بظاہر سوئے ہونے کے سمے اس احساس کے تصور میں کوئی رخنہ انداز ہوتا۔ ڈاکٹر اربینو جانتا تھا کہ وہ اس کی خفیف سی آواز کا انتظار کر رہی ہے' بل کہ وہ اس کے لیے شکر گزار بھی ہو گی تا کہ وہ کسی پر الزام لگا سکے کہ اس نے اسے صبح پانچ بجے بیدار کر دیا ہے' کچھ مواقع پر وہ جب معمول کی جگہ پر اپنے جوتوں کو نہ پا کر اندھیرے میں انھیں تلاش کر رہا تھا تو وہ اپنی نیند بھری آواز میں کہتی: ''تم گذشتہ شب انھیں باتھ روم میں چھوڑ آئے تھے۔'' پھر اس کے فوراً بعد ہی مکمل طور پر بیدار' غصے میں بھری آواز میں وہ کوستی: ''اس گھر میں سب سے بڑی بدقسمتی ہے کہ کوئی شخص، آپ کو سونے نہیں دیتا۔''

پھر وہ بستر پر لوٹتی اور اپنی ذرا بھی پرواہ کیے بغیر' دن کی اپنی پہلی فتح سے مطمئن' روشنی آن کر دیتی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ دونوں ایک کھیل کھیلتے' پر اسرار اور گمراہ کن' مگر اس سے دونوں کو سکون ملتا: یہ گھریلو محبت کی بہت سی خطرناک خوشیوں میں سے ایک خوشی تھی۔ مگر ان بے ضرر کھیلوں میں سے ایک نے، ان کے تیس سالہ ساتھ کا تقریباً خاتمہ کر دیا تھا' وہ یوں کہ ایک روز باتھ روم میں صابن موجود نہیں تھا۔''

یہ روزانہ کے سے سادہ انداز میں شروع ہوا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب ڈاکٹر جووینل اربینو کسی کی مدد کے بغیر غسل کر سکتا تھا اور بتی جلائے بغیر لباس پہن سکتا تھا۔ وہ خواب گاہ میں واپس آیا۔ حسب معمول وہ اپنی قبل از پیدائش کی سی حالت میں لیٹی سو رہی تھی۔ آنکھیں بند' کم گہرے سانس' اور بازو سر کے اوپر کسی مقدس رقص کے انداز میں پڑا ہوا۔ مگر وہ ہمیشہ کی طرح نیم خوابیدہ حالت میں تھی' اور وہ یہ

جانتا تھا۔ تاریکی میں کلف لگے لینن کی ایک کھڑکھڑاتی آواز کے بعد، ڈاکٹر اربینو نے اپنے آپ سے کہا:

''میں تقریباً ایک ہفتے سے بغیر صابن کے نہا رہا ہوں۔''

مکمل طور پر بیدار، اس نے یاد کیا، اور پھر وہ اچھلی اور غضبناک ہونے لگی، کیوں کہ وہ باتھ روم میں صابن رکھنا واقعی بھول گئی تھی۔ اس نے اس بات کو تین روز قبل اس وقت نوٹ کیا، جب وہ نہا رہی تھی، اس نے سوچا تھا کہ وہ بعد میں اسے رکھ دے گی۔ مگر پھر وہ اگلے دن تک اسے بھول گئی، اور تیسرے دن اب پھر ایسا ہی ہوا، سچ تو یہ تھا کہ اس بات کو ایک ہفتہ نہ گزرا تھا جیسا کہ اس نے اسے زیادہ شرمندہ کرنے کے لیے کہا تھا مگر تین ناقابلِ معافی دن، اور اپنی غلطی پکڑی جانے کے غصے نے اسے پاگل کر دیا۔ ہمیشہ کی طرح اس نے اپنا دفاع، جارحانہ انداز میں کیا۔

''خیر، میں ہر روز نہاتی ہوں۔'' وہ غضب ناک ہو کر چلائی۔ ''اور وہاں صابن ہمیشہ موجود رہا ہے۔''

اگرچہ وہ اس کے لڑنے کے سارے طریقوں کو بخوبی جانتا تھا، اس دفعہ اس نے اس کی پرواہ نہ کی۔ کسی پیشہ ورانہ جواز یا کوئی اور وجہ بنا کر اس نے میزری کورڈیا ہسپتال کے زیرِ تربیت ڈاکٹروں کے کوارٹروں میں رہنا شروع کر دیا۔ وہ صرف شام کو مریضوں کے گھر جانے سے قبل لباس تبدیل کرنے گھر آتا۔ اس کے آنے کی آواز سنتے ہی وہ کچن کی طرف چلی جاتی۔ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ کسی کام میں مصروف ہے اور وہ اس وقت تک وہاں رہتی جب تک وہ اس کی بگھی کی گلی میں جاتے ہوئے آواز نہ سن لیتی۔ اگلے تین ماہ میں جب بھی انھوں نے اس قضیے کو نمٹانے کی کوشش کی، وہ ایک دوسرے کو مزید آگ بگولہ کرتے رہے۔ وہ اس وقت تک واپس آنے کے لیے تیار نہیں تھا، جب تک وہ یہ تسلیم نہ کر لیتی کہ باتھ روم میں صابن موجود نہیں تھا اور وہ اس وقت تک اس کی واپسی کے لیے تیار نہ تھی جب تک کہ وہ یہ اعتراف نہ کر لے کہ اس نے اسے اذیت پہنچانے کے لیے دانستہ جھوٹ بولا تھا۔

اس واقعے کے بعد بہت سی نیم روشن اور پرآشوب صبحوں کے دوران میں بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی تازہ ہو گئیں۔ بدگمانیوں نے مزید بدگمانیوں کو ہوا دی، پرانے زخم پھر تازہ ہوئے اور وہ دونوں اس غارت گر حقیقت کو جان کر خوف زدہ ہو گئے کہ ازدواجی لڑائیوں کے ان بہت سے سالوں میں انھوں نے ایک دوسرے کے لیے کینہ پالنے کے سوا کچھ نہیں کیا۔ بالآخر اس نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ دونوں ایک کھلا اعتراف کریں، اگر ضروری سمجھیں تو آرچ بشپ کے سامنے، تاکہ خدا ایک ہی دفعہ ہمیشہ

کے لیے یہ فیصلہ کر دے کہ غسل خانے میں صابن موجود تھا یا نہیں ۔ خود پر اپنے ضبط کے باوجود غصے سے مغلوب ہو کر اس نے چیختے ہوئے یہ تاریخی جملہ ادا کیا۔

''بھاڑ میں جائے آرچ بشپ!''

اس بے ہودہ جملے نے شہر کی بنیادیں تک ہلا دیں ۔ ان پر ایسی تہمتیں لگیں، جنھیں آسانی سے جھٹلایا نہ جا سکتا تھا' اور یہ جملہ یہاں کی لوک روایت میں محفوظ ہو گیا : ''بھاڑ میں جائے آرچ بشپ!'' اس بات کا احساس کرتے ہوئے کہ وہ بہت سی حدیں پھلانگ چکی ہے اُس نے اپنے شوہر کے ممکنہ رویے کی پیش بینی کی' اور اس نے اپنے باپ کے گھر واپس جانے کی دھمکی دے دی۔ اگر چہ یہ گھر اب سرکاری دفاتر کے لیے کرایہ پر دیا جا چکا تھا' مگر وہ وہاں خود رہنا چاہتی تھی اور یہ ایک بے معنی دھمکی نہیں تھی ۔ وہ واقعتاً وہاں سے جانا چاہتی تھی اور اسے کسی طرح کے سکینڈل کی پروا نہ تھی اور اس بار اس کے شوہر کو اس حقیقت کا ادراک ہو گیا۔ اپنے ہی تعصبات کے خلاف لڑنے کی جرات اس میں نہ تھی ۔ اس نے ہتھیار ڈال دیے ۔ ان معنوں میں نہیں کہ اس نے اقرار کیا ہو کہ باتھ روم میں صابن موجود تھا' لیکن اس نے گھر میں رہنا شروع کر دیا۔ تاہم دونوں علاحدہ کمروں میں سوتے تھے اور ایک دوسرے سے کوئی بات نہ کرتے تھے ۔ وہ خاموشی سے کھانا کھاتے ۔ ان کی یہ لڑائی اس قدر محتاط تھی کہ وہ کھانے کی میز پر بچوں کے ذریعے اپنے پیغامات بھیجتے اور بچوں کو کبھی احساس بھی نہ ہوا کہ وہ دونوں آپس میں بات نہیں کرتے ۔ چوں کہ لائبریری میں باتھ روم نہیں تھا' اس لیے اس کے موجودہ معمول نے صبح کے وقت شور کا مسئلہ حل کر دیا ۔ وہ اپنے لیکچر کی تیاری کے بعد باتھ روم میں آتا اور پوری دیانت داری سے یہ کوشش کرتا کہ اس کی بیوی کی نیند میں کوئی خلل نہ پڑے ۔ اکثر یوں ہوتا کہ وہ سونے سے قبل ایک ہی وقت پر باتھ روم پہنچتے اور پھر دانت صاف کرتے ہوئے واپس مڑ آتے ۔ چار ماہ گزرنے کے بعد ایک رات جب وہ ابھی باتھ روم سے باہر نہیں آئی تھی' وہ پہلے کے معمول کی طرح وہاں ڈبل بیڈ پر لیٹا کچھ پڑھتا رہا' اور پھر سو گیا ۔ وہ اس کے قریب ایک بے پرواہ انداز میں لیٹ گئی کہ وہ کچھ دیر بعد جاگ جائے اور چلا جائے اور وہ واقعتاً اپنی جگہ سے ہلا' مگر جاگنے کے بجائے اس نے بتی بجھا دی اور تکیے کو سر کے نیچے موزوں کر کے لیٹ گیا ۔ اس نے یہ یاد دلانے کے لیے اس کا کندھا ہلایا کہ اس نے لائبریری جا کر سونا ہے ۔' مگر اپنے پرکھوں کے وقت سے چلتا آیا' پروں سے بنا ہوا یہ بستر اسے اس قدر آرام دہ لگا کہ اس نے ہار ماننے کو ہی ترجیح دی۔

''مجھے یہیں رہنے دو' اس نے کہا۔ ''صابن وہاں موجود تھا۔''

بڑھاپے کے اس دور میں آ کر جب وہ اس واقعے کو یاد کرتے' دونوں کو اس بات کا یقین نہ آتا کہ پچاس سال تک اکٹھے رہنے کے دوران میں یہ ان کا سب سے سنجیدہ جھگڑا تھا اور یہ وہ واحد قضیہ تھا جس کے بعد دونوں نے اپنی اپنی ذمہ داریوں سے دستبردار ہو کر ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔ اب جب کہ وہ بوڑھے اور متحمل مزاج ہو چکے تھے' وہ اس کا بڑے محتاط انداز میں ذکر کرتے کہ مندمل زخم اس طرح دوبارہ تازہ ہو سکتے تھے کہ جیسے یہ چر کے گذشتہ کل ہی لگے ہوں۔

وہ پہلا شخص تھا، جسے فرمینا دازا نے پیشاب کرتے سنا تھا۔ اس نے یہ آواز، اپنی شب عروسی کو سنی' جب وہ بحری جہاز پر سٹیٹ روم میں فرانس جا رہے تھے' اور وہ بحری سفر کی متلی آمیز کیفیت سے نڈھال ہو کر لیٹی ہوئی تھی۔ سانڈ کی طرح کی، اس کی دھار کی آواز، اس قدر توانا اور محکم تھی کہ وہ آنے والی اپنی پائے مالی کے خیال سے دہشت زدہ ہو گئی۔ گذرتے سالوں کے دوران میں جب اس کی یہ دھار کمزور پڑتی گئی تو یہ پرانی یاد پھر تازہ ہو جاتی کیوں کہ اس کے ہر بار ٹائلٹ استعمال کرنے کے بعد کناروں کو گیلا کر دینے سے وہ سمجھوتہ نہ کر سکی تھی۔ ڈاکٹر اربینو نے اسے عام فہم دلائل سے سمجھانے کی کوشش کی، جس سے کسی بھی ایسے شخص کو سمجھ آ سکتی تھی جو سمجھنا چاہتا ہو۔ یہ کہ اس کی یہ روزانہ کی غلطی اس کی بد احتیاطی کی وجہ سے نہیں دہرائی جاتی جیسا کہ وہ اصرار کرتی بل کہ اس کی وجوہات نامیاتی تھیں۔ ایک جوان آدمی کی حیثیت سے اس کی دھار اتنی سیدھی اور واضح ہوتی تھی کہ سکول میں کئی بار اس نے نشانہ باندھ کر بوتلیں بھرنے کے مقابلے جیتے تھے۔ مگر عمر کے تھپیڑوں کے ساتھ اب نہ صرف یہ گھٹ رہی تھی بل کہ ترچھی اور منتشر بھی ہو گئی تھی اور اب بالآخر یہ ایک ایسے چشمے میں بدل گئی تھی' جس کی سمت پر، اس کی بہت سی کوششوں کے باوجود قابو نہیں پایا جا سکتا تھا۔ وہ کہتا تھا۔ ''ٹائلٹ کو ضرور کسی ایسی ہستی نے ایجاد کیا ہو گا جس کو مردوں کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا۔'' گھریلو امن قائم رکھنے کے لیے اس نے ایک روزانہ کا معمول بنا لیا' جو عاجزانہ سے زیادہ ذلت آمیز تھا۔ وہ ہر بار جب ٹائلٹ باؤل استعمال کرتا تو ٹائلٹ پیپر سے اس کے کنارے صاف کر دیتا۔ وہ یہ جانتی تھی مگر باتھ روم میں امونیا کے بخارات کے بہت زیادہ پھیل جانے تک وہ کچھ نہ بولی اور پھر اس نے ایسا اعلان کہ جیسے اس نے کوئی بہت بڑا جرم پکڑ لیا ہو۔ ''یہ کسی خرگوش کے ڈربے کی طرح بدبودار ہو گیا ہے۔'' اپنی ضعیف العمری کے اس حصے میں ڈاکٹر اربینو نے اس کا ایک قطعی حل نکالا: وہ بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا' جیسے کہ وہ کرتی تھی۔ اس طرح سے باؤل صاف رہنے لگا اور یوں اس نے دوبارہ اپنا وقار حاصل کر لیا۔

اس وقت' وہ خود سے اپنے بہت سے کام کرنے کا اہل نہیں رہا تھا اور غسل خانے میں کسی مہلک پھسلن کے امکان نے اسے مزید محتاط بنا دیا تھا' ان کا گھر جدید تھا اور اس میں' جست کا ویسا ٹب نہیں تھا' جیسا کہ بہت سی پرانی حویلیوں میں پایا جاتا تھا۔ اس نے اسے حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق اٹھوا دیا تھا: نہانے کا ٹب بہت سی ان مکروہات سے بھرا پڑا تھا جوان یورپیوں نے ایجاد کی تھیں جو صرف مہینے کے آخری جمعہ کو ہی نہاتے تھے اور وہ بھی اس گندے پانی میں' جس میں وہ اپنے بدن کی میل اتارتے تھے۔ چناں چہ اس نے لیگم وائٹی (ایک لکڑی جو دوا کے طور پر استعمال ہوتی ہے) کا ایک جہازی ٹب بنوایا، جس میں فرمینا دازا اپنے شوہر کو یوں نہلایا کرتی جیسے وہ کوئی نوزائیدہ بچہ ہو' جنگلی گلابی پھولوں والے پودوں کے پتوں اور سنگترے کے چھلکوں کو پانی میں ملا کر گرم کیا جاتا اور پھر اس آمیزے کو ایک گھنٹے سے زائد تک جاری رہنے والے غسل میں شامل کرلیا جاتا۔ اس پر اس کا اثر اس قدر رنشہ آور ہوتا کہ وہ بعض اوقات ان خوش بودار بخارات کے اثر میں سو جاتا۔ نہلانے کے بعد فرمینا داز اسے کپڑے پہناتی۔ وہ اس کی ٹانگوں کے درمیان ٹالکم پاؤڈر چھڑکتی اور اس کی جلد پر وقتاً فوقتاً نمودار ہونے والے سرخ ابھاروں پر کوکو مکھن ملتی۔ وہ اتنے ہی پیار سے اس کو زیر جاموں کے پہننے میں مدد دیتی جیسے وہ کسی بچے کو لنگوٹ باندھ رہی ہو۔ اور یوں وہ' مرحلہ وار' جرابوں سے لے کر اس کی ٹائی کے پکھراجی پن تک لباس کا ہر حصہ اسے پہناتی۔ اس کی ازدواجی صبحیں اب پرسکون ہوتی گئیں کیوں کہ وہ اپنے اس بچپنے میں پہنچ چکا تھا جو اس کے بچوں نے اس سے دور کر دیا تھا۔ اور بالآخر فرمینا داز انے بھی گھریلو معمول کو قبول کرلیا' کیوں کہ اس کی زندگی کے برس بھی ختم ہوتے جا رہے تھے۔ اس کی نیند کم ہوتی گئی' اور ستر سال کی عمر تک پہنچتے تک وہ اپنے شوہر سے پہلے ہی بیدار ہو جاتی تھی۔

اس پینٹی کوسٹ اتوار کو' جب اس نے جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کو دیکھنے کے لیے اس کے جسم سے کمبل سرکایا تھا' ڈاکٹر اربینو کشف کے اس تجربے سے گذرا، جس کا ادراک اسے بحیثیت ڈاکٹر اور صاحب ایمان کے' اپنے مختلف تجربوں کے بہترین اور منور لمحات میں بھی نہیں ہوا تھا۔ موت سے اتنی طویل برسوں کی شناسائی کے بعد' اس سے اتنی طویل جنگ کے بعد' اس کو الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد' یہ لمحہ ایسا تھا جیسے اس نے موت کو روبرو دیکھنے کی پہلی بار جرات کی ہو' اور پھر موت نے مڑ کر اسے دیکھا ہو۔ یہ موت کا خوف نہیں تھا۔ ہرگز نہیں: یہ خوف کئی برسوں سے اس کے اندر موجود تھا' یہ اس کے ساتھ رہتا رہا تھا' ہر شب جب وہ کسی برے خواب سے لرز کر جاگ اٹھتا تو یہ اس کے سائے کے ساتھ ایک اور سائے

کی طرح وارد ہوتا تھا'اور وہ محسوس کرتا کہ اس کے پہلے کے سے یقین کی طرح موت محض ایک مستقل امکان نہیں بل کہ ایک فوری حقیقت تھی۔مگر اس روز اس نے جو دیکھا' وہ کسی ایسی شے کی حقیقی موجودگی تھی جسے آج تک وہ ایک محض تصوراتی حقیقت سمجھتا آیا تھا۔وہ اس بات پر خوش تھا کہ مشیت ایزدی نے اس بے پناہ کشف حقیقت کے لیے جرمی ڈی سینٹ ایمور کو سبب بنایا تھا' جس کے بارے میں وہ ہمیشہ سے یہ سمجھتا تھا کہ وہ ایسا ولی ہے جو خود اپنی شان سے بے خبر ہے۔مگر جب اس خط نے اس کی اصل حقیقت آشکار کی'اس کا داغدار ماضی اور دھوکا دینے کی اس کی نا قابل تصور اہلیت' اسے یوں محسوس ہوا کہ اس کی زندگی میں ایک ایسی تبدیلی رونما ہو چکی ہے جو نا قابل تنسیخ اور اٹل ہے۔

بہر حال فرمینا داز انے اس کی اداس کیفیت کو خود پر اثر انداز ہونے کی اجازت نہ دی۔جس دوران میں وہ اس کی ٹانگوں کو پتلون میں ڈالنے اور اس کی قمیص پر بٹنوں کی لمبی قطار کو بند کر رہی تھی اس نے واقعتاً اسے اس کیفیت میں شریک کرنا چاہا۔مگر وہ نا کام رہا کیوں کہ فرمینا داز اس کی باتوں سے قطعاً متاثر نہیں ہو رہی تھی اور وہ بھی کسی ایسے آدمی کے بارے میں جس کی وہ ذرا پروا نہ کرتی تھی۔اس کے بارے میں وہ بس اتنا جانتی تھی کہ جرمیہ ڈی سینٹ ایمور بیسا کھیوں پر چلنے والا ایک اپاہج تھا، جسے اس نے کبھی نہ دیکھا تھا' اور یہ کہ وہ اینٹیلیا کے بہت سے جزیروں میں سے ایک پر' کسی بغاوت کے دوران میں فائرنگ سکواڈ سے بچ نکلا تھا' یہ کہ وہ اپنی ضرورت کے تحت بچوں کا فوٹو گرافر بن گیا تھا اور صوبے بھر میں سب سے زیادہ کامیاب سمجھا جاتا تھا،اور یہ کہ وہ کسی ٹورے مولینوس نامی شخص سے شطرنج کی ایک بازی جیت گیا تھا' مگر درحقیقت اس شخص کا نام کیسا بلانکا تھا۔

مگر وہ اس کے اپنے ایک مہاجر سے زیادہ کچھ نہیں تھا' جسے ایک نا بکار جرم میں عمر قید ہو گئی تھی۔ڈاکٹر اربینو نے کہا۔"تصور کرو اس نے انسانی گوشت بھی کھایا تھا۔"

اس نے وہ خط اس کے حوالے کر دیا' جس کے راز وہ اپنے ساتھ ہی قبر میں لے جانا چاہتا تھا لیکن فرمینا نے پڑھے بغیر ان کاغذوں کو ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں رکھ کر اسے قفل لگا دیا۔وہ اپنے شوہر کی حیران ہونے کی بے پناہ استعداد' اس کی مبالغہ آمیز آرا جو گزرتے سالوں کے ساتھ ساتھ نا قابل فہم ہوتی جا رہی تھیں' اور عام سوچ سے بے جوڑ اس کی تنگ نظر سوچ سے باخبر تھی۔مگر اس بار وہ اپنے آپ میں نہیں رہا تھا۔اس کا خیال تھا کہ اس کا شوہر جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کا، اس کے ماضی کی کسی حیثیت کی وجہ سے احترام نہیں کرتا تھا بل کہ اس مقام کی وجہ سے کرتا ہے، جو اسے اس وقت کے بعد یہاں رہ کر حاصل ہوا'

جب وہ محض ایک سفری تھیلے کے ساتھ یہاں وارد ہوا تھا۔ اور وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھی کہ اس قدر دیر کے بعد اس کی صحیح شناخت کے انکشاف پر وہ اس قدر پریشان کیوں ہے۔ اس کے لیے یہ بات بھی ناقابل فہم تھی کہ اگر اس نے خفیہ طور پر کوئی عورت رکھی ہوئی تھی تو اس میں کیا برائی تھی۔ کیوں کہ یہ اس سمیت ایک خاص طرح کے لوگوں کا ازلی دستور سمجھا جاتا تھا' چاہے یہ ناشکر گزاری کے کسی وقت میں ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس کے علاوہ اس عورت کا، اس کے مرنے کے فیصلے پر عمل کرنے میں مدد دینا' اس کے نزدیک اس کی محبت کا ایک دردناک ثبوت تھا۔ اس نے کہا۔ ''اگر تم بھی اس کی طرح ایسی ہی گمبھیر وجوہات کی بنا پر مرنا چاہو' تو میں بھی وہی فرض ادا کروں گی جو اس عورت نے کیا تھا۔'' ایک بار پھر ڈاکٹر اربینو نے خود کو اس سادہ نافہمی کے روبرو پایا جس نے اسے نصف صدی سے زیادہ برہم کیے رکھا تھا۔

''تمہیں کوئی بات سمجھ نہیں آتی۔'' اس نے کہا۔ ''مجھے غصہ اس بات پر نہیں ہے کہ وہ کیا تھا اور اس نے کیا کیا' بل کہ اس فریب پر آتا ہے جو اتنے سالوں سے وہ ہم سب کو دیتا رہا ہے۔''

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگنے لگیں مگر اس نے ایسا ظاہر کیا جیسے اس نے اسے دیکھا ہی نہیں۔ ''اس نے صحیح کیا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اگر وہ سچ بتا دیتا تو پھر تم' وہ بیچاری عورت اور نہ ہی شہر کا کوئی فرد اس سے اتنی محبت کرتا جتنی وہ کرتے تھے۔''

اس نے اس کی صدری میں بٹنوں کے اندر سے اس کی زنجیر والی گھڑی موزوں کی۔ اس کی ٹائی کی گرہ لگائی اور اس پر اس کی ٹوپاز پن لگا دی۔ پھر اس نے اس کی آنکھیں خشک کیں اور معطر پانی سے چھڑکے ہوئے رومال سے اس کی آنسوؤں بھری داڑھی صاف کی اور پھر یہ رومال اس کی سامنے کی جیب میں رکھ دیا اور اس کے کونے میگنولیا کی طرح پھیلا دیے۔ گھر کی گہرائیوں میں سے کہیں گھڑیال نے گیارہ بجائے۔

''جلدی کرو' اس نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا' ''ہمیں دیر ہو جائے گی۔''

ڈاکٹر لیسی ڈس اولی ویلا کی بیوی ایمنتا ڈی چیمپس اور اس کی ویسی ہی باوقار بیٹیوں نے سلور جوبلی ظہرانے کی ساری جزئیات مکمل کر رکھی تھیں تا کہ اسے سال کی ایک یادگار سماجی تقریب کے طور پر یاد رکھا جائے۔ ان کا یہ خاندانی گھر ایک پرانا ٹکسال تھا جسے فلورنس کے ایک ماہر تعمیر نے موجود شکل میں ڈھالا تھا۔ اس شخص نے یہاں بہت سے گھروں میں تبدیلیاں کیں اور سترھویں صدی کی کئی خستہ عمارتوں کو وینس کے شاہی محلات میں تبدیل کر دیا۔ اس میں چھ خواب گاہیں اور دو بڑے خوب ہوادار ڈائننگ

روم اور استقبالیہ کمرے تھے مگر شہر سے آنے والے مہمانوں کے لیے یہ جگہ کافی نہیں تھی اور باہر سے آنے والے چند منتخب لوگوں کے لیے تو بالکل موزوں نہیں تھی۔ گھر کا صحن کسی کلیسا کی طرح تھا۔محراب دار' جس کے وسط میں ایک سنگی چشمہ دھیمی آواز میں بہہ رہا تھا' اور ہیلیوٹروپ کے گملے جو شام ڈھلے' پورے گھر میں مہک بکھیر رہے تھے لیکن محرابی راستوں کے درمیان جگہ اتنے بڑے خاندانی لوگوں کے لیے موزوں نہیں تھی۔ چناں چہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ظہرانے کی تقریب اس کے مضافاتی گھر میں منعقد کی جائے جو کنگز ہائی وے پر' گاڑیوں پر دس منٹ کے رستے پر واقع تھا۔اس کا صحن ایک ایکڑ سے زیادہ رقبے پر مشتمل تھا اور اس میں بے شما انڈین لارل اور ایک سبک خرام دریا میں بہتے ہوئے سوسن کے پھول تھے۔سینورا ڈی اولیوملا کی نگرانی میں ڈان سانچوں اور ان کے کارندوں نے دھوپ دار جگہوں پر کینوس کی رنگین چھتریاں تان دی تھیں اور لارل کے پھولوں تلے ایک بڑا سا چبوترہ بنا کر اس پر ایک سو بائیس مہمانوں کے لیے میز سجا دیے تھے۔ ہر میز پر ایک لینن کی چادر تھی اور نشستِ اعزاز پر تازہ پھولوں کے گلدستے رکھ دیے تھے۔انھوں نے بانسری اور کلارینٹ بجانے والے موسیقی کے ایک گروپ کے لیے ایک ڈائس بھی بنایا۔ ان سازندوں کا پروگرام لوک رقص اور نیشنل والز کی ڈھیلیں بجانے تک محدود تھا۔اس کے علاوہ سکول آف فائن آرٹس نے چو سنگت پیش کرنا تھا۔ یہ سینورا ڈی اولیویلا کی جانب سے اپنے شوہر کے قابلِ احترام استاد کے لیے جو آج کے ظہرانے کے مہمان خصوصی بھی تھے' کے لیے ایک غیر متوقع تفریح کا سامان تھا۔اگر چہ آج کی تاریخ اس کی گریجوایشن کی اصل تاریخ نہیں تھی' انھوں نے تقریب کی شان بڑھانے کے لیے پینٹی کوسٹ سنڈے کا انتخاب کیا تھا۔

اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کہیں وقت کی کمی کے باعث کوئی ناگزیر پہلو تشنہ نہ رہ جائے' اس تقریب کی تیاریاں تین ماہ قبل ہی شروع کر دی گئیں تھیں۔انھوں نے سینیگا ڈی اورو سے زندہ چوزے منگوائے' جو پوری ساحلی پٹی پر نہ صرف اپنی جسامت اور ذائقے کے لیے ہی مشہور تھے بل کہ اس لیے بھی کہ نوآبادیاتی دنوں میں وہ دریاؤں کے ساتھ آنے والی تازہ مٹی میں اپنی خوراک تلاش کرتے تھے اور ان کے پوٹوں میں خام سونے کی ڈلیاں پائی جاتی تھیں۔سینورا ڈی اولیویلا نے بہ ذات خود اپنی چند بیٹیوں اور گھریلو عملے کے ہمراہ ہر جگہ سے بہترین چوزوں کا انتخاب کیا تاکہ وہ اپنے شوہر کی کامیابیوں کے اعزاز کا خاطر خواہ بندوبست کر سکیں۔اس نے ہر بات کی پہلے سے پیش بندی کر لی تھی۔سوائے اس کے کہ یہ تقریب جون میں ایک اتوار کے روز منعقد ہوگی اور ایک ایسے سال میں جب بارشیں ذرا تاخیر سے ہوں

گی۔اسے خطرے کا احساس بالکل اسی صبح ہوا جب وہ عظیم عشائے ربانی کے لیے گئی اور بھیگتی ہوئی فضا سے ششدر رہ گئی۔اس نے دیکھا کہ مطلع ابر آلود تھا اور سمندر کے دوسرے افق تک نگاہ نہیں جا رہی تھی۔ بدشگونی کی ان علامتوں کے باوجود محکمہ فلکیات کے ڈائریکٹر نے' جسے وہ اسی عشائے ربانی پر ملی تھی' اسے یاد کرایا کہ شہر کی ساری پرآشوب تاریخ میں' یہاں تک کہ خوفناک ترین سردیوں میں بھی پینٹی کوسٹ کے روز بارش کبھی نہیں ہوئی۔اس کے باوجود جب گھڑیال نے بارہ بجائے' طوفان کی ایک گھن گرج نے زمین کو ہلا کر رکھ دیا' سمندر سے آنے والی سرکش ہواؤں نے میزوں پر دستک دی اور سائبان اکھیڑ دیئے اور یوں لگا جیسے پورا آسمان اس خوفناک بارش کی صورت زمین پر آیا ہو۔

طوفان کی افراتفری میں' ڈاکٹر جووینل اربینو کوان دوسرے مہمانوں کے ہمراہ' جنھیں وہ سڑک پر ملا تھا' گھر تک پہنچنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اور وہ یہی چاہ رہا تھا کہ وہ اپنی بگھی سے اتر کر کیچڑ سے لتھڑے صحن کو پتھروں پر پھاندتا ہوا عبور کر لے' لیکن آخرکار اسے ڈان سانچو کے آدمیوں کے ہاتھوں کینوس کی ایک پیلی چھتری تلے لے جائے جانے کی ذلت قبول کرنا پڑی۔انھوں نے نئے سرے سے گھر کے اندر میز ترتیب دینے کی پوری کوشش کی' یہاں تک کہ انھوں نے خواب گاہوں میں بھی میز لگا دیے مگر مہمانوں نے اپنا بگڑا ہوا ترش رو موڈ چھپانے کی کوئی کوشش نہ کی۔کیوں کہ اندرونی حصے کسی بحری جہاز کے بوائلر روم کی طرح گرم تھے۔صحن میں' ہر میز پر' اس پر بیٹھنے والے مہمان کا نام ایک کارڈ پر لکھ کر لگایا گیا تھا اور دستور کے مطابق نشستیں ایک طرف مرد اور دوسری طرف عورتوں کے لیے مخصوص تھیں۔مگر گھر کے اندر ناموں کے کارڈ بے ترتیبی سے لگ گئے اور یوں لوگ مجبوراً اس خلط ملط انداز میں ایسے بیٹھے جس میں کم از کم اس ایک موقع پر ہمارے سماجی توہمات کی پروا نہیں کی گئی تھی۔اس مسلسل طوفان کے درمیان' امینا ڈی اولیو ملا' ہر جگہ ہر وقت نظر آ رہی تھی۔اس کے بال گیلے تھے اور اس کے عالی شان لباس کیچڑ سے لتھڑے جا چکے تھے' مگر اس ساری پریشانی کے باوجود اس کے ہونٹوں پر اپنے شوہر سے سیکھی ہوئی وہی ناقابل تسخیر مسکراہٹ تھی' جیسے کوئی پریشانی اس کے قریب سے بھی نہیں گزری۔اپنی بیٹیوں کے ہمراہ' جو بالکل اسی کا پرتو تھیں' اس نے اعزازی نشست کو درست رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی' جس کے اعتبار سے ڈاکٹر جووینل اربینو کی نشست وسط میں تھی اور اس کے دائیں جانب آرچ بشپ اوب ڈولیورے کی نشست تھی۔فرمینا دازا' ہمیشہ کی طرح اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھی تھی' کہ کہیں کھانے کے دوران وہ سو نہ جائے یا شوربا اپنے کوٹ کی کالر پر نہ گرا لے۔ان کے بالمقابل نسوانی انداز لیے پچاس

سالہ ڈاکٹرسی ڈس اولی دیلا تھا، جس کی زندہ دلی کسی بھی طرح اس کی درست تشخیص کی اہلیت سے مطابقت نہ رکھتی تھی۔باقی نشستوں پرصوبائی اور بلدیاتی افسران براجمان تھے۔گذشتہ سال کی ملکہ حسن گورنر کے ساتھ والی نشست پر بیٹھی تھی۔اگر چہ دعوت میں خاص لباس کی درخواست کرنے کا رواج نہ تھا اور خاص کر دیہات میں ایک ظہرانے کے لیے تو بالکل ہی نہیں' پھر بھی عورتوں نے شام کے لباس اور بیش قیمت جواہرات زیب تن کر رکھے تھے اور بہت سے مردوں نے سیاہ ٹائیوں کے ساتھ ڈنر جیکٹ پہن رکھی تھیں' کچھ نے تو گھیرے دار کوٹ بھی پہن رکھے تھے۔صرف ڈاکٹر اربینو نے جوان سب میں سب سے زیادہ نفاست کا مالک تھا' عام کپڑے پہن رکھے تھے۔ہرمیز پر سنہرے نقش ونگار کے ساتھ فرانسیسی میں مینو چھپا ہوا تھا۔اس بے پناہ گرمی سے گھبرائی ہوئی سینورا ڈی اولیو یلا پورے گھر میں پھرتے ہوئے مردوں سے درخواست کرتی رہی کہ وہ کھانے کے دوران میں اپنی جیکٹیں اتار دیں مگر کسی نے بھی پہل کرنے کی جرأت نہ کی۔آرچ بشپ نے ڈاکٹر اربینو سے کہا کہ ایک طرح سے یہ ایک تاریخی ظہرانہ ہے۔جہاں خانہ جنگیوں میں غرق دومخالف دھڑے پہلی بار ایک ہی میز پر اکٹھے بیٹھے' ان کے زخم بھرے اور غصہ غائب ہوا۔ان خانہ جنگیوں نے آزادی سے لے کر اب تلک ملک میں خون خرابہ کیے رکھا تھا۔ اس بات کی آزادخیالوں خصوصاً نوجوانوں نے ہم نوائی کی۔قدامت پرستوں کے پینتالیس سالہ اقتدار کے بعد یہ لوگ اپنی پارٹی کا صدر منتخب کروانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ڈاکٹر بینو نے اس خیال سے اتفاق نہیں کیا۔اس کے خیال میں ایک آزاد خیال صدر بعینہ ویسا ہوتا ہے جیسا کہ ایک قدامت پسند صدر' مگر وہ ویسا خوش پوشاک نہیں ہوتا۔مگر وہ آرچ بشپ کی تردید نہیں کرنا چاہتا تھا۔اگر چہ وہ یہ باور کروانا چاہتا تھا کہ اس ظہرانے پر مدعو لوگ سیاسی خیالات کی بنا پر نہیں' بالکل اپنے اعلیٰ شجرہ نسب کی وجہ سے بلائے گئے ہیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر کبھی بھی سیاسی مخالف' مصائب یا جنگ کے خوفناک سائے اثر انداز نہیں ہوئے' اور اس معیار پر پورا اترنے والا کوئی بھی شخص یہاں غیر حاضر نہیں تھا۔

جس طرح اچانک بارش شروع ہوئی تھی' ویسے ہی اچانک یہ رک گئی۔اور صاف آسمان پر سورج چمکنے لگا مگر طوفان اس قدر شدید تھا کہ بہت سے درخت جڑ سے اکھڑ گئے تھے اور بہتے ہوئے پانی سے صحن دلدل میں تبدیل ہو گیا تھا۔کچن میں سب سے زیادہ تباہی ہوئی تھی۔گھر کے پیچھے اینٹوں اور لکڑیوں کا چولہا بنایا گیا تھا اور باورچیوں کو محض اتنا وقت ہی مل سکا تھا کہ وہ اپنے برتنوں کو بارش سے بچا کر لے جائیں۔اس سیلاب زدہ کچن کو دوبارہ ترتیب میں لانے اور عقبی گیلری میں نئے سرے سے چولہے

بنانے میں ان کا خاصا قیمتی وقت ضائع ہوا تھا۔ مگر ایک بجے تک یہ بحران گزر چکا تھا اور صرف میٹھی ڈش ایسی چیز تھی جو اب تک تیار نہ ہو سکی تھی۔ یہ سینٹ کلیئر بہنوں کی ذمہ داری تھی اور انھوں نے اسے گیارہ بجے سے پہلے بھیجنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ خدشہ تھا کہ کنگز ہائی وے پر جو کھائی تھی اس میں پانی بھر گیا تھا، جیسا کہ یہ نسبتاً کم سردیوں کے دنوں میں بھی ہو جاتا تھا اور اس صورت میں میٹھی ڈش آنے میں کم از کم دو گھنٹے لگنے تھے۔ جوں ہی مطلع صاف ہوا انھوں نے کھڑکیاں کھول دیں اور گھر سلفیورس کے طوفان سے مصفا کی ہوا سے ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے بعد پورٹیکو کے چبوترے پر منتظر سازندوں کو والز کی دھنیں بجانے کو کہا گیا مگر اس سے محض بدنظمی ہی میں اضافہ ہوا کیوں کہ ہر شخص کو گھر میں کانسی کے برتنوں کی کھنکتے ہوئے شور میں اپنی آواز سنانے کے لیے چیخ چیخ کر بولنا پڑ رہا تھا۔ انتظار سے تھکی ہوئی، روہانسی ہونے کے باوجود مسکراتے ہوئے امینتا ڈی اولیویلا نے کھانا میزوں پر لگانے کا حکم دیا۔

سکول آف فائن آرٹس کے گروپ نے موزارٹ کے "La chasse" کے لیے اختیار کی گئی ابتدائی رسمی خاموشی کے درمیان اپنی تانیں بکھیرنا شروع کیں۔ دھیرے دھیرے تیز ہوتی مدہوش لے کے باوجود اس میں بے ہنگم آوازوں، جن میں ڈان سانچو کے سیاہ فام ملازموں، جو بھاپ اٹھتی ہوئی ڈشیں اٹھائے میزوں سے ٹکرائے بغیر گذر ہی نہ سکتے تھے، کی بے جا مداخلت کی وجہ سے پیدا ہونے والا شور شامل تھا۔ وقتاً فوقتاً شور ہوتا رہتا تھا۔ ڈاکٹر اربینو پروگرام ختم ہونے تک موسیقی سے کان لگائے رہا۔ گزرتے سالوں کے درمیان اس کی قوت ارتکاز اس قدر گھٹ چکی تھی، کہ شطرنج کی بازی کے دوران میں وہ اپنی منصوبہ بندی کرتے ہوئے ہر چال کو لکھ لیا کرتا تھا، اور اس کے باوجود وہ بیک وقت موسیقی سننے اور ایک سنجیدہ گفتگو میں مشغول رہ سکتا تھا، تاہم وہ آسٹریا میں اپنے قیام کے دوران میں اپنے ایک بہت اچھے دوست، جو آرکسٹرا کنڈکٹر تھا، کی بے مثال مہارت تک کبھی نہ پہنچ سکا تھا جو تان ہاؤسر (Tannhauswer) سنتے وقت ڈون جیوانی (Don Giovanni) پڑھا کرتا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ پروگرام کے دوسرے حصے میں سیوبرٹ (Schubert) کی 'موت اور دوشیزہ'' کو ایک سہل ڈرامائی انداز میں بجایا گیا تھا۔ اس دوران میں جب کہ وہ ڈھکی ہوئی پلیٹوں کے درمیان موسیقی سے محظوظ ہونے کی کوشش کر رہا تھا، اس نے ایک جھینپتے ہوئے لڑکے کو دیکھا جس نے سر ہلا کر اسے آداب کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے ضرور اسے کہیں دیکھا تھا، مگر اسے یہ یاد نہیں آرہا تھا کہ اسے کہاں دیکھا ہے۔ اس کے ساتھ اکثر ایسا ہوتا تھا، خاص طور پر لوگوں کے نام بھولنا، حتیٰ کہ ان

لوگوں کے نام بھی جن کو وہ اچھی طرح جانتا تھا' بعض اوقات کسی گزرے زمانے کا نغمہ' جسے وہ یاد کرنا چاہتا اور وہ یاد نہ آتا تو اس سے اسے اس قدر وحشت ہوتی کہ ایک رات صبح تک اس اذیت کو برداشت کرنے کے بجائے اس نے چاہا کہ وہ مر جائے۔ اس کی کیفیت اب پھر ویسی ہی ہونے والی تھی کہ ایک فیاض لمحے کے دوران میں اس کی یادداشت میں ایک کوندا لپکا۔ یہ لڑکا پچھلے سال اس کا طالب علم رہ چکا تھا۔ وہ منتخب لوگوں کی اس سلطنت میں اسے دیکھ کر بہت حیران ہوا' لیکن ڈاکٹر اولیویلا نے اسے یاد دلایا کہ وہ وزیر صحت کا بیٹا تھا اور فرنزک میڈیسن میں اپنا تھیسس مکمل کر رہا تھا۔ ڈاکٹر جووینل اربینو نے خوش وخرم انداز میں ہاتھ لہرا کر اس کے سلام کا جواب دیا، جس کے جواب میں وہ لڑکا کھڑا ہوا اور جھک کر اسے تعظیم دی۔ مگر اس سے' کبھی بھی اسے یہ احساس نہ ہوا کہ یہ وہی ہاؤس فزیشن تھا جو اس صبح اسے جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کے گھر پر ملا تھا۔

ضعیف العمری پر اپنی ایک اور فتح سے مسرور ہو کر اس نے خود کو پروگرام کے آخری حصے کی صاف اور رواں موسیقی کے حوالے کر دیا۔ وہ یہ نہ پہچان سکا کہ یہ کونسا میوزک ہے۔ بعد ازاں اس نوجوان وائلن نواز نے' جو ابھی حال ہی میں فرانس سے لوٹ کر آیا تھا' اسے بتایا کہ یہ گبریل فاؤرے کی چوسنگت تھی۔ اگرچہ ڈاکٹر اربینو یورپ کے جدید ترین رجحانات سے ہمیشہ خود کو باخبر رکھتا تھا تاہم اس نے یہ نام سنا تک نہیں تھا۔ فرمینا دازا' ہمیشہ کی طرح اس پر نظر رکھے ہوئے تھی' مگر خاص طور پر اس وقت' جب اس نے اسے سر عام خود بینی میں غرق دیکھا تو اس نے کھانا بند کر دیا اور اس کے ہاتھ پر اپنا خاکستری ہاتھ رکھتے ہوئے بولی: ''اس بارے میں اب مزید مت سوچو۔'' ڈاکٹر اربینو سرور ومستی کے کسی دور دراز کنارے سے اس پر مسکرایا اور اس وقت اس نے دوبارہ یہ سوچنا شروع کیا کہ وہ کس بات سے خوفزدہ تھی۔

اس نے جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کو یاد کیا' اس وقت جب کہ وہ پورٹریٹ میں بچوں کی الزام لگاتی آنکھوں کے نیچے اپنی بوگس فوجی وردی اور جعلی تمغوں کے کفن میں پڑا تھا۔ وہ اس خودکشی کی خبر آرچ بشپ کو سنانے کے لیے اس کی طرف مڑا' مگر وہ پہلے ہی اس خبر کو سن چکا تھا۔ عشائے ربانی کے بعد اس پر خاصی گفتگو ہو چکی تھی اور کریبئن مہاجرین کی طرف سے جنرل جرونمو آرگوٹ نے اس سے درخواست بھی کی تھی کہ اسے مقدس جگہ میں دفن کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس نے کہا' ''مجھے یوں لگا جیسے یہ درخواست خود احترام سے عاری ہے'' اس کے بعد اس نے زیادہ مہذب لہجے میں پوچھا کہ کیا کسی کو خود کشی کی وجہ معلوم ہے' ڈاکٹر اربینو نے یہ سوچتے ہوئے جیسے یہ موزوں لفظ اس نے ابھی ایجاد کیا ہو۔

جواب دیا ''بڑھاپے کا خوف۔'' ڈاکٹر اولی ویلا جو اپنے قریب ترین مہمانوں کی طرف ہمہ تن گوش تھا' ایک لمحے کے لیے ان سے ہٹ کر اپنے استاد کی گفتگو کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے کہا ''اب بھی ایسی خود کشی جو محبت کے لیے نہ کی گئی ہو' باعث افسوس ہے۔'' ڈاکٹر اربینو اپنے پسندیدہ شاگرد کی بات میں اپنے خیالات کا پرتو پہچان کر حیران نہ ہوا۔

''اس سے بھی بری' اس نے کہا' ''جب یہ سونے کے بخارات سے کی جائے۔''

جب اس نے یہ کہا تو اس خط کی وجہ سے پیدا ہونے والی تلخی پر اس نے ہمدردی کو غالب آتے ہوئے محسوس کیا۔ اس کے لیے وہ اپنی بیوی کا شکر گزار نہیں تھا بلکہ یہ موسیقی کا اعجاز تھا۔ پھر وہ آرچ بشپ سے اس دنیا دار ولی کے بارے میں باتیں کرنے لگا جس کے ساتھ وہ شام کے ملگجے میں شطرنج کی لمبی بازیاں جماتا تھا۔ اس نے اسے بتایا کہ بچوں کو خوش رکھنے کے فن سے وہ کس قدر مخلص تھا' وہ دنیا کی تمام باتوں کے بارے میں کس قدر غیر معمولی علم رکھتا تھا' اس کی محنت اور سادگی اور وہ خود اس بات پر حیران تھا کہ روح کی کس قدر پاکیزگی کے ساتھ جرمیہ ڈی سینٹ ایمور نے خود کو اپنے ماضی سے ہمیشہ کے لیے جدا کر لیا تھا۔ پھر اس نے میئر سے اس کی فوٹو گرافک پلیٹوں کی فائل خریدنے کے فوائد پر بات کی۔ اس کے خیال میں اس طرح اس نسل کی جھلکیاں محفوظ ہو جائیں گی جو ہو سکتا ہے ان پورٹریٹ سے باہر اب کبھی مطمئن اور مسرور نہ رہ سکیں اور جن کے ہاتھ میں اب اس شہر کا مستقبل ہوگا۔ آرچ بشپ نے اس بات کو اہانت آمیز گردانا کہ اس جیسا ایک پر جوش اور تعلیم یافتہ کیتھولک یہ سوچنے کی جرات کرے گا کہ یہ خودکشی ایک عارفانہ فعل تھی' تاہم اس نے تصویروں کے نیگیٹو محفوظ کرنے کے منصوبے سے اتفاق کیا۔ میئر جاننا چاہتا تھا کہ یہ تصویریں کس سے خریدی جائیں گی۔ ڈاکٹر اربینو کو اس راز کے دہکتے ہوئے انگارے سے اپنی زبان جلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ''میں اس کو طے کر لوں گا۔'' اور اسے محسوس ہوا کہ اس کے دل میں اس عورت کے ساتھ خلوص دوبارہ پیدا ہو گیا ہے، جسے ابھی پانچ گھنٹے پیشتر وہ رد کر چکا تھا' فرمینا دازا نے اس بات کو محسوس کیا اور دھیمی آواز میں اس سے وعدہ لیا کہ وہ اس کے جنازے میں شرکت کرے۔ فرمینا داز ا کی اس بات سے اس نے خود کو اس الجھن سے آزاد محسوس کیا۔ اس نے کہا: ''وہ یقیناً ایسا ہی کرے گا۔ اس کے لیے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

تقریریں مختصر اور سادہ تھیں۔ کلارینٹ پر ایک مقبول دھن بجائی گئی؛ جس کا ذکر پروگرام میں شامل نہیں کیا گیا تھا اور مہمان چبوتروں کے قریب ٹہلنے لگے۔ وہ ڈان سانچو کے آدمیوں کے صحن کو خشک

کرنے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ اگر کوئی ناچنا چاہے تو ناچ سکے۔ ڈرائنگ روم میں صرف وہی مہمان رہ گئے تھے جو نشستِ اعزاز پر بیٹھے تھے۔ وہ اس بات کا جشن منا رہے تھے کہ ڈاکٹر اربینو نے آخری ٹوسٹ کے دوران میں برانڈی کا آدھا گلاس ایک ہی جرعے میں ختم کر لیا تھا۔ کسی کو یاد نہ آیا کہ وہ ایک بہت ہی خاص ڈش کے ساتھ آئی گرینڈ کرو وائن کے ایک گلاس کے ساتھ بھی ایسا ہی کر چکا ہے، مگر اس سہ پہر اسے اس کی طلب بھی تھی اور اس کی خود وارفتگی کا اسے فوری صلہ بھی ملا، اتنے سارے سالوں کے بعد، ایک بار پھر اس کا دل گانے کو چاہا اور بے شک وہ اس نوجوان وائلن نواز کے اکسانے پر، جس نے اس کے ساتھ سنگت کرنے کی پیشکش کی تھی، گانے بھی لگتا، اگر ان نئی خودکار گاڑیوں میں سے ایک اچانک صحن کے کیچڑ میں سے گزرتے ہوئے سازندوں کے کپڑوں پر چھینٹے نہ اڑا دیتی اور اس کے اناڑی ڈرائیور کے ہارن بجانے سے گودام میں بیٹھی ہوئی بطخیں قیں قیں کرتی بھاگنے نہ لگتیں۔ گاڑی پورٹیکو کے سامنے رکی اور اس میں سے ڈاکٹر مارکو اوریلیو اربینو دازا اور اس کی بیوی ہنستے ہوئے برآمد ہوئے۔ انھوں نے ہاتھوں میں لیس نما کپڑے سے ڈھکی ہوئی ایک طشتری اٹھا رکھی تھی۔ باقی طشتریاں سیٹوں، حتیٰ کہ ڈرائیور کے ساتھ والے پائے دان پر بھی رکھی ہوئی تھیں۔ یہ دیر سے آئی میٹھی ڈش تھی۔ جب تالیوں اور باہمی لطائف کے تبادلے کا شور ختم ہوا، تو ڈاکٹر اربینو دازا نے مکمل سنجیدگی سے یہ وضاحت کی کہ طوفان کی آمد سے قبل سینٹ کلیئر بہنوں نے اس سے کہا تھا کہ وہ مہربانی کر کے میٹھی ڈش لے جائے، مگر وہ کنگز ہائی وے چھوڑ چکا تھا کیوں کہ کسی نے اسے بتایا کہ اس کے والدین کے گھر آگ لگ چکی ہے۔ اس سے پہلے کہ اس کا بیٹا یہ قصہ ختم کرتا، ڈاکٹر جووینل اربینو اس سے پریشان ہو گیا، مگر اس کی بیوی نے اسے یاد دلایا کہ خود اسی نے طوطے کو اتارنے کے لیے فائرمینوں کو بلایا تھا۔ امینتا ڈی اولی ویلا کے چہرے پر خوشی دوڑ گئی اور گو کہ مہمان اب تک کافی بھی پی چکے تھے اس نے ٹیرس پر ہی میٹھی ڈش کو پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر ڈاکٹر جووینل اربینو اور اس کی بیوی اسے چکھے بغیر ہی چلے گئے کیوں کہ اس کے پاس بہ مشکل اتنا وقت بچا تھا کہ وہ جنازے میں شرکت سے پہلے اپنا ناگزیر قیلولہ کر سکے۔

اور وہ ستانے کے لیے گیا بھی، مگر اس کی نیند مختصر اور مضطرب رہی کیوں کہ اس نے گھر واپسی پر دیکھا کہ فائرمین گھر میں اتنا ہی نقصان پہنچا چکے تھے، جتنا کہ واقعتاً گھر کو آگ لگنے سے واقع ہوتا۔ طوطے کو خوفزدہ کرنے کی کوشش میں انھوں نے پریشر پائپوں سے ایک درخت کی چھال اتار دی تھی اور پانی کی ایک غلط رخ کی تیز دھار نے ماسٹر بیڈ روم کی کھڑکیوں سے گزر کر فرنیچر اور دیواروں پر لگے

ہوئے نامعلوم بزرگوں کے پورٹریٹوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہاں واقعتاً آگ لگی ہے'ہمسائے فائرٹرک کی گھنٹیوں کی آواز سنتے ہی اس طرف بھاگے'وہ تو خیر ہوئی کہ اتوار کی وجہ سے سکول بند تھے'ورنہ یہ آواز سن کر سکول کے بچوں کا رش کہیں زیادہ ہوتا۔ جب انھیں احساس ہوا کہ وہ اپنی لمبی سیڑھیوں کی مدد سے بھی طوطے تک نہیں پہنچ سکتے تو فائرمینوں نے کلھاڑیوں کی مدد سے درخت کی شاخیں کاٹنا شروع کر دیں اور یہ صرف ڈاکٹر اربینو دازا کی بروقت آمد تھی جس نے انھیں درخت کی اس بربادی سے باز رکھا'ورنہ اب تک محض ایک تنا باقی رہ جاتا۔ وہ یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے کہ اگر انہیں کانٹ چھانٹ کرنے کی اجازت دے دی جائے تو وہ پانچ بجے کے بعد دوبارہ آئیں گے۔باہر جاتے جاتے انھوں نے اندرونی ٹیرس اور ڈرائینگ کو کیچڑ سے لت پت کر دیا اور فرمینا دازا کے پسندیدہ ترکی نمدے کو کئی جگہ سے ادھیڑ دیا۔ یہ سارا ہنگامہ اور تباہی غیر ضروری تھی کیوں کہ عام خیال تھا کہ اس افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے طوطا ہمسایوں کے صحنوں سے ہوتے ہوئے کہیں اور نکل گیا تھا اور درحقیقت ڈاکٹر اربینو نے درخت کے پتوں میں اسے تلاش کیا بھی'مگر کسی بھی زبان میں اس کی پکار'حتیٰ کہ سیٹیوں اور گیتوں کا بھی کوئی جواب نہ ملا'چناں چہ اس نے یہ جان کر کہ اب وہ کھو گیا ہے'اس کی جستجو ترک کر دی اور تقریباً تین بجے سونے چلا گیا۔مگر اس سے پہلے اس نے نیم گرم ایسپارگس سے مصفا ہوئے'اپنے پیشاب میں کسی پوشیدہ باغ سے آتی مہک کی فوری لذت حاصل کی۔

جب وہ بیدار ہوا تو اداس تھا۔ یہ وہ اداسی نہیں تھی جو اس صبح اس نے اپنے دوست کی لاش کے قریب کھڑے ہو کر محسوس کی تھی'مگر یہ ایک غیر مرئی دھند تھی جو سستانے کے بعد،اس کی روح کو شانت کر دیتی تھی اور جسے وہ ایک الوہی اشارے سے تعبیر کرتا تھا کہ وہ اپنی آخری سہ پہریں گزار رہا ہے۔ پچاس کی عمر تک وہ اپنی جسامت'وزن اور اعضاء کی صورت حال کے بارے میں کبھی متفکر نہیں ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ جب وہ اپنے روزانہ کے قیلولے کے بعد اپنی آنکھیں بند کیے لیٹا ہوتا'اس نے ایک ایک کر کے انھیں جسم کے اندر محسوس کرنا شروع کر دیا۔وہ اپنے بے خواب دل کی شکل'اپنے پراسرار جگر'اپنے اساطیری لبلبے کو محسوس کرتا اور رفتہ رفتہ اس نے یہ دریافت کیا کہ ضعیف ترین لوگ بھی اس سے زیادہ جوان تھے اور وہ واحد شخص تھا جو اپنے دور کی دیومالائی نسل میں باقی بچا تھا۔ جب وہ اپنی یادداشت میں بڑھتے ہوئے وقفوں سے پہلی بار باخبر ہوا تو اس نے اس طریقے سے استفادہ کیا، جو اس نے میڈیکل سکول میں اپنے ایک استاد سے سنا تھا: ''وہ شخص جس کی یادداشت کھو جائے تو وہ کاغذ پر اسے تخلیق کر لیتا

ہے‘ مگر اس کے لیے یہ ایک مختصر عرصے کی غلط فہمی ہی ثابت ہوئی کیوں کہ اب وہ ایک ایسی حالت کو پہنچ گیا تھا کہ وہ اپنی جیبوں میں رکھی تحریری یادداشتوں کا مطلب بھول جاتا‘ اپنے چہرے پر لگے چشمے کو ڈھونڈنے کے لیے پورا گھر چھان مارتا تھا۔ دروازوں کو قفل لگا کر چابی دوبارہ گھما دیتا تھا اور وہ بھول جاتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے کیوں کہ وہ کسی نکتے کے صحیح موقع یا کرداروں کے باہمی تعلق کے بارے میں کچھ یاد نہ رکھ سکتا تھا۔ لیکن وہ زیادہ پریشان اس بات پر ہوتا تھا کہ اس کو اپنی قوت استدلال پر اعتماد نہ رہا تھا اور اس نے محسوس کیا کہ دھیرے دھیرے‘ ایک ایسے جہاز کی طرح‘ بربادی جس کا مقدر بن چکی ہو‘ وہ اپنے فہم سے عاری ہوتا جاتا رہا ہے۔

اس بات کی کوئی سائنسی توجیہات نہیں تھیں‘ مگر ڈاکٹر جووینل اربینو اپنے تجربے سے یہ جانتا تھا کہ مہلک ترین بیماریوں کی اپنی ایک مخصوص بو ہوتی ہے‘ مگر بڑھاپے کی بو ان سب سے علاحدہ ہوتی ہے۔ اس نے ڈائی سیکٹنگ ٹیبل پر پڑی سر سے پاؤں تک کھلی لاشوں میں اسے پہچانا تھا‘ وہ اسے ان مریضوں تک میں پہچان لیتا جنھوں نے نہایت کامیابی سے اپنی عمر کو چھپا رکھا ہوتا۔ وہ اسے اپنے کپڑوں پر لگے پسینے میں پہچان لیتا اور اپنی خوابیدہ بیوی کے فطری تنفس میں بھی وہ اسے شناخت کر لیتا۔ اگر بنیادی طور پر وہ ایک قدیم طرز کا عیسائی نہ ہوتا تو شاید وہ جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کی اس بات سے اتفاق کر لیتا کہ بڑھاپا ایک اہانت آمیز حالت ہے اور اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے‘ اسے ختم کر دینا چاہیے۔ اس جیسے جنسی طور پر توانا شخص کے لیے بھی اس میں واحد تشفی جنسی سکون کی تھی: جنسی شہوت کا آہستہ آہستہ دردمندانہ خاتمہ‘ اکیاسی برس کی عمر میں اس کے پاس اس قدر بصیرت موجود تھی کہ اس دنیا سے اس کا رشتہ چند مہین سے دھاگوں کے ساتھ وابستہ ہے‘ اور یہ سونے میں کبھی محض کروٹ بدلنے سے‘ بغیر کسی درد کے ٹوٹ سکتا ہے‘ اور اگر اب تک وہ ان دھاگوں کو سالم رکھنے کے لیے جو کچھ کر سکا تھا‘ وہ اس کے موت کی تاریکی میں خدا کو نہ ڈھونڈ پانے کے خوف کی وجہ سے تھا۔

فرمینا دازا بیڈروم درست کرنے میں مصروف تھی جسے فائر مین برباد کر گئے تھے۔ چار بجنے سے ذرا پہلے اس نے اپنے شوہر کے لیے روزانہ کی طرح برف کے ٹکڑوں کے ساتھ لیمونیڈ کا ایک گلاس بھیجا اور اسے یاد کرایا کہ وہ جنازے کے لیے لباس تبدیل کر لے۔ اس سہ پہر ڈاکٹر اربینو کے ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ ایلیکس کارل کی ''انسان۔۔۔نامعلوم'' اور ایکسیل منتھے کی مائیکل کی کہانی۔ دوسری کتاب کے صفحات ابھی تک جدا نہیں کیے گئے تھے اور اس نے باورچن ڈیگنا پارڈو کو مار بل کا کاغذ تراش

لانے کے لیے کہا جسے وہ بیڈ روم میں چھوڑ آیا تھا' مگر جب وہ اسے لائی تو وہ انسان ۔۔۔نا معلوم' کا پہلے ہی سے ایک لفافے سے نشان لگایا ہوا حصہ پڑھ رہا تھا۔اس کے ختم ہونے میں چند صفحات ہی باقی تھے۔ وہ آہستہ آہستہ پڑھ رہا تھا' اپنے سر میں ہلکے ہلکے درد کی بھول بھلیوں میں سے راستہ بناتے ہوئے جو اس کے خیال میں فائنل ٹوسٹ میں برانڈی کے آدھے گلاس کا اثر تھا۔ جب وہ پڑھنے کے دوران میں وقفہ کرتا تو اس دوران میں لیمونیڈ کا گھونٹ بھرتا یا برف کا ٹکڑا چبانے لگتا۔اس نے جرابیں پہن رکھی تھیں' اس کی قمیص کا کالر کلف کے بغیر تھا۔ ہری پٹیوں والے اس کے کمری الاسٹک کمر پر لٹک رہے تھے۔ جنازے کے لیے لباس تبدیل کرنے کے خیال سے وہ چڑ گیا' جلد ہی اس نے پڑھنا بند کر کے ایک کتاب کو دوسری کے اوپر رکھ دیا اور اپنی بید کی روکنگ چیئر پر جھولتے ہوئے' صحن میں دلدل میں دھنسے' کیلے کے درخت کی چھال ادھڑے آم کے درخت' بارش کے بعد آنے والی اڑتی ہوئی چیونٹیوں اور ایک اور کبھی واپس نہ آنے والی سہ پہر کے سریع الزوال جلوے کو سوچ کر اداس ہو گیا۔ اسے بھول گیا کہ کبھی اس کے پاس پیرا میری بو کا ایک طوطا تھا جس سے وہ یوں محبت کرتا تھا جیسے وہ کوئی انسان ہو' کہ دفعتاً ''اس نے اس کی آواز یہ کہتے ہوئے سنی۔ ''شاہی طوطا۔'' اس کی آواز بہت نزدیک سے آ رہی تھی' جیسے وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھا ہو۔ پھر اس نے آم کے درخت کی سب سے نچلی شاخ پر اسے بیٹھے دیکھا۔

''او تم' شہدے!''

طوطے نے اسی طرح جواب دیا۔

''تم کچھ زیادہ ہی شہدے ہو! ڈاکٹر۔''

اس نے اس سے باتیں کرنا جاری رکھیں اور اسے نظر میں رکھتے ہوئے، اس نے نہایت احتیاط سے اپنے بوٹ پہنے کہ کہیں وہ خوف زدہ نہ ہو جائے اور اپنے کمری فیتوں کو اپنے کندھوں پر جما کر وہ نیچے صحن میں اتر گیا۔ صحن ابھی تک کیچڑ سے بھرا پڑا تھا وہ زمین کو اپنی چھڑی سے ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا کہ کہیں وہ چبوترے کی تین سیڑھیوں سے ٹھوکر نہ کھا جائے۔ طوطے نے ذرا حرکت نہیں کی۔ پھر وہ زمین کے اس قدر قریب تھا کہ ڈاکٹر اربینو نے اپنی چھڑی اس کی طرف بڑھائی کہ وہ اپنے معمول کے مطابق اس کے نقرئی دستے پر بیٹھ جائے۔ مگر طوطا ایک طرف ہوا اور اگلی شاخ پر جا بیٹھا۔ یہ شاخ تھوڑی سی اونچی تھی مگر اس پر با آسانی پہنچا جا سکتا تھا کیوں کہ فائرمینوں کے آنے سے پہلے ہی گھر کی سیڑھی اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر اربینو نے بلندی کا حساب لگایا اور سوچا کہ اگر وہ سیڑھی کے دو ڈنڈے بھی چڑھ

جائے تو وہ اس کو پکڑ سکتا ہے۔اس نے پہلے ڈنڈے پر قدم رکھا۔اس دوران میں وہ ایک لبھانے والا دوستانہ سا گیت گاتا رہا۔تا کہ اکھڑ پرندے کا دھیان ہٹائے رکھے۔طوطے نے لے کے بغیر گیت کے الفاظ دہرائے اور شاخ کے ایک طرف مزید اونچائی پر ہو گیا۔وہ بغیر کسی مشکل کے دونوں ہاتھوں سے سیڑھی پکڑے دوسرے ڈنڈے پر چڑھ گیا۔اس دوران میں طوطے نے بغیر اپنی جگہ سے حرکت کیے پورا گیت دہرانا شروع کیا۔وہ تیسرے ڈنڈے اور پھر چوتھے ڈنڈے پر چڑھ گیا۔کیوں کہ اس نے بلندی کا صحیح حساب نہیں لگایا تھا۔پھر اس نے بائیں ہاتھ سے سیڑھی کو پکڑا اور دائیں ہاتھ سے طوطے کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔بوڑھی خادمہ ڈگنا پارڈو جو اسے یہ یاد کرانے کے لیے آ رہی تھی کہ اسے جنازے میں شرکت کے لیے دیر ہو رہی ہے' سیڑھی پر کھڑے ایک شخص کی پشت دیکھی اور اگر وہ اس کے سیاہ دھاریوں والے کمری فیتوں کو نہ دیکھتی تو وہ کبھی یہ باور نہ کر سکتی کہ یہ ڈاکٹر اربینو ہے۔

''سانتیز یموسیکرامینٹو'' وہ چلائی۔''تم اپنے آپ کو ہلاک کر لو گے۔''

ڈاکٹر اربینو نے ایک فتح مندکراہ کے ساتھ طوطے کو گردن سے دبوچ لیا۔لیکن اس نے فوراً ہی اسے چھوڑ دیا کیوں کہ اس کے پیروں تلے سے سیڑھی پھسل چکی تھی اور ایک لمحے کے لیے وہ ہوا میں معلق ہو کر رہ گیا اور اس لمحے اس نے محسوس کیا کہ وہ بغیر کسی اجتماعی عبادت میں شرکت کیے' بغیر کسی پچھتاوے کا اعتراف کیے' بغیر کسی کو خدا حافظ کہے' پینٹی کوسٹ اتوار کے روز چار بجنے کے سات منٹ بعد مر چکا ہے۔

فرمینا دازا اس وقت کچن میں شام کے کھانے کے لیے شوربہ چکھ رہی تھی کہ اس نے ڈگنا پارڈو کی دہشت زدہ چیخ سنی' اور پھر نوکروں اور بہت سے ہمسایوں کی چیخ و پکار اس کے کانوں سے ٹکرائی۔اس کے ہاتھوں سے شوربہ چکھنے والا چمچہ گر گیا اور وہ اپنی عمر کے غیر مرئی بوجھ کے باوجود اس سمت میں دوڑنے لگی۔وہ ایک ایسی پاگل عورت کی طرح چیخ رہی تھی جسے ابھی تک یہ علم نہیں ہو سکا تھا کہ آم کے درخت تلے کیا واقعہ رونما ہو چکا ہے' اس کا دل اس کے سینے' اس کی پسلیوں میں اچھلنے لگا جب اس نے دیکھا کہ اس کا مرد کیچڑ میں گرا پڑا ہے' وہ تقریباً مر چکا تھا مگر وہ آخری چند لمحوں کے لیے موت کے فیصلہ کن حملے کا مقابلہ کر رہا تھا تا کہ فرمینا دازا کو اس کے قریب پہنچنے کی مہلت مل سکے۔اس نے شور' اور اس کے بغیر مرنے کے' کبھی نہ دہرائے جانے والے دکھ کے آنسوؤں کے درمیان اسے پہچانا اور انتہائی منور درد سے بھری ہوئی' شکر گزاری سے لبریز آنکھوں سے آخری بار اسے دیکھا۔ایسی آنکھیں' جن سے گذشتہ نصف صدی کی باہمی رفاقت کے دوران میں اس نے کبھی اسے نہیں دیکھا تھا۔اپنی آخری سانس

کے ساتھ اس نے بڑی مشکل سے یہ جملہ ادا کیا۔

''صرف خدا ہی جانتا ہے'میں نے تم سے کتنی محبت کی ہے۔''

یہ ایک یادگار موت تھی'اور ایسا بلاوجہ نہیں تھا۔فرانس میں اپنی خصوصی مہارت کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد'ڈاکٹر اربینو صوبے میں پھیلی ہیضے کی وبا کے سدباب کے سلسلے میں اپنے نئے اور نتیجہ خیز طریقوں کے اختیار کرنے کی وجہ سے پورے ملک میں مشہور ہو گیا تھا۔جب ابھی وہ یورپ میں ہی تھا تو اس سے پہلے پھوٹنے والی وبا نے تین ماہ سے کم عرصے میں شہر کی ایک چوتھائی آبادی کو نگل لیا تھا۔اس وبا سے مرنے والوں میں اس کا باپ بھی شامل تھا جو بذات خود شہر کا ایک بہت معزز طبیب تھا'اپنے مرتبے کی بنا پر اور اپنی وراثت میں سے پیسہ ڈال کر،اس نے میڈیکل سوسائٹی کی بنیاد رکھی'جو کریبئن علاقوں میں پہلی اور بہت عرصے تک ایسی واحد سوسائٹی تھی۔وہ اس کا تا حیات صدر تھا۔اس نے پکی نالیاں بنوانے کا انتظام کیا'پہلی بار سیوریج سسٹم بچھایا'اور پہلی بار ڈھکی ہوئی پبلک مارکیٹ بنوائی اور گندگی کو لاس انیماس خلیج سے پرے پھینکوایا جانے لگا۔وہ اکادمی برائے لسانیات اور اکادمی برائے تاریخ کا بھی صدر تھا۔چرچ کے لیے اس کی خدمات کی بنا پر یروشلم کے لاطینی سرپرست نے اسے آرڈر آف ہولی سیپلچر کا نائٹ بنا دیا تھا جب کہ فرانسیسی حکومت نے لیجن آف آنر میں اسے کمانڈر کا درجہ عطا کیا۔وہ شہر میں کسی بھی سماجی اور مذہبی سوسائٹی کی عملاً حوصلہ افزائی کرتا۔وطن دوست جنتا میں اس کی دلچسپی خصوصی تھی۔یہ جماعت غیر سیاسی'بارسوخ شہریوں پر مشتمل تھی جو حکومت اور مقامی کاروباریوں کو اپنے وقت سے بہت آگے کے ترقی پسند نظریات اپنانے پر اکساتی تھی۔ان میں سب سے زیادہ یادگار غبارے کی آزمائشی ہوائی پرواز کے ذریعے سان جوان ڈی لاسینا گا کی طرف ایک خط کی ترسیل کی تھی۔اس کے بہت بعد ہوائی پرواز کو ڈاک کی ترسیل کے ایک ممکنہ قابل عمل پہلو کے طور پر سوچا گیا تھا'اس کی تجویز کے تحت قیام میں آنے والے مرکز برائے فن' نے اس موجودہ مقام پر ہی فائن آرٹس کا سکول قائم کیا اور برسوں تک وہ اپریل میں ہونے والے جشن شاعری کا بھی سرپرست رہا تھا۔

یہ صرف ڈاکٹر اربینو تھا جس نے یہ کام کر دکھایا جو کم از کم ایک صدی سے ناممکن سمجھا جاتا رہا تھا'یعنی ڈرامیٹک تھیٹر کو بحال کرانا جو نوآبادیاتی دنوں سے مرغی گھر اور لڑاکا مرغ پالنے کے فارم کے طور پر استعمال ہوتا چلا آ رہا تھا۔یہ ایک قابل دید سماجی مہم کا نکتہ عروج تھا'جس میں شہر کے ہر شعبہ زندگی سے لوگ شریک ہوئے'اور لوگوں کی اکثریت نے اسے ایک بہتر مقصد سمجھتے ہوئے اس سے تحریک حاصل

کی۔ بہرصورت' نئے ڈرامیٹک تھیٹر کا افتتاح ایسے حالات میں ہوا کہ اس میں ابھی بھی نشستوں اور روشنیوں کی کمی تھی اور تماشائیوں کو اپنی نشستیں' اور کھیل کے درمیانی وقفوں کے لیے اپنی روشنیاں ہمراہ لانی پڑتیں۔اس دوران میں اسی رکھ رکھاؤ کا مظاہرہ کیا جاتا جو یورپ میں عظیم تمثیلوں کے دوران میں برتا جاتا تھا۔خواتین اس موقع پر کریبئن کے جولائی اگست مہینوں کے سخت ترین گرم دنوں میں اپنے طویل ملبوسات اور فرکوٹوں کی نمائش کرتیں' مگر اس دوران میں یہ بھی ضروری سمجھا گیا کہ نوکروں کو تھیٹر میں آنے کی اجازت دے دی جائے تاکہ وہ نشستیں' لیمپ اور وہ تمام سامان خورد ونوش اندر لاسکیں جوان کبھی نہ ختم ہونے والے پروگرموں کے دوران میں' خود کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہوتی تھیں۔ان میں سے ایک پروگرام ایسا بھی تھا جس کی طوالت صبح کی ابتدائی عشائے ربانی تک دراز ہوگئی۔ سیزن کا آغاز ایک فرنچ اوپیرا کمپنی کے پروگرام سے ہوا۔جس کی ندرت ان کے آرکسٹرا میں شامل ستار کی قسم کے ایک مثلث باجہ ''ہارپ'' کی شمولیت تھی اور جس کی ناقابل فراموش شان اونچے سروں میں گانے والی ترکی مغنیہ کی بے خطا آواز اور تمثیل میں اس کی کمال ادائیگی کے اعجاز میں پنہاں تھی۔وہ ننگے پاؤں گاتی تھی اور اس نے پاؤں کی انگلیوں میں بیش قیمت پتھروں والی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ پہلے ایکٹ کے بعد سٹیج بمشکل ہی دیکھا جا سکتا تھا اور پام کے اتنے سارے تیل کے لیمپوں سے اٹھنے والے دھوئیں کے باعث گیت گانے والے اپنی آواز کھو بیٹھے تھے۔مگر شہر کے جرائد نے بڑی احتیاط سے ان خامیوں پر پردہ ڈالے رکھا اور اس کے یادگار لمحات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس پہل قدمی سے بے شمار لوگوں نے تحریک پکڑی' کیوں کہ بعد ازاں اوپیرا کا جنون شہر کے بہت سے حیران کن طبقات میں پھیل گیا اور موسیقی کے مختلف گروپوں کی پوری نسل سامنے آ گئی۔مگر یہ ان بلندیوں تک کبھی نہ پہنچ سکا جس کی ڈاکٹر اربینو نے خواہش کی تھی' وہ یہ کہ وقفوں کے دوران میں واگنر پرست اور اطالویت پرست لاٹھیوں اور چھڑیوں کے ساتھ ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوں۔

ڈاکٹر جووینل اربینو نے ان پبلک حیثیتوں کو کبھی قبول نہیں کیا، جو اکثر اوقات اسے غیر مشروط طور پر پیش کی جاتی رہی تھیں اور وہ ان طبیبوں کا بے رحم نقاد تھا، جو اپنے پیشہ ورانہ اعزاز کو سیاسی عہدوں کے حصول کے لیے استعمال کرتے تھے۔اگر چہ اسے ہمیشہ ایک آزاد خیال ہی سمجھا گیا اور وہ ہمیشہ آزاد خیال پارٹی کے امیدوار ہی کو ووٹ دیتا تھا' تاہم اس میں ایک پر یقین وابستگی سے زیادہ روایت نبھانے کا پہلو زیادہ تھا اور شاید وہ بڑے خاندانوں کا واحد شخص باقی بچا تھا جو گلی میں آرچ بشپ کی بگھی گزرتے

دیکھ کر تعظیماً جھک جاتا تھا۔ وہ خود کو ایک فطری مصلح جو سمجھتا تھا جو قوم کی بہتری کی خاطر قدامت پسندوں اور آزاد خیالوں میں سمجھوتے کا حامی تھا۔ مگر اس کا عمومی برتاؤ اس قدر خودمختار تھا کہ کوئی پارٹی بھی اس کے اپنا ہونے کا اعلان نہیں کر سکتی تھی۔ آزاد خیال اسے ایک گوتھک گوشہ نشین سمجھتے تھے۔ قدامت پسندوں کے خیال میں وہ ایک میسن تھا' جب کہ میسنوں نے اسے پاپائی دربار کی خدمت میں مشغول ایک ملا کہہ کر رد کر دیا تھا۔ اس کے کم بے رحم نقادوں کے خیالوں میں وہ محض اشرافیہ کا ایک فرد تھا جو، ان دنوں میں جب کہ قوم ایک نہ ختم ہونے والی خون آشام خانہ جنگی کے دوران میں جاں بلب ہو رہی تھی' وہ جشن شاعری کی رنگینیوں سے سرور حاصل کر رہا تھا۔

اس کے صرف دو اقدام ایسے تھے جو اس کی شخصیت کے عمومی تاثر سے میل نہیں کھاتے تھے۔ پہلا تو اپنے مارکیز ڈی کاسل ڈورو کے سابقہ محل کو چھوڑنا تھا جو ایک صدی سے زیادہ ان کا خاندانی گھر رہا تھا۔ دوسرے اس کا ادنٰی طبقے کی ایک حسینہ سے شادی کرنا تھا' جس کا کوئی حسب نسب نہیں تھا اور نہ وہ دولت مند تھی اور بڑے لمبے ناموں والی بیگمات اکثر چوری چوری اس کا مذاق اڑاتی تھیں جب تک کہ وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور نہ ہو گئیں کہ وہ کردار اور شخصیت میں ان سب سے زیادہ ممتاز ہے۔ ڈاکٹر اربینو اپنے پبلک تاثر میں ایسی بہت سی دراڑوں کے بارے میں ہمیشہ بہت باخبر رہا تھا اور اس سے زیادہ کوئی اس بات پر فکرمند نہیں تھا کہ وہ اپنے ختم ہوتے خاندانی وقار کا آخری شخص تھا۔ خاندانی شجرے کے آخری سرے پر اس کے دونوں بچوں میں کوئی خصوصیات نہیں تھیں۔ پچاس سال کے بعد بھی' اس کا بیٹا مارکو اوریلیو جو اسی کی طرح کا' اور ہر نسل میں' خاندان میں پیدا ہونے والے سارے لڑکوں کی طرح ایک ڈاکٹر تھا' کوئی بھی قابل ذکر کارنامہ سرانجام نہیں دے سکا، حتیٰ کہ وہ ایک بچہ بھی پیدا نہیں کر سکا تھا۔ ڈاکٹر اربینو کی ایک ہی بیٹی تھی' اوفیلیا اور وہ نیو اورلینز کے ایک بینک ملازم سے بیاہی ہوئی تھی۔ وہ اب بانجھ پن کی عمر کو پہنچ چکی تھی اس کی تین بیٹیاں تھیں اور کوئی بیٹا نہیں تھا۔ اگرچہ تاریخ کے بہاؤ میں اپنی نسل کے رک جانے سے وہ اکثر اداس ہو جاتا تھا' لیکن موت کے بارے میں سوچتے ہوئے ڈاکٹر اربینو کی سب سے بڑی پریشانی اس کے بغیر گزاری جانے والی فرمینا دازا کی تنہا زندگی کا تصور تھا۔

بہرصورت اس المیے سے نہ صرف اس کے گھر میں طوفان اٹھا بلکہ یہ خبر ہر عام و خاص شخص تک پھیل گئی اور اس افسانوی کردار کے کسی بھی پہلو کو جاننے کی امید لیے لوگ گلیوں میں بھرنا شروع ہو گئے۔ تین دن کے سوگ کا اعلان کیا گیا۔ سرکاری عمارتوں پر پرچم سرنگوں کر دیے گئے اور گرجے کی

گھنٹیاں بغیر کسی وقفے کے اس وقت تک بجتی رہیں جب تک کہ ان کے خاندانی مقبرے میں تہہ خانے کو مکمل طور پر بند نہ کر دیا گیا۔ سکول آف فائن آرٹس کے ایک گروپ نے ایک موت کا نقاب بنایا جسے قد آدم آدھے دھڑ کے مجسمے کے لیے مولڈ کے طور پر استعمال کیا جانا تھا لیکن یہ منصوبہ منسوخ کر دیا گیا کیوں کہ کسی کے خیال میں بھی اس کی آخری رسومات کی ادائیگی کے لیے یہ شائستہ اقدام نہیں تھا۔ ایک مشہور مصور جو یورپ جاتے ہوئے راستے میں اتفاقاً وہاں رکا تھا' نے ایک دردبھری حقیقت پسندی کے ساتھ ایک بڑے سے کینوس پر وہ منظر مصور کیا جس میں ڈاکٹر اربینو اس آخری لمحے میں طوطے کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ کہانی کے خام سچ سے واحد تضاد یہ تھا کہ تصویر میں وہ بغیر کالر کے قمیص اور سبز دھاریوں والے فیتے کے بجائے باؤلر ہیٹ اور ہیضے کی وبا کے دنوں میں بنائی گئی تصویروں کی نقل کرتے ہوئے فراک کوٹ پہنے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ اس امر کو یقینی بنانے کے لیے کہ ہر شخص کو اسے دیکھنے کا موقع مل سکے' گولڈن وائر کی وسیع گیلری میں' اس المیے کے کئی ماہ بعد تک تصویر کی نمائش کی جاتی رہی۔ یہ ایک دکان تھی جہاں درآمدی اشیا فروخت کی جاتی تھیں اور پورا شہر یہاں آتا تھا۔ پھر اس تصویر کی نمائش سرکاری اور نجی اداروں کی دیواروں پر بھی کی گئی تاکہ لوگ اپنے نامور مربی کو خراج تحسین پیش کر سکیں۔ بعدازاں' دوسری بار جنازہ ادا کرنے کے بعد اسے سکول آف فائن ارٹس میں آویزاں کر دیا گیا جہاں بہتر سالوں بعد آرٹ کے طالب علموں نے اس تصویر کو نیچے گرا دیا اور بعدازاں یونیورسٹی کے پلازہ میں اسے جلا دیا' وہ اسے ایک جمال پرست اور ایک ایسے وقت کی علامت سمجھتے تھے جس سے انھیں نفرت تھی۔

یہ بات تو ظاہر تھی کہ اپنی بیوگی کے اولین لمحے سے ہی فرمینا دازا اس قدر بے چارگی سے دو چار نہیں ہوئی تھی جتنا اس کے شوہر کو خوف تھا۔ وہ اس بات پر مضبوطی سے قائم رہی کہ اس کی نعش کو کسی بھی مقصد کے لیے استعمال نہیں ہونے دیا جائے گا اور جمہوریہ کے صدر کی جانب سے اس تعزیتی ٹیلی گرام پر بھی اس نے اسی ردعمل کا اظہار کیا جس میں اس نے حکم دیا تھا کہ نعش کو صوبائی حکومت کے اسمبلی چیمبر میں عام دیدار کے لیے رکھ دیا جائے۔ اسی سکون کے ساتھ اس نے کیتھڈرل میں شبانہ عبادت کی بھی مخالفت کی جس کی درخواست آرچ بشپ نے خود کی تھی اور اس نے نعش کو صرف جنازے کی دعا کے موقع پر ہی وہاں رکھے جانے پر اتفاق کیا۔ اپنے بیٹے کی مداخلت کے باوجود بھی' جو اتنی ساری اپیلوں کو سن کر بدحواس ہو گیا تھا' وہ اپنے اس اکھڑ نظریے پر قائم رہی کہ مردے کی بابت ہر بات کا تعلق صرف خاندان

سے ہوتا ہے اور یہ کہ شبانہ عبادت تنکوں اور کافی کے ساتھ گھر پر ہی ہوگی اور ہر شخص اس بارے میں آزاد ہے کہ وہ جس انداز میں چاہے اس کا سوگ منائے۔ روایتی نوشب بیداریاں نہیں ہوں گیں۔ جنازے کے بعد گھر کے دروازے بند کر دیے گئے تھے اور وہ صرف کسی قریبی دوست کے آنے پر ہی کھولے جاتے تھے۔

گھر پر موت کا راج تھا۔ ہر قیمتی چیز کو سیف میں بند کر کے قفل لگا دیا گیا اور ننگی دیواروں پر صرف ان تصویروں کے نشان رہ گئے جنھیں اتارا گیا تھا۔ گھر اور ہمسایوں سے عارضی طور پر حاصل کی ہوئی کرسیوں کو ڈرائنگ سے بیڈ روم تک قطاروں میں لگا دیا گیا۔ یوں وسیع خالی جگہیں نظر آنے لگیں۔ باقی بڑے فرنیچر کو چوں کہ ہٹا لیا گیا تھا اس لیے کسی رکاوٹ کے نہ ہونے کی بنا پر آوازیں کسی آسیب زدہ بازگشت میں تبدیل ہونے لگیں، صرف کنسرٹ پیانو کو نہیں ہٹایا گیا تھا جو کونے میں ایک سفید چادر کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ لائبریری کے وسط میں اپنے والد کی میز پر، وہ جو کبھی جووینل اربینو ڈی لا سیلے تھا، بغیر کفن کے پڑا تھا۔ اس کا چہرہ اپنی آخری دہشت کے تاثر سے پتھرایا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر بے آستین کی سیاہ قبا تھی اور اس کے پاس ہولی کے نائٹس کی عسکری تلوار دھری تھی۔ اس کے پہلو میں سر تا پا ماتمی لباس میں ملبوس ایک ہی جگہ پر کھڑے لرزتی ہوئی، مگر خود پر قابو پائے فرمینا داز ابغیر کسی احساس کا اظہار کیے اگلی صبح گیارہ بجے تک لوگوں سے تعزیت وصول کرتی رہی اور پھر اس نے اپنے پورٹیکو سے رومال لہراتے ہوئے آخری سفر پر روانہ ہوتے ہوئے اپنے شوہر کو الوداع کہا۔

اس کے لیے اس واقعہ کے بعد خود پر ضبط رکھنا اس قدر آسان نہ تھا جب اس نے ڈگنا پارڑو کی چیخ سنی اور اپنی زندگی کے قدیم آدمی کو کیچڑ میں مرتے ہوئے پایا۔ اس کا پہلا ردعمل امید کا تھا، کیوں کہ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ ایسی شعاعوں سے منور تھیں جن کا نظارہ ان آنکھوں میں اسے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے خدا سے دعا کی کہ اسے کم از کم ایک لمحہ مل جائے جس میں وہ اس دنیا سے یہ جانے بغیر رخصت نہ ہو جائے کہ اپنے باہمی شبہات کے باوجود وہ اس سے کس قدر شدید محبت کرتی تھی اور اس نے اس الڈتی ہوئی خواہش کو محسوس کیا کہ وہ نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کریں، تاکہ جو کچھ ان کہا رہ گیا تھا، وہ اسے کہہ سکیں، ان غلطیوں کو نہ دہرائیں جن کا ارتکاب وہ ماضی میں کرتے آئے تھے۔ مگر اسے موت کی قطعیت کے سامنے ہار ماننا پڑی۔ اس کا دکھ پوری دنیا یہاں تک کہ اس کی اپنی ذات کے خلاف ایک خاموش غصے کی صورت پھوٹا، اور یہی وہ غضب تھا جس نے اس کے وجود کو ضبط سے بھر دیا

اور اکیلے اپنی اس تنہائی سے نپٹنے کی جرات دی۔ اس وقت کے بعد سے وہ قطعی طور پر بے سکون رہی، مگر اس نے اس امر کا خاص خیال رکھا کہ اس کی حرکت سے اس کا اظہار نہ ہونے پائے۔ دکھ کا واحد لمحہ، جو اگرچہ بے ارادی تھا، اس وقت آشکار ہوا جب اتوار کی شب گیارہ بجے وہ اس کا اتھلی کفن لے کر آئے، جس میں سے ابھی بھی جہازی موم کی مہک آ رہی تھی اور جس پر کانسی کے دستے اور الجھی ہوئی ریشمی پٹیاں تھیں۔ ڈاکٹر اربینو دازا نے اسے بغیر کسی توقف کے بند کرنے کا حکم دیا کیوں کہ اس جھلسا دینے والی گرمیوں میں گھر میں پڑے بہت سارے پھولوں کی تیز خوشبو سے گھر کی فضا پہلے ہی متعین ہو چکی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے اپنے باپ کی گردن پر اولین گلابی دھبے دیکھے ہیں۔ خاموشی میں ایک کھوئی ہوئی آواز ابھری: ''زندہ ہونے کے باوجود اس عمر میں انسان آدھا مر چکا ہوتا ہے۔'' اس سے پہلے کہ وہ کفن کو بند کرتے فرمینا دازا نے اپنی عروسی انگشتری اتاری اور اسے اپنے مردہ شوہر کی انگلی میں پہنا دی۔ پھر اس نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ جیسا کہ وہ ہمیشہ اس وقت کرتی آئی تھی جب وہ اسے سرِ عام کوئی غلطی کرتے ہوئے پکڑ لیتی تھی۔ ''ہم بہت جلد ملیں گے۔'' اس نے اسے کہا۔

عالی مرتبت ہستیوں کے ہجوم میں کھڑے ہوئے نظر سے فراموش فلورنتینو آریزا نے اپنی پسلیوں میں ایک چیرتا ہوا درد محسوس کیا۔ فرمینا دازا نے ابتدائی تعزیتوں میں اسے نہیں پہچانا تھا۔ اگرچہ اس رات کی ہنگامی مصروفیات میں اس سے زیادہ ہر کام پر کمر بستہ اور معتبر کوئی اور نہیں تھا۔ یہ وہی تھا جس نے کھچا کھچ بھرے باورچی خانوں میں اس بات کا اہتمام کیا کہ کافی کم نہ ہونے پائے۔ جب ہمسایوں کی کرسیاں ناکافی ثابت ہوئیں تو اس نے اضافی کرسیوں کا بندوبست کیا اور جب گھر میں کوئی جگہ باقی نہ بچی تو اس نے حکم دیا کہ باقی ماندہ پھولوں کے ہاروں کو صحن میں رکھ دیا جائے۔ اس نے اس امر کو یقینی بنایا کہ ڈاکٹر لیسی داس اولی ویلا کے مہمانوں کے لیے کافی برانڈی موجود رہے جو سلور جوبلی کی تقریب کے عروج کے وقت اس بری خبر کو سن کر دوڑے آئے تھے اور اب آم کے درخت تلے ایک دائرے میں بیٹھے تقریب جاری رکھے ہوئے تھے۔ یہ صرف وہی تھا جو جانتا تھا کہ اس صورت حال میں کیا کیا جائے، جب وہ مغرور طوطا نصف شب کے درمیان سر اونچا کیے اور پر پھیلائے ڈائننگ روم میں نمودار ہو گیا۔ اس سے پیدا ہونے والی بے ہودہ وحشت سے گھر میں بھاگم دوڑ مچ گئی۔ اسے پچھتاوے کا شگون سمجھا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ اسے اپنے یاد کیے کسی بے موقع محاورے کو بولنے کا موقع ملتا، فلورنتینو آریزا نے اسے گردن سے دبوچا اور اصطبل میں لے جا کر ایک ڈھکے ہوئے پنجرے میں بند کر

دیا۔اس طرح اس نے تمام کام نمٹائے' اس قدر سوجھ بوجھ اور مستعدی کے ساتھ کہ کسی کو بھی یہ گمان تک نہ گزرا کہ یہ دوسرے لوگوں کے ذاتی معاملات میں مداخلت کے زمرے میں آتا ہے۔اس کے برعکس یہی سمجھا گیا کہ کسی گھر پر افتاد پڑنے کی صورت میں یہ بے بہا مدد کا اظہار ہے۔

وہ ویسا ہی تھا جیسا کہ نظر آتا تھا: ایک سنجیدہ اور مفید بوڑھا انسان۔اس کا جسم استخوانی اور سیدھا تھا۔اس کی جلد پکے رنگ کی تھی اور وہ کلین شیو تھا۔اس کی آرزومند آنکھیں نقرئی فریم کے گول شیشوں کے پیچھے سے جھانکتی تھیں۔اس کی قدیم طرز کی رومانوی مونچھیں تھیں جس کے کناروں پر اس نے کریم لگا رکھی تھی۔اس نے اپنی کنپٹیوں پر موجود اپنے بالوں کی آخری لٹوں کو اوپر کی طرف کنگھی کر کے انہیں اپنے چمکتے ہوئے سر پر کمال مہارت سے جمایا ہوا تھا۔اس طرح اس کے اپنے مکمل گنجے پن کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔اس کی فطری عالی ہمتی اور ناتواں انداز نے مل کر اسے پرکشش بنا دیا تھا مگر ایک طے شدہ کنوارے شخص میں یہ خوبیاں مشکوک بھی سمجھی جاتی تھیں' اس مارچ میں اپنی عمر کے چھہتر سال پورے ہونے کو چھپانے کے لیے اس نے اپنی ذہانت' دولت اور اپنی قوت ارادی کو بے پناہ استعمال کیا تھا اور وہ اپنی تنہائیوں میں ابھی بھی اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ خامشی کے ساتھ محبت کرنے میں اس نے جتنا وقت لگایا ہے' اتنا وقت اس دنیا میں کبھی کسی اور نے صرف نہیں کیا ہے۔

ڈاکٹر اربینو کی موت والی رات' وہ اسی لباس میں تھا جس میں اس نے یہ خبر پہلی بار سنی اور یہ اس کا معمول کا لباس تھا' حتیٰ کہ جون کی جہنمی گرمی میں بھی۔صدری کے ساتھ ایک گہرے رنگ کا سوٹ' ایک ریشمی بو والی ٹائی اور سیلولائیڈ کالر' ایک فیلٹ ہیٹ اور ایک چمک دار سیاہ چھتری جسے وہ چلتے ہوئے چھڑی کے طور پر استعمال کرتا تھا۔مگر جب سپیدہ نمودار ہونے لگا' تو وہ شب بیداری کی عبادت سے دو گھنٹے کے لیے رخصت ہوا اور جب وہ واپس لوٹا تو وہ ابھرتے ہوئے سورج کی طرح تر و تازہ تھا' اس نے احتیاط سے شیو کی تھی اور اپنی ڈریسنگ ٹیبل سے اس نے بہت سے خوشبودار لوشن لگا رکھے تھے۔اس نے اس طرح کا سیاہ فراک کوٹ پہن رکھا تھا جو صرف جنازوں اور مقدس ہفتے کے دوران میں پہنا جاتا تھا۔ ایک ٹائی کے بجائے' کسی فنکار کی طرح کے کالر کے ساتھ ایک بو' اور ایک باؤلر ہیٹ۔اس کے ساتھ اس کی چھتری بھی تھی۔یہ صرف عادت کی وجہ سے نہیں تھی بل کہ اسے یقین تھا کہ دوپہر سے پہلے بارش ہو گی اور اس نے اس کے بیٹے ڈاکٹر اربینو دازا کو اس بات سے مطلع بھی کیا تا کہ جنازہ کا اہتمام جلدی کیا جا سکے۔انھوں نے ایسا ہی کرنے کی کوشش کی۔کیوں کہ درحقیقت فلورنتینو آریزا ایک جہاز راں خاندان

کا فرد تھا' اور وہ خود کریبئن دریائی کمپنی کا صدر تھا' جس کی وجہ سے ہر کوئی یہ باور کرتا تھا کہ وہ موسم کی پیشین گوئی کر سکتا ہے۔ مگر وہ انتظامات کا وقت تبدیل نہیں کر سکے کیوں کہ اس قدر جلدی شہری اور فوجی حکام' سرکاری اور نجی کارپوریشنوں' ملٹری بینڈ' سکول آف فائن آرٹس کے آرکسٹرا اور سکولوں اور مذہبی جماعتوں کو ئی تبدیلی کے بارے میں بتانا مشکل تھا جو گیارہ بجے کے لیے تیاری کر رہی تھیں۔ چناں چہ جنازہ کی رسومات، جن کے بارے میں سمجھا جا رہا تھا کہ وہ تاریخی واقعہ ثابت ہوں گی' موسلا دھار بارش کی وجہ سے ایک بے ہنگم شور وغوغا میں بدل گئیں۔ بہت کم لوگ کیچڑ میں سے ہوتے ہوئے خاندانی مقبرے تک پہنچ سکے' جس کے گرد نو آبادیاتی زمانے سے ایک درخت تھا اور اس کی شاخیں قبرستان کی دیواروں پر پھیلی ہوئی تھیں۔ گذشتہ سہ پہر کو' انھی شاخوں تلے مگر دیوار کے دوسری جانب اس حصے میں' جو خودکشی کرنے والوں کے لیے مخصوص تھا' کریبئن مہاجروں نے جرمیہ ڈی سینٹ ایمور اور اس کی خواہش کے مطابق اس کے ساتھ اس کے کتے کو بھی دفن کیا تھا۔

فلورنٹینو آریزا ان چند لوگوں میں سے تھا جو جنازے کے ختم ہونے کے بعد بھی وہیں موجو رہے۔ اس کا بدن بھیگ گیا تھا اور پھر وہ اس خوف سے گھر لوٹ گیا کہ اتنے سالوں کی انتہائی احتیاط اور بے انتہا پرہیز کے بعد اب اسے کہیں نمونیا نہ ہو جائے۔ اس نے برانڈی کے ایک گلاس کے ساتھ گرم لیمونیڈ تیار کیا' اور بستر میں دبک کر اسپرین کی دو گولیوں کے ساتھ اسے پی گیا۔ اس نے ایک اونی کمبل اپنے اوپر لپیٹ لیا۔ ڈھیروں پسینہ آنے کے بعد اس کے جسم میں حرارت کا توازن دوبارہ برقرار ہو گیا۔ اور بیدار ہونے پر اس نے محسوس کیا کہ اس کی توانائی مکمل طور پر بحال ہو چکی ہے۔ فرمینا دازا نے ایک بار پھر گھر کا نظم ونسق سنبھال لیا تھا۔ ملاقاتیوں کی آمد کے پیش نظر اس نے سارے گھر کی صفائی کروائی۔ لائبریری میں قربان گاہ پر اس نے اپنے مرحوم شوہر کی ایک رنگین پورٹریٹ رکھ دی تھی۔ اس کے فریم کے گرد سیاہ حاشیے تھے۔ آٹھ بجے تک' گذشتہ شب کی طرح اتنے ہی لوگ آ گئے اور گرمی بھی اسی قدر شدید ہو گئی۔ مگر تسبیح کے بعد کسی نے مہمانوں سے درخواست کی کہ وہ اب رخصت ہو جائیں تا کہ اتوار کی سہ پہر سے لے کر اب تک مصروف تھکی ماندی بیوہ، پہلی بار کچھ آرام کر سکے۔

فرمینا دازا نے ان میں سے اکثر کو قربان گاہ کے قریب الوداع کہا' لیکن کچھ قریبی دوستوں کو الوداع کہنے وہ گلی کے دروازے تک گئی تا کہ گلی کا دروازہ وہ خود مقفل کر سکے۔ ہمیشہ سے اس کا یہی معمول رہا تھا اور وہ آخری دم تک اسے برقرار رکھنا چاہتی تھی۔ عین اس لمحے اس نے ماتمی لباس میں ملبوس'

ویران ڈرائنگ روم کے وسط میں کھڑے ہوئے فلورنٹینو آریزا کو دیکھا۔ اسے خوشی ہوئی' کیوں کہ اتنے سالوں سے وہ اس کی زندگی سے خارج رہا تھا' اور یہ پہلی بار تھا کہ اس نے اسے فراموشی سے مصفا ہوئے، اتنے واضح انداز میں دیکھا' مگر اس سے پہلے کہ وہ اس کی آمد کا شکریہ ادا کرتی' اس نے لرزہ بر اندام مگر پر وقار طریقے سے اپنا ہیٹ اپنے دل پر رکھا' اور وہ ناسور جو اس کے ساتھ ساری زندگی رہا تھا' بالآخر پھوٹ نکلا۔

''فرمینا۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے نصف صدی سے زیادہ عرصے تک اس موقع کا انتظار کیا ہے۔ تا کہ میں ایک بار پھر اپنی دائمی وفاداری اور ابدی محبت کا پیان دہرا سکوں۔''

اگر فرمینا دازا کو اس بات کا احساس نہ ہوتا کہ اس لمحے فلورنٹینو آریزا پر روح القدس سایہ فگن ہے تو وہ یقیناً اسے ایک پاگل شخص گردانتی۔ اس کا ابتدائی ردعمل یہ تھا کہ وہ اسے ایسے سے اس گھر کی بے حرمتی کرنے پر لعن طعن کرے جب اس کے شوہر کا کفن بھی ابھی میلا نہ ہوا تھا' مگر وہ اپنے غیظ وغضب میں بھی پر وقار رہی۔ ''یہاں سے چلے جاؤ۔'' اس نے کہا۔ ''اور زندگی کے جو سال تمھارے لیے بچ رہے ہیں' مجھے اپنی صورت دوبارہ نہ دکھانا۔''

گلی کے جس دروازے کو وہ بند کر رہی تھی' اسے کھول کر اس نے اسے راستہ دکھاتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

''اور میرا خیال ہے یہ سال اب تھوڑے سے ہی رہ گئے ہیں۔''

جب اس نے ویران گلی میں اس کے قدموں کی آواز کو معدوم ہوتے سنا' اس نے آہستہ آہستہ آہنی سلاخوں اور قفلوں کے ساتھ دروازے کو بند کیا' اور تنہا اپنے مقدر کے روبرو آن کھڑی ہوئی۔ اس لمحے تک اسے اس ڈرامے کی گھمبیرتا اور طوالت کا اتنا بھرپور ادراک نہیں تھا۔ جس کو اس نے اس وقت ہوا دی تھی جب وہ ابھی پورے اٹھارہ برس کی بھی نہیں ہوئی تھی اور جس نے موت تک اس کا تعاقب کرنا تھا۔ اپنی تباہی کی سہ پہر کے بعد' وہ پہلی بار روئی۔ ایسے سے جب کوئی اسے دیکھ نہ رہا تھا' اور ایسے ہی سے میں وہ رو سکتی تھی۔ وہ اپنے شوہر کی موت کے لیے روئی' اپنی تنہائی اور غصے کے لیے روئی اور جب وہ اپنی خالی خواب گاہ میں آئی' اسے خود اپنے آپ پر رونا آیا' کیوں کہ اپنے کنوارپن کے خاتمے کے بعد وہ شاذ ہی کبھی اس بستر پر تنہا سوئی تھی۔ ہر وہ شے جو اس کے شوہر کی تھی' اسے ایک بار پھر رلا رہی تھی۔ اس کے پھندنے دار سلیپر' تکیے کے نیچے رکھے اس کے پاجامے' ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں وہ جگہ

جہاں اب اس کی شبیہ غائب تھی' اور اپنی جلد پر اس کے جسم کی مہک ایک دھندلے سے خیال سے وہ لرز کر رہ گئی۔ ''جن لوگوں سے محبت کی جاتی ہے' وہ مرتے سمے اپنی تمام چیزیں اپنے ہمراہ لے جایا کریں۔'' وہ بستر درست کرنے میں کسی کی مدد نہ چاہتی تھی اور نہ ہی سونے سے پہلے وہ کچھ کھانا چاہتی تھی۔ دکھ سے پامال' اس نے خدا سے دعا کی کہ اسی رات سوتے ہوئے اسے موت آ جائے اور یہی امید لیے وہ ننگے پاؤں' مگر پورے لباس کے ساتھ بستر پر لیٹی اور فوراً کچھ محسوس کیے بغیر سو گئی مگر وہ اپنی نیند میں بھی باخبر تھی کہ وہ ابھی تک زندہ ہے اور یہ کہ اس کا آدھا بستر خالی ہے۔ اور یہ کہ وہ ہمیشہ کی طرح بستر کے بائیں جانب اپنی بائیں کروٹ پر لٹی ہوئی ہے۔ مگر اس بستر کے دوسری جانب ایک دوسرے جسم کا وزن نہیں ہے۔ سوتے ہوئے' خیالوں میں گم' اس نے سوچا کہ وہ اب کبھی دوبارہ اس طرح نہیں سو سکے گی اور وہ نیند ہی میں سسکیاں لینے لگی اور وہ انھی سسکیوں کے ساتھ' بغیر کروٹ بدلے اسی طرح سوتی رہی' حتیٰ کہ مرغوں کی بانگوں کے بہت دیر بعد' وہ اس کے بغیر' صبح کے نفرت آمیز سورج کی کرنوں کے ساتھ بیدار ہوئی۔ صرف اسی وقت اس نے محسوس کیا کہ وہ موت سے ہم کنار ہوئے بغیر بہت دیر تک سوتی رہی ہے۔ نیند میں وہ سسکتی رہی ہے اور یہ کہ اپنی نیند کے دوران میں کراہیں بھرتے سوئے' وہ اپنے مرحوم شوہر کی نسبت فلورنتینو آریزا کے بارے میں زیادہ سوچتی رہی ہے۔

O

دوسری جانب‘ فلورنتینو آریزا اس وقت سے ایک لمحے کے لیے بھی اس کے خیال سے غافل نہیں رہا تھا‘ جب اکیاون برس نو ماہ اور چار دن پہلے ایک طویل اور صبر آزما محبت کے بعد فرمینا دازا نے اسے مسترد کر دیا تھا۔ اسے ان دنوں کا حساب رکھنے کے لیے، کسی زنداں کی دیواروں پر روزانہ کوئی لکیر کھینچنے کی ضرورت نہیں تھی، کیوں کہ کوئی ایک دن بھی ایسا نہ گزرا تھا جب کسی واقعے نے اس کی یاد کو تازہ نہ کیا ہو۔ جب ان کی علاحدگی ہوئی۔ اس وقت وہ جھروکوں والی گلی میں ایک کرائے کے مکان کے نصف حصے پر، اپنی ماں ترانسیتو آریزا کے ساتھ رہتا تھا۔ یہاں اس کی ماں نے اس وقت سے معمولی اشیا کی ایک دکان کھول رکھی تھی‘ جب ابھی وہ جوان تھی اور یہاں وہ قمیصوں اور پرانے چیتھڑوں کی پٹیاں بنا کر بیچتی تھی‘ جو جنگ میں زخمی ہونے والے سپاہی استعمال کرتے تھے۔ وہ اس کا اکلوتا بیٹا تھا جو مشہور بحری جہاز راں ڈان پائیس پنجم لویازا سے اس کے ایک اتفاقیہ معاشقے کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا۔ ڈان لویازا ان تین بھائیوں میں سے ایک تھا جنھوں نے کریبئن کی دریائی کمپنی کی بنیا د ڈالی تھی، اور یوں دریائے ساگرالینا میں دخانی کشتیوں کے استعمال کو فروغ دیا تھا۔

ڈان پائیس پنجم لویازا کی وفات اس وقت ہوئی جب اس کا بیٹا ابھی دس سال کا تھا۔ اگر چہ اس نے ہمیشہ خفیہ طور پر اس کی مالی اعانت کی تھی‘ اس نے قانونی طور پر کبھی اسے اپنا بیٹا تسلیم نہیں کیا تھا، نہ ہی اس نے اِس کا مستقبل محفوظ کرنے کے لیے کوئی اثاثہ چھوڑا تھا۔ چناں چہ فلورنتینو آریزا اپنے ساتھ صرف اپنی ماں کا نام ہی استعمال کرتا تھا حالاں کہ ہر کسی کو اس کی ولدیت کا علم تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد فلورنتینو آریزا کو سکول چھوڑنا پڑا اور ایک اپرنٹس کے طور پر ڈاک خانے میں کام کرنا پڑا۔ یہاں اس کے ذمے تھیلے کھولنا، خطوں کو ترتیب دینا اور دفتر کے دروازے پر‘ جس ملک سے ڈاک ہو‘ اس کا جھنڈا لہرا کر لوگوں کو اس امر کی اطلاع دینا تھا کہ اس ملک سے ڈاک پہنچ چکی ہے۔

اس کی خوش طبعی کی وجہ سے ٹیلی گراف آپریٹر'جرمن مہاجر لوتار یوتھکٹ اس میں دلچسپی لینے لگا۔لوتار یوکھتیڈرل میں اہم مواقع پر آرگن بجاتا تھااور گھروں میں جا کرموسیقی کا درس بھی دیا کرتا تھا۔ لوتار یوتھکٹ نے اسے مورس کوڈ سکھایا'ٹیلی گراف کے نظام کی؟ کارکردگی کے بارے میں بتایااس سے وائلن کے کچھ ہی اسباق کے بعد فلورنتینو آریزا کسی پیشہ ور کی طرح وائلن بجانے لگا۔فرمینا دازا سے ملاقات سے قبل'وہ اپنے حلقۂ احباب میں سب سے زیادہ مقبول نوجوان تھا'جو رقص کے جدید ترین انداز سے واقف تھا،جسے جذباتی شاعری سنانے پرعبور حاصل تھااور جواپنے دوستوں کی محبوباؤں کے سامنے وائلن پر سیرینیڈ کی دھن بجانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا تھا۔وہ بہت دبلا پتلا تھا۔اس کے ہندی طرز کے بال تھے،جن پراس نے خوشبو دار روغنی مرکب ملا ہوتا تھااورنظر کی کمزوری کی وجہ سے اس نے چشمہ لگا رکھا ہوتا۔ان اسباب کے باعث اس کی ذات مزید تنہا نظر آتی۔اپنی بصارت میں خرابی کے علاوہ'وہ قبض کا دائمی مریض تھا جس کی بنا پر وہ ساری عمر انیما لینے پر مجبور رہا۔اس کے پاس ایک سیاہ سوٹ تھا۔جو پہلے اس کے مرحوم باپ کا ہوتا تھا۔ٹرانسیتو اریزا اس سوٹ کی اس قدر دیکھ بھال رکھتی تھی کہ ہر اتوار کو وہ نیا معلوم ہوتا تھا۔لاغر نظر آنے'اپنی کم گوئی اور اداس لباس کے باوجود اس کے حلقے میں لڑکیاں اس بات پر خفیہ قرعے نکالتی تھیں کہ اس کے ساتھ کس نے وقت گزارنا ہےاوروہ ان کے ساتھ وقت گزاری کا شغل کرتا رہا حتیٰ کہ ایک دن آیا جب وہ فرمینا دازا سے ملا اور اس کی معصومیت اپنے اختتام کو پہنچی۔

اس نے پہلی بار،اسے اس وقت دیکھا جب ایک سہ پہر'لوتار یوتھکٹ نے اسے کسی لورنیز و دازا کے نام ٹیلی گرام پہنچانے کا کہا۔اس کی رہائش کسی معروف جگہ پر نہیں تھی۔

اس نے اسے ایونجلز پارک کے پاس بنے آدھے کھنڈر ہوئے قدیم ترین مکانوں میں سے ایک میں پایا۔اس کا اندرونی صحن' گلدانوں کے جھاڑ پھونس'پانی کے بغیر سنگی فوارے کے ساتھ'کسی کلیسائی خانقاہ سے مشابہت رکھتا تھا۔فلورنتینو آریزا جب برہنہ پا خادمہ کے پیچھے پیچھے محراب دار برآمدے کو عبور رہا تھا'تو اسے کوئی انسانی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔بچے ہوئے چونے کے ڈھیروں اور سیمنٹ کے خالی تھیلوں کے درمیان،سامان کے ان کھلے صندوق اور راج مزدوروں کے اوزار بکھرے پڑے تھے' کیوں کہ مکان تقریباً تعمیر نو کے مرحلے سے گزر رہا تھا۔برآمدے کے آخری سرے پر ایک عارضی دفتر تھا،جس میں ایک بہت فربہ شخص'جس کے گل مچھوں کے گھنگھریالے بال اس کی مونچھوں کے بالوں میں مل گئے تھے'ایک میز کے پیچھے بیٹھا قیلولہ کر رہا تھا۔اسی کا نام لورنیز و دازا تھا'اور وہ شہر

میں زیادہ پہچان نہ رکھتا تھا۔ کیوں کہ اسے یہاں آئے ہوئے دو سال سے کم عرصہ گزرا تھا اور اس نے ٹیلی گرام یوں وصول کیا گویا یہ کسی منحوس خواب کی اگلی کڑی ہو۔ فلورنتینو آریزا نے اس کی آنکھوں کے بدلتے رنگوں اور لفافے کی مہر توڑتی ہوئی اس کی کپکپاتی انگلیوں کو ایک دفتری انداز کی ہمدردی سے دیکھا، کیوں کہ اپنے کام کے دوران میں وہ کئی بار ٹیلی گرام وصول کرنے والے ان بے شمار لوگوں کو اس اندرونی خوف کا شکار دیکھ چکا تھا جو اب تک ٹیلی گرام کی آمد کا تعلق موت کی اطلاع سے جوڑے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ تاہم ٹیلی گرام پڑھنے کے بعد وہ مطمئن ہو گیا۔ اس نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا: ''اچھی خبر ہے۔'' اور فلورنتینو آریزا کو وہ پانچ سکے تھما دیے جو ٹیلی گرام وصول کرنے پر ادا کرنے لازم آتے تھے' لیکن اس نے پرسکون مسکراہٹ کے ساتھ یہ بھی جتا دیا کہ اگر ٹیلی گرام بری خبر کا ہوتا تو وہ یہ رقم ہرگز ادا نہ کرتا۔ پھر اس نے فلورنتینو آریزا سے مصافحہ کرتے ہوئے اسے الوداع کہا' جو ٹیلی گرام لانے والے قاصد کو رخصت کرنے کا مروجہ طریقہ نہیں تھا۔ اور خادمہ گلی میں کھلنے والے دروازے تک اس کے ساتھ ساتھ گئی' جس کا مقصد اس کی راہ نمائی سے زیادہ اس پر نظر رکھنا تھا۔ وہ واپس اسی راستے پر محراب دار راہ داری میں چلنے لگے' لیکن اس بار فلورنتینو آریزا کو علم ہو چکا تھا کہ مکان میں کوئی اور بھی موجود ہے' کیوں کہ صحن کا اجالا سبق دوہراتی ہوئی ایک نسوانی آواز سے معمور تھا۔ سلائی کے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے کھڑکی سے اندر نگاہ ڈالی اور دو کرسیوں پر عمر رسیدہ عورت اور ایک نوعمر لڑکی کو ایک دوسرے کے قریب بیٹھے دیکھا' جو مل کر ایک ہی کتاب جو عمر رسیدہ عورت کی گود میں کھلی ہوئی رکھی تھی، پڑھ رہی تھی۔ یہ منظر عجیب سا لگتا تھا: بیٹی ماں کو پڑھنا سکھا رہی تھی۔ اس کا یہ خیال صرف جزوی طور پر غلط تھا۔ اگرچہ اس عورت نے لڑکی کو اپنی بیٹی کی طرح ہی پالا تھا، مگر وہ اس کی ماں نہیں بلکہ پھوپھی تھی، پڑھائی میں کوئی رخنہ نہیں پڑا۔ بس لڑکی نے یہ دیکھنے کے لیے نگاہ اٹھائی کہ کھڑکی کے پاس سے کون گزر رہا ہے' اور یہ سرسری نگاہ محبت کے اس طوفان کی ابتدا ثابت ہوئی، جو اب تک نصف صدی کا عرصہ گزر جانے پر بھی نہ تھما تھا۔

فلورنتینو آریزا لورینز و دازا کے بارے میں صرف اتنا جان سکا کہ وہ ہیضے کی وبا کے کچھ ہی عرصے بعد' سان جوان دی لاسے فی گاسے' اپنی اکلوتی بیٹی اور راکتخدا بہن کو ہمراہ لیے آیا تھا' اور جن لوگوں نے اسے جہاز سے اترتے دیکھا تھا' انھیں اس بات میں ذرا بھی شبہ نہ تھا کہ وہ مستقل رہنے کی غرض سے آیا ہے' کیوں کہ اس کے سامان میں وہ تمام اشیا شامل تھیں، جو ایک مکمل طور پر آراستہ مکان کے لیے

درکار ہوتی ہیں ۔اس کی بیوی اس وقت فوت ہوگئی تھی جب اس کی بیٹی ابھی بہت چھوٹی تھی ۔اس کی بہن' جس کا نام ایسکولستیکا تھا' چالیس برس کی تھی' اور ایک منت کی پاسداری میں' گھر سے باہر نکلتے وقت سینٹ فرانسس کی عبا پہنتی تھی اور گھر کے اندر کمر میں انفعال کی ڈوری باندھے رکھتی تھی ۔لڑکی کی عمر تیرہ برس کی تھی اور نام وہی تھا جو اس کی مرحومہ ماں کا تھا: فرمینا۔

لورینزو دازا کو خاصا مالدار باور کیا جاتا تھا' کیوں کہ وہ کسی معلوم پیشے سے بے نیاز عیش سے رہتا تھا' اور اس نے ایونجلو پارک کا مکان نقد رقم دے کر خریدا تھا' جس کو بہتر بنانے میں اسے اس کی قیمت یعنی دوسو طلائی پیسوں سے دگنی رقم خرچ کرنی پڑی ہوگی ۔اس کی بیٹی مقدس مریم کی تقدیم کی اکادمی میں پڑھ رہی تھی' جہاں پچھلی دو صدیوں سے اعلیٰ طبقے کی نوعمر خواتین مستعد اور اطاعت گزار بیویاں بننے کا فن اور آداب سیکھتی رہی تھیں ۔نوآبادیاتی دور میں' اور جمہوریہ کے ابتدائی برسوں میں' یہ اسکول صرف ان طالبات کو داخلہ دیا کرتا تھا جو معزز ناموں والے اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں ۔ لیکن آزادی کی اکھاڑ پچھاڑ کی زد میں آئے ہوئے قدیم گھرانوں کو ایک نئے زمانے کی حقیقتوں کے سامنے ہار ماننا پڑی' اور اکادمی نے خاندانی وجاہت سے قطع نظر' صرف اس بنیادی شرط پر کہ وہ کیتھولک شادیوں کی باقاعدہ جائز اولاد ہوں' ان تمام درخواست گزاروں کے لیے اپنے دروازے کھول دیے جو تعلیم کے اخراجات برداشت کرنے کے اہل تھے ۔بہر کیف' یہ ایک مہنگا اسکول تھا' اور یہ حقیقت کہ فرمینا دازا ،اس میں پڑھتی تھی' اس کے خاندان کے سماجی رتبے کا نہ سہی مالی خوش حالی کا کافی ثبوت بہرحال تھی ۔اس اطلاع نے فلورنتینو آریزا کو خاصی امید بخشی' کیوں کہ اس سے اسے اندازہ ہوا کہ بادام کی سی آنکھوں والی یہ حسین اور نوخیز لڑکی اس کے خوابوں کی رسائی میں ہے ۔لیکن اس کے باپ کی کڑی نگرانی نے بہت جلد ایک لاینحل دشواری پیدا کر دی ۔دوسری طالبات کے برعکس' جو ٹولیوں میں یا کسی معمر ملازمہ کی ہمراہی میں اسکول جاتی تھیں فرمینا دازا ہمیشہ اپنی ناکتخدا پھوپھی کے ساتھ ہوتی تھی' اور اس کے رویے سے اندازہ ہوتا تھا کہ اسے کسی اور طرف دھیان بٹانے کی بالکل اجازت نہیں ہے ۔

اسی سادگی کے ساتھ فلورنتینو آریزا نے تنہا شکاری کے طور پر اپنی خفیہ زندگی کا آغاز کیا ۔صبح سات بجے سے وہ ایونجلو پارک کی سب سے گمشدہ بنچ پر بادام کے درختوں کے سائے میں بیٹھ کر بظاہر شاعری کی کوئی کتاب کھول کر پڑھنے لگتا' یہاں تک کہ دھاری دار نیلی یونی فارم' گھٹنوں تک پہنچتی ہوئی اسٹاکنگز اور مردانہ وضع کے کناری دار جوتوں میں وہ اس محال دوشیزہ کو گزرتے ہوئے دیکھ لیتا ۔اس کی

موٹی سی چوٹی‘ سرے پر بندھی بو کے ساتھ‘اس کی کمر تک پہنچ رہی ہوتی ۔ وہ ایک فطری وقار کے ساتھ سر اٹھائے‘ایک نقطے پر نگاہ جمائے‘ کتابوں کا بستہ سینے پر دونوں ہاتھوں تھامے‘تیز تیز قدموں سے ناک کی سیدھ میں چلتی جاتی ۔اس کی ہرنی کی سی سبک رفتار سے یوں لگتا جیسے وہ زمین کی کشش سے آزاد ہو۔اس کے ساتھ ساتھ قدم سے قدم ملانے کی کوشش کرتی‘ سنتئی عبا میں ملبوس اس کی پھوپھی فلورنٹینو آریزا کو ذرا سا موقع بھی نہ دیتی کہ وہ نزدیک آنے کی کوشش کرے۔فلورنٹینو آریزا ہر روز چار مرتبہ ان دونوں کو آتے اور جاتے دیکھتا‘اوراتوار کے دن ایک بار‘جب وہ اختتامِ ہفتہ کے عشائے ربانی کے بعد گرجا سے باہر آرہی ہوتیں تو اس لڑکی کو صرف دیکھ لینا اس کے لیے کافی تھا۔ رفتہ رفتہ وہ اس میں خوبیوں اور خیالی جذبات کا اضافہ کر کے اسے مثالی صورت دیتا گیا‘اور دو ہفتے بعد اس کے ذہن میں اس لڑکی کے خیال کے سوا کچھ نہ رہ گیا۔تب اس نے فرمینا دازا کو‘اپنے خوش نویسوں کے سے نفیس خط میں کاغذ کے دونوں طرف لکھا ہوا ایک سادہ رقعہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔لیکن وہ اسے کئی روز تک اپنی جیب میں ڈالے‘اس کو اس کے حوالے کرنے کا طریقہ سوچتا رہا‘اور یہ سوچتے سوچتے ہر رات سونے سے پہلے اس میں اضافہ کرتا گیا‘ یہاں تک کہ اصل خط اب مدحیہ الفاظ کی ایک ضخیم لغت کی صورت اختیار کرتا جا رہا تھا‘جو تمام ان کتابوں سے مستعار تھے جنھیں وہ باغ میں اپنی منتظر نظروں کے ساتھ بیٹھے رہنے کے دوران میں پڑھا کرتا تھا اور جن کے اشعار اب اسے ازبر ہو گئے تھے۔

اس تک خط پہنچانے کے لیے کسی ذریعے کی تلاش میں اس نے اکادمی کی چند اور طالبات سے راہ ورسم پیدا کرنے کی کوشش کی‘لیکن وہ اس کی دنیا سے بہت دور تھیں ۔اس کے علاوہ بہت سوچنے کے بعد‘اسے یہ مناسب معلوم نہ ہوا کہ کسی اور کو اپنے ارادوں میں شریک کرے۔تاہم وہ اس قدر جاننے میں کامیاب ہو گیا کہ شہر میں آنے کے چند روز بعد فرمینا دازا کو اختتامِ ہفتہ کے رقص میں شرکت کی دعوت ملی تھی‘لیکن اس کے باپ نے اسے جانے کی اجازت نہ دیتے ہوئے قطعی طور پر یہ کہہ دیا تھا۔''ہر چیز اپنے وقت پر۔'' جب خط کی ضخامت دونوں طرف لکھے ہوئے ساٹھ صفحوں سے تجاوز کر گئی تو فلورنٹینو آریزا اپنے اس راز کا مزید بوجھ اٹھانے سے قاصر ہو گیا اور اس نے اپنی ماں کو اس میں شریک کر لیا۔وہ واحد ہستی تھی ،جس پر اعتماد کرنے کی وہ خود کو اجازت دیتا تھا۔محبت کے معاملات میں اپنے بیٹے کی سادگی نے ٹرانسیتو آریزا کو اتنا متاثر کیا کہ اس کی آنکھیں پرنم ہو گئیں اور اس نے اپنی دانائی سے اس کی رہنمائی کرنے کی کوشش کی ۔سب سے پہلے تو اس نے اسے کاغذوں کے اس غنائی پلندے کو خط کے طور پر بھیجنے

سے باز رہنے پر آمادہ کیا' کہ یہ اس کے خوابوں میں چھائی ہوئی لڑکی کو صرف خوف میں مبتلا کر سکتا تھا' جو اس کے خیال میں دل کے معاملات میں اتنی ہی نو وارد تھی جتنا کہ اس کا بیٹا۔ "پہلا قدم یہ ہے،" اس نے سمجھایا کہ، "وہ اسے اپنی دلچسپی سے آگاہ کرے تا کہ اس کے اظہارِ عشق پر وہ حیرت کا شکار نہ ہو جائے اور اسے غور کرنے کا وقت مل سکے۔"

"اور سب سے اہم بات یہ ہے۔" وہ بولی۔ "تم لڑکی سے پہلے اس کی پھوپھی کا دل جیتنے کی کوشش کرو۔"

بلاشبہ یہ دونوں نصیحتیں دانائی سے بھرپور تھیں' لیکن دونوں بعد از وقت تھیں۔ حقیقت یہ تھی کہ اس روز' جب اپنی پھوپھی کو سبق دیتے ہوئے، ایک لمحے کے لیے دھیان ہٹا کر اس نے یہ دیکھنے کے لیے نگاہ اٹھائی تھی کہ برآمدے سے کون گزر رہا ہے' فلورنتینو آریزا نے اپنے بے مدافعت انداز کے باعث اسے متاثر کر لیا تھا۔ اس رات' کھانے کے دوران میں' اس کے باپ نے ٹیلی گرام کا ذکر کیا تھا جس سے اسے علم ہوا کہ فلورنتینو آریزا کے اس کے گھر آنے کا مقصد کیا تھا' اور یہ کہ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے۔ اس اطلاع نے اس کی دلچسپی اور بڑھا دی' کیوں کہ اس زمانے کے اور لوگوں کی طرح اس کے لیے بھی ٹیلی گراف کی ایجاد اپنے اندر جادو کا سا اثر رکھتی تھی۔ سو اس نے ایونجلز پارک میں اسے بادام کے درختوں کے نیچے بیٹھا دیکھ کر پہلی نگاہ میں ہی اسے پہچان لیا تھا' لیکن اسے کوئی اضطراب نہیں ہوا جب تک اس کی پھوپھی نے اسے یہ نہ بتایا کہ وہ کئی ہفتوں سے وہاں نظر آ رہا ہے۔ جب انھوں نے اتوار کو' عشائے ربانی کے بعد باہر نکلتے ہوئے' اسے ایک بار پھر دیکھا تو اس کی پھوپھی کو یقین ہو گیا کہ یہ تمام ملاقاتیں محض اتفاقیہ نہیں ہو سکتیں۔ اس نے کہا۔ "ظاہر ہے وہ یہ تمام مشقت میرے لیے تو نہیں اٹھا رہا ہے۔" اپنے راہبانہ انداز اور استغنا کی عادت کے باوجود پھوپھی ایسکولستیکا میں زندگی سے شغف اور سازباز کرنے کی خواہش موجود تھی' جو اس کی سب سے بڑی خوبی تھی' اور صرف اس خیال نے' کہ کوئی شخص اس کی بھتیجی میں دلچسپی لے رہا ہے' اس میں ایک ناقابلِ مزاحمت جذبہ بیدار کر دیا۔ تاہم فرمینا دازا محبت کے سادہ ترین تجسس سے بھی نا آشنا تھی' اور فلورنتینو آریزا کو دیکھ کر، اس میں جو واحد جذبہ پیدا ہوتا، وہ ایک طرح کے ترحم کا تھا' کیوں کہ وہ اسے بیمار دکھائی دیتا تھا۔ لیکن اس کی پھوپھی نے اسے بتایا کہ کسی مرد کی اصل فطرت کا پتا چلانے کے لیے ایک طویل عمر درکار ہے' اور اسے یقین ہے کہ اس نوجوان کو' جو باغ میں بیٹھا انہیں آتے جاتے دیکھا کرتا ہے' صرف عشق کا مرض لاحق ہے۔

پھوپھی ایسکولستیکا بے محبت کی شادی کی اکلوتی یادگار، اس نوجوان لڑکی کے لیے ہمدردی اور محبت کی ایک پناہ گاہ تھی۔ ماں کی موت کے بعد سے اسی نے اسے پالا تھا' اور اس کے لورینزو دازا کے ساتھ معاملات میں اس کا طرزِ عمل پھوپھی سے زیادہ دوست کا سا ہوتا تھا۔ اس طرح فلورنتینو آریزا کی آمد، ان دونوں کے لیے، ان کے بہت سے رازدارانہ مشغلوں میں سے ایک تھی، جو وہ وقت گزارنے کے لیے ایجاد کیا کرتی تھیں۔ دن میں چار مرتبہ جب وہ ایونجلو پارک کے پاس سے گزرتیں تو اس دبلے، سہمے ہوئے' غیر متاثر کن پاسبان پر جلدی سے ایک تیز نگاہ ڈالتیں جو شدید گرمی میں بھی سیاہ لباس پہنے بیٹھا درختوں کے نیچے پڑھنے کی اداکاری کر رہا ہوتا تھا۔ ''وہ رہا!'' ان میں سے جس کی نگاہ اس پر پہلے پڑتی وہ اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے دوسری کو بتاتی' اور جب وہ نظر اٹھاتا تو اسے دو سنجیدہ اور الگ تھلگ خواتین اس کی طرف توجہ کیے بغیر باغ کا راستہ طے کرتی ہوئی دکھائی دیتیں۔

''بے چارہ'' اس کی پھوپھی نے کہا تھا۔ ''میں ساتھ ہوں اس لیے اسے تم سے مخاطب ہونے کی ہمت نہیں ہوتی' لیکن اگر وہ واقعی سنجیدہ ہے تو ایک دن تم سے بات کرے گا اور پھر تمھیں ایک خط دے گا۔''

آنے والی تمام دشواریوں کا اندازہ کر کے پھوپھی نے اسے اشاروں کی زبان سکھائی جو ممنوعہ محبت میں ناگزیر حربہ تھی۔ ان غیر متوقع اور تقریباً بچگانہ حرکتوں نے فرمینا دازا میں ایک نامانوس تجسس جگا دیا' لیکن کئی ماہ تک اسے یہ خیال نہ ہوا کہ معاملہ اس سے آگے بھی جا سکتا ہے۔ اسے پتا بھی نہ چلا کہ کب یہ مشغلہ دھیرے دھیرے ایک محویت میں بدل گیا' اور اسے دیکھنے کی طلب میں اس کے خون کی گردش تیز ہونے لگی' اور ایک رات تو جب وہ اندھیرے میں، اسے مسہری کی پائنتی کی طرف سے اس پر نظریں جمائے ہوئے دکھائی دیا تو دیا وہ دہشت سے جاگ اٹھی۔ تب اس نے اپنے پورے دل سے اپنی پھوپھی کی پیش گوئیوں کے سچ ہونے کی آرزو کی اور اپنی دعاؤں میں اس نے خدا سے، اس کو حوصلہ عطا کرنے کی التجا کی کہ وہ خط اسے تھما دے تاکہ وہ دیکھ سکے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔

لیکن اس کی دعاؤں کا کوئی جواب نہ آیا۔ بل کہ جو کچھ ہوا وہ اس کے برعکس تھا۔ یہ وہی موقع تھا جب فلورنتینو آریزا نے اپنی ماں کے سامنے اعتراف کیا تھا اور اس نے اسے ستر صفحوں پر مشتمل مدح خوانی کا پلندا فرمینا دازا کو تھمانے سے باز رہنے پر آمادہ کر لیا تھا' چناں چہ وہ اس سال کے اختتام تک انتظار کرتی رہی۔ اس کی محویت نا امیدی میں بدلتی جا رہی تھی کیوں کہ دسمبر کی چھٹیاں قریب آ رہی تھیں

اور وہ بار بار خود سے سوال کر رہی تھی کہ ان تین مہینوں میں جب وہ اسکول نہیں جایا کرے گی تو اسے کس طرح دیکھے گی اور کس طرح اسے خود کو دیکھنے کا موقع دے گی۔ اس کے یہ سوال ابھی تک بے جواب تھے کہ کرسمس سے پہلے کی رات وہ اس احساس سے لرز اٹھی کہ وہ نصف شب کی عبادت کے ہجوم میں موجود ہے اور اسے دیکھ رہا ہے' اور اس کا دل بے تابیوں کے طوفان کی لپیٹ میں آ گیا۔ وہ گردن گھمانے کی ہمت نہ کر سکی' کیوں کہ وہ اپنے باپ اور اپنی پھوپھی کے بیچ میں بیٹھی تھی اور خود پر قابو پانے کی شدید کوشش کر رہی تھی تاکہ وہ دونوں اس کے پہچان لینے سے باخبر نہ ہو جائیں۔ لیکن گرجا گھر سے باہر نکلتے ہوئے ہجوم کے درمیان اسے وہ اتنے واضح طور پر' اتنا قریب محسوس ہوا کہ گرجا گھر کے وسطی حصے سے گزرتے ہوئے وہ ایک ناقابل مزاحمت قوت کے زیر اثر اپنے شانے کے اوپر سے' اسے دیکھے بغیر نہ رہ سکی اور تب اس نے اپنی آنکھوں سے بالشت بھر کے فاصلے پر' ان سرد آنکھوں' اس بے رنگ چہرے اور محبت کی دہشت سے پتھرائے بنے ہوئے' ان ہونٹوں کو دیکھا۔ اپنی جرات سے خوف زدہ ہو کر اس نے پھوپھی ایسکولستیکا کا بازو تھام لیا کہ گر نہ پڑے' اور اس کی پھوپھی نے جالی دار دستانوں میں سے اس کی ہتھیلیوں کے یخ بستہ پسینے کو محسوس کر لیا اور اپنی غیر مشروط رازداری کے بے حد موہوم اشارے سے اسے تسلی دی۔ آتش بازی اور مقامی لوگوں کے طنبوروں کے شور' دروازوں کی رنگین روشنیوں اور سکون کے طالب ہجوم کے شور و غوغا کے درمیان فلورنتینو آریزا نیند میں چلنے والوں کی طرح صبح تک پھرتا رہا' اپنے آنسوؤں کے درمیان سے اس جشن کو دیکھتے ہوئے وہ اس احساس کے اثر میں تھا کہ یہ خداوند کی نہیں بلکہ خود اس کی پیدائش کا دن ہے۔

اگلے ہفتے اس کا جنون اور بڑھ گیا جب وہ سہ پہر کو قیلولے کے وقت عالم یاس میں فرمینا دازا کے مکان کے پاس سے گزرا اور اس نے دیکھا کہ وہ اور اس کی پھوپھی دروازے کے باہر باغیچے میں بادام کے درختوں کے نیچے بیٹھی ہیں۔ وہی منظر جو اس نے پہلی سہ پہر کو مکان کے اندر سلائی والے کمرے میں دیکھا تھا اب باہر دوہرایا جا رہا تھا۔ لڑکی اپنی پھوپھی کو پڑھنا سکھا رہی تھی۔ لیکن فرمینا دازا اسکول کی یونی فارم کے بغیر مختلف نظر آ رہی تھی' کیوں کہ اس نے ایک تنگ سی قبا پہن رکھی تھی جس کی بہت ساری تہیں اس کے شانوں سے یونانی انداز میں نیچے گرتی تھیں' اور اس نے سر پر گارڈینیا کے تازہ پھولوں سے بنا ایک ہار لپیٹ رکھا تھا جس سے وہ کوئی تاج دار دیوی دکھائی دے رہی تھی۔ فلورنتینو آریزا باغ میں ایسی جگہ جا بیٹھا جہاں اسے یقین تھا کہ اسے دیکھ لیا جائے گا۔ وہ خود کو پڑھنے کا ناٹک کرنے پر

آمادہ نہ کر سکا۔ بل کہ کتاب گود میں کھلی چھوڑ کر نظریں جمائے اس تصوراتی حسینہ کو دیکھتا رہا' جس نے جواب میں اس پر ایک ترس بھری نگاہ تک نہ ڈالی۔

پہلے پہل اسے خیال ہوا کہ ان دونوں کا باہر باغیچے میں آ بیٹھنا شاید مکان کی لامختتم مرمت کے باعث ایک اتفاقی انتظام تھا' لیکن آنے والے چند دنوں میں اس نے جان لیا کہ فرمینا دازا چھٹیوں کے تین مہینوں کی ہر سہ پہر وہاں' اس کی نظروں کے سامنے ہوگی۔ بلاشبہ اس بات سے اس کا دل ایک نئی امید سے بھر گیا۔ اسے یہ تاثر نہیں ملا تھا کہ اسے دیکھ لیا گیا ہے' اور نہ وہ کسی دلچسپی یا تنفر کا سراغ لگا پایا تھا' مگر فرمینا دازا کی بے نیازی سے ایسی روشنی پھوٹتی معلوم ہوتی تھی جو ثابت قدم رکھنے میں اس کی ہمت بڑھا رہی تھی۔ تب' جنوری کے اواخر کی ایک سہ پہر پھوپھی نے اپنی چیزیں کرسی پر رکھیں اور اپنی بھتیجی کو بادام کے درخت سے گرتے زرد پتوں کے نیچے تنہا چھوڑ کر اندر چلی گئی۔ اس فوری خیال سے حوصلہ پا کر کہ یہ موقع شعوری طور پر پیدا کیا گیا ہے' فلورنتینو آریزا نے سڑک پار کی اور فرمینا دازا کے مقابل جا کھڑا ہوا' اس کے اتنے قریب کہ اس کے سانسوں کے خفیف زیر و بم اور پھولوں کے عطر کی اس مہک کو محسوس کر سکتا تھا جو اس کے دل میں عمر بھر کے لیے فرمینا دازا کی ذات سے وابستہ ہونے والی تھی۔ اس سے مخاطب ہوتے وقت فلورنتینو آریزا کا سر اٹھا ہوا تھا اور اس میں ایک ایسا عزم تھا جو اس موقعے کے پچاس برس بعد اس میں' اسی سبب سے' دوبارہ بیدار ہونے والا تھا۔

''میں صرف تمہیں ایک خط دینا چاہتا ہوں۔'' وہ بولا۔

یہ وہ آواز نہیں تھی جس کی فرمینا دازا کو اس سے توقع تھی' یہ ایک تیز اور صاف آواز تھی اور اس میں ایسا ضبط تھا جو اس کے نحیف انداز سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ اپنے کڑھائی کے کام سے نظریں ہٹائے بغیر وہ جواب میں بولی۔ ''میں اپنے ابا کی اجازت کے بغیر نہیں لے سکتی۔'' فلورنتینو آریزا اس آواز کی حدت سے کانپ اٹھا' جس کا دبا دبا لہجہ وہ ساری زندگی فراموش نہیں کرنے والا تھا۔ لیکن پھر اس نے خود کو سنبھال لیا اور کسی جھجک کے بغیر بولا: ''یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔'' فرمینا دازا نے اس پر نظر نہیں ڈالی نہ اپنا کڑھائی کا کام ایک لمحے کے لیے بند کیا' پھر بھی اس کے فیصلے نے دروازے کو اتنا کھول دیا کہ اس میں سے تمام دنیا گزر سکتی تھی۔

''روزانہ سہ پہر کو آتے رہو۔'' اس نے کہا۔ ''اور اس وقت تک انتظار کرو جب تک میں اپنی جگہ تبدیل نہ کرلوں۔''

فلورنتینو آریزا کو اس کی بات اگلے سوموار تک سمجھ نہ آئی جب اس نے باغ میں بنچ پر سے بیٹھے بیٹھے وہی پرانا منظر ایک تبدیلی کے ساتھ دیکھا۔ جب پھوپھی اسکولستیکا اندر گھر میں چلی گئی تو فرمینا دازا اپنی جگہ سے کھڑی ہو کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ فلورنتینو آریزا جس نے اپنے کالر میں کمیلیا کا ایک پھول لگا رکھا تھا' سڑک پار کر کے اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس نے کہا۔ "یہ میری زندگی کا سب سے عظیم لمحہ ہے۔" فرمینا دازا نے اس کی جانب نگاہیں نہ اٹھائیں' لیکن اپنے دائیں بائیں نظر ڈال کر خشک موسم کی گرمی میں ویران سڑک اور ہوا میں اڑتے سوکھے پتوں کو دیکھا۔

"لاؤ' دے دو۔" وہ بولی۔

پہلے تو فلورنتینو آریزا نے ارادہ کیا تھا کہ وہ ستر صفحات اسے دے دے جو بار بار پڑھنے سے اسے زبانی یاد ہو چکے تھے' لیکن پھر اس نے صرف آدھے صفحے کا ایک سنجیدہ اور سیدھا سادہ خط اس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا جس میں اس نے صرف اسی بات کا عہد کیا تھا جو ضروری تھی یعنی اپنی مکمل وفاداری اور دوامی محبت۔ اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے خط نکالا اور اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا دیا جو کڑھائی پر مستقل نظریں جمائے ہوئے تھی اور اب بھی اس کی طرف دیکھنے کی جرات نہیں کر رہی تھی۔ اس نے خوف سے زرد ہاتھ میں کپکپائے ہوئے خط کو دیکھا اور کڑھائی کا فریم خط وصول کرنے کے لیے اوپر اٹھا دیا' کیوں کہ وہ اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہ تھی کہ اس نے اس کی انگلیوں کی لرزش کو محسوس کر لیا ہے۔ عین اسی وقت بادام کے درختوں کے پتوں میں کسی پرندے نے پر پھڑ پھڑائے اور اس کی بیٹ سیدھی کڑھائی کے فریم پر آ گری۔ فرمینا دازا نے فریم جلدی سے ہٹا کر اپنے پیچھے کر لیا تاکہ اسے معلوم نہ ہونے پائے اور پہلی بار اپنا سا لگتا ہوا چہرہ اوپر اٹھا کر اسے دیکھا۔ فلورنتینو آریزا اس کا اثر لیے بغیر خط ہاتھ میں لیے کھڑا رہا اور بولا: "یہ اچھا شگون ہے۔" وہ شکریے کے طور پر پہلی بار مسکرائی اور خط اس کے ہاتھ سے تقریباً چھین لیا' اور تہہ کر کے اپنے گریبان میں رکھ لیا۔ پھر اس نے کمیلیا کا پھول اپنے کالر سے نکال کر اسے پیش کیا' لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا: "یہ وعدوں کا پھول ہے۔" پھر یہ احساس ہونے پر کہ ان کی ملاقات کا وقت ختم ہو رہا ہے' اس نے دوبارہ اپنے سنجیدہ انداز میں پناہ لی۔

"اب تم جاؤ" اس نے کہا "اور اس وقت تک دوبارہ نہ آنا جب تک میں نہ کہوں۔"

اس سے پہلے کہ وہ اس پہلی ملاقات کا ماجرا اپنی ماں کو بتاتا وہ اس کے بارے میں جان چکی تھی' کیوں کہ فلورنتینو آریزا کی آواز دھیمی ہونے لگی' بھوک کم ہونے لگی اور وہ پوری پوری رات بستر پر

کروٹیں بدل کر گزارنے لگا۔ لیکن جب اس نے اپنے پہلے خط کے جواب کا انتظار شروع کیا تو اس کی اذیت اسہال اور سبز الٹیوں کی وجہ سے اور زیادہ پیچیدہ ہونے لگی، وہ کھویا کھویا رہنے لگا اور اسے غشی کے دورے پڑنے لگے۔ اس کی ماں اس کی حالت دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئی کیوں کہ اس کی علامات محبت کے اضطراب سے زیادہ ہیضے کی غارت گری سے مشابہت رکھتی تھیں۔ فلورنتینو آریزا کا گاڈ فادر بھی، جو ہومیو پیتھی کا پرانا معالج اور ٹرانسیتو آریزا کا اس وقت سے راز داں تھا جب وہ درپردہ ایک داشتہ کی حیثیت سے رہتی تھی، پہلے اپنے مریض کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا، کیوں کہ اس کی نبض سست تھی، سانس بھاری تھا اور زرد پسینہ کسی ایسے شخص کے پسینے کی طرح تھا جو قریب المرگ ہو۔ لیکن اس کے لیے تفصیلی معائنے سے معلوم ہوا کہ اسے بخار یا درد کی کوئی شکایت نہیں، اور اس کا واحد شعوری احساس مر جانے کی ایک شدید خواہش کا تھا۔ اس نتیجے تک پہنچنے کے لیے اسے پہلے مریض سے اور پھر اس کی ماں سے ہوشیاری کے ساتھ پوچھ گچھ کرنی پڑی، کہ محبت اور ہیضے کی علامات ایک جیسی ہوتی ہیں۔ اس نے اعصاب کو سکون پہنچانے کے لیے زیرفون کے شگوفوں کا آمیزہ تجویز کیا اور آب و ہوا کی تبدیلی کا مشورہ دیا تاکہ دور جا کر اسے کچھ سکون مل سکے لیکن فلورنتینو آریزا کی خواہش اس کے برعکس تھی، وہ اپنی اذیت سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔

ٹرانسیتو آریزا ایک آزاد کردہ مخلوط النسل عورت تھی جس کی خوش رہنے کی جبلت کا افلاس نے دم گھونٹ دیا تھا، اور وہ اپنے بیٹے کی بے قراری میں اسی طرح لذت محسوس کر رہی تھی گویا یہ خود اسی کی ہو۔ جب اس کا جنون بڑھا تو اس نے فلورنتینو آریزا کو آمیزے پلائے اور سردی سے بچاؤ کے لیے اسے کمبلوں میں لپیٹ دیا، لیکن ساتھ ہی وہ اسے اپنی اس حالت سے لذت اٹھانے پر بھی اکساتی رہی۔

''اس کی قدر کرو، کیوں کہ ابھی تم جوان ہو اور اسے جھیل سکتے ہو'' وہ اس سے بولی۔ ''یہ چیزیں سدا ساتھ نہیں رہتیں۔''

لیکن محکمۂ ڈاک اس خیال سے اتفاق نہیں کرتا تھا۔ فلورنتینو آریزا اپنے کام سے غفلت برتنے لگا تھا اور اتنا کھویا کھویا رہنے لگا تھا کہ ڈاک کے جہاز کی آمد پر لہرائے جانے والے جھنڈوں میں تمیز نہ کر پاتا تھا۔ ایک بدھ کے روز اس نے جرمنی کا جھنڈا لہرا دیا جب کہ جہاز لے لینڈ کمپنی کا تھا اور لیورپول سے ڈاک لایا تھا، اور ایک اور دن ساں نزیر سے آنے والے کمپنی ژنرال ٹرانس اٹلانٹیک کے جہاز کی آمد پر ریاست ہائے متحدہ کا جھنڈا لہرا دیا۔ محبت کی اس غائب دماغی نے ڈاک کی تقسیم میں اس قدر بدنظمی پیدا کی

اور لوگوں کو اس قدر ریزار کیا کہ اگر لوٹا ریونکٹ نے اسے ٹیلی گراف کے کام پر نہ لگا دیا ہوتا اور کلیسا کی سرودخوانی میں وہ اس کے ساتھ وائلن بجانے نہ جایا کرتا تو اپنی ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ ان میں ایسی دوستی تھی جو ان کی عمروں کے فرق کی وجہ سے نا قابل فہم تھی۔ یہ فرق اتنا تھا کہ ان دونوں میں دادا اور پوتے کا رشتہ بھی ہوسکتا تھا لیکن ان کے تعلقات نہ صرف کام کے اوقات میں بے حد خوشگوار تھے بل کہ وہ شام کو بندرگاہ کے آس پاس کے ان مے خانوں بھی ساتھ جایا کرتے تھے جو سماجی طبقے سے قطع نظر، گھر سے باہر شام گزارنے والوں کی محبوب جگہ تھے' چاہے وہ نشے میں دھت گداگر ہوں یا تلی ہوئی مچھلی اور ہریل کے ساتھ چاول کھانے کی طلب میں شوشل کلب کی پر رونق ضیافتوں سے بھاگ نکلنے والے خوش پوش دولت مند نوجوان۔ لوٹا ریونکٹ ٹیلی گراف کی آخری شفٹ کے بعد وہاں جانے کا عادی تھا' اور صبح وہ اکثر جمیکن پنچ پینے اور انتیلی جہازوں کے دیوانے ملاحوں کے ساتھ اکارڈین بجانے میں مشغول پایا جاتا۔ وہ بیل کی سی گردن' اور سنہری ڈاڑھی والا ایک فربہ اندام شخص تھا۔ رات کو باہر نکلتے وقت وہ ایک لبرتی کیپ اور لگا لیتا اور اس کے بعد اس کی سینٹ نکولس سے مشابہت مکمل ہونے میں صرف گلے میں گھنٹیوں کی کسر ہی رہ جاتی۔ ہفتے میں کم از کم ایک بار وہ ایسی عورتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ رات گزارتا جنھیں وہ رات کے پرندے کہا کرتا تھا' اور جو ملاحوں کے لیے بنے ہوئے شب بسری کے ایک ہوٹل میں فوری ضرورت کے لیے وصال فروخت کیا کرتی تھیں۔ فلورنتینو آریزا سے ملتے ہی، اس نے اسے ایک تحکمانہ مسرت کے ساتھ اپنی اس جنت کے اسرار سے آگاہ کیا۔ اس نے فلورنتینو آریزا کے لیے اپنے خیال میں بہترین نوخیز پرندوں کا انتخاب کیا' ان سے ان کی قیمت اور طور طریق کے بارے میں بات طے کی اور انھیں ان کی خدمات سے قبل اپنی جیب سے ادائیگی کی پیش کش کی۔ لیکن فلورنتینو آریزا راضی نہ ہوا۔ وہ کنوارا تھا اور محبت کے سوا اس نے اپنے کنوارپن سے کسی اور شے کے عوض دستبردار نہ ہونے کا عہد کر رکھا تھا۔

ہوٹل کی عمارت ایک نوآبادیاتی حویلی تھی جو اپنے اچھے دن گزار چکی تھی اور اس کے وسیع و عریض دیوان خانوں اور کمروں کو لکڑی کے تختوں کی مدد سے چھوٹی چھوٹی کوٹھریوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا' جن کے دروازوں میں اندر جھانکنے کے لیے سوراخ بنے ہوئے تھے ان کو نہ صرف ہم بستری کے لیے بل کہ جھانکنے کے لیے بھی کرائے پر دیا جاتا تھا۔ وہاں بہت سے قصے مشہور تھے بعض نظارہ کرنے والوں نے بنائی سلائیوں سے اپنی آنکھیں پھوڑ لی تھیں' ایک شخص نے روزن میں سے جھانک کر اپنی بیوی کو پہچان لیا

تھا'بعض خاندانی شرفا اپنی اصل کوفراموش کرنے کے لیے فاحشاؤں کے بھیس میں وہاں آیا کرتے تھے۔ ان قصوں 'اور جھانکنے والوں اور دیکھنے جانے والوں کی بدبختی کی بہت سی اور داستانوں کی وجہ سے فلورنتینو آریزا کو ان میں سے کسی کوٹھری میں جانے کا خیال ہی خوف زدہ کر دیتا تھا۔ اور اس طرح لوٹا ریونگٹ اسے اس بات پر کبھی قائل نہ کرسکا کہ ان سوراخوں سے جھانکنا اور اس جھانکے جانے کا ہدف بننا یورپی شہزادوں کے نفیس ذوق کا آئینہ دار ہے۔

اپنے بھاری بھرکم جثے کے برعکس لوٹا ریونگٹ کا اعضائے تناسل کسی کمسن بچے کی طرح نوخیز تھا لیکن یہ ضرور ایک خوش قسمت نقص رہا ہوگا کیوں کہ انتہائی تجربہ کار طوائفوں میں بھی اس کے ساتھ سونے کا موقع حاصل کرنے کے لیے تکرار ہوتی تھی اور پھر کوٹھری میں سے ان کی چیخیں یوں بلند ہوتیں جیسے انہیں ذبح کیا جارہا ہو' جن سے عمارت کی بنیادیں لرزنے لگتیں اور اس میں بسے ہوئے عفریت تک دہشت سے کانپنے لگتے۔ کہا جاتا تھا کہ لوٹا ریونگٹ کے پاس سانپ کے زہر سے بنایا ہوا ایک مرہم ہے جس کے ملنے سے عورتوں کے بدن جل اٹھتے ہیں' لیکن وہ قسم کھا کر کہتا تھا کہ وہ خدا کے دیے ہوئے وسائل کے سوا اور کچھ نہیں رکھتا۔ وہ ہنسی کے مارے بے حال ہوتے ہوئے کہتا: "یہ خالص محبت کا کرشمہ ہے۔" فلورنتینو آریزا کو اس کی بات کا یقین کرنے کے لیے ابھی کئی سال درکار تھے۔ بالاخر اپنی جذباتی تعلیم کے اعلیٰ درجے پر پہنچ کر جب وہ ایک ایسے شخص سے ملا جو بیک وقت تین عورتوں کو تصرف میں لاتے ہوئے ایک شاہانہ زندگی بسر کر رہا تھا' تو اسے قائل ہونا پڑا۔ وہ تینوں عورتیں صبح اس کے قدموں میں گر کر اپنی پونجی اس کی نذر کرتیں' اپنی کم مائیگی پر شرمندہ ہوتیں اور التجا کرتیں کہ ان تینوں میں سے جس نے اسے سب سے زیادہ رقم پیش کی ہو وہ اس کے ساتھ بستر پر جائے۔ فلورنتینو آریزا کا خیال تھا کہ ایسی ذلت کا سبب صرف خوف ہی ہوسکتا ہے' لیکن ان میں سے ایک نے اس کے الٹ حقیقت کا اظہار کر کے اسے حیران کر دیا۔

"کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں۔" وہ بولی: "جو صرف محبت کی خاطر کی جاتی ہیں۔"

لیکن لوٹا ریونگٹ کے اس ہوٹل کا سب سے معزز گاہک بننے میں اس کی جنسی صلاحیتوں کا اتنا دخل نہ تھا جتنی اس کی شخصیت کی کشش کا۔ فلورنتینو آریزا نے بھی' اپنی کم گوئی اور گریزاں انداز کے سبب ہوٹل کے مالک کے دل میں اپنے لیے جگہ بنالی' وہ اپنی شدید تنہائی اور یاس کے وقتوں میں ہوٹل کے کسی تنگ کمرے میں بند ہوکر شاعری اور آنسو بھری قسط وار کہانیاں پڑھا کرتا' اور اس کے خیالوں کی اڑان

اسے سہ پہر کی خاموشی میں بالکنی میں لگے ہوئے سیاہ ابابیلوں کے گھونسلوں اور بوس وکنار اور پر پھڑ پھڑانے کی آوازیں سے دور لے جاتی۔غروب آفتاب کے قریب جب موسم میں گرمی کی شدت کم ہو جاتی تو دوسرے کمروں میں دن بھر کے کام کے بعد خود کو فوری شہوت سے تسکین دینے کے لیے آئے ہوئے مردوں کی گفتگو سے توجہ ہٹانا ناممکن ہو جاتا۔اس گفتگو کے کانوں میں پڑتے رہنے سے فلورنتینو آریزا کو نہ صرف بہت سی بے وفائیوں کا، بل کہ چند سرکاری رازوں کا بھی علم ہوا' جو بعض با اثر گاہک' اور یہاں تک کہ سرکار کے مقامی اہلکار' اس بات سے بے پروا ہو کر کہ ان کی آواز دوسرے کمروں میں سنی جا سکتی ہے' اپنی وقتی محبوباؤں کو بتا رہے ہوتے تھے۔اسی طرح اسے اس بات کا بھی پتا چلا کہ جزائر سوتاویئتو سے چار سمندری فرسنگ کے فاصلے پر سمندر کی تہ میں ایک ہسپانوی جہاز موجود ہے جو اٹھارویں صدی میں چار کھرب پیسو کی مالیت کے طلائی سکوں اور جواہرات سمیت غرق ہو گیا تھا۔اس قصے نے اسے حیرت زدہ کر دیا' لیکن اس کا خیال چند ماہ بعد اسے دوبارہ اس وقت آیا جب اس کے عشق نے اس کے دل میں اس غرقاب خزانے کے لیے حصول کی ایک بے انت آرزو جگا دی، تا کہ فرمینا دازا کو سر سے پاؤں تک سونے میں نہلایا جا سکے۔

برسوں بعد' جب وہ یاد کرنے کی کوشش کرتا کہ شاعری کی کیمیا گری سے مثالی صورت اختیار کر لینے والی دوشیزہ اصل میں کیسی تھی' تو وہ اسے ان شاموں کی یاد سے ممیز نہ کر سکتا تھا۔اپنے پہلے خط کے جواب کے انتظار میں گزارے ہوئے ان دنوں میں بھی' جب وہ اپنے تصور میں اسے دیکھا کرتا تو وہ اسے ایک سدا بہار اپریل کی سہ پہر میں دو بجے کی جھلملاہٹ کے درمیان بادام کے درختوں سے گرتے شگوفوں کے نیچے دکھائی دیتی۔کلیسا کی سرود خوانیوں میں وائلن بجانے کے لیے اس کے لوتا ریونگٹ کے ساتھ جانے کی واحد وجہ یہ تھی کہ وہ اس اعزازی مقام سے دیکھ سکتا تھا کہ دعائیہ گیتوں کی لہروں سے اٹھنے والے ہوا کے جھونکوں میں فرمینا دازا کا لباس کس طرح لہراتا ہے۔لیکن اس کی بے خودی بالآخر اس لذت کی راہ میں رکاوٹ بن گئی، کیوں کہ اسے کلیسا کی صوفیانہ موسیقی اپنی کیفیت سے اتنی مختلف اور اتنی بے روح محسوس ہوتی تھی کہ اس میں جان ڈالنے کے لیے اس نے غیر ارادی طور پر عشقیہ والز بجانے کی کوشش کی' اور لوتا ریونگٹ کو اسے وہاں سے ہٹانا پڑا۔یہ وہ وقت تھا جب ترانسیتو آریزا کے "باغیچے میں گملوں میں اگائے ہوئے" گارڈینیا کے پھول کھانے کی خواہش نے اس پر غلبہ پایا، جن سے وہ فرمینا دازا کا ذائقہ محسوس کرنا چاہتا تھا۔اور اسی زمانے میں ایک روز اسے اپنی ماں کے صندوق میں خوشبو

کی ایک بوتل پڑی ملی جو ہیمبرگ امیریکن لائن کے جہازی ممنوعہ سامان کے طور پر فروخت کیا کرتے تھے۔ اور وہ خود کو اپنی محبوبہ کے دیگر ذائقے دریافت کرنے کی خواہش میں اس خوشبو کو چکھنے کی ترغیب سے باز نہ رہ سکا۔ وہ صبح تک اس بوتل کو پیتا رہا اور تیز جرعوں میں فرمینا دازا کے نشے میں مست ہوتا رہا، پہلے وہ بندرگاہ کے مے خانوں میں گھومتا پھرا، اور پھر بندرگاہ کے ان پلوں پر سے جنھیں محبت کے مارے بے گھر جوڑے تسکین حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا کرتے تھے، سمندر کو تکتا رہا اور یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ترانسیتو آریزا جو صبح چھ بجے تک بے تابی سے اس کی راہ دیکھتی رہی تھی، انتہائی غیر ممکن ٹھکانوں میں اسے ڈھونڈتی پھری اور اس نے بالآخر دوپہر کے قریب، ساحل کے اس مقام پر جہاں ڈوبنے والوں کی لاشیں سمندر سے باہر آیا کرتی تھیں، اسے خوشبودار الٹیوں کے تالاب میں لتھڑا ہوا پایا۔

فلورنتینو آریزا کی صحت یابی میں پڑنے والے اس رخنے سے اس کی ماں کو خط کے انتظار میں اس کی بے بسی پر اسے ملامت کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے اسے بتایا کہ محبت کی سلطنت میں، جو ایک سفاک اور دشوار گزار سرزمین ہے، ناتوانوں کے داخلے کی کوئی گنجائش نہیں، اور عورتیں خود کو صرف مضبوط عزم کے مالک مردوں کے سپرد کرتی ہیں جو انھیں زندگی گزارنے کے لیے تحفظ فراہم کریں۔ فلورنتینو آریزا اپنی ماں کی اس نصیحت سے شاید کچھ زیادہ متاثر ہو گیا۔ جب اس نے فلورنتینو آریزا کو سیاہ سوٹ، نمدے کے کلف دار ہیٹ، رنگین بو اور سیلولائڈ کے کالر میں ملبوس دکان سے باہر نکلتے دیکھا تو ترانسیتو آریزا اپنے فخر کے احساس کو چھپا نہ سکی، جو مادرانہ سے زیادہ شہوانی تھا۔ اس نے مذاق کے طور پر پوچھا کہ کیا وہ کسی تدفین میں جا رہا ہے۔ اس کے کان کی لویں جل اٹھیں، اور اس نے جواب دیا۔ ''تقریباً ایسی ہی بات ہے۔'' ترانسیتو آریزا نے محسوس کیا کہ خوف سے فلورنتینو آریزا کا سانس پھول رہا ہے، لیکن اس کا عزم ناقابل شکست تھا، اس نے ہنسی سے بے حال ہوتے ہوئے اسے آخری ہدایات اور دعائیں دیں، اور اس سے وعدہ کیا کہ اس کی فتح کے جشن کے لیے وہ خوشبو کی ایک بوتل مہیا کرے گی جسے وہ دونوں مل کر پئیں گے۔

اسے فرمینا دازا کو خط دیے ہوئے ایک مہینا گزر چکا تھا اور اس عرصے میں وہ باغ میں نہ جانے کا وعدہ کئی بار توڑ چکا تھا، لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ فرمینا دازا اسے نہ دیکھ سکے۔ کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ درختوں کے زیر سایہ سبق دو بجے تک جاری رہتا جب کہ شہر قیلولے سے بیدار ہو رہا ہوتا، اور پھر فرمینا دازا اپنی پھوپھی کے ساتھ شام تک کڑھائی میں مشغول رہتی۔ فلورنتینو آریزا نے پھوپھی کے اندر جانے کا

انتظار نہ کیا اور اپنے گھٹنوں کی کمزوری پر قابو پانے کے لیے ایک عسکری انداز اختیار کر کے سڑک پار کر لی ، لیکن اس بار وہ فرمینا داز ا سے نہیں ملا بلکہ اس کی پھوپھی سے مخاطب ہوا:

''مہربانی کر کے مجھے نوجوان خاتون کے ساتھ تنہا چھوڑ دیجیے'' وہ بولا۔'' مجھے اس سے ایک اہم بات کرنی ہے۔''

''گستاخ لڑکے۔'' اس کی پھوپھی نے کہا۔'' اس سے کی جانے والی کوئی بات ایسی نہیں جو میں نہ سن سکوں۔''

''پھر میں کوئی بات نہیں کرتا۔'' وہ بولا۔'' لیکن آپ خبردار رہیں کہ نتائج کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔''

پھوپھی ایسکولستیکا کے خیال میں یہ انداز ایک مثالی محبوب کے لیے موزوں نہیں تھا' لیکن وہ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی کیوں کہ اسے پہلی بار شدت سے احساس ہوا کہ فلورنتینو آریزا روح القدس کے زیر اثر بول رہا ہے۔ چناں چہ وہ تیلیاں تبدیل کرنے کے لیے مکان میں چلی گئی اور وہ دونوں نوعمر دروازے کے قریب بادام کے درختوں کے نیچے تنہا رہ گئے۔

درحقیقت فرمینا داز ا موسم گرما کی ابابیل کی طرح اچانک اس کی زندگی میں در آنے والے اپنے کم سخن خواستگار کے بارے میں بہت ہی کم واقف تھی' اور جس کا نام بھی اسے معلوم نہ ہوتا اگر اس نے خط کے آخر میں اپنے دستخط نہ کیے ہوتے۔ اسے صرف اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ وہ ایک غیر شادی شدہ ماں کا یتیم بیٹا ہے جو ایک محنتی اور سنجیدہ عورت ہے' لیکن اپنی جوانی کی واحد غلطی کی بدنامی کا جلتا ہوا داغ اب تک اٹھائے ہوئے ہے۔ اسے پتا چلا تھا کہ وہ کوئی قاصد نہیں بلکہ ایک لائق اسٹنٹ ہے جس کا مستقبل تابناک ہے' اور اس کا خیال تھا کہ اس کا اس کے باپ کو ٹیلی گرام پہنچانے کے لیے آنا دراصل اس کو دیکھنے کا بہانہ تھا۔ اس خیال سے وہ خاصی متاثر ہوئی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ کلیسا کے موسیقاروں میں سے ایک ہے۔ اگرچہ وہ کبھی عشائے ربانی کے دوران میں نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے کی جسارت نہ کر پائی تھی، ایک اتوار کو اس پر ایک انکشاف ہوا کہ دوسرے ساز سب لوگوں کے لیے بجتے ہیں لیکن وائلن کی آواز کی مخاطب صرف وہ تھی۔ یہ شخص اس قسم کا نہ تھا جس کے لیے اس کی تیمیوں کی سی عینک' پادریوں کے سے لباس اور اس کی پراسرار صلاحیتوں نے اس کے دل میں ایک بے قابو تجسس تو بیدار کر دیا تھا' لیکن اس نے یہ کبھی تصور نہیں کیا تھا کہ تجسس محبت کے بہت سی نقابوں میں سے ایک ہے۔

وہ خود بھی یہ نہ بتا سکتی تھی کہ اس نے وہ خط کیوں وصول کیا۔ اس بات پر اس نے خود کو ملامت نہیں کی' لیکن جواب دینے کا بڑھتا ہوا دباؤ اس کی زندگی میں الجھن پیدا کرنے لگا۔ اپنے باپ کی گفتگو کے ہر لفظ' اس کی اتفاقی نظروں' اس کی نہایت معمولی حرکات و سکنات' ہر چیز میں اسے راز افشا کر دینے والے جال نظر آنے لگے تھے۔ اس کو مستقل دھڑکا لگا رہتا تھا اور وہ کھانے کی میز پر خاموش رہتی کہ کوئی غلطی اس کا راز فاش نہ کرنے دے۔ وہ پھوپھی ایسکولستیکا سے بھی گریزاں رہنے لگی تھی۔ لیکن وہ اس کی پریشانی میں اس طرح شریک تھی جیسے وہ خود اس سے گزر رہی ہو۔ فرمینا دازا معمول کے برعکس کسی بھی وقت خود کو غسل خانے میں بند کر لیتی' صرف اس خط کو ایک بار پھر پڑھنے کے لیے تا کہ اس کے تین سو چودہ حروف اور اٹھاون الفاظ اپنے اندر چھپا ہوا کوئی خفیہ اشارہ کوئی طلسمی پیغام' اپنے ظاہری مفہوم سے زیادہ کوئی معنی اس پر آشکار کر دیں۔ لیکن اسے ہر بار وہی کچھ معلوم ہوا جو اس نے خط کو پہلی بار پڑھنے پر جانا تھا' جب وہ دوڑ کر غسل خانے میں چھپ گئی تھی اور بے قابو دھڑکنوں کے ساتھ ایک طویل ہیجان انگیز خط کی امید میں لفافے کو کھولا تھا' لیکن اسے خوشبو میں بسا ہوا ایک مختصر سا پیغام ملا جس کی قطعیت نے اسے خوف زدہ کر دیا۔

شروع میں اس نے سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا کہ اسے خط کا جواب بھی دینا پڑے گا۔ لیکن خط اس قدر واضح تھا کہ اس سے گریز کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اس دوران میں اپنے شکوک کی اذیت میں خود کو ایک سے زیادہ بار فلورنتینو آریزا کے خیال میں غلطاں پا کر' جتنا وہ شعوری طور پر خود کو اجازت دے سکتی تھی' وہ حیران ہو گئی، اور بعض اوقات اس نے انتہائی مایوسی کے عالم میں خود سے سوال بھی کیا کہ آخر وہ اب اپنے مقررہ وقت پر باغ میں نظر کیوں نہیں آتا، اس بات کو فراموش کیے کہ خود اسی نے اسے وہاں آنے سے منع کیا تھا' کہ جب تک وہ خط کا جواب تیار نہ کر لے۔ یوں وہ اس کے بارے میں اس طرح سوچتی رہی، جس طرح کسی کے بارے میں سوچنے کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ اسے وہاں دیکھتی جہاں وہ موجود نہیں تھا۔ اس کے ایسی جگہ پر ہونے کی خواہش کرتی جہاں اس کا ہونا ناممکن تھا۔ رات میں وہ بدن کے اس احساس کے ساتھ جاگ اٹھتی کہ وہ اندھیرے میں سے اسے سوئے ہوئے دیکھ رہا ہے' یہاں تک کہ جب ایک سہ پہر اس نے باغ میں گرے ہوئے خشک پتوں پر اس کے مضبوط قدموں کی آہٹ سنی تو اسے یہی لگا کہ یہ حقیقت نہیں بل کہ اس کا تخیل ہے۔ لیکن جب اس نے ایک محکم انداز سے' جو اس کی ناتوانی سے میل نہیں کھاتا تھا، اس سے خط کے جواب کا تقاضا کیا تو وہ اپنے خوف پر

قابو پانے میں کامیاب ہو گئی' اور اس نے اس موضوع سے گریز کرنے کی کوشش میں سچ کا سہارا لیا۔ وہ نہیں جانتی کہ خط کا کیا جواب دے۔ لیکن فلورنتینو آریزا نے وہ گہری خلیج اس لیے نہیں پائی تھی کہ اس قسم کے بہانوں سے ٹل جاتا۔

"تم نے خط وصول کر لیا ہے۔" وہ بولا۔ "تو یہ بداخلاقی ہے کہ اس کا جواب نہ دیا جائے۔"

یہ بھول بھلیوں کا اختتام تھا۔ فرمینا دازا نے اپنی خود اعتمادی بحال کر لی' جواب دینے میں تاخیر پر معذرت کی' اور اس سے وعدہ کیا کہ چھٹیوں کے ختم ہونے سے پہلے اسے خط کا جواب مل جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ فروری کے آخری جمعے کو اسکول کھلنے سے تین دن قبل' پھوپھی ایسکولستیکا یہ معلوم کرنے کے لیے تار گھر میں آئی کہ پیدارس دمولیر نامی گاؤں کو تار بھیجنے پر کتنا خرچ آئے گا' یہ ایک ایسا گاؤں تھا جس کا نام ٹیلی گراف کی فہرست تک میں درج نہیں تھا۔ اس نے فلورنتینو آریزا کی زبانی اپنے سوال کا جواب اس طرح سنا گویا اس نے اسے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو' لیکن جاتے ہوئے مگرمچھ کی کھال کا ایک چھوٹا سا بٹوا جان بوجھ کر کاؤنٹر پر بھول گئی جس میں دبیز کاغذ کا' سنہری بیل بوٹوں سے مزین ایک لفافہ تھا۔ مسرت سے بے قابو ہو کر فلورنتینو آریزا نے شام کا بقیہ حصہ گلاب کی پتیاں کھاتے اور خط کو حرف بہ حرف بار بار پڑھتے ہوئے گزارا۔ جتنا زیادہ وہ اس خط کو پڑھتا جاتا اتنے ہی زیادہ گلاب کھاتا جاتا' اور نصف شب تک وہ خط کو اتنی بار پڑھ چکا تھا اور اتنے گلاب کھا چکا تھا کہ اس کی ماں کو اس کا سر مضبوطی سے پکڑ کر' بچھڑے کی طرح اس کے حلق میں انجیر کا تیل زبردستی انڈیلنا پڑا۔

یہ وہ سال تھا جب وہ دونوں ایک بے اماں محبت میں گرفتار ہوئے۔ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں سوچتے رہنے' خواب دیکھنے' بےصبری' سے خطوں کا انتظار کرنے اور اتنی ہی بےصبری سے ان کا جواب دینے کے سوا کچھ نہ کر سکتے تھے۔ نہ دیوانگی کی اس بہار میں اور نہ اگلے سال انھیں ایک دوسرے سے بات کرنے کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ ایک دوسرے کو پہلی بار دیکھنے کے لمحے سے لے کر نصف صدی بعد کے اس لمحے تک جب فلورنتینو آریزا نے اپنی محبت کے پیمان کا دوبارہ اظہار کیا' انھیں تنہائی میں ملنے یا اپنی محبت کے بارے میں گفتگو کرنے کا کوئی موقع نہ ملا۔ لیکن پہلے تین ماہ میں کوئی دن ایسا نہ گیا جب انھوں نے ایک دوسرے کو خط نہ لکھا ہو' اور بعض دنوں میں وہ دو دو بار خط لکھا کرتے' یہاں تک کہ پھوپھی ایسکولستیکا آگ کے ان شعلوں سے لرز گئی جن کو ہوا دینے میں خود اس کی مدد شامل تھی۔

اس پہلے خط کے بعد سے' جسے وہ خود تار گھر اس طرح لے کر گئی تھی جیسے اپنی تقدیر سے انتقام

لے رہی ہو'اس نے سڑک پر بظاہر اتفاقی مڈ بھیڑ کے بہانے خطوں کے اس روزانہ معمول کو جاری رکھنے کی اجازت دے رکھی تھی' لیکن وہ کسی قسم کی گفتگو کو روا رکھنے کی جسارت نہیں کر سکتی تھی' چاہے وہ کیسی ہی معمولی اور سرسری کیوں نہ ہو۔ تاہم تین ماہ گزرنے پر اسے احساس ہوا کہ اس کی بھتیجی نوجوانی کی تفریح میں مشغول نہیں ہے جیسا کہ اس نے پہلے سوچا تھا' اور محبت کی اس آگ سے اس کی اپنی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ ایسکولستیکا دازا کے پاس اپنے بھائی کے رحم و کرم کے سوا زندگی گزارنے کا کوئی وسیلہ نہیں تھا' اور وہ جانتی تھی کہ اس کے بھائی کی سخت گیر طبیعت اپنے اعتماد کو اس طرح ٹھیس پہنچائے جانے کو کبھی معاف نہ کرے گی۔ لیکن جب آخری فیصلے کا وقت آیا تو وہ اپنی بھتیجی کو وہ صدمہ پہنچانے کا حوصلہ نہ کر سکی جو وہ خود اپنی جوانی کے دنوں سے اب تک برداشت کرتی چلی آئی تھی' اور اس نے فرمینا دازا کو ایسی حکمت عملی اپنانے کی اجازت دے دی جس سے اس کی معصومیت کا بھرم قائم رہے۔ یہ طریقہ بہت سادہ تھا' فرمینا دازا اپنے گھر سے اسکول جاتے ہوئے راستے میں کسی پوشیدہ جگہ اپنا خط چھوڑ دیتی اور خط میں فلورنتینو آریزا کے لیے اشارہ ہوتا کہ وہ جواب کس جگہ چھپائے۔ وہ بھی ایسا ہی کیا کرتا۔ اس طرح سال کے بقیہ دنوں میں پھوپھی ایسکولستیکا کے ضمیر میں ہونے والی کشمکش گرجا گھروں کی بپتسمہ گاہوں' درختوں کی دراڑوں اور پرانی اجاڑ نوآبادیاتی حویلیوں کے کونوں کھدروں میں منتقل ہو گئی۔ بعض موقعوں پر یہ خط بارش میں بھیگ جاتے' کیچڑ میں میلے ہو جاتے' بدقسمتی کے ہاتھوں پھٹ جاتے' یا کسی اور وجہ سے گم ہو جاتے' لیکن وہ دونوں ایک دوسرے سے دوبارہ رابطہ بحال کرنے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیتے۔

فلورنتینو آریزا ہر روز رات کو خط لکھا کرتا۔ وہ دکان کے پچھلے کمرے میں مسلسل خط لکھنے کے دوران میں چراغ کے دھویں سے خود کو دھیرے دھیرے بے رحم انداز میں ہلاک کرتا رہا' اور جیسے جیسے وہ پاپولر لائبریری کے شائع کیے ہوئے اپنے پسندیدہ شاعروں کے مجموعوں، جن کی تعداد اب اسی تک پہنچ چکی تھی' کی نقالی کرتا گیا' اس کے خط زیادہ طویل اور زیادہ دیوانگی کے شکار ہوتے گئے۔ اس کی ماں جس نے خود ہی اتنے شوق سے اسے عشق کا عذاب سہنے کی نصیحت کی تھی' اب اس کی حالت کے بارے میں پریشان ہو گئی۔ ''تم اپنا دماغ ہلکان کر لو گے۔'' صبح مرغ کی پہلی اذان پر اس نے اپنی خواب گاہ سے چلا کر کہا۔ ''کوئی بھی عورت ایسے جنون کی حق دار نہیں ہے۔'' اسے یاد نہ تھا کہ اس نے اپنی ساری زندگی میں کسی اور شخص کو اس بے پناہ جذبے کی کیفیت میں دیکھا ہو۔ لیکن فلورنتینو آریزا نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دی۔ کبھی کبھی تو وہ رات کو پلک جھپکائے بغیر صبح' راستے میں سے طے کیے ہوئے مقام پر خط چھپا

نے کے بعد' کہ وہ فرمینا دازا کو اسکول جاتے ہوئے مل جائے' دفتر چلا جاتا ۔اس کے بال محبت کے طوفان کی لپیٹ میں آ کر بکھرے ہوئے ہوتے ۔ دوسری طرف وہ گھر پر اپنے باپ کی' اور اسکول میں راہباؤں کی چوکس آنکھوں سے بچ کر غسل خانے میں چھپ کر یا کلاس میں نوٹس لینے کے بہانے بمشکل آدھا صفحہ لکھ پاتی ۔ لیکن یہ محض فرصت کی کمی یا پکڑے جانے کے خطرے کی وجہ سے نہیں تھا' یہ اس کی اپنی طبیعت بھی تھی جو اسے خطوں میں جذباتیت کا شکار ہونے سے بچاتی ،اور کسی جہاز کی لاگ بک کے سے سیدھے سادے انداز میں اپنی روزمرہ زندگی کے واقعات تک محدود رہنے پر مجبور کرتی تھی ۔ یہ بڑے والہانہ خطوط تھے جن سے اس کا مقصد آگ میں ہاتھ ڈالے بغیر انگاروں کو فروزاں رکھنا تھا' جب کہ فلورنتینو آریزا ایک ایک سطر میں خود کو زندہ جلا رہا ہوتا تھا ۔ اسے بھی اپنی دیوانگی کے حصار میں کھینچ لانے کے لیے اس نے کمیلیا کی پتیوں پر اپنے ناخن سے بہت باریک خط میں شعر لکھ کر بھیجے ۔ یہ وہی تھا نہ کہ فرمینا دازا ،جس نے بے باکی سے اپنے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر ایک خط میں رکھ بھیجی' لیکن اسے وہ جواب کبھی نہ ملا جس کی اسے تمنا تھی' یعنی فرمینا دازا کی دراز زلفوں کا ایک تار ۔ وہ اسے صرف ایک قدم آگے بڑھانے پر آمادہ کر سکا' جس کے بعد سے فرمینا دازا ڈکشنریوں کے صفحات میں رکھی سوکھی پتیاں' اور تتلیوں اور طلسمی پرندوں کے پر خطوں میں رکھ کر بھیجنے لگی' اور فلورنتینو آریزا کی سالگرہ پر اس نے سینٹ پیٹر کلیویر کی عبا سے ایک مربع سنٹی میٹر کا ٹکڑا بھیجا' جسے ان دنوں خفیہ طور پر فروخت کیا جا رہا تھا اور جس کی قیمت اس عمر کی لڑکی کی پہنچ سے کہیں باہر تھی ۔ ایک بار بغیر کسی پیشگی اطلاع کے فرمینا دازا کی آنکھ کھلی اور وہ ایک تنہا وائلن پر والز کی ایک ہی دھن بار بار بجتے سن کر چونک اٹھی ۔ وہ اس احساس سے کانپ گئی کہ اس دھن کا ایک ایک سر ،اس کی بھیجی ہوئی پتیوں' کلاس میں خط لکھنے کے لیے چرائے گئے لمحوں اور امتحان قریب ہونے کے باوجود نیچرل سائنس کے بجائے اس کے خیال میں محو رہنے پر اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ہے ۔ لیکن وہ یہ تسلیم کرنے کی جرات نہ کر سکی کہ فلورنتینو آریزا اس قدر بے باک بھی ہو سکتا ہے ۔

صبح ناشتے کی میز پر لورنیزو دازا اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا ایک تو اس وجہ سے کہ وہ اس بات سے ناواقف تھا کہ سیرینا ڈ کی زبان میں ایک ہی دھن کو بار بار بجانے کے کیا معنی ہیں :اور دوسرے اس باعث کہ باوجود غور سے سننے کے وہ یہ اندازہ لگانے میں ناکام رہا تھا کہ یہ دھن کس مکان کے لیے بجائی جا رہی ہے ۔ پھوپھی ایسکولستیکا نے اتنے اطمینان سے جس سے اس کی بھتیجی کا دم رک گیا' بتایا کہ وائلن نواز کو اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے باغ کی دوسری طرف کھڑے ہوئے دیکھا تھا' اور اس نے یہ

بھی بتایا کہ بہر حال ایک ہی دُھن کو بار بار بجانا ٹوٹے ہوئے تعلق کی علامت ہے۔اس دن کے خط میں فلورنتینو آریزا نے تصدیق کی کہ سیرینا دبجانے والا وہی تھا'اور یہ کہ والز کی وہ دھن بھی اسی نے ترتیب دی تھی اور اس نے اس کا نام بھی وہی رکھا تھا جس سے وہ دل ہی دل میں فرمینا دازا کو پکارتا تھا''تاج دار دیوی۔''اس نے اس کے بعد باغ میں یہ دھن کبھی نہیں بجائی، لیکن چاند راتوں میں وہ اس کے لیے ایسی جگہوں کا انتخاب کرتا جہاں سے فرمینا دازا اپنی خواب گاہ میں بغیر کسی ڈر کے یہ دھن سن سکے۔اس کی پسندیدہ جگہوں میں سے ایک' گداگروں کا قبرستان تھا' جو کھلے آسمان تلے ایک مفلس پہاڑی کی ڈھلان پر تھا اور جس میں دھوپ اور بارش سے بچنے کا کوئی انتظام نہیں تھا' وہاں گدھ بیٹھے اونگھا کرتے تھے اور موسیقی میں ایک آسمانی گونج پیدا ہو جاتی تھی۔بعد میں وہ ہوا کے رخ کا اندازہ لگانا سیکھ گیا اور اس طرح اسے یقین ہو گیا کہ اس کی دھن وہاں سنی جا رہی ہے جہاں وہ سنانا چاہتا ہے۔

اس سال اگست میں ایک نئی خانہ جنگی شروع ہو گئی' جو ان بہت سی خانہ جنگیوں میں سے ایک تھی جنھوں نے نصف صدی سے زیادہ عرصے سے ملک میں تباہی مچا رکھی تھی۔اس کے پھیلنے کے اندیشے سے حکومت نے کریبین کے ساحلی علاقوں میں مارشل لا اور چھ بجے کا کرفیو نافذ کر دیا۔اگرچہ کچھ ناخوشگوار واقعات ہو چکے تھے اور جواب میں فوجیوں نے ہر طرح کی زیادتی روا رکھی تھی' لیکن فلورنتینو آریزا اتنا مدہوش تھا کہ اسے حالات کا کچھ پتہ نہیں تھا اور ایک صبح' جب وہ اپنی عاشقانہ غنائیت سے مردوں کی نیند میں رخنہ ڈال رہا تھا' ایک گشتی دستے نے اسے گرفتار کر لیا۔کسی معجزے کے تحت وہ فوری سزائے موت سے بچ گیا، جب سرسری مقدمے کے دوران میں اس پر ایک جاسوس ہونے کا الزام لگایا گیا جو ساحل کے قریب کارروائیوں میں مصروف آزاد خیال پارٹی کی کشتیوں کو''G''کے سر میں پیغام بھیج رہا تھا۔

''جاسوس؟ کیا مطلب؟''فلورنتینو آریزا نے کہا۔''میں تو صرف ایک عاشق ہوں۔''تین راتوں تک مقامی گیریژن کی ایک کوٹھڑی میں اسے پنڈلیوں کے ساتھ جکڑی ہوئی آہنی سلاخوں کے ساتھ سونا پڑا۔جب اسے رہائی ملی تو اس نے اپنی اسیری کے اس قدر مختصر ہونے پر خود کو فریب خوردہ محسوس کیا' اور بعد میں اپنے بڑھاپے میں بھی وہ یہ سوچا کرتا تھا کہ پورے شہر میں' بلکہ شاید پورے ملک میں وہ واحد شخص تھا جسے محبت کی خاطر پانچ پونڈ وزنی لوہے کی بیڑیاں گھسیٹنی پڑی تھیں۔

ان کی جنون خیز خط و کتابت کو شروع ہوئے دو برس ہوئے تھے کہ فلورنتینو آریزا نے صرف

ایک پیراگراف پر مشتمل خط میں فرمینا دازا سے شادی کی باقاعدہ درخواست کر دی۔ اس سے پہلے چھ مہینوں میں کئی بار اس نے فرمینا دازا کو کمیلیا کا سفید پھول خط میں رکھ کر بھیجا' اور اس نے ہر بار اگلے خط میں اسے واپس کر دیا' تا کہ فلورنتینو آریزا کو اس بات میں کوئی شبہ نہ رہے کہ وہ اس خط و کتابت کا تسلسل برقرار رکھنا چاہتی ہے لیکن کسی وابستگی کی شدت کو شامل نہیں کرنا چاہتی۔ سچ تو یہ ہے کہ کمیلیا کے پھولوں کی آمد و رفت کو اس نے کبھی محبت کرنے والوں کے دلچسپ کھیل کے سوا کچھ نہ سمجھا تھا' اور اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ یہ اس کی تقدیر کا ایک دوراہا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جب شادی کی باقاعدہ درخواست آئی تو اس نے پہلی بار خود کو موت کے ناخنوں سے زخمی ہوتا محسوس کیا۔ اس نے شدید اضطراب کے عالم میں یہ پھوپھی ایسکولستیکا سے اس بات کا ذکر کیا جس نے اسے اس حوصلے اور وضاحت کے ساتھ مشورہ دیا جو اسے بیس سال کی عمر میں اپنی تقدیر کا فیصلہ کرتے وقت میسر نہ تھی۔

''مان لو۔'' وہ بولی۔ ''چاہے خوف کے مارے تمھارا دم ہی کیوں نہ نکل رہا ہو' اور چاہے تمھیں بعد میں اس پر افسوس ہی کیوں نہ ہو' کیوں کہ اگر تم نے انکار کر دیا تو پھر چاہے تم کچھ بھی کرو' تمھاری تمام باقی زندگی افسوس میں گزرے گی۔''

تاہم فرمینا دازا اتنی الجھن میں تھی کہ اس نے سوچنے کا وقت مانگا۔ پہلے اس نے ایک مہینے کی مہلت مانگی' پھر دو' پھر تین اور جب چوتھا مہینا بھی جواب کے بغیر گزر گیا تو اسے ایک بار پھر کمیلیا کا سفید پھول ملا' لیکن پچھلے موقعوں کے برعکس ایک تاکیدی تحریر بھی ساتھ تھی' کہ یہ آخری بار ہے' اب یا کبھی نہیں۔ اس سہ پہر' موت کی جھلک دیکھنے کی باری فلورنتینو آریزا کی تھی جب اسے لفافے میں اسکول کی نوٹ بک کے اوپر والے سادے حصے سے پھاڑا ہوا ایک لمبا سا پرزہ ملا جس پر پنسل سے اس کے سوال کا ایک سطری جواب تحریر تھا: ''ٹھیک ہے' میں تم سے شادی کر لوں گی' بہ شرطے کہ تم وعدہ کرو کہ مجھے کبھی بینگن نہیں کھلاؤ گے'' فلورنتینو آریزا اس جواب کے لیے تیار نہ تھا' لیکن اس کی ماں تیار تھی۔ چھ مہینے پہلے جب فلورنتینو آریزا نے اسے اپنے شادی کے ارادے سے آگاہ کیا تھا' اس نے پورا مکان کرائے پر لینے کے لیے بات چیت شروع کر دی تھی' جس میں اس وقت دو اور خاندان بھی آباد تھے۔ سترہویں صدی کا بنا ہوا یہ دو منزلہ مکان ہسپانوی حکومت کے دور میں تمباکو کا کارخانہ رہ چکا تھا' اور اس کے تباہ حال مالکان اسے مختلف حصوں میں کرائے پر چڑھانے کے لیے مجبور تھے۔ کیوں کہ وہ اس کی دیکھ بھال کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ اس کا ایک حصہ سڑک کے مقابل تھا جہاں کبھی تمباکو کی دکان رہ چکی تھی' دوسرا حصہ سنگی صحن

کے پیچھے واقع تھا جہاں کارخانہ ہوا کرتا تھا اور اس ہی میں ایک بہت بڑا اصطبل تھا جسے مکان کے موجودہ کرایہ دار کپڑے دھونے اور انہیں سکھانے کے لیے مشترکہ طور پر استعمال میں لاتے تھے۔ ترانسیتو آریزا کے پاس سامنے کا حصہ تھا، جس کی حالت سب سے بہتر تھی۔ مگر یہ حصہ سب سے چھوٹا تھا۔ اس کے پہلو میں سابقہ گودام تھا جس میں ہوا کی آمد و رفت کے لیے صرف چھت کا روشندان تھا۔ اس میں ترانسیتو آریزا سویا کرتی تھی۔ آدھا رقبہ گودام نے گھیرا ہوا تھا جسے ایک چوبی دیوار نے دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اس میں ایک میز اور چار کرسیاں تھیں جو کھانے اور لکھنے پڑھنے دونوں کے کام آتی تھیں، اور یہیں، اگر اسے رات کو خط لکھنے سے فرصت ملتی، فلورنتینو آریزا اپنا جھولنا لٹکا لیتا تھا۔ یہ جگہ ان دونوں کے لیے کافی تھی لیکن اس میں کسی تیسرے کی گنجائش نہ تھی۔ مقدس مریم کی اکادمی کی پڑھی ہوئی ایک معزز نوجوان خاتون کا تو ذکر ہی کیا جس کے باپ نے اس زمانے میں ایک پرانی حویلی خرید کراسے نیا کروایا تھا، جب کہ سات خطابات کے مالک خاندان ہر رات اس خوف کے عالم میں سویا کرتے تھے کہ ان کے محلوں کی چھت ان پر گر جائے گی۔ اس لیے ترانسیتو آریزا نے مکان کے مالکوں سے مل کر صحن کے سامنے کا حصہ بھی، پانچ سال تک مکان کی دیکھ بھال اور مرمت کا خرچ اٹھانے کے عوض، اپنے استعمال میں لانے کا معاملہ طے کر لیا۔

اس کے پاس اس کے لیے وسائل موجود تھے۔ دکان کی نقد آمدنی کے علاوہ جو اس کی منکسر زندگی کے لیے کافی تھی اس نے اپنی بچت کو نئے نئے مفلوک الحال ہونے والے شرمندہ معزز خاندانوں کو قرض دے دے کر بہت بڑھا لیا تھا۔ وہ لوگ اس کی اونچی شرح سود کو اس کی رازداری کے عوض قبول کر لیا کرتے تھے۔ ملکاؤں جیسی شان والی خواتین ملازموں یا خادماؤں کے بغیر دکان کے سامنے اپنی گاڑیوں سے اترتیں، اور بظاہر ولندیزی بیلوں یا سنہری کناریوں کی خریداری کرتے ہوئے، سسکیوں کے درمیان اپنی کھوئی ہوئی جنت کی یادگار آخری چمکتے ہوئے زیور گروی رکھا کرتیں۔ ترانسیتو آریزا انھیں ان کی دشواریوں سے نجات دلانے میں ان کے خاندانی مقام کا اتنا لحاظ کرتی کہ وہ دم واپسی اپنی مشکل کے حل سے زیادہ اس کے احترام کے لیے شکرگزار ہوتیں۔ دس سال سے کم عرصے میں وہ ان تمام زیورات کو، جو بار بار چھڑائے اور پھر گروی رکھے جاتے تھے، یوں پہچاننے لگی تھی جیسے وہ اس کے اپنے ہوں، اور جب اس کے بیٹے نے شادی کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کا منافع سونے سے بھرے مرتبان کی صورت میں اس کی مسہری کے نیچے چھپا تھا۔ تب اس کو حساب کتاب سے یہ معلوم ہوا کہ وہ اس مکان کو نہ

صرف پانچ سال تک اچھی حالت میں رکھ سکتی ہے، بل کہ اپنی کاروباری سوجھ بوجھ اور تھوڑی سی خوش قسمتی کی مدد سے' مرنے سے پیشتر اسے خرید بھی سکتی ہے تا کہ اس میں اس کے بارہ پوتے پوتیاں رہ سکیں جن کی اسے آرزو تھی۔ دوسری طرف فلورنتینو آریزا کو تارگھر میں فرسٹ اسسٹنٹ کا عارضی عہدہ بھی مل چکا تھا اور لوٹا ریونگٹ ایک سال کے بعد اسے دفتر کا سربراہ دیکھنا چاہتا تھا، جب وہ ریٹائر ہو کر ٹیلی گراف اور مقناطیسات کی ایک درس گاہ کھولنے والا تھا۔

اس طرح شادی کے عملی پہلوؤں کی تیاری مکمل تھی۔ پھر بھی ترانسیتو آریزا دو فیصلہ کن شرائط عائد کرنا ضروری سمجھتی تھی۔ ایک تو وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ لورینزو دازا در حقیقت کون ہے؟ اگرچہ اس کے لہجے کی وجہ سے اس کے آبائی وطن کے بارے میں کسی شبے کی گنجائش نہ تھی' لیکن کسی شخص کو اس کے پس منظر اور ذریعہ آمدنی کے بارے میں یقینی طور پر کوئی علم نہ تھا۔ دوسری شرط یہ تھی کہ منگنی کا عرصہ کافی طویل رکھا جائے' تا کہ دونوں ایک دوسرے سے اچھی طرح شناسا ہو جائیں اور منگنی کا اس وقت تک اعلان نہ کیا جائے جب تک دونوں کو اپنی محبت کے حقیقی ہونے کا یقین نہ ہو جائے۔ اس نے تجویز پیش کی کہ شادی کی تاریخ کے لیے خانہ جنگی کے خاتمے کا انتظار کیا جائے۔ فلورنتینو آریزا رازداری کی تجویز سے متفق تھا' نہ صرف اپنی ماں کی پیش کردہ وجوہات کی بنا پر بل کہ اپنی گوشہ نشین طبیعت کے باعث بھی۔ اسے شادی میں تاخیر پر بھی اعتراض نہ تھا لیکن اس تاخیر کی معیاد اسے حقیقت پسندانہ معلوم نہ ہوتی تھی' اس لیے کہ آزادی کے بعد کے پچاس برسوں میں ملک کو خانہ جنگیوں سے ایک دن کے لیے بھی مہلت نہیں ملی تھی۔

''اس انتظار میں تو ہم دونوں بوڑھے ہو جائیں گے۔'' اس نے کہا۔

اس کے گاڈ فادر ہومیو پیتھک معالج نے' جو اس گفتگو میں شریک تھا' یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ خانہ جنگی شادی کی راہ میں کوئی رکاوٹ بن سکتی ہے۔ اس کے خیال میں خانہ جنگیاں کسانوں اور برہنہ پا سپاہیوں کے درمیان کش مکش کے سوا کچھ نہیں تھیں' کسانوں کو ان کے جاگیردار بیلوں کی طرح ہانک رہے تھے اور سپاہیوں کی پشت پناہی حکومت کر رہی تھی۔

''خانہ جنگی پہاڑوں میں ہو رہی ہے۔'' اس نے کہا۔ ''جب سے مجھے یاد ہے اس وقت سے شہروں میں ہمیں گولیوں سے نہیں بل کہ فرامین سے قتل کیا جاتا ہے۔''

بہر کیف' اگلے چند ہفتوں کی خط و کتابت میں ان دونوں نے منگنی کی تمام تفصیلات طے کر لیں۔ فرمینا دازا نے پھوپھی ایسکولیستیکا کے مشورے پر دو سال کی تاخیر اور منگنی کی رازداری کی شرائط

مان لیں، اور تجویز پیش کی کہ ثانوی اسکول کی تعلیم ختم ہونے کے بعد والی کرسمس کی تعطیلات میں فلورنتینو آریزا اس کے رشتے کی باقاعدہ درخواست کرے۔ جب وقت آئے گا تو وہ یہ تفصیلات بھی طے کرلیں گے کہ منگنی کی رسم کس طرح ادا کی جائے کیوں کہ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ فرمینا دازا کا باپ کس حد تک راضی ہوتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی خط و کتابت پہلے کی طرح جوش و خروش اور پابندی سے جاری رکھی لیکن اب وہ اس اذیت سے آزاد تھے جو انھیں اس سے پہلے محسوس ہوتی تھی، اور اب ان کے خطوں میں وہ انداز پیدا ہو گیا تھا جو شوہر اور بیوی کے لیے مناسب معلوم ہوتا۔

فلورنتینو آریزا کی زندگی بدل گئی تھی۔ محبت کا جواب ملنے سے اس میں وہ اعتماد اور قوت پیدا ہو گئی تھی جس سے وہ پہلے ناآشنا تھا، اور وہ دفتر کا کام بھی اتنی مستعدی سے کرنے لگا تھا کہ لوتاریو تھگٹ کو اس کی ملازمت پکی کرانے میں ذرا مشکل پیش نہ آئی۔ اس وقت تک لوتاریو تھگٹ کا ٹیلی گراف اور مقناطیسیت کی درس گاہ کھولنے کا منصوبہ ناکام ہو چکا تھا۔ اور وہ اپنا فارغ وقت انھی مشاغل میں گزارنے لگا تھا جن میں اسے سب سے زیادہ لطف آتا تھا، بندرگاہ پر جا کر اکارڈین بجانا اور ملاحوں کے ساتھ بیٹھ کر بیئر پینا اور شام ڈھلے ہوٹل میں پہنچ جانا۔ فلورنتینو آریزا کو یہ بات بہت دیر بعد معلوم ہوئی کہ اس عشرت کدے میں لوتاریو تھگٹ کے رسوخ کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ نہ صرف اس کاروبار کی ملکیت میں حصہ دار ہو گیا تھا بلکہ رات کے پرندوں کے معاملات بھی وہی طے کرواتا تھا۔ بندرگاہ میں اس کاروبار کو اس نے اپنی برسوں کی بچت سے خرید لیا تھا، اور اس نے اس کے انتظام کے لیے ایک دبلے پتلے، یک چشم، پستہ قد آدمی کو مقرر کیا تھا جس کا سر بالکل گنجا تھا اور مزاج اتنا نرم اور شفیق کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اچھا منتظم کس طرح ہو سکتا ہے۔ مگر وہ واقعی بڑا اچھا منتظم تھا، کم از کم فلورنتینو آریزا کو ایسا ہی لگا، جب منیجر نے اسے بتایا کہ درخواست کیے بغیر اس کے لیے ہوٹل میں ایک کمرہ مستقل طور پر مخصوص کر دیا گیا ہے۔ نہ صرف اس غرض سے کہ وہ جب چاہے اپنے زیر ناف مسائل کو حل کر لیا کرے بلکہ اس لیے بھی کہ اسے کتابیں پڑھنے اور عشقیہ خطوط لکھنے کے لیے ایک خاموش اور پرسکون جگہ ہمہ وقت میسر رہے اور جوں جوں انتظار کے طویل مہینے ایک ایک کر کے گزرتے گئے، وہ اپنے دفتر اور گھر سے کہیں زیادہ وقت ہوٹل میں بسر کرنے لگا، اور بعض مواقع تو ایسے آتے تھے کہ ترانسیتو آریزا کو اس کی شکل صرف اس وقت نظر آتی جب وہ کپڑے تبدیل کرنے گھر آیا کرتا۔

کتابیں پڑھنے کے شغل نے اس کے لیے نہ بجھنے والی ہوس کی کیفیت اختیار کر لی تھی۔ جب

اس کی ماں نے اسے پڑھنا سکھایا تھا تو اسے نارڈک مصنفوں کی باتصویر کتابیں خرید کر دی تھیں، جنھیں بچوں کی کہانیوں کے طور پر فروخت کیا جاتا تھا لیکن جو دراصل کسی بھی عمر میں پڑھنے کے لیے نہایت ظالمانہ اور کج رو کتابیں تھیں۔ پانچ سال کی عمر کو پہنچنے تک فلورنٹینو آریزا کو یہ کتابیں کلاس میں اور اسکول کی ادبی شاموں میں پڑھتے پڑھتے ازبر ہو چکی تھیں، لیکن اس آشنائی سے بھی اس دہشت میں کوئی فرق نہیں آیا جو انھیں پڑھ کر اس پر طاری ہو جایا کرتی تھی، بل کہ اس میں اضافہ ہی ہوا۔ لہٰذا جب اس نے شاعری کو دریافت کیا تو ان کتابوں کے مقابلے میں جیسے اس نے کسی نخلستان کو تلاش کر لیا ہو۔ اپنے لڑکپن میں بھی پاپولر لائبریری کے چھاپے ہوئے شعری مجموعے جس ترتیب سے اس کے ہاتھ لگتے وہ بیتابی سے پڑھتا جاتا۔ یہ مجموعے اس کے لیے ترانسیتو آریزا منشی آرکیڈ کے کتب فروشوں سے بھاؤ تاؤ کر کے خریدا کرتی تھی، جن کے پاس ہومر سے لے کر غیر اہم ترین مقامی شاعروں تک کا کلام دستیاب تھا۔ لیکن وہ ان میں کوئی امتیاز نہ کرتا تھا وہ ہاتھ لگنے والی ہر چیز کو، گویا اپنی تقدیر کا نوشتہ جان کر پڑھا کرتا تھا، اور اپنے برسوں کے مطالعے کے بعد بھی وہ تمیز نہ کر سکتا تھا کہ اس کی پڑھی ہوئی کتابوں میں کون سی اچھی تھیں اور کون سی نہیں۔ صرف ایک بات اس پر واضح تھی کہ اسے نثر کے مقابلے میں شاعری زیادہ پسند تھی، اور شاعری میں بھی وہ محبت کی نظموں کو ترجیح دیتا تھا جو صرف دو بار پڑھ کر اسے بلا کوشش زبانی یاد ہو جایا کرتیں۔ ان کی بحریں اور قافیے جتنے زیادہ رواں دواں، مضامین جتنے زیادہ المناک ہوتے اتنی ہی آسانی سے وہ انھیں حفظ کر لیا کرتا تھا۔

یہ اس کے فرمینا داثا کے نام اولین خطوط کے اصل ماخذ تھے، ہسپانوی رومان پرستوں سے حرف بہ حرف اٹھائے ہوئے نیم پختہ اظہار عشق، اس کے خطوط اسی رو میں جاری رہے، جب تک کہ حقیقت کی دنیا نے اسے دردِ دل کی نسبت ارضی معاملات پر زیادہ توجہ دینے پر مجبور کر دیا۔ اس وقت تک وہ رقت انگیز قسط وار ناولوں، اور اس زمانے کی اس سے بھی زیادہ مبتذل نثر پر آ گیا تھا۔ اس نے اپنی ماں کے ساتھ مطالعہ کرتے ہوئے مقامی شاعروں کے ان کتابچوں پر آنسو بہانا سیکھ لیا تھا، جو شہر کے ہر چوک پر دو دو سنتاووں میں فروخت ہوا کرتے تھے۔ لیکن اسی زمانے میں وہ عہدِ زریں کی کاسٹیلیائی شاعری کو حفظ کرنے پر بھی قادر ہو چکا تھا۔ مختصر یہ کہ وہ اپنی راہ میں آنے والی ہر شے، اسی ترتیب سے پڑھنے کا عادی تھا، یہاں تک کہ اپنے پہلے عشق کے ان دشوار برسوں کے بہت بعد، جب اس کا شباب رخصت ہو چکا تھا، وہ گارنیئر برادران کی بیس جلدوں پر مشتمل "نوجوانوں کا خزانہ" پہلے صفحے سے آخری صفحے تک پڑھنے

والا تھا۔ترجمہ شدہ ادب عالیہ سے لے کر سہل ترین تحریروں کے مقامی سستے ایڈیشنوں تک ہر چیز۔

تاہم اس ہوٹل میں اس کی نوعمری کی سرگرمیاں کتابیں پڑھنے اور دیوانگی کے خطوط لکھنے تک محدود نہ تھیں، بل کہ ان میں بے محبت عاشقی کے اسرار سے اس کا تعارف بھی شامل تھا۔اس عمارت میں زندگی دوپہر کے بعد شروع ہوتی تھی جب رات کے پرندوں کی، جن سے اب اس کی دوستی ہو چکی تھی، کی اسی حالت میں آنکھ کھلتی جس حالت میں وہ پیدا ہوئی تھیں۔لہٰذا جب فلورنتینو آریزا کام کے بعد یہاں پہنچتا تو عمارت برہنہ حوروں سے بھری ہوتی، جو بلند آواز میں شہر کے ان رازوں پر تبصرہ کر رہی ہوتی تھیں جوان کے گاہکوں نے اپنی وفاداری کے ثبوت کے طور پر ان تک پہنچاتے ہوتے تھے۔ان میں سے بہت سوں کی برہنگی پر ان کے ماضی کے نشانات عیاں ہوتے تھے۔پیٹ میں چاقو کے وار کے نشان، بندوق کی گولی کے چھروں کے زخم، محبت میں لگے ہوئے بلیڈ کے زخموں کی لکیریں، قصائیوں کے کیے ہوئے اسقاط کی یادگاریں۔ان میں سے بعض کے ساتھ ان کے کمسن بچے بھی تھے جو ان کی پرشباب بغاوت یا بے احتیاطی کی پیداوار تھے۔وہ ان بچوں کے داخل ہوتے ہی ان کے بھی کپڑے اتار دیتیں تاکہ وہ برہنگی کی اس جنت میں خود کو الگ محسوس نہ کریں۔ان میں سے ہر ایک نے اپنا کھانا خود تیار کیا ہوتا تھا اور ان میں سب سے بہتر غذا فلورنتینو آریزا کو ملتی تھی، کیوں کہ وہ ان کی دعوت پر ان میں سے ہر ایک کی پکائی ہوئی بہترین چیز منتخب کرتا تھا۔یہ روزانہ ضیافت دن ڈھلنے تک جاری رہتی، اور پھر تمام برہنہ عورتیں گاتی ہوئی غسل خانوں کی طرف روانہ ہو جاتیں۔وہ ایک دوسرے سے صابن، ٹوتھ برش اور قینچیاں ادھار مانگتیں، ایک دوسرے کے بال سنوارتیں، مانگے کے کپڑے پہنتیں، خود کو غم انگیز مسخروں کی طرح رنگوں سے پوت لیتیں، اور رات کے پہلے شکار کی تلاش میں نکل جاتیں۔تب سے لے کر اس مکان میں زندگی غیر انسانی اور غیر شخصی شکل اختیار کر لیتی اور اس میں حصہ لینا رقم ادا کیے بغیر ممکن نہ رہتا۔

فرمینا دازا سے ملنے کے بعد سے فلورنتینو آریزا کا دل اس جگہ سے زیادہ کہیں اور نہ لگتا تھا۔ کیوں کہ یہاں اسے فرمینا دازا سے زیادہ قربت کا احساس ہوتا۔شاید ایسی ہی کسی وجہ سے ایک خوش شکل معمر عورت نے بھی مستقل قیام کے لیے اس ہوٹل کا انتخاب کر لیا تھا۔وہاں رہنے کے باوجود وہ برہنہ عورتوں کی بے حجاب زندگی میں شریک نہ تھی، لیکن وہ تمام عورتیں اس کا ایک مذہبی انداز کے ساتھ احترام کرتی تھیں۔جوانی کے اناڑی پن میں اس کا عاشق اسے یہاں لے آیا تھا اور کچھ عرصے تک اس سے عشق کرنے کے بعد اسے اس کی تقدیر کے حوالے کر کے چلا گیا تھا۔اس صدمے اور رسوائی کے داغ کے

باوجود وہ ایک اچھی بیوی ثابت ہوئی۔ جب وہ عمر رسیدہ اور تنہا ہو گئی تو اس کے دو بیٹوں اور تین بیٹیوں کی خواہش تھی کہ وہ ان کے ساتھ رہے۔ لیکن اس نے 'رہنے کے لیے اپنی جوانی کی بے راہ روی کی یادگار اس ہوٹل ہی کو بہتر سمجھا۔ یہاں اس کا مستقل کمرہ ہی اس کا واحد گھر تھا اور اس مشترکہ رہائش گاہ میں اس کی رسم و راہ فلورنتینو آریزا سے ہوئی، جس کے بارے میں، اس کا خیال تھا کہ آگے چل کر وہ ایک نہایت دانا انسان ثابت ہوگا اور اس کی شہرت دنیا بھر میں ہوگی، کیوں کہ وہ شہوت پرستی کی اس جنت میں بھی کتاب خوانی سے اپنی روح کو سیراب کرتا رہتا ہے۔فلورنتینو آریزا بھی اس سے خاصا مانوس ہو گیا تھا اور سودا سلف لانے میں اس کی مدد کرنے کے علاوہ شاموں میں اس سے گفتگو بھی کیا کرتا تھا۔اس کے خیال میں یہ عورت محبت کے معاملات میں خاصی دانائی رکھتی تھی' کیوں کہ اس نے فلورنتینو آریزا کی جانب سے اسے اپنا ہمراز بنائے بغیر اپنی دانست کے مطابق کئی بار اس کی رہنمائی کی۔

رہیں اس ہوٹل کی ترغیبات تو ان کے سامنے فلورنتینو آریزا نے اس وقت بھی ہتھیار نہیں ڈالے تھے جب وہ فرمینا دازا کی محبت کے تجربے سے نہیں گزرا تھا۔اب وہ ایسا کس طرح کر سکتا جب فرمینا دازا اس سے باقاعدہ وابستہ ہو چکی تھی۔لہٰذا وہ ان لڑکیوں کے ساتھ رہتا رہا اور ان کے غموں اور خوشیوں میں شریک ہوتا رہا لیکن اس سے آگے بڑھنے کا اس کو خیال تک نہ آیا۔ایک غیر متوقع واقعے نے اس کے ارادے کی پختگی کو اور واضح کر دیا۔ایک شام چھ بجے کے قریب' جب لڑکیاں شام کے گاہکوں کے خیر مقدم کے لیے تیار ہو رہی تھیں' اس کی منزل پر صفائی کرنے والی عورت اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔اس کی عمر زیادہ نہ تھی لیکن وہ اپنے وقت سے پہلے ہی لاغر اور عمر رسیدہ ہو گئی تھی' اور پر شکوہ برہنگی کے درمیان ایک ملبوس پچھتاوے کی طرح نظر آتی تھی۔وہ اسے روز آتے جاتے دیکھتا تھا اور اسے یہ محسوس نہ ہوا تھا کہ وہ بھی اسے دیکھا کرتی ہے۔وہ اپنی جھاڑوؤں، کوڑا اٹھانے کی بالٹی اور فرش سے استعمال شدہ کنڈوم چننے کے لیے ایک مخصوص کپڑا اٹھائے کمروں میں آیا جایا کرتی تھی۔وہ اس کمرے میں داخل ہوئی' جہاں فلورنتینو آریزا بستر پر دراز' مطالعے میں مصروف تھا' اور ہمیشہ کی طرح احتیاط سے صفائی کرنے لگی تاکہ اس کی مصروفیت میں خلل نہ پڑے۔پھر وہ بستر کے قریب آئی' اور فلورنتینو آریزا نے اپنے پیٹ کے قریب ایک گرم اور نرم ہاتھ کا لمس محسوس کیا' پھر اس نے اس ہاتھ کو آس پاس ٹٹولتے' اسے ہدف تک پہنچتے' پتلون کے بٹن کھولتے محسوس کیا۔اس دوران میں اس کے تیز تنفس سے کمرہ بھرا جا رہا تھا۔کچھ دیر تک تو وہ اسے نظر انداز کر کے مطالعے میں مگن رہا' لیکن جب یہ عمل ناقابل برداشت ہو گیا تو اس نے

دوسری طرف کروٹ بدل لی۔

وہ بہت مایوس ہوئی کیوں کہ اسے صفائی کرنے کی ملازمت دیتے ہوئے یہ بات واضح طور پر بتا دی گئی تھی کہ وہ ہوٹل کے گاہکوں کے ساتھ سونے کی کوشش نہیں کرے گی۔ ویسے یہ بات اس سے کہنے کی انھیں کوئی ضرورت نہیں تھی کیوں کہ وہ ان عورتوں میں سے تھی جن کے لیے طوائف ہونے کا مطلب پیسے کے عوض ہم بستری کرنا ہی نہیں بل کہ کسی بھی اجنبی کے ساتھ ہم بستری کرنا ہوتا ہے۔ اس کے دو بچے تھے۔ دونوں کے باپ مختلف تھے اس لیے نہیں کہ وہ کوئی اتفاقی معاشقے تھے بل کہ اس لے کہ تیسری ملاقات کے بعد وہ کسی مرد سے محبت برقرار نہیں رکھ سکتی تھی۔ اس وقت تک وہ ایک ایسی عورت رہی تھی جسے کوئی عجلت نہیں تھی اور جو مایوس ہوئے بغیر انتظار کرتے رہنے پر آمادہ تھی' لیکن یہاں کے مکینوں کا طرز حیات اس کی برداشت سے زیادہ طاقت ور ثابت ہوا۔ وہ شام چھ بجے کام پر آتی اور تمام رات کمروں میں آتی جاتی' فرش صاف کرتی' کنڈوم چنتی اور چادریں بدلتی رہتی۔ یہ تصور سے باہر تھا کہ مرد وصال کے بعد وہاں کتنی ان گنت چیزیں چھوڑ جایا کرتے تھے' الٹیاں اور آنسو' جو اس کے لیے قابلِ فہم تھے۔ لیکن وہ اپنی گداز قربت کی بہت سی اور پہیلیاں بھی چھوڑ جاتے تھے: خون کے دھبے' گند گی کی ڈھیریاں' کانچ کی آنکھیں' طلائی گھڑیاں' نقلی دانت' سنہری چھلوں والے لاکٹ' عشقیہ خطوط' کاروباری خطوط' تعزیتی خطوط' ہر طرح کے خطوط ان میں سے بعض اپنی چھوڑی ہوئی چیزیں واپس لینے کے لیے آیا کرتے' لیکن زیادہ تر چیزیں وہیں بن مانگی رہ جاتی تھیں۔ لوتاریو تھگٹ انھیں حفاظت سے تالے میں بند کر کے رکھتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ جلد یا بدیر یہ عمارت جو اپنے اچھے دن گزار چکی ہے' ان بے شمار یادگاروں کی وجہ سے محبت کا ایک عجائب خانہ بن جائے گی۔

اس کا کام سخت اور تنخواہ نہایت قلیل تھی' پھر بھی وہ اسے بہت اچھی طرح سے کرتی تھی۔ جو چیز اس کی برداشت سے باہر تھی' جو اس کے لہو کو جذبے اور دکھ سے اس قدر بھر دیتی کہ اسے اپنی اس خواہش پر قابو رکھنا دشوار ہو جاتا وہ یہ کہ صبح ہونے تک باہر نکل کر خود کو کسی بھی ایسے گداگر یا قابلِ رحم شرابی کے سپرد کر دے جو کسی تکلف یا سوال جواب کے بغیر اس کی طلب پوری کر دے۔ فلورنتینو آریزا کا نمودار ہونا' جو نوجوان' صاف ستھرا اور کسی عورت کے بغیر تھا' اس کے لیے جنت کے ایک تحفے سے کم نہ تھا' کیوں کہ اسے پہلی بار دیکھتے ہی اس نے اپنے اور اس کے درمیان ایک قدر مشترک تلاش کر لی تھی۔ دونوں محبت کے ضرورت مند تھے۔ مگر وہ اس کی بے بس کر دینے والی خواہش سے بے خبر تھا۔ اس نے اپنا کنوار پن

فرمینا داز ا کے لیے سنبھال رکھا تھا اور دنیا میں کوئی دلیل یا قوت ایسی نہ تھی جو اسے اس عہد سے ہٹا سکتی۔

تو یہ اس کے شب و روز تھے' جب فرمینا داز ا سے رسمی نسبت، طے کرنے کی تاریخ سے چار ماہ قبل' ایک صبح' سات بجے لورنیز و داز ا ٹیلی گراف آفس میں آیا اور اس کے بارے میں معلوم کیا۔ چوں کہ فلورنٹینو آریزا ابھی تک نہیں پہنچا تھا' لورنیز و داز ا آٹھ بج کر دس منٹ تک ایک بنچ پر بیٹھا اس کا انتظار کرتا رہا' جس دوران میں وہ اپنی طلائی انگوٹھی ایک انگلی سے دوسری انگلی میں منتقل کرتا رہا۔ جوں ہی فلورنٹینو آریزا اندر آیا' اس نے اسے اس اہلکار کے طور پر پہچان لیا جو اسے ٹیلی گرام پہنچانے آیا تھا' اور اس نے اسے بازو سے پکڑ لیا۔

''میرے ساتھ چلو۔'' وہ بولا ''مجھے تم سے پانچ منٹ براہ راست بات کرنی ہے۔''

لاش کی طرح سرد پڑتے ہوئے فلورنٹینو آریزا نے خود کو اس کے ہمراہ جانے دیا۔ وہ اس ملاقات کے لیے تیار نہیں تھا کیوں کہ فرمینا داز ا کو موقع ملا تھا اور نہ ہی اس کے پاس ایسے ذرائع تھے کہ وہ اس کو خبردار کر دیتی۔ حقیقت یہ تھی کہ گذشتہ ہفتے کے روز' مقدس مریم کی اکادمی کی نگران سسٹرز' ''تخلیق کائنات کے نظریات'' کی کلاس میں سانپ کی طرح چوری چھپے داخل ہوئی اور طالبات کے کندھوں پر سے خفیہ طور پر دیکھتے ہوئے اس نے جانا کہ فرمینا داز ا محض بظاہر اپنی نوٹ بک پر نوٹس لے رہی تھی' جب کہ درحقیقت وہ ایک محبت نامہ لکھنے میں مگن تھی۔ اکادمی کے قوانین کی رو سے' یہ وجہ اس کے اکادمی سے اخراج کے لیے کافی تھی۔ لورنیز و داز ا کو فوری طور پر ریکٹر کے دفتر میں طلب کیا گیا' وہاں اس نے اس شگاف کو دریافت کیا جس کے راستے اس کا آہنی اقتدار بہہ کر باہر نکل رہا تھا۔ فرمینا داز ا نے اپنے طبعی استقلال کے ساتھ' اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا لیکن اس نے اپنے خفیہ محبوب کے بارے میں کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا اور اس کا انکار ٹریبونل آف آرڈر کے سامنے بھی برقرار رہا۔ چناں چہ ٹریبونل نے اس کے اخراج کے فیصلے کی حتمی منظوری دے دی۔ تاہم اس کے باپ نے اس کے کمرے کی تلاشی لی' جو اس وقت تک ایک محفوظ پناہ گاہ رہا تھا اور اس نے اس کے ٹرنک کی تہہ میں' تین سال پر محیط خطوط کے پیکٹ برآمد کیے' جنھیں اتنی ہی محبت سے چھپایا گیا تھا' جتنی محبت نے انھیں لکھنے پر اکسایا تھا۔ دستخط بالکل واضح تھے' مگر لورنیز و داز ا اس وقت اور اس کے بعد بھی کبھی یہ یقین کر سکا کہ اس کی بیٹی اپنے خفیہ عاشق کے بارے میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں جانتی کہ وہ ایک ٹیلی گراف آپریٹر کے طور پر کام کرتا ہے اور یہ کہ وہ وائلن نوازی کا شوق رکھتا ہے۔ اسے یقین تھا کہ اس قدر مشکل راہ و رسم صرف اس کی بہن کی مدد ہی سے ممکن تھی

اس لیےاس نے اسے کوئی عذر پیش کرنے یا رحم کی التجا کرنے کا موقع دیے بغیر' سان حوان دلا سینگا جانے والے جہاز پر سوار کرا دیا۔ فرمینا دازا اپنی پھوپھی کی اس آخری اذیت ناک یاد سے کبھی آزادی نہیں پا سکی' جب اس سہ پہر وہ اپنی عبا کے نیچے بخار میں جلتے ہوئے سوکھے اور خاکستری جسم کے ساتھ الوداع کہہ کر دروازے سے باہر نکل گئی تھی اور اپنی زندگی بھر کی متاع' سونے کی چٹائی اور مہینے بھر کے خرچ کی رقم ایک رومال میں باندھے ہلکی بارش میں سامنے والے باغ میں اوجھل ہو گئی تھی۔ بعد میں اپنے باپ کے اقتدار سے رہا ہوتے ہی فرمینا دازا نے کریبئن کے ساحلی علاقوں میں اس کی تلاش شروع کی۔ ہر اس شخص سے اس کے بارے میں پوچھا جس پر اس سے جان پہچان کا گمان ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ اس کا کوئی سراغ نہ پا سکی۔ یہاں تک کہ تیس برس بعد اسے خط ملا۔ جو طویل عرصے تک بھٹکنے کے بعد' مختلف لوگوں کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا اس تک پہنچا تھا۔ اس خط سے اسے پتا چلا کہ اس کی پھوپھی اب خداوند کے جذامی اسپتال میں مر چکی ہے۔ لورینزو دازا کو اس شدید ردعمل کا اندازہ نہ تھا جو اس کی پھوپھی کو ملنے والی ناحق سزا سے اس میں پیدا ہوا' کیوں کہ اس نے ہمیشہ اسے اپنی ماں کی جگہ جانا تھا جو اسے یاد بھی نہ تھی۔ اس نے خود کو اپنے کمرے میں بند کر لیا' کھانے پینے سے مطلق انکار کر دیا' اور جب لورینزو دازا کی دھمکیوں اور بے ڈھنگی ریاکارانہ التجاؤں سے قائل ہو کر اس نے دروازہ کھولا تو اس کے باپ کو ایک زخمی شیرنی نظر آئی جو اب دوبارہ کبھی پندرہ سال کی معصوم بچی نہیں بنے گی۔

اس نے ہر قسم کی خوشامد سے اسے راہ پر لانے کی کوشش کی۔ اسے سمجھایا کہ اس کی عمر میں محبت ایک التباس کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ اس نے اسے سمجھایا کہ وہ یہ تمام خط واپس کر دے اور اسکول جا کر اپنی غلطی کی معافی مانگ لے۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ اس کے لیے جلد از جلد کوئی مناسب رشتہ تلاش کرے گا۔ لیکن یہ سب یوں تھا جیسے وہ کسی لاش سے مخاطب ہو۔ ناکام ہو کر وہ سوموار کو دوپہر کے کھانے پر غضب ناک ہو گیا' اور جب وہ اپنے غصے اور لعن طعن کو دبانے کی کوشش میں بھرایا ہوا تھا فرمینا دازا نے گوشت کاٹنے والا چاقو اٹھا کر کسی ڈرامائی انداز کے بغیر اپنے گلے پر رکھ لیا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی لرزش نہیں تھی اور آنکھیں ایسی پھٹی تھیں کہ وہ گنگ ہو گیا۔ یہی وہ موقع تھا جب اس نے اس بدبخت نوجوان سے پانچ منٹ کے لیے براہ راست بات کرنے کا فیصلہ کیا' جس کی شکل اسے یاد نہیں تھی اور جو اس کی زندگی میں زمین پر نازل ہونے والی اس مصیبت کا باعث تھا۔

فلورنتینو آریزا ابھی اپنے ہوش و حواس بحال نہ کر پایا تھا کہ لورینزو دازا سے بازو سے پکڑ ے

پکڑے کیتھڈرل پلازہ پار کر کے کلیسائی کینٹے کی محراب دار گیلری میں لے گیا۔ اتنی صبح وہاں کوئی اور گاہک نہیں تھا' ایک سیاہ فام عورت گرد آلود دھندلے شیشوں کی کھڑکیوں والے ہال کا فرش دھو رہی تھی۔ فلورنتینو آریزا نے لورنیز ودازا کو اکثر بڑے بازار کے آسٹریائی دکانداروں کے ساتھ وہاں بیٹھے جوا کھیلتے اور بیئر پیتے دیکھا تھا۔ وہ لوگ بلند آواز میں ایسی طویل جنگوں کا تذکرہ کر رہے ہوتے، جن کا ہمارے ملک سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ فلورنتینو آریزا محبت کے فانی ہونے کے احساس کے زیر اثر سوچا کرتا تھا کہ لورنیز ودازا سے اس کی وہ ملاقات کیسی ہوگی جس کا جلد یا بدیر ہونا ناگزیر تھا۔ جسے ٹالنا کسی انسانی قوت کے بس میں نہ تھا' کیوں کہ یہ ملاقات ان دونوں کی تقدیر میں لکھ دی گئی تھی۔ اسے اندازہ تھا' کہ یہ ایک غیر مساوی مقابلہ ہوگا۔ نہ صرف اس لیے کہ فرمینا دازا نے اپنے خطوں میں اسے اپنے باپ کی طوفانی فطرت سے آگاہ کر دیا تھا' بل کہ اس نے خود بھی لورنیز ودازا کو، جوئے کی میز پر دیکھا تھا، جب ہنستے ہوئے بھی اس کی آنکھیں غصے سے جل رہی ہوتی تھیں۔ اس کی ہر چیز وحشی پن کی گواہی دیتی تھی' اس کی تخش تو ندا' اونچی آواز جانوروں کے سے گل مچھے' بھدے ہاتھ' دودھیا پتھر سے جلی ہوئی انگوٹھی والی انگلی۔ اس کی واحد پسندیدہ خصوصیت' جسے فلورنتینو آریزا نے اسے پہلی بار دیکھ کر ہی پہچان لیا تھا' اس کی چال تھی' جو اس کی بیٹی کی چال سے مشابہ تھی۔ بہر حال جب لورنیز ودازا نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے اسے بیٹھنے کو کہا تو وہ فلورنتینو آریزا کو اتنا سخت گیر معلوم نہ ہوا جتنا اس کا خیال تھا' اور جب اس نے فلورنتینو آریزا کو انیز سیڈ شراب کا ایک جام پینے کی دعوت دی تو اس کی ہمت بحال ہو گئی۔ فلورنتینو آریزا نے اس سے پہلے کبھی صبح آٹھ بجے شراب نہیں پی تھی' لیکن اس نے اس دعوت کو شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا کیوں کہ اس وقت اسے اس کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

لورنیز ودازا نے اپنی بات کہنے میں واقعی پانچ منٹ سے زیادہ وقت نہ لگایا۔ اور اس نے اپنی بات اتنے بے بس کر دینے والے خلوص کے ساتھ کی کہ فلورنتینو آریزا حیرت زدہ رہ گیا۔ اپنی بیوی کے مرنے کے بعد اس نے اپنی زندگی کا واحد مقصد یہ بنا لیا تھا کہ اپنی بیٹی کی اس طرح پرورش کرے کہ وہ بڑی ہو کر ایک نہایت معزز خاتون بنے۔ خچروں کے ایک ان پڑھ تاجر کے لیے یہ راستہ بے حد طویل اور غیر یقینی تھا' جس کی گھوڑے چرانے کی شہرت اتنی ثابت شدہ نہیں تھی جتنی سان حوان دی لا سینگا کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے خچر سواروں کا مخصوص سگار سلگایا اور تاسف سے کہنے لگا: "خراب شہرت خراب صحت سے بھی زیادہ بری چیز ہے۔" لیکن اس نے کہا کہ اس کی کامیابی کا اصل راز یہ ہے کہ

اس نے ہمیشہ اپنے خچروں سے بھی زیادہ محنت سے کام کیا' اور اس معمول میں خانہ جنگیوں کے اس تلخ ترین زمانے میں بھی فرق نہیں آنے دیا جب صبح ہونے پر گاؤں خود کو خاکستر اور کھیت خود کو تباہ حال پاتے تھے۔ اگرچہ فرمینا دازا کو اپنے باپ کے منصوبوں کا علم نہ تھا' لیکن اب تک اس نے ایسی اچھی کارکردگی دکھائی تھی جیسے وہ ان میں شریک ہو۔ وہ اتنی ذہین اور منظم تھی کہ اس نے خود پڑھنا سیکھتے ہی اپنے باپ کو بھی پڑھنا سکھا دیا اور بارہ سال کی عمر میں اس میں معاملات کی ایسی سمجھ بوجھ آ گئی تھی کہ وہ اپنی پھوپھی کی مدد کے بغیر گھر کا سارا انتظام چلا سکتی تھی۔ وہ ایک آہ بھر کر بولا: ''وہ ایک ایسی گھوڑی ہے جو سونے میں تولے جانے کے لائق ہے۔'' جب اس کی بیٹی نے پرائمری اسکول کی تعلیم' ہر مضمون میں سب سے زیادہ نمبر اور تعریفی سند حاصل کر کے پوری کر لی تو وہ سمجھ گیا کہ سان حوان دی لا سینگا کا قصبہ اس کے خوابوں کے لیے بہت تنگ ہے۔ تب اس نے اپنی زمین اور مویشی بیچ ڈالے اور ستر ہزار پیسو کی رقم اور ایک نئے جذبے کے ساتھ بوسیدہ شان و شوکت والے اس تباہ شدہ شہر میں اٹھ آیا' جہاں روایتی انداز میں تربیت یافتہ حسین لڑکی کے لیے اچھے خاندان میں شادی کے وسیلے سے نئی زندگی شروع کرنے کا امکان موجود تھا۔ فلورنتینو آریزا کی اچانک آمد اس بے حد کٹھن منصوبے میں ایک غیر متوقع رکاوٹ تھی۔ ''میں تم سے ایک درخواست کرنے آیا ہوں۔'' لورنیزو دازا نے کہا۔ اس نے اپنے سگار کے سرے کو شراب میں ڈبو کر تر کیا' اس کا ایک طویل کش لیا اور دھواں باہر نکالے بغیر افسردہ آواز میں بولا۔

''ہمارے راستے سے دور ہو جاؤ۔''

فلورنتینو آریزا شراب کے گھونٹ لیتے ہوئے اس کی بات غور سے سن رہا تھا' اور فرمینا دازا کے ماضی کے متعلق سننے میں اتنا مگن تھا کہ اسے یہ سوچنے کا موقع نہ مل سکا کہ اپنی باری پر خود اسے کیا کہنا ہے۔ لیکن جب یہ لمحہ آیا تو اسے احساس ہوا کہ وہ جو کچھ بھی کہے گا' اس کی تقدیر پر اثر انداز ہو گا۔

''کیا آپ نے اس سے بات کر لی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''اس سے تمھیں کوئی مطلب نہیں۔'' لورنیزو دازا نے کہا۔

''میں یہ سوال اس لیے کر رہا ہوں''۔ فلورنتینو آریزا نے کہا: ''کہ میرے خیال میں یہ فیصلہ اسی کو کرنا ہے۔''

''ہرگز نہیں'' لورنیزو دازا نے کہا: ''یہ مردوں کا معاملہ ہے اور مردوں کے درمیان ہی طے ہو گا۔''

اس کا لہجہ خوفناک ہونے لگا تھا' اور ایک گاہک جو ابھی ابھی آ کر ایک قریبی میز پر بیٹھا تھا'

چونک کرانھیں دیکھنے لگا۔ فلورنٹینو آریزا نہایت دھیمی آواز میں لیکن مقدور بھر شاہانہ عزم کے ساتھ بولا:

"کچھ بھی ہو، میں اس کی رائے معلوم کیے بغیر کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ یہ اس کے ساتھ بے وفائی ہوگی۔"

تب لورینیزو دازا کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے پپوٹے سرخ اور بھیگے ہوئے تھے اور اس کی بائیں آنکھ اپنے حلقے میں گھوم کر باہر کی جانب جم گئی۔ اس نے بھی اپنی آواز مدھم کر لی۔

"مجھے مجبور مت کرو کہ تمھیں گولی مار دوں۔" وہ بولا۔

فلورنٹینو آریزا کو اپنی آنتوں میں سرد جھاگ سا ابھرتا محسوس ہوا لیکن اس کی آواز میں کوئی لرزش نہ آئی، کیوں کہ اسے یقین تھا کہ اس پر روح القدس کا سایہ ہے۔

"میں تیار ہوں۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا: "محبت کے لیے مارے جانے سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔"

لورینیزو دازا کو اپنی توتے کی طرح گھومی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف ترچھا دیکھنا پڑا۔ اس نے تین الفاظ ایک ایک کر کے یوں ادا کیے جیسے انھیں تھوک رہا ہو:

"کتیا کی اولاد۔"

اسی ہفتے وہ اپنی بیٹی کو لے کر اس سفر پر روانہ ہو گیا، جس کا مقصد اسے فراموشی پر آمادہ کرنا تھا۔ اس نے اس کے سامنے کوئی وضاحت پیش نہیں کی۔ وہ ایک تند انداز میں اس کی خواب گاہ میں داخل ہوا، اس کی مونچھیں طیش کے عالم اور چبائے ہوئے سگار سے رنگی ہوئی تھیں۔ اس نے اسے سامان باندھنے کا حکم دیا۔ اس نے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ اس نے جواب دیا: اپنی موت کی طرف۔" ایک ایسے ردعمل سے خوفزدہ جو اسے سچائی سے قریب تر لگ رہا تھا، اس نے چند روز پہلے کی اپنی جرأت سے کام لیتے ہوئے، اس کا سامنا کرنے کی کوشش کی، لیکن اس نے اپنی تانبے کے بکل والی پیٹی اتاری، اسے اپنی مٹھی کے گرد لپیٹا، اور میز پر اس زور سے ماری کہ پورے گھر میں کسی بندوق کی گولی کی طرح کی گونج سنائی دی۔ فرمینا دازا اپنی قوت کی حد اور اس کے موقع محل کے بارے میں بخوبی واقف تھی۔ چناں چہ اس نے دو چٹائیاں اور ایک جھولنا بستر بند میں باندھا اور دو بڑے ٹرنکوں میں اپنے تمام کپڑوں کو ٹھونسا۔ اسے یقین تھا کہ یہ ایسا سفر ہے، جس سے وہ کبھی واپس نہیں آسکے گی۔ لباس بدلنے سے پہلے اس نے خود کو باتھ روم میں بند کیا اور ٹائلٹ پیپر سے پھاڑے ہوئے ایک ٹکڑے پر فلورنٹینو آریزا کے نام ایک

مختصر الوداعی خط تحریر کیا۔ پھر اس نے اپنی گردن پر دراز پوری چوٹی قینچی سے کاٹی، اُسے طلائی دھاگے سے کڑھے ہوئے ایک مخملی ڈبے میں بند کیا اور اسے خط کے ساتھ بھیج دیا۔

یہ ایک دیوانگی کا سفر تھا۔ اس کا پہلا حصہ، جو سیرا نوادا کے پہاڑی راستوں پر مشتمل تھا، جو انھوں نے اندینا کے خچر سواروں کے قافلے میں شامل ہو کر خچر کی پیٹھ پر گیارہ دن میں طے کیا۔ اور اس دوران میں تیز دھوپ، اکتوبر کی افقی بارشوں، اور گھاٹیوں سے اٹھتے، سن کر دینے والے بخارات نے ان کے ہوش اڑا دیے۔ سفر کے تیسرے دن مکھیوں کے حملے سے بدحواس، ایک خچر اپنے سوار سمیت نیچے کھائی میں جا گرا، اور اپنے ساتھ خچروں کی پوری قطار کو گھسیٹ لے گیا۔ اس آدمی، اور ایک دوسرے سے رسیوں سے بندھے سات جانوروں کی چیخیں حادثے کے کئی گھنٹے بعد تک، چٹانوں اور گھاٹیوں سے ٹکرا کر گونجتی رہیں اور اس کے بعد سالہا سال تک اس کی بازگشت فرمینا دازا کی یادوں میں گونجتی رہی۔ اس کا سارا سامان خچروں کی پیٹھ پر تھا، لیکن اس حادثے کے صدیوں طویل لمحے سے لے کر دہشت کی ان چیخوں کے گہری کھائی میں جا کر ٹھہر جانے تک اس کے ذہن میں بدقسمت خچر سوار اور اس کے بندھے ہوئے جانوروں کا خیال نہ آیا، بلکہ وہ اپنی بدبختی کے بارے میں سوچتی رہی کہ اس کا خچر ان گرنے والے جانوروں کے ساتھ بندھا ہوا نہیں تھا۔

وہ پہلی بار خچر کی پیٹھ پر سفر کر رہی تھی، لیکن اس سفر کی دہشت اور ناقابلِ بیان تکلیفیں اسے اس قدر تلخ محسوس نہ ہوتیں، اگر اسے اس کا یقین نہ ہوتا کہ اب زندگی بھر نہ وہ فلورنتینو آریزا کو دیکھ سکے گی اور نہ اس کے خطوں سے تسکین پا سکے گی۔ اس نے آغازِ سفر سے ہی اپنے باپ سے براہِ راست ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا تھا، اور وہ بھی اتنا حیرت زدہ تھا کہ انتہائی ضرورت کے وقت بھی وہ اس سے مخاطب نہ ہوتا، بلکہ خچر سواروں کے ہاتھ پیغام بھجوا دیا کرتا۔ کبھی کبھار خوش قسمتی سے انھیں سڑک کے کنارے کوئی سرائے مل جاتی جہاں اور بے ڈھنگا کھانا دستیاب ہوتا، جسے وہ کھانے سے انکار کر دیتی، بدبودار پسینے اور پیشاب سے آلودہ ترپال کی چارپائیاں کرائے پر ملتیں۔ مگر زیادہ تر راتیں انھیں انڈین بستیوں میں سڑک کے کنارے بنی ہوئی کھلی سراؤں میں گزارنی پڑیں، جہاں لکڑی کے کھمبوں پر کھجور کے پتوں کی چھت پڑی ہوتی اور جہاں ہر مسافر کو رات گزارنے کا حق تھا۔ فرمینا دازا، ان میں سے ایک رات بھی سو نہ سکی: وہ خوف کے عالم میں پڑی اندھیرے میں مسافروں کے آنے جانے کی آوازیں سنتی رہتی جو اپنے جانوروں کو کھمبوں سے باندھ کر جہاں کہیں جگہ ملے اپنے جھولے لٹکا رہے ہوتے تھے۔

دن ڈھلے جب پہلے مسافر وہاں پہنچتے تو یہ جگہ ہجوم کے بغیر خاصی پرسکون لگتی تھی' لیکن صبح ہونے تک یہ ایک میلے میں بدل جاتی' جہاں جھولنے مختلف بلندیوں پر اوپر تلے لٹک رہے ہوتے' پہاڑوں پر رہنے والے اروا ک انڈین بیٹھے بیٹھے سو رہے ہوتے' اور بندھی ہوئی بکریوں اور لکڑی کے صندوقوں میں بندلڑا کا مرغوں کی بانگیں ایک ہنگامہ بپا کیے ہوئے ہوتی تھیں۔ پہاڑی کتوں کے خاموشی سے ہانپنے کی آوازیں اس ہنگامے میں اضافہ کر دیتی تھیں جنھیں خانہ جنگی کے خطرے کے باعث بھونکنے سے باز رہنے کی تربیت دی گئی تھی۔ لورنیز و دازا ان مصائب کا عادی تھا' کیوں کہ اس کی آدھی زندگی انھی راستوں پر سفر کرتے ہوئے گزری تھی' اور وہ ہر جگہ صبح بیدار ہونے پر ہجوم میں پرانے دوستوں کو پہچان لیتا تھا تاہم اس کی بیٹی کے لیے یہ ایک مسلسل عذاب تھا۔ نمک لگی مچھلیوں کے ڈھیروں کے تعفن سے اس کی بھوک جو دکھ کی وجہ سے بہت کم ہو گئی تھی اب بالکل ہی مٹ گئی۔ اگر وہ ان تمام تکلیفوں کے باوجود پاگل ہونے سے بچ نکلی تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ فلورنتینو آریزا کی یاد میں سکون پا لیتی تھی۔ اسے اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ یہ فراموشی کی سرزمین ہے۔

ایک اور مستقل خوف خانہ جنگی کا تھا۔ سفر کے آغاز ہی سے گشت کرتے ہوئے مسلح دستوں سے سامنا ہونے کے خطرات کی باتیں ہونے لگی تھیں اور خچر سواروں نے انھیں دونوں فریقوں میں تمیز کرنے کی نشانیاں اچھی طرح یاد کرا دی تھیں تا کہ وہ انہیں پہچان کر مناسب لائحہ عمل اختیار کر سکیں۔ انھیں اکثر راستوں میں گھڑ سوار دستے ملتے جو کسی افسر کی کمان میں نئے رنگروٹوں کی تلاش میں گھوم رہے ہوتے۔ وہ چن لیے جانے والوں کو مویشیوں کی طرح باندھ کر ساتھ لے جاتے تھے۔ بے شمار مصیبتوں میں گرفتار فرمینا دازا کو اس خطرے کا اندازہ ہی نہ تھا جو اسے حقیقت سے زیادہ افسانہ معلوم ہوتا تھا۔ مگر ایک رات ایک گشتی دستے نے' جس کی وابستگی نامعلوم تھی' کارواں کے دو مسافروں کو قیدی بنا لیا' اور بستی سے آدھ فرسنگ باہر کمپانو کے درخت سے لٹکا کر پھانسی دے دی۔ لورنیز و دازا ان کو جانتا تک نہ تھا' پھر بھی اس نے ان کی لاشیں اتروائیں اور اس بدقسمتی سے اپنے بچ نکلنے پر شکرانے کے طور پر ان کی مسیحی تدفین کروائی۔ اس کی ایک معقول وجہ بھی تھی: حملہ آور سپاہیوں نے اسے بھی پیٹ پر رائفل کی نال رکھ کر جگایا تھا' اور کمانڈر نے جس کے کپڑے بوسیدہ تھے اور چہرے پر کالک ملی ہوئی تھی' اس کے چہرے پر روشنی ڈال کر اس سے پوچھا تھا کہ وہ آزاد خیال ہے یا قدامت پرست۔

''دونوں میں سے کوئی نہیں۔'' لورنیز و نے کہا تھا۔ ''میں ہسپانوی رعایا میں سے ہوں۔''

''تم خوش قسمت ہو۔'' کمانڈر نے کہا' اور پھر ہاتھ اٹھا کر بولا: ''زندہ باد شاہ ہسپانیہ!'' اور آگے بڑھ گیا۔

دو دن بعد وہ نشیبی راستے سے اتر کر اس روشن میدانی علاقے میں پہنچے جہاں والیدوپار کا قصبہ واقع تھا۔ صحنوں میں مرغ لڑائے جا رہے تھے' گلیوں کے موڑ پر اکارڈین بجائے جا رہے تھے' عمدہ نسل کے گھوڑوں پر لوگ سوار تھے اور آتش بازیوں اور گھنٹیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آتش بازی سے فضا میں ایک قلعہ تیار کیا جا رہا تھا۔ فرمینا دازا کو جشن طرب کا ذرا بھی پتا نہ چلا۔ وہ لیسیما کو سانچیز کے گھر میں ٹھہرے جو اس کی مرحوم ماں کا بھائی تھا۔ وہ ان کے استقبال کے لیے علاقے کے عمدہ ترین نسل کے گھوڑوں پر سوار خاندان کے نوجوان کے ایک جلوس کے ساتھ کنگز ہائی وے تک آیا تھا۔ انھیں قصبے کی گلیوں میں سے آتش بازی کی جگمگاہٹوں کے درمیان سے لے جایا گیا۔ مکان مرکزی چوک میں بار بار تعمیر ہونے والے نو آبادیاتی گرجا گھر سے ملحق تھا اور اس جاگیر کی اہم ترین عمارت معلوم ہوتا تھا۔ اس کے کمرے وسیع و عریض اور نیم روشن تھے' اور اس کی گیلری کا رخ پھلوں کے ایک باغ کی جانب تھا' اور وہاں گنے کے رس کی گرم خوشبو معطر رہتی تھی۔

وہ ابھی اصطبل میں آ کر اترے ہی تھے کہ استقبالیہ کمروں میں سے بے شمار انجانے رشتے دار نکل آئے' جن کا ناقابل برداشت ریلا فرمینا دازا کے لیے تازیانوں سے کم نہ تھا' کیوں کہ وہ کسی اور سے محبت کرنے کی قابل نہیں تھی۔ وہ کاٹھی کے زخموں سے چُور تھکن اور بدہضمی سے بے حال تھی' صرف کسی تنہا اور خاموش جگہ جا کر رونا چاہتی تھی۔ صرف اس کی عم زاد ہلڈے برانڈا سانچیز جو اس سے دو سال بڑی' اور شاہانہ تمکنت میں اس سے مشابہ تھی' اس پر نظر ڈالتے ہی اس کا حال سمجھ گئی' کیوں کہ وہ خود بھی اپنی من چلی محبت کے انگاروں میں جل رہی تھی۔ شام پڑتے ہی وہ اسے اپنی خواب گاہ میں لے گئی جہاں ان دونوں نے ساتھ رہنا تھا' اور اس کے کولھوں کے زخم دیکھ کر اسے یقین نہ آیا کہ وہ اب تک زندہ کس طرح ہے۔ اپنی ماں کی مدد سے' جو ایک بے حد شفیق عورت تھی اور اپنے شوہر سے اس قدر مشابہت رکھتی تھی جیسے وہ جڑواں بھائی بہن ہوں' اس نے فرمینا دازا کے غسل کا بندوبست کیا اور اس کے جلتے ہوئے زخموں کو آرنیکا کے مرہم سے ٹھنڈک پہنچائی' جب کہ باہر بارود کے قلعے سے اٹھتے ہوئے دھماکے مکان کی بنیادیں ہلا رہے تھے۔

نصف شب کے قریب محفل برہم ہوئی جشن کا سماں ختم ہونے لگا اور عم زاد ہلڈے برانڈا نے

اسے شب خوابی کا لباس پہننے کو دیا اور ہموار چادر اور پروں کے تکیے والے بستر پر لٹا دیا' اور اچانک خوشی کے ہیجان سے بے قابو ہو گئی۔ جوں ہی وہ دونوں تنہا ہوئیں' بلڈے براڈا نے سلاخ اٹکا کر دروازہ بند کر دیا اور اپنے بستر کے نیچے بچھی ہوئی چٹائی کے اندر سے دبیز کاغذ کا ایک لفافہ نکالا جس پر لگی موم کی سرخ مہر پر ٹیلی گراف کا نشان بنا ہوا تھا۔ اپنی عم زاد کے چہرے پر چمکتی ہوئی شرارت دیکھتے ہی فرمینا دازا کے دل میں گارڈینیا کے سفید پھولوں کی اداس مہک پھر سے بھر گئی۔ اس نے سرخ مہر اپنے دانتوں سے توڑی اور ان گیارہ ممنوعہ ٹیلی گراموں کو رات بھر اپنے آنسوؤں سے بھگوتی رہی۔

تو وہ جانتا تھا! لورنیز ودازا سے غلطی یہ ہوتی تھی کہ روانہ ہونے سے پہلے اس نے اپنے برادر نسبتی لیسیما کو سانچیز کو ٹیلی گرام کے ذریعے خبر کی تھی اور اس نے یہ خبر اس علاقے کے تمام قصبوں اور گاؤں میں بسے ہوئے اپنے بے شمار رشتے داروں میں پھیلا دی تھی۔ لہٰذا فلورنتینو آریزا کو نہ صرف ان کے سفر کے راستے کا علم ہو گیا تھا' بلکہ وہ علاقے کے تمام ٹیلی گراف آپریٹروں کو ایک برادری کی صورت میں اس بات پر آمادہ کر چکا تھا کہ وہ فرمینا دازا کے سفر کی کابودی لاویلا کی آخری بستی تک' خبر رکھیں۔ اس طرح وہ فرمینا دازا کے والید وپار پہنچتے ہی اس سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا' اور یہ رابطہ اس کے پورے سفر کے دوران میں قائم رہا جو ڈیڑھ سال بعد ریوہاچا میں اختتام پذیر ہوا' جب لورنیز ودازا نے یہ اطمینان ہونے پر کہ اس کی بیٹی اس قصے کو مکمل طور پر فراموش کر چکی ہے' واپسی کا قصد کیا۔ وہ شاید اس بات سے بے خبر تھا کہ یہاں پہنچ کر اس نے اپنی نگرانی کو کس قدر رزم کر دیا ہے۔ وہ ہر وقت اپنے سسرالی رشتے داروں کی خوشامدانہ باتوں میں گھرا رہتا' جنھوں نے ان تمام برسوں میں اپنی قبائلی بدگمانیوں کو خیر باد کہہ کر کھلے بازوؤں سے اسے اپنے خاندان کا ایک فرد تسلیم کر لیا تھا۔ درحقیقت فرمینا سانچیز کا خاندان اس کے ایک تارک وطن سے شادی کرنے کے سخت خلاف تھا جس کا کوئی ماضی نہیں تھا' اور جو ان کی نظر میں ایک شیخی خور اور گنوار شخص تھا' جو سدا کا مسافر تھا، اور اپنے سالم خچروں کی تجارت کیا کرتا' جو اس قدر سادہ پیشہ تھا کہ کسی کو یقین نہ آتا تھا کہ اسے دیانت داری سے بھی اپنایا جا سکتا ہے۔ وہ بڑے بڑے خطرات مول لینے سے نہیں گھبراتا تھا کیوں کہ اس کی محبوبہ لورنیز ودازا کے علاقے کے ایک روایتی خاندان کی چشم و چراغ تھی' جو سرکش عورتوں اور مہربان مردوں پر مشتمل ایک پیچیدہ قبیلہ تھا، جسے جنون کی حد تک اپنی عزت کا احساس تھا۔ البتہ فرمینا سانچیز اس محبت کے عزم کے ساتھ، جسے مخالفت کا سامنا ہوا' اپنی خواہش پر مصر ہو گئی اور خاندان کی مخالفت کے باوجود اس قدر عجلت اور رازداری

کے ساتھ اس سے شادی کر لی کہ شبہ ہوتا تھا کہ اس کی وجہ عشق نہیں بل کہ کسی قبل از وقت غلطی پر، تقدس کا پردہ ڈالنا ہے۔

پچیس سال بعد لورینز و دازا کو احساس نہ تھا کہ اپنی بیٹی کے عشق پر اس کا ردِ عمل اسی ماضی کی کینہ پرور تکرار ہے' اور وہ اپنی اس بد قسمتی کی اسی سسرال کے سامنے شکایت کر رہا تھا جنھوں نے کبھی اس کی مخالفت کی تھی اور اپنے رشتے داروں سے اسی قسم کی شکایتیں کی تھیں۔ تاہم جتنے وقت وہ اس پر ماتم کناں رہا' اس کی بیٹی اپنے عشق کے لیے آزاد رہی اور جب وہ اپنے سسرالی رشتے داروں کی جاگیر پر بچھڑوں کو خصی کرنے اور خچروں کو سدھانے میں مشغول ہوتا فرمینا دازا اپنی عم زاد بہنوں کے ہجوم میں گھری رہتی۔ ان سب کی سردار ہلڈے برانڈا سانچیز تھی' جوان سب سے حسین اور دل نواز تھی اور جو اپنے سے بیس سال بڑے شادی شدہ' صاحبِ اولاد مرد سے نامرادِ عشق میں دز دیدہ نگاہی تک محدود رہنے پر مجبور تھی۔

والید وپار میں طویل قیام کے بعد انھوں نے پہاڑوں کے ساتھ ساتھ پھولوں کے تختوں اور خواب جیسے سرسبز میدانوں کو عبور کرتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھا۔ ہر گاؤں میں ان کا اسی طرح استقبال ہوا، جس طرح پہلے گاؤں میں ہوا تھا: موسیقی' آتش بازی' رشتے داروں کا ہجوم اور ان کی آمد کی اطلاع دینے کے لیے پابندی سے آنے والے ٹیلی گرام۔ فرمینا دازا کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ ان کی والید وپار آمد کی شام غیر معمولی نہیں تھی، بل کہ اس زرخیز علاقے میں ہفتے کے ہر روز کو اس طرح منایا جاتا تھا جیسے وہ کوئی تہوار ہو۔ مسافر جہاں بھی رات پڑے سو سکتے تھے' جہاں بھوک لگے کھانا کھا سکتے تھے۔ کیوں کہ ان گھروں کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے تھے اور ایک زائد بستر ہمیشہ لٹکا رہتا تھا اور چولھے پر تین قسم کے گوشت کا سالن ہمیشہ چڑھا رہتا تھا، اس خیال سے کہ آنے والے مہمان شاید اپنی آمد کی اطلاع دینے والے ٹیلی گرام سے پہلے ہی آ پہنچیں' جو تقریباً ہمیشہ کا معمول تھا۔ ہلڈے برانڈ سانچیز باقی سفر میں اپنی عم زاد کے ساتھ رہی اور ایک پر مسرت جذبے کے ساتھ رشتے داریوں کی بے حد پیچیدہ بھول بھلیاں سمجھانے میں اس کی رہنمائی کرتی رہی۔ فرمینا دازا کو پہلی بار اپنے وجود کا احساس ہوا' اس نے خود کو بے فکر' محفوظ اور مہربانیوں کے درمیان محسوس کیا' پہلی بار آزادی کی فضا میں سانس لیا' جس سے اس کی طبیعت کا سکون اور زندہ رہنے کی آرزو لوٹ آئی۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں وہ اس سفر کو ایک بار پھر یاد کرنے والی تھی جب ناسٹیلجیا کے عجیب و غریب عمل سے یہ سفر اس کی یادداشت میں قریب سے قریب تر ہونے لگا تھا۔

ایک روز وہ اپنی روزانہ سیر سے اس انکشاف پر حیران ہوئی کہ انسان نہ صرف محبت کے بغیر

بل کہ اس کے باوجود بھی خوش رہ سکتا ہے۔اس انکشاف نے اسے چونکا دیا' کیوں کہ اس کی ایک عم زاد نے بتایا تھا کہ اس کا باپ اپنے سسرالی رشتے داروں میں' کلیو فاس موسکوتے کی بے اندازہ جائیداد کے اکلوتے وارث سے اس کی شادی کے امکان کا ذکر کر رہا تھا۔فرمینا دازا اس شخص کو جانتی تھی۔اس نے اسے پلازا میں کئی بار دیکھا تھا، جہاں وہ اپنے بے مثال گھوڑوں کو،ان کے زیبائشی ساز پہنا رہا ہوتا تھا جو اپنی چمک دمک سے تقریبات میں پہنے جانے والے زیوروں کی طرح لگتے تھے۔وہ خوش وضع اور ہوشیار تھا'اور اس کی پلکیں خواب دیکھنے والوں جیسی تھیں،جنھیں دیکھ کر پتھر بھی آہیں بھرنے لگیں' لیکن جب وہ اس کا موازنہ باغ میں بادام کے درخت کے نیچے،اپنے زانو پر شاعری کی کتاب رکھے مسکین اور نحیف فلورنتینو آریزا سے کرتی تو اسے اپنے دل میں کسی شک کی دھندلی سی پرچھائیں بھی محسوس نہ ہوتی۔

ان دنوں ہلڈے برانڈا سانچیز امید سے بے حال تھی' کیوں کہ وہ ایک ایسے نجومی سے مل کر آئی تھی ،جس نے اپنی غیب دانی سے اسے حیران کر دیا تھا۔اپنے باپ کے ارادوں سے پریشان' فرمینا دازا بھی اس کی رائے لینے کے لیے اس کے پاس گئی۔پتوں کی مدد سے اس نے بتایا کہ اس کی ایک طویل اور مسرت آمیز شادی کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور اس پیش گوئی نے اس کو دوبارہ جرأت عطا کی' کیوں کہ وہ کسی ایسے مقدر کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی' جس میں اس کے محبوب کے سوا اور کوئی شخص شامل ہو۔اس یقین سے حوصلہ مند ہوتے ہوئے'اس نے اپنی تقدیر کی باگیں اپنے ہاتھ میں تھام لیں اور یوں فلورنتینو آریزا کے ساتھ ٹیلی گرافک خط و کتابت کا انداز آرزوؤں اور موہوم وعدوں سے بدل کر' پہلے سے کہیں زیادہ باقاعدہ'عملی اور شدت آمیز ہو گیا۔وہ تاریخیں طے کرتے' وسائل کا تعین کرتے ۔اپنی زندگیوں کو بغیر کسی شامت کے'اپنے مضبوط باہمی مضبوط ارادوں سے شادی کے بندھن میں بدلنے کے وعدے کرتے۔ جب بھی جہاں بھی' جوں ہی وہ دوبارہ اکٹھے ہوں گے' وہ ایسا کر گزریں گے۔فرمینا دازا اس وعدے کا اس قدر خیال رکھتی کہ جس رات'اس کے باپ نے اسے فونیسکا میں پہلی بار رقص میں جانے کی اجازت دی'اس نے مناسب نہیں سمجھا کہ وہ اس دعوت کو اپنے منگیتر کی رضامندی کے بغیر قبول کرے۔فلورنتینو آریزا اس رات ہوٹل میں لوتاریو تھگٹ کے ساتھ تاش کھیل رہا تھا۔اس دوران میں اس نے بتایا کہ اس کے لیے ایک اہم ٹیلی گرام آیا۔

فونسیکا کا ٹیلی گراف آپریٹر لائن پر تھا جو سات واسطوں سے گزر کر اس سے رابطہ قائم کر پایا تھا' تا کہ فرمینا دازا رقص میں شرکت کی اجازت لے سکے۔مگر جب اسے اجازت مل گئی تو وہ اس مثبت

جواب سے مطمئن نہ ہوئی اور اس بات کا ثبوت طلب کیا کہ دوسرے سرے پر فلورنتینو آریزا خود موجود ہے۔ فلورنتینو آریزا کو اس مطالبے پر خوشی سے زیادہ حیرت ہوئی اور اس نے اپنی شناخت کے لیے ایک فقرہ بنایا: ''اسے کہو کہ میں تاج دار دیوی کی قسم کھاتا ہوں۔'' فرمینا دازا اس شناسا فقرے کو پہچان گئی اور مطمئن ہو کر صبح سات بجے تک رقص کی محفل میں رکی رہی اور اس وقت بھی وہاں سے اس لیے واپس آئی کہ جلدی سے لباس تبدیل کر کے گرجا گھر جا سکے۔ اس وقت تک اس کے صندوق کی تہہ میں ان خطوں سے جنھیں اس کے باپ نے اس سے چھین لیا تھا، کہیں زیادہ ٹیلی گرام جمع ہو چکے تھے۔ اب وہ ایک شادی شدہ عورت کا سا انداز سیکھ گئی تھی۔ لورینزو دازا نے اس کے طرزِ عمل میں اس تغیر کو اس بات کا ثبوت جانا کہ فاصلے اور وقت نے اسے اس کو نوعمری کے خوابوں سے رہا کر دیا ہے، لیکن اس نے کبھی فرمینا دازا سے اس کی شادی کے منصوبے کا کوئی ذکر نہ کیا۔ اس پرتکلف احتیاط کی حدود میں جو فرمینا دازا نے پھوپھی ایسکولستیکا کے نکال دیے جانے کے بعد سے عائد کر لی تھی، ان دونوں کے تعلقات خاصے ہموار ہو گئے تھے اور اس نے انھیں ساتھ رہنے کا ایک ایسا پرسکون انداز فراہم کر دیا تھا کہ کسی کو اس کے اُنس پر مبنی ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔

یہ وہ وقت تھا جب فلورنتینو آریزا نے اپنے خطوں میں فرمینا دازا کو اس کی خاطر غرقاب خزانے کی بازیابی کے ارادے سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ سچ تھا، اور یہ خیال ایک روز اس کے ذہن پر اچانک چھا گیا تھا جب ایک روشن سہ پہر میں، نشہ آور گھاس کی مدد سے سطح پر لائی گئی بے شمار مچھلیوں کے باعث سمندر کی سطح پر ایلومینیم کا فرش بنا ہوا لگ رہا تھا۔ فضا کے تمام پرندے ان کے آس پاس جمع ہو کر شور مچا رہے تھے۔ مچھیروں کو اپنے چپو ہوا میں لہرا کر انھیں منتشر کرنا پڑتا تا کہ انھیں ان پرندوں سے اس ممنوعہ معجزے کے نتائج کی تقسیم پر لڑنا نہ پڑے۔ مچھلیوں کو بے ہوش کرنے کے لیے اس بوٹی کا استعمال نوآبادیاتی دور سے قانوناً ممنوع تھا، لیکن یہ کریبئن کے مچھیروں، کا اس وقت تک معمول رہا جب تک اس کی جگہ بارود نے نہ لے لی۔ فرمینا دازا کے اس طویل سفر پر رہنے کے عرصے میں فلورنتینو آریزا وقت گزاری کے لیے، ساحل پر کھڑا مچھیروں کو بے ہوش مچھلیوں سے بھرے جال اپنی کشتیوں میں لادتے دیکھا کرتا۔ اسی دوران میں کم عمر لڑکوں کی ایک ٹولی وہاں کھڑے ہوئے لوگوں سے پانی میں سکے پھینکنے کی درخواست کیا کرتی تا کہ وہ غوطہ لگا کر اسے تہہ میں سے نکال لانے کا مظاہرہ کر سکیں۔ یہی لڑکے اس مظاہرے کے لیے تیر کر ساحل سے کچھ دور کھڑے سمندری جہازوں تک جایا

کر تے تھے' اور غوطہ زنی میں ان کی مہارت کے قصے یورپ اور ریاست ہائے متحدہ کے کتنے ہی سفر ناموں کا مشترکہ موضوع رہے ہیں۔ فلورنتینو آریزا کو ان کے بارے میں ہمیشہ سے علم تھا' اس زمانے سے جب وہ عشق آشنا نہیں ہوا تھا' لیکن اسے یہ خیال کبھی نہیں آیا تھا کہ غرقاب خزانے کو دریافت کرنے میں بھی ان کی مدد لی جا سکتی ہے۔ یہ خیال اسے، اسی سہ پہر کو آیا' اور اس سے اگلے اتوار سے لے کر تقریباً ایک سال بعد فرمینا داذا کی واپسی تک اسے جنون کا ایک اور محرک مل گیا تھا۔

یوکلیدیس' جو، ان غوطہ خور لڑکوں میں سے ایک تھا' اس سے دس منٹ تک بات چیت کرنے کے بعد زیر آب مہم کے بارے میں اتنا ہی پر جوش ہو گیا۔ فلورنتینو آریزا نے اسے، اپنے منصوبے کے بارے میں پوری طرح آگاہ نہ کیا۔ مگر غوطہ خوری اور کشتی رانی کے بارے میں اس کی صلاحیتوں کے بارے میں پوری معلومات حاصل کیں۔ اس نے پوچھا کہ کیا وہ بیس میٹر کی گہرائی میں سانس لیے بغیر اتر سکتا ہے۔ تو یوکلیدیس نے کہا: ''ہاں۔'' اس نے پوچھا کہ کیا وہ طوفانی موسم میں کسی آلے کے بغیر صرف اپنی جبلت پر بھروسا کرتے ہوئے کشتی کو کھلے سمندر میں لے جا سکتا ہے' تو یوکلیدیس نے کہا۔ ''ہاں' اس نے پوچھا کہ کیا وہ جزائر سوتاوتنتو کے سب سے بڑے جزیرے کے شمال مغرب میں سولہ بحری میل کے فاصلے پر ایک مخصوص مقام کا پتا لگا سکتا ہے' تو یوکلیدس نے کہا: ''ہاں۔'' اس نے پوچھا کہ کیا وہ اسی اجرت پر کام کرنے کو تیار ہو گا جتنی مچھیرے اسے مچھلیاں پکڑنے میں مدد دینے کے عوض دیتے ہیں تو یوکلیدیس کہا: ''ہاں'' لیکن اتوار کے دن کام کرنے کے وہ پانچ ریال مزید لے گا۔ اس نے پوچھا کہ کیا وہ شارکوں سے مقابلہ کر سکتا ہے' تو یوکلیدیس نے کہا: ''ہاں'' کیوں کہ اسے شارکوں کو ڈرا کر بھگانے کی طلسمی ترکیبیں معلوم ہیں۔ اس نے پوچھا کہ کیا وہ کسی راز کی حفاظت کر سکتا ہے چاہے اسے دوران میں تفتیش بے پناہ تشدد کا نشانہ ہی کیوں نہ بنایا جائے تو یوکلیدیس نے کہا۔ ''ہاں۔'' درحقیقت وہ کسی بھی بات کے جواب میں ''نہ'' نہیں کہتا تھا' اور وہ اتنے اعتماد سے ''ہاں'' کہتا تھا کہ اس پر شبہ کرنا ممکن نہ رہتا۔ پھر یوکلید س نے خرچ کا حساب لگایا: کشتی کا کرایہ' کشتی چپوؤں کا کرایہ' مچھلیاں پکڑنے کے سامان کا کرایہ' تاکہ کوئی ان کی مہم کے اصل مقصد پر شک نہ کر سکے۔ کچھ چیزیں اور بھی ساتھ لے جانا ضروری تھا' کھانا' تازہ پانی' چھاگل' تیل کا چراغ' چربی کی بتیوں کا ایک دستہ اور خطرے کی صورت میں مدد مانگنے کے لیے شکاریوں کا نرسنگھا۔

یوکلیدیس کی عمر تقریباً بارہ سال تھی' وہ پھرتیلا' چالاک اور بے پناہ باتونی تھا' اور اس کا جسم اس

قدر لچک دار تھا کہ وہ پیپے کے سوراخ میں سے بھی نکل سکتا تھا۔اس کی جلد کو موسموں نے سنولا دیا تھا کہ اس کی اصل رنگت کا اندازہ کرنا ممکن نہ رہا تھا' اور اس کی وجہ سے اس کی بڑی بڑی زرد آنکھیں اور بھی چمک دار لگتی تھیں۔فلورنتینو آریزا نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ ایسی مہم کے لیے یوکلیدیس ایک مثالی ساتھی ثابت ہو سکتا ہے اور وہ مزید تاخیر کے بغیر اگلے اتوار کو روانہ ہو گئے۔

وہ سورج نکلنے کے سمے مچھیروں کے ساحل سے روانہ ہوئے۔ان کا سامان مکمل اور حوصلہ بلند تھا۔ یوکلیدیس تقریباً برہنہ تھا' اس نے صرف ایک لنگوٹی باندھ رکھی تھی۔فلورنتینو آریزا اپنے فراک کوٹ' سیاہ ہیٹ' چمڑے کے بوٹوں اور ایک شاعرانہ بو میں ملبوس تھا' اور اس کے ہاتھ میں جزیروں تک کے راستے میں وقت گزارنے کے لیے ایک کتاب تھی۔ پہلے ہی اتوار کو اسے اندازہ ہو گیا کہ یوکلیدیس کشتی رانی میں بھی اتنا ہی طاق ہے جتنا غوطہ خوری میں' اور سمندر کی کیفیات اور اس میں تیرتی ہر شے کے بارے میں اس کا علم حیرت انگیز ہے۔وہ کسی بھی زنگ آلود کشتی کی تاریخ حیران کن تفصیل سے بیان کر سکتا تھا' ہر لنگر کی عمر کا علم رکھتا تھا' تیرتے ہوئے ملبے کے ہر ٹکڑے کے ماخذ سے واقف تھا' اس زنجیر کی کڑیوں کی تعداد تک جانتا تھا جس سے ہسپانوی بندرگاہ میں داخلے کا راستہ بند کرتے تھے۔اس خوف سے کہ وہ اس مہم کے اصل مقصد سے بھی باخبر نکلے گا' فلورنتینو آریزا نے اس سے ادھر ادھر کے سوالات کیے' اسے پتا چلا کہ یوکلیدیس کو غرقاب جہاز کے بارے میں ذرہ بھر بھی علم نہیں۔

جب سے فلورنتینو آریزا نے شب بسری کے ہوٹل میں پہلی بار خزانے کا قصہ سنا تھا' اس وقت سے وہ جہازوں کے بارے میں ہر ممکن معلومات جمع کرتا رہا تھا۔اسے معلوم ہوا کہ سان حوزے سمندر کی تہہ میں مونگے کی چٹانوں کے درمیان واحد جہاز نہیں تھا۔درحقیقت وہ تیرا فرما نامی بیڑے کا ہراول جہاز تھا' جو پاناما کے روایتی پورتو بیلو کے میلے سے اس کے خزانے کا ایک حصہ' یعنی پیرو اور ویرا کروز کی چاندی کے تین سو صندوق' اور کونتا دورا کے جزیرے پر جمع کیے گئے موتیوں سے بھرے سو صندوق لے کر مئی ۱۷۰۸ کے بعد یہاں پہنچا تھا۔اس طویل مہینے میں جب وہ یہاں ٹھہرا' جشن رات دن جاری رہا اور سلطنت ہسپانیہ کو ناداری سے بچانے کے لیے درکار خزانے کا بقیہ جمع کر کر کے جہازوں پر لادا جاتا رہا' جو موزو اور سومندوکو کے زمردوں سے بھرے ایک سو سولہ صندوقوں اور سونے کے تین کروڑ سکوں پر مشتمل تھا۔

تیرا فرما کے بیڑے میں باربرداری کے چھوٹے بڑے کم از کم بارہ جہاز شامل تھے اور وہ اس بندرگاہ سے ایک قافلے کی صورت میں روانہ ہوا' جو اگرچہ اچھی طرح مسلح تھا لیکن چارلیس ویجر کے

زیرکمان انگلستانی بحری دستے کی توپ کے گولوں کو درست نشانے پر لگنے سے نہ روک سکا جو بندرگاہ میں داخلے کے راستے پر جزائر سوتا وَنتیو کے قریب منتظر تھا۔اس لیے سان حوزے ڈوبنے والا واحد جہاز نہیں تھا' لیکن اس بات کی کوئی معتبر دستاویزی شہادت نہ تھی کہ انگریزی حملے میں کتنے جہاز غرق ہوئے تھے اور کتنے بچ نکلے تھے۔لیکن جو بات یقینی طور پر کہی جا سکتی تھی وہ یہ تھی کہ ہراول جہاز ڈوبنے والے پہلے جہازوں میں شامل تھا'اور اس کے ساتھ عرشے پر کھڑا ہوا'اس کا پورا عملہ اور اس کا کمانڈر بھی ڈوب گیا تھا اور اسی جہاز پر زیادہ تر خزانہ لدا ہوا تھا۔

فلورنتینو آریزا نے اس زمانے کے بحری نقشوں کی مدد سے'اس بیڑے کے راستے کا پتا چلا لیا تھا' اور اپنی دانست میں اس کی غرقابی کے مقام کا بھی سراغ لگا لیا تھا۔انھوں نے ساحل پر بوکاچیکا کے دو قلعوں کے درمیانی مقام سے سفر کا آغاز کیا اور چار گھنٹوں کے سفر کے بعد جزائر کے درمیان کے پرسکون پانیوں میں داخل ہو گئے جہاں وہ مونگے کی چٹانوں کے پہلو میں سوئے ہوئے بڑی جھینگوں کو ہاتھ بڑھا کر اٹھا سکتے تھے۔ہوا اتنی سبک اور سمندر اتنا پرسکون اور صاف تھا کہ فلورنتینو آریزا کو لگا کہ وہ خود پانی میں نظر آنے والا اپنا ہی عکس ہے۔جزائر کے عقبی سمندر کے دوسرے سرے پر وہ مقام تھا جہاں جہاز غرق ہوئے تھے۔

شدید دھوپ میں لباس پہنے ہوئے فلورنتینو آریزا کا دم گھٹنے لگا۔اس نے یوکلیدیس سے کہا کہ وہ اس مقام پر بیس میٹر کی گہرائی تک غوطہ لگائے اور تہہ میں اسے جو چیز ہاتھ لگے اسے باہر نکال لائے۔ پانی اتنا شفاف تھا کہ وہ اسے نیلی شارکوں کے درمیان ایک سیام فام شارک کی طرح نظر آ رہا تھا جو اس کے اردگرد سے'اسے چھوئے بغیر گزر رہی تھیں۔پھر اس نے اسے مونگے کے انبار میں غائب ہوتے ہوئے دیکھا اور عین اس وقت جب اسے خیال ہوا کہ اب اس کے پھیپھڑوں کی ہوا ختم ہو چکی ہو گی'اسے اپنے عقب میں اس کی آواز سنائی دی۔یوکلیدیس کمر تک پانی میں ڈوبا'بازو اٹھائے کھڑا تھا۔انھوں نے سمندر کی سطح پر چمکتی بے نیاز روشنی کی تہہ'خوف زدہ کیکڑوں اور سمندری گلاب کی جھاڑیوں کے اوپر اوپر شمال کی جانب اپنا سفر'اور زیادہ گہرے مقامات میں اپنی تلاش جاری رکھی' یہاں تک کہ یوکلیدیس اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ محض وقت ضائع کر رہے ہیں۔

''اگر تم مجھے یہی نہیں بتاؤ گے کہ مجھے کیا چیز تلاش کرنی ہے تو میں اسے کس طرح ڈھونڈ پاؤں گا۔''اس نے کہا۔

لیکن فلورنتینو آریزا نے اسے کچھ نہیں بتایا۔پھر یوکلیدیس نے تجویز پیش کی کہ وہ بھی کپڑے

اتار کر اس کے ساتھ غوطہ لگائے' چاہے اس کا مقصد مونگے کی چٹانوں کی گہرائی میں زمین کے نیچے ایک اور آسمان دریافت کرنا ہی کیوں نہ ہو۔ فلورنتینو آریزا کا ہمیشہ سے خیال تھا کہ خدا نے سمندر اس لیے بنایا ہے کہ آدمی کھڑکی سے اس کا نظارہ کرے' اس لیے اس نے کبھی تیرنا سیکھا ہی نہ تھا۔ کچھ دیر بعد بادل چھا گئے اور ہوا سرد اور نم ہو گئی' اور اس قدر اندھیرا ہو گیا کہ انھیں واپس بندرگاہ تک پہنچنے میں لائٹ ہاؤس کی روشنیوں کی مدد لینی پڑی۔ بندرگاہ میں داخل ہونے سے پہلے ایک بہت بڑا سفید فرانسیسی بحری جہاز ان کے بالکل نزدیک سے گزرا۔ اس کی تمام روشنیاں جل رہی تھیں اور وہ اپنے پیچھے نرم گوشت کے سالن اور ابلی ہوئی گوبھی کی مہک چھوڑتا جا رہا تھا۔

انھوں نے تین اتوار اسی طرح ضائع کیے' اور وہ تمام اتوار اسی طرح ضائع کرتے رہتے اگر فلورنتینو آریزا نے یوکلیدیس کو اپنے راز میں شریک کرنے کا فیصلہ نہ کر لیا ہوتا' جس نے تلاش کے منصوبے کو پھر سے ترتیب دیا اور وہ جہازوں کے قدیم راستے پر اس مقام کی طرف روانہ ہوئے جو فلورنتینو آریزا کے طے کردہ مقام سے بیس بحری میل دور شرق میں واقع تھا۔ دو ماہ سے کم عرصہ گزرا ہو گا کہ برسات کی ایک سہ پہر' یوکلیدیس سمندر کی تہہ میں بہت دیر تک ٹھہرا رہا اور کشتی اس اثنا میں بہتے بہتے اتنی دور نکل گئی کہ اسے سطح پر آنے کے بعد آدھ گھنٹے تک تیر کر اس تک پہنچنا پڑا کیوں کہ فلورنتینو آریزا اسے اس کے قریب نہیں لا سکتا تھا۔ بالآخر جب وہ کود کر کشتی میں سوار ہوا تو اس نے اپنے منہ سے عورتوں کے پہننے کے دو زیور برآمد کیے اور ان کی یوں نمائش کی جیسے وہ اس کی عالی حوصلگی کا انعام ہوں۔

اس نے جو تفصیل بیان کی وہ اس قدر مسحور کن تھی کہ فلورنتینو آریزا نے عہد کیا کہ وہ تیرنا اور ہر ممکن گہرائی تک غوطہ لگانا سیکھے گا تاکہ وہ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ یوکلیدیس نے بتایا کہ اس مقام پر صرف اٹھارہ میٹر کی گہرائی میں مونگے کی چٹانوں کے درمیان اتنے سارے قدیم بادبانی جہاز پڑے ہیں کہ ان کی گنتی محال ہے' اور وہ اتنے بڑے علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں کہ ان کا دوسرا سرا نظر نہیں آتا۔ اس نے بتایا کہ سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ وہ ڈوبے ہوئے جہاز، سطح پر تیرنے والے ملبے کی نسبت بہت بہتر حالت میں ہیں۔ اس نے بتایا کہ ان میں سے بعض کے بادبان بھی صحیح سلامت ہیں' اور ڈوبے ہوئے جہاز تہہ میں بھی اتنے صاف نظر آتے ہیں، جیسے وہ اپنے وقت اور مقام کے ساتھ غرقاب ہوئے ہوں' کیوں کہ ان پر گیارہ بجے دن کی وہی روشنی پڑ رہی ہے جو سنیچر ۹ جون کے اس دن پڑ رہی تھی جب وہ غرق ہوئے تھے۔ اپنے تخیل کی قوت سے بے حال اس نے کہا کہ ان جہازوں میں

سب سے آسانی سے پہچانے جانے والا جہاز سان حوزے ہے' کیوں کہ اس کا نام اس کے عقبی سرے پر سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے' مگر یہی جہاز انگریز توپوں کے حملے کے نتیجے میں سب سے زیادہ تباہ شدہ بھی تھا۔ اس نے بتایا کہ اس نے جہاز کے اندر ایک اکٹوپس دیکھا ہے جس کی عمر تین سو سال سے زیادہ ہے اور ٹانگیں توپ کے گولوں سے بنے ہوئے شگافوں سے باہر نکلی ہوئی ہیں' وہ کھانے کے کمرے میں حالت اسیری میں اتنا بڑا ہو چکا ہے کہ اس کو رہا کرانے کے لیے جہاز کو توڑنا ضروری ہے۔ اس نے بتایا کہ اس نے جہاز کے اگلے حصے کے ماہی خانے کے اندر جنگی وردی میں ملبوس کمانڈر کی لاش کو کروٹ کے بل تیرتے دیکھا ہے' اور یہ کہ اگر وہ اور گہرائی میں جا کر جہاز کے تہہ خانے تک نہیں پہنچ سکا' جہاں اس کا تمام خزانہ بند ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پھیپڑوں میں ہوا ختم ہو گئی تھی۔

تب فرمینا دازا کے فونیکا سے واپسی سے کچھ عرصہ قبل' اس کے نام ایک خط میں فلورنتینو آریزا نے پہلی بار خزانے کا تذکرہ کیا۔ وہ اس غرقاب خزانے کے قصے سے واقف تھی' اس نے لورینز و دازا سے بہت مرتبہ اس کا ذکر سنا تھا' جس نے جرمن غوطہ خوروں کی کمپنی کو، اس خزانے کی بازیابی کے منصوبے میں شریک ہونے پر قائل کرنے میں بہت وقت اور پیسہ ضائع کیا تھا۔ وہ اس منصوبے پر جما رہتا اگر اکادمی کے کئی اراکین نے اسے قائل نہ کر لیا ہوتا کہ غرقاب جہاز کی کہانی کسی بدمعاش وائسرائے نے سلطنت کے اس خزانے کی خرد برد کو چھپانے کی غرض سے گھڑی تھی۔ بہرکیف فرمینا دازا جانتی تھی کہ غرقاب جہاز کسی انسان کی پہنچ سے دور ہے، اور وہ دو سو میٹر، نہ کہ فلورنتینو آریزا کے دعوے کے مطابق بیس میٹر کی گہرائی میں دفن ہے۔ لیکن وہ فلورنتینو آریزا کے شاعرانہ مبالغے کی عادی تھی اس لیے اس نے خزانے کی مہم کو انتہائی کامیاب قرار دے کر اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے باوجود' جب اس نے بعد کے خطوں میں اور بھی زیادہ ناقابلِ یقین تفصیلات اتنی ہی سنجیدگی سے لکھی ہوئی پڑھیں، جس سنجیدگی سے وہ اپنی محبت کا اعلان کرتا تھا تو اسے ہلڈے برانڈا سے اپنے اس خدشے کا اظہار کرنا پڑا کہ اس کا محبوب شاید اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔

اس دوران میں یوکلیدیس اپنے سنائے ہوئے قصے کے اتنے سارے ثبوت سمندر سے برآمد کر چکا تھا کہ اب معاملہ مونگے کے درمیان بکھرے ہوئے اکا دکا زیورات سے کھیلنے کا نہیں' بل کہ بابلی خزانے سے لدے ہوئے پچاس جہازوں کو سمندر کی تہہ سے نکالنے کے ایک عظیم الشان منصوبے کا تھا۔ تب وہی ہوا جو جلد یا بدیر ہونا تھا۔ فلورنتینو آریزا نے اس منصوبے کو مکمل کرنے کے لیے اپنی ماں سے مدد مانگی۔ اس

کی ماں نے صرف یہ کیا کہ دھات کے زیوروں میں دانت گاڑ کر دیکھا اور کانچ کے بنے ہوئے ہیروں پر روشنی میں ایک نظر ڈالی اور جان گئی کہ کوئی شخص فلورنتینو آریزا کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ یوکلیڈیس نے گھٹنوں کے بل جھک کر قسم کھائی، اور فلورنتینو آریزا کو یقین دلایا کہ اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے' لیکن اگلے اتوار کو وہ مچھیروں کے ساحل پر نظر نہیں آیا اور اس کے بعد بھی کہیں دکھائی نہیں دیا۔

اس مہم سے جو واحد چیز فلورنتینو آریزا کو حاصل ہوئی وہ لائٹ ہاؤس کی مہربان پناہ گاہ تھی۔ وہ ایک رات یوکلیڈیس کی کشتی میں سوار ہو کر وہاں گیا تھا کہ وہ سمندری طوفان میں گھر گئے۔ اس کے بعد سے وہ اکثر سہ پہروں کو وہاں جایا کرتا اور لائٹ ہاؤس کے محافظ سے خشکی اور پانی کے ان عجائبات کے بارے میں باتیں کیا کرتا جو محافظ کے علم میں تھے۔ یہ ایک ایسی دوستی کا آغاز تھا جو دنیا میں بہت سے تغیرات رونما ہونے کے باوجود قائم رہا۔ برقی توانائی کے ہم تک پہنچنے سے قبل فلورنتینو آریزا نے لکڑی کے گٹھوں پر تیل انڈیل کر لائٹ ہاؤس کی آگ روشن کرنے کا ہنر سیکھا۔ اس نے روشنی کی سمت تبدیل کرنا اور آئینوں کی مدد سے اس میں اضافہ کرنا سیکھا اور کئی موقعوں پر' جب محافظ کو کسی وجہ سے کہیں جانا پڑتا' وہ لائٹ ہاؤس کے مینار میں بیٹھ کر رات بھر سمندر پر پہرا دیا کرتا۔ وہ آوازوں اور افق پر چمکتی روشنیوں کی مدد سے جہازوں کو پہچاننا سیکھ گیا اور اسے احساس ہونے لگا کہ اس طرح ان جہازوں سے کوئی شے لائٹ ہاؤس کے روشن مینار میں اس تک پہنچ رہی ہے۔ دن میں خصوصاً اتوار کے روز اسے ایک اور مصروفیت میسر تھی۔ وائسرائے کے علاقے میں جہاں پرانے شہر کے متمول لوگ رہا کرتے تھے، ساحل پر مردوں اور عورتوں کی تفریح گاہوں کے درمیان پلاسٹر کی ایک دیوار حائل تھی' یوں ایک حصہ لائٹ ہاؤس کے دائیں طرف اور دوسرا حصہ اس کے بائیں طرف تھا۔ لائٹ ہاؤس کے محافظ نے ایک چھوٹی سی دوربین مخصوص کر دی تھی کہ ایک سنتاوو ادا کر کے کوئی شخص اس کی مدد سے، اس ساحل پر دیکھ سکتا تھا، جو عورتوں کے لیے مخصوص تھا۔ یہ جانے بغیر کہ وہ کسی کی نظر کی زد میں ہیں، اعلیٰ طبقے کی نوجوان خواتین شکنوں بھرے تیراکی کے لباسوں' چپلوں اور ہیٹوں میں مقدور بھر اپنی نمائش کیا کرتیں۔ اگرچہ یہ لباس ان کے جسم کا تقریباً اسی قدر حصہ ڈھانپ لیتا تھا جتنا ان کا پہنا جانے والا عام لباس' اور اس کے علاوہ وہ اس کے مقابلے میں کم پرکشش تھا۔ ان کی مائیں اپنے مخصوص لباس اور پروں والے ہیٹ پہنے بید کی جھولنے والی کرسیوں میں بیٹھی دھوپ سینکتی رہتیں: ان کے ہاتھوں میں نفیس سوتی کپڑے کی وہی چھتریاں ہوتیں جنھیں لے کر وہ عشائے ربانی کے لیے گرجا گھر جایا کرتی تھیں۔ وہ وہاں بیٹھی اپنی بیٹیوں پر نظر

رکھتیں کیوں کہ انھیں خوف ہوتا کہ دیوار کی دوسری طرف کے مرد انھیں پانی کے اندر ورغلا نہ لیں۔ حقیقت یہ تھی کہ اس دوربین میں سے کوئی شخص اس سے زیادہ اس سے بہتر نظارہ نہ کرسکتا تھا جتنا عام سڑکوں پر ممکن تھا' لیکن ہراتوار کو بہت سے گاہک اس دوربین سے چپک کر دیوار کے اس طرف کے ممنوعہ پھل کی لذت چکھنے آتے جس سے انھیں محروم کردیا گیا تھا۔

مگر حظ اٹھانے سے زیادہ بیزاری دور کرنے کی غرض سے فلورنتینو آریزا بھی وہاں آیا کرتا۔ لائٹ ہاؤس کے محافظ سے اس کی دوستی کی وجہ یہ اضافی دلچسپی نہیں تھی۔ اصل وجہ یہ تھی کہ فرمینا دازا کی جانب سے مسترد کردیے جانے کے بعد' جب اس نے اس کا خلا پر کرنے کی کوشش میں بہت سی ہیجان انگیز محبتوں میں خود کو ڈوب جانے دیا' اس زمانے میں صرف لائٹ ہاؤس میں گزارا ہوا وقت اس کا مسرور ترین وقت ہوتا تھا' اور وہیں اسے اپنی بدبختی سے پناہ ملتی تھی۔ یہ مقام اسے سب سے زیادہ عزیز تھا' اس قدر کہ اس نے سالہا سال اپنی ماں اور اس کے بعد اپنے چچا لیو ہفتم کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ اسے خریدنے میں اس کی مدد کریں۔ ان دنوں کریبئن کے لائٹ ہاؤس نجی ملکیت میں ہوا کرتے تھے اور ان کے مالک جہازوں سے بندرگاہ میں داخلے کے لیے ان کی جسامت کے مطابق محصول وصول کرتے تھے۔ فلورنتینو آریزا کے خیال میں یہ شاعری سے نفع کمانے کا واحد معزز طریقہ تھا' لیکن اس سے نہ ان کی ماں کو اتفاق تھا اور نہ چچا کو۔ جب تک وہ اپنے وسائل سے اس قابل ہوا کہ لائٹ ہاؤس خرید سکے' اس وقت تک سارے لائٹ ہاؤس ریاست کی ملکیت بن چکے تھے۔

لیکن اس کے یہ سارے خواب بے کار نہیں گئے۔ غرقاب جہاز کے قصے اور لائٹ ہاؤس کی ندرت نے فرمینا دازا کی فرقت کا احساس کم کرنے میں بہت مدد دی' اور اس وقت جب وہ اس کی سب سے کم توقع کر رہا تھا' اسے فرمینا دازا کی واپسی کی اطلاع ملی۔ اصل میں ریوہاچا میں طویل قیام کے بعد لوریزو دازا نے لوٹ آنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ یہ سمندر کے سفر کے لیے مناسب ترین موسم نہیں تھا' اس لیے کہ دسمبر کی تجارتی ہوائیں چل رہی تھیں' اور وہ تاریخی جہاز جو اس موسم میں سمندر عبور کرنے کا خطرہ مول لینے والا واحد جہاز تھا' مستقل اس امکان کی زد میں تھا کہ تیز مخالف ہوائیں اسے دھکیل کر پھر اسی بندرگاہ میں پہنچا دیں گی جہاں سے وہ روانہ ہوا تھا، اور بالکل ایسا ہی ہوا۔ فرمینا دازا نے پوری رات ایک کیبن میں جو نہ صرف اپنی تنگی کی وجہ سے بلکہ اپنے تعفن اور شدید گرمی کے باعث کسی مےخانے کے بیت الخلا سے مشابہ تھا، تختے پر پیٹیوں سے بندھے بندھے صفرے کی الٹیاں کرتے ہوئے گزاری۔ جہاز اتنی بُری

طرح ہل رہا تھا کہ اسے کئی بار یہ خیال آیا کہ پٹیاں اس کے زور سے کھل جائیں گی۔ عرشے پر لوگوں کی چیخ پکار اور گالیاں دینے کی آوازیں کبھی کبھار اس تک پہنچتیں تو ایسا لگتا کہ جہاز طوفان میں گھر گیا ہے۔ برابر والے تختے پر اس کے باپ کے چیتے کی غراہٹ جیسے خراٹے اس کے خوف میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔ تین سال میں پہلی بار ایسا ہوا: کہ اس نے پوری رات جاگتے ہوئے گزاری اور ایک لمحے کے لیے بھی فلورنتینو آریزا کا خیال نہ آیا، جب کہ وہ دکان کے عقبی کمرے میں اپنے جھولنے میں لیٹا اس کی واپسی کے دائمی لمحات گن رہا تھا۔ صبح ہوائیں اچانک تھم گئیں اور فرمینا دازا کو احساس ہوا کہ شاید نہایت خراب حالت کے باوجود وہ سو گئی تھی۔ کیوں کہ وہ لنگر کی زنجیروں کے شور سے جاگی۔ تب اس نے اپنی پٹیاں کھولیں اور بندرگاہ کے ہجوم میں فلورنتینو آریزا کو دیکھنے کی امید لیے عرشے پر گئی۔ لیکن وہاں پہنچ کر اسے پام کے درختوں کے درمیان کسٹم کے شیڈ پر پڑتی ہوئی سورج کی اولین کرنیں اور کھاری کے گلتے ہوئے تختے نظر آئے۔ جہاز ریوچا کی بندرگاہ پر کھڑا تھا جہاں سے گزشتہ رات روانہ ہوا تھا۔

دن کے باقی حصے پر ایک واہمے کا گمان ہوتا تھا وہ اسی مکان میں تھی جہاں کل تک مقیم تھی انھیں رشتے داروں سے مل رہی تھی جنھوں نے کل اسے الوداع کہا تھا' وہ زندگی کے ایک ایسے دن کو دوبارہ بسر کرنے پر حیران تھی جسے وہ پہلے گزار چکی تھی۔ لیکن اس سے بچنے کا واحد طریقہ پہاڑی راستوں پر دو ہفتوں تک خچر کی پیٹھ پر سفر کرنا تھا۔ جس کے لیے حالات اب اور زیادہ خطرناک ہو گئے تھے' کیوں کہ کوسا کے آندَمین صوبے میں ایک نئی خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی جو تمام علاقوں میں پھیلتی جا رہی تھی اور اس طرح رات آٹھ بجے شور مچاتے ہوئے رشتے داروں کا وہی قافلہ اسے ایک بار پھر اسی بندرگاہ تک رخصت کرنے آیا' وہی الوداعی آنسو بہائے اور جدا ہوتے وقت کے تحفوں کے اسی انبار سے اسے لاد دیا جو کیبن میں کسی طرح نہ سماتا تھا۔ جب جہاز روانہ ہونے لگا تو خاندان کے مردوں نے ہوا میں بے شمار فائر کر کے الوداع کہا اور جواب میں عرشے پر کھڑے ہوئے لورینزو دازا نے اپنے ریوالور سے پانچ ہوائی فائر کیے۔ فرمینا دازا کی دہشت آہستہ آہستہ کم ہو گئی کیوں کہ ساری رات موافق ہوا چلتی رہی اور ہوا میں پھولوں کی ایسی خوشبو بسی رہی کہ وہ رات بھر حفاظتی پٹیوں کے بغیر گہری نیند سوئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ فلورنتینو آریزا سے دوبارہ مل رہی ہے، جس نے اپنا مایوس چہرہ اتار پھینکا ہے۔

وہ بندرگاہ میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کا جہاز پبلک مارکیٹ کے قریب گودی میں لنگر انداز بادبانی جہازوں کی بھول بھلیوں کے درمیان خاموشی سے راستہ بناتا آگے بڑھ رہا تھا اور بازار سے اٹھنے

والی بوسمندر میں کوسوں دور تک پہنچ رہی تھی۔ صبح کی ہوا متواتر بوندا باندی سے بھری ہوئی تھی جس نے جلد ہی با قاعدہ بارش کی شکل اختیار کر لی۔ تار گھر کی بالکنی پر انتظار میں کھڑے فلورنٹینو آریزا نے جہاز کو، جس کے بادبان بارش کی وجہ سے دل شکستہ لگ رہے تھے، لاس انیماس کی خلیج سے گزرتے اور بڑے بازار کی گودی میں لنگر انداز ہوتے دیکھ کر پہچان لیا۔ پچھلی صبح وہ گیارہ بجے تک انتظار میں کھڑا رہا تھا، اور تب اسے تار کے ذریعے مخالف ہواؤں کی خبر ملی جنھوں نے جہاز کی آمد میں تاخیر کر دی تھی۔ مگر اس صبح چار بجے وہ دوبارہ بالکنی میں جا کھڑا ہوا۔ وہ اس لانچ پر نظر جمائے انتظار کرتا رہا جو ان مسافروں کو جہاز سے ساحل تک پہنچا رہی تھی جنھوں نے طوفان کے باوجود جہاز سے اترنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لانچ بیچ راستے میں خشکی میں پھنس گئی اور ان میں سے اکثر کو کیچڑ میں گرتے پڑتے پیدل ساحل تک آنا پڑا۔ جب جہاز کے باقی ماندہ مسافروں کا بارش رکنے کا انتظار بے سود رہا تو آٹھ بجے کمر تک پانی میں کھڑے ایک سیاہ فام حمال نے عرشے کے جنگلے سے فرمینا دازا کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور اسے تیراتے ہوئے ساحل تک پہنچا دیا، لیکن اس وقت تک وہ اتنی شرابور ہو چکی تھی کہ فلورنٹینو آریزا اسے پہچان نہ سکا۔

وہ خود بھی اس بات سے آگاہ نہیں تھی کہ اس سفر کے دوران میں اس میں کس قدر پختگی آ چکی ہے تا وقتیکہ وہ اپنے مقفل مکان میں داخل ہوئی، اور فوراً ہی سیاہ فام خادمہ گالا پلاسیدیا کے ساتھ مل کر، جو ان کی واپسی کی خبر سن کر غلاموں کے قدیم کوارٹروں سے وہاں پہنچ گئی تھی، مکان کو دوبارہ رہنے کے قابل بنانے کے زبردست کام کا آغاز کر دیا۔ فرمینا دازا اب باپ کے لاڈ پیار سے بگڑی ہوئی اور اس کی سخت طبیعت سے خوف زدہ اکلوتی بچی نہیں رہی تھی، بلکہ دھول مٹی اور مکڑی کے جالوں سے بھری اس سلطنت کی حکمران تھی، جسے اصل صورت پر بحال کرنا صرف ناقابل تسخیر محبت ہی کی قوت سے ممکن تھا۔ وہ اس سے خوف زدہ نہ ہوئی کیوں کہ وہ اپنے اندر جرات کے ایک عظیم احساس کو محسوس کر رہی تھی، جس سے وہ دنیا کو ہلا سکتی تھی۔ واپسی کے بعد پہلی ہی رات کو، جب وہ باورچی خانے کی بڑی میز پر بیٹھے گرم چاکلیٹ اور کیک کھا رہے تھے، اس کے باپ نے اسے گھر چلانے کا اختیار سونپ دیا، اور اس نے یہ عمل ایسے سرانجام دیا جیسے یہ ایک مقدس رسم ہو۔

''میں تمھاری زندگی کی کنجیاں تمھیں سونپ رہا ہوں''، اس نے کہا۔

فرمینا دازا نے جس کی عمر کے سترہ سال پورے ہو چکے تھے، مضبوط ہاتھوں اور اس شعور کے ساتھ ان کنجیوں کو قبول کیا کہ اس کی جیتی ہوئی آزادی کا ایک ایک انچ محبت کے لیے وقف ہے۔ بُرے

خوابوں والی رات گزارنے کے بعد اگلے روز اسے اپنے گھر پر موجود ہونے کی ناخوشگواری کا پہلا احساس ہوا جب اس نے بالکنی کی کھڑکی کھولی اور اداس بوندا باندی میں چھوٹے سے پارک، سربریدہ سورما کے مجسمے، اور پتھر کی اس بنچ پر نظر ڈالی جہاں فلورنتینو آریزا شاعری کی کتاب لیے بیٹھا رہا کرتا تھا۔ وہ اب اس کے ذہن میں پہنچ سے دور محبوب کے طور پر نہیں بل کہ ایک یقینی شوہر کی حیثیت سے آتا تھا جس سے وہ دل و جان سے وابستہ تھی۔ اسے اس وقت کا بھاری بوجھ اپنے دل پر محسوس ہوا جو اس کی غیر موجودگی میں ضائع ہو گیا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ زندہ رہنا کس قدر دشوار ہے اور اسے خدا کے حکم کے مطابق اپنے مرد سے محبت کرنے کے لیے محبت کی کتنی زیادہ مقدار کی ضرورت ہو گی۔ باغ میں فلورنتینو آریزا کو نہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کیوں کہ اس سے پہلے وہ بارش کی پروا کیے بغیر وہاں آیا کرتا تھا، اسے اس پر بھی حیرت تھی کہ اسے فلورنتینو آریزا کی طرف سے کوئی اشارہ، کوئی پیغام تک نہیں ملا تھا، اور وہ اچانک اس خیال سے لرز گئی کہ کہیں وہ مر نہ گیا ہو۔ لیکن اس نے اس منحوس خیال کو فوراً ہی جھٹک دیا کیوں کہ واپسی کی اطلاع دینے والے ٹیلی گراموں کے جوش و خروش میں ان دونوں کو یہ طے کرنا یاد ہی نہیں رہا تھا کہ واپسی کے بعد وہ اپنا رابطہ کس طرح بحال کریں گے۔

درحقیقت فلورنتینو آریزا کو اس وقت تک یقین تھا کہ وہ واپس نہیں آئی ہے، جب تک کہ ریوہاچا کے ٹیلی گراف آپریٹر نے اس بات کی تصدیق نہ کر دی کہ وہ لوگ جمعے کے دن اسی جہاز پر سوار ہو گئے ہیں جس پر وہ پچھلے روز مخالف ہواؤں کے باعث نہیں پہنچ سکے تھے۔ دو دن تک وہ فرمینا دازا کے مکان میں زندگی کے آثار دیکھنے کے انتظار میں رہا اور بالآخر سوموار کو اس نے مکان کی کھڑکیوں میں ایک روشنی کو متحرک دیکھا جو مکان کے مختلف حصوں سے ہوتی ہوئی بالکنی والے کمرے میں جا کر ختم ہو گئی۔ وہ اسی خوفناک متلی کا شکار ہو کر نیند سے دور تھا، جس نے اس کی محبت کی پہلی راتوں میں اضطراب پیدا کر دیا تھا۔ مرغ کی پہلی اذان کے ساتھ ترانسیتو آریزا کی آنکھ کھلی تو وہ اس بات پر پریشان ہو گئی کہ اس کا بیٹا آدھی رات کو باہر صحن میں چلا گیا تھا اور اب تک واپس اندر نہیں آیا۔ اس نے فلورنتینو آریزا کو گھر میں نہ پایا۔ وہ صبح ہونے تک گھومتا، ساحلوں کی ہوا میں عشقیہ شعر بلند آواز سے پڑھتا، اور خوشی سے روتا رہا۔ آٹھ بجے، تھکن سے بے حال، وہ کلیسائی کینے کی محرابوں کے نیچے بیٹھا تھا، اور یہ سوچ رہا تھا کہ فرمینا دازا کو خوش آمدید کا پیغام کس طرح پہنچائے، کہ اچانک ایک عظیم لرزش سے اس کا دل پارہ پارہ ہو گیا۔

یہ وہی تھی۔ کیتھڈرل پلازہ سے گزرتی ہوئی، گالا پلاسیدیا کو ساتھ لیے جس نے خریداری کی

غرض سے خالی ٹوکریاں اٹھا رکھی تھیں اور یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اسکول کی یونی فارم میں نہیں تھی۔ وہ سفر سے پہلے کے دنوں کی بہ نسبت زیادہ دراز قد، زیادہ نکھری ہوئی اور زیادہ پر جوش دکھائی دی۔ اس کا حسن بلوغت کے محتاط انداز کی وجہ سے زیادہ پاکیزہ ہو گیا تھا۔ اس کی چوٹی اور لمبی ہو گئی تھی لیکن اب اس نے اسے پشت پر لٹکائے رکھنے کے بجائے بل دے کرا پنے بائیں کاندھے پر ڈال رکھا تھا اور اس معمولی سی تبدیلی نے اس میں سے کم سنی کے تمام نشانات مٹا دیے تھے۔ فلورنتینو آریزا اپنی جگہ بیٹھا اپنے تصور کی اس دوشیزہ کو دم بخود تکتا رہا، یہاں تک کہ وہ دائیں بائیں دیکھے بغیر چوک سے گزر گئی۔ مگر اسی نا قابل مزاحمت قوت نے جس کے اثر سے وہ مفلوج ہو کر رہ گیا تھا، اسے تیزی سے اس کے تعاقب میں دھکیل دیا، جب کہ وہ کیتھڈرل کا موڑ مڑ کر بازار کے فرش کی ناہموار پتھریلی سلوں کے بہرا کر دینے والے شور میں گم ہو رہی تھی۔

وہ اس کو نظر آئے بغیر اس کے پیچھے چلنے لگا اور اس دوشیزہ کی روزمرہ کی حرکات، تمکنت اور قبل از وقت پختگی کو دیکھتا رہا، جس سے وہ دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتا تھا اور جسے وہ پہلی بار اس کی فطری کیفیت میں دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی سبک خرامی سے مسحور ہو گیا جس کی مدد سے وہ ہجوم میں راستہ بنا رہی تھی، جب کہ گالا پلاسیدیا قدم قدم پر لوگوں سے ٹکراتی اور اپنی ٹوکریوں میں الجھتی آ رہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے کے لیے اسے دوڑنا پڑتا تھا۔ فرمینا دازا اپنے ہی زمان و مکاں میں سڑک کی بے ترتیبی میں کسی سے ٹکرائے بغیر آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ وہ پھوپھی ایسکولستیکا کے ساتھ بار ہا بازار آ چکی تھی، لیکن وہ دونوں ہمیشہ چھوٹی موٹی خریداری کیا کرتیں، کیوں کہ گھر بار کا سارا سامان، نہ صرف فرنیچر اور کھانے پینے کی چیزیں، بل کہ زنانہ کپڑے تک خریدنے کا کام لورینزو دازا نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ سو بازار کا یہ پہلا دورہ اس کے لیے ایک مسحور کن مہم کی طرح تھا، جسے اس کے لڑکپن کے خوابوں نے بے حد پرکشش بنا دیا تھا۔

اس نے ابدی محبت کا شربت پیش کرنے والے سپیروں، اپنے رستے ہوئے زخموں کو لیے دہلیزوں میں پڑے گداگروں کی التجاؤں یا سدھا ہوا گھڑیال اس کے ہاتھ فروخت کرنے کی کوشش کرنے والے نقلی انڈین پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس نے کسی طے شدہ منصوبے کے بغیر بازار کا ایک لمبا اور تفصیلی چکر لگایا اور راستے میں کسی وجہ کے بغیر، صرف اپنی مشغولیت سے لطف اٹھانے کے لیے جگہ جگہ رکتی گئی۔ وہ ہر اس دروازے میں داخل ہوئی، جس کے اندر کوئی چیز فروخت ہو رہی تھی، اور ہر جگہ اسے کوئی نہ کوئی ایسی چیز نظر آتی رہی، جس نے اس کی زندہ رہنے کی امنگ میں اضافہ کیا۔ اس نے بڑے بڑے

صندوقوں میں رکھے، کپڑوں کے تھانوں میں سے اٹھتی خوشبو کو شوق سے سونگھا اس نے کڑھے ہوئے ریشمی کپڑے اپنے جسم پر لپیٹے، اس نے طلائی تار ما می دکان میں بالوں میں کنگھا اڑسے' پھولوں کی تصویروں سے مزین پنکھا ہاتھ میں لیے میڈرڈ کی عورت کا بھیس بدل کر قد آدم آئینے میں خود کو دیکھا' اور اپنی ہنسی پر خود ہی ہنسنے لگی۔ کھانے پینے کی درآمد شدہ چیزوں کی دکان میں اس نے ہیرنگ مچھلی کے اچار کے برتن کا ڈھکنا اٹھایا تو اسے شمال مشرق کی راتیں یاد آگئیں، جب وہ سان حوان دی لاسینگا میں رہنے والی ننھی سی لڑکی تھی۔اس نے ایلی کانتے کی ایک چٹنی کو پسند کیا جس میں ملیٹھی کا ذائقہ تھا' اور سپچر کے ناشتے کے لیے، دو ساسج اور اس کے علاوہ مچھلی کے قتلے اور سرخ منقا کا مرتبان بھی خرید لیا۔ مسالوں کی دکان میں اس نے ساج اور نیازبو کے پتوں کو صرف انھیں سونگھنے کے سادہ لطف کی خاطر اپنی ہتھیلیوں کے درمیان مسلا' اور مٹھی بھر لونگیں' اتنی ہی سونف اور تھوڑی سی خشک ادرک اور جونیپر خریدی' اور آنکھوں میں بے تحاشا ہنسی کے آنسو لیے دکان سے رخصت ہوئی کیوں کہ پسی ہوئی مرچ کی دھانس سے اسے بار بار چھینکیں آرہی تھیں۔فرانسیسی سامان آرائش کی دکان میں رونٹر صابن اور روغن بلسان خریدتے ہوئے اس کے کان کے پیچھے پیرس کا تازہ ترین عطر ذرا سا لگا دیا گیا اور تمبا کو نوشی کے بعد سانس کو معطر کرنے والی ٹکیا دی گئی۔

یہ درست ہے کہ وہ خریدنے کا کھیل کر رہی تھی' لیکن جو چیزیں اسے واقعی درکار تھیں انھیں وہ بلا جھجکے خریدتی گئی اور اس کا انداز اس قدر پر اعتماد تھا کہ کسی کو یہ خیال تک نہ آسکتا تھا کہ وہ پہلی بار خریداری کے لیے نکلی ہے' کیوں کہ اسے احساس تھا کہ اس کی خریداری صرف اپنے لیے نہیں بل کہ فلورنتینو آریزا کے لیے بھی ہے: ان دونوں کی میز کے لیے بارہ گز لینن' شادی کے بستر کی چادروں کے لیے سوتی کپڑا جو صبح ہونے تک ان دونوں کے جسموں کی نمی سے گیلا ہو چکا ہوگا' محبت کے گھر میں ان دونوں کی مسرت کے لیے ہر عمدہ ترین۔ چیز اس نے بھاؤ تاؤ کیا اور دام کم کرائے' اس نے وقار اور تمکنت کے ساتھ جرح کی اور بہترین چیزیں چنیں' اور ان کی قیمت سونے کے سکوں میں ادا کی جنھیں دکان داروں نے صرف ان کی کھنک کا لطف لینے کے لیے سنگی کاؤنٹر پر بجا کر سنا۔

فلورنتینو آریزا حیرت کے عالم میں چپکے چپکے اسے دیکھتا رہا۔ دم بخود اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا' کئی بار وہ خادمہ کی ٹوکریوں میں الجھ کر لڑکھڑایا' جس نے ان کی معذرتوں کا مسکراہٹ سے جواب دیا' اور اگر فرمینا داز انے اسے نہ دیکھا تو اس لیے نہیں کہ اسے موقع نہیں ملا، بل کہ اپنے چلنے کے پُرغرور انداز

کے باعث اسے نہیں دیکھ پائی۔ اسے وہ اتنی حسین، اتنی ترغیب انگیز، عام لوگوں سے اتنی مختلف لگ رہی تھی کہ اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ پتھریلی سلوں پر اس کی ایڑیوں کی آواز کسی اور کو کیوں نہیں چونکاتی، اس کے دامن کی لرزش سے اٹھنے والی ہوا ہر کسی کو دیوانہ کیوں نہیں کر دیتی، اس کی چوٹی کے لہرانے سے، اس کی بانہوں کی حرکات سے اور اس کی ہنسی کے خالص سونے سے ہر کوئی ہوش و حواس کیوں نہیں کھو بیٹھتا۔ فرمینا دازا کے جسم کی ایک حرکت، اس کے مزاج کی ایک جھلک بھی اس کی نظر سے نہیں بچی تھی، لیکن اس نے اس خوف سے اسے مخاطب کرنے کی کوشش نہ کی کہ کہیں یہ سحر ٹوٹ نہ جائے۔ لیکن جب وہ منشی آرکیڈ کے بے پناہ شور میں داخل ہوئی تو فلورنتینو آریزا کو خیال آیا کہ وہ موقع جس کے لیے وہ برسوں سے بے تاب رہا ہے، کہیں ضائع نہ ہو جائے۔

فرمینا دازا کا اپنے اسکول کی دیگر طالبات کی طرح یہ خیال تھا کہ منشی آرکیڈ ایک ایسی نامبارک جگہ ہے جہاں شریف نوجوان خواتین کے جانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دراصل ایک چھوٹے سے چوک کے کنارے ایک محراب دار گیلری تھی جہاں سواری اور بار برداری کے لیے گدھا گاڑیاں کرائے پر ملتی تھیں اور جہاں عام خرید و فروخت زیادہ پر شور اور پر ہجوم ہو جاتی تھی۔ یہ نام نو آبادیاتی دور کی یادگار تھا جب واسکٹوں اور نقلی کفوں میں ملبوس کم گو منشیوں نے یہاں بیٹھنا شروع کیا، اور بہت قلیل معاوضے پر ہر قسم کی دستاویزات تحریر کرنے کا کام کرنے لگے۔ ان دستاویزات میں استغاثے کی عرضیاں، قانونی شہادتیں، مبارکباد یا تعزیت کے خطوط، معاشقے کے مختلف مرحلوں کے مطابق محبت نامے سبھی کچھ شامل تھا۔ اس بازار کی خراب شہرت کی وجہ، بلاشبہ، یہ لوگ نہیں تھے، بلکہ بعد میں آنے والے وہ بدقماش تھے جو یورپی جہازوں سے اسمگل کیا ہوا ہر قسم کا قابلِ اعتراض سامان غیر قانونی طور پر فروخت کرتے تھے، جس میں فحش پوسٹ کارڈوں اور شہوت انگیز مرہموں سے لے کر کتالونیا کے مشہور کنڈوم تک شامل تھے جو یا تو اگواناکی کلغی سے مزین ہوتے تھے جو موقعے کی ضرورت کے مطابق لہرانے لگتی تھی یا پھر ان کے سروں پر پھول ٹکے ہوتے تھے جو استعمال کرنے والے کی خواہش پر اپنی پنکھڑیاں کھول دیتے تھے۔ فرمینا دازا جو بازار کے آداب سے قدرے ناواقف تھی، گیارہ بجے کی دھوپ سے پناہ حاصل کرنے کے لیے یہ جانے بغیر کہ کہاں جا رہی ہے، اس گلی میں داخل ہو گئی۔

وہ اس شور و غل میں گم ہوتی گئی جو جوتے چمکانے والے لڑکوں، پرندے بیچنے والوں، سستی کتابوں کے ہاکروں اور چڑیلوں کا علاج کرنے والے طبیبوں اور مٹھائی بیچنے والوں نے بپا کیا ہوا تھا، جو

ہجوم میں چلا رہے تھے: آپ کی محبوبہ کے لیے اناس کے پھل' ناریل کی قند کے مزے دیکھو' آپ کی ذیابیطس کے لیے بھوری روٹی۔ مگر اس شور وغل سے بے پروا' وہ ایک کاغذ بیچنے والے کے پاس مسحور ہو کر ٹھہر گئی جو روشنائیوں کی جادوگری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ سرخ روشنائیاں جو خون کی طرح دکھائی دے رہی تھیں' ایسی روشنائیاں جو تعزیتی پیغامات کے افسردہ تاثر کی مظہر تھیں' اندھیرے میں پڑھی جانے کے لیے چمکتی ہوئی روشنائیاں' ایسی غیر مرئی روشنائیاں جو خود کو روشنی میں آشکار کرتی تھیں۔ وہ ان سب کو خریدنا چاہتی تھی تاکہ وہ فلورنٹینو آریزا کو اپنی خوش طبعی سے حیران اور خوش کر دے' مگر کئی دفعہ کی جانچ پڑتال کے بعد اس نے سنہری روشنائی کی ایک بوتل منتخب کی۔ پھر وہ اپنے بڑے اور مدور مرتبانوں کے پیچھے بیٹھے قند فروشوں کے پاس گئی اور اس نے ہر قسم کی چھ مٹھائیاں خریدیں۔ وہ ہر مرتبان کی طرف اشارہ کرتی گئی کیوں کہ اس شور وغل میں اس کی آواز سنائی نہیں دی جا سکتی تھی۔ اس نے نہایت وقار کے ساتھ انھیں خادمہ کے ہاتھ میں پکڑی ٹوکری میں ڈالا' وہ شیرے پر مکھیوں کے منڈلاتے ہوئے طوفان سے مکمل طور پر بے نیاز تھی اور اس نے باسی مٹھائیوں سے اٹھتے ہوئے بخارات اور اس شدید گرمی میں بپا شور وغل پر ذرا بھی دھیان نہیں دیا۔ وہ اس کیفیت سے اس وقت چونکی جب ایک خوش طبع گول مٹول اور پرکشش سیاہ فام عورت نے جس کے سر پر ایک رنگین رومال باندھا ہوا تھا' متوجہ کیا اور ایک قصائی کے چاقو کی نوک پر ٹکی اناس کی ایک مثلث قاش اسے پیش کی۔ اس نے اسے لے کر' پوری قاش منہ میں ڈال لی' اس کو چکھا اور جب وہ ہجوم میں ادھر ادھر نظریں گھماتے ہوئے اسے چبا رہی تھی' ایک اچانک صدمے نے اسے اسی جگہ پر بے حس وحرکت کر دیا۔ اس کی پشت پر' اس کے کانوں سے اس قدر قریب کہ صرف وہی اس کو سن سکے' اس نے فلورنٹینو آریزا کی آواز سنی: ''تاج دار دیوی کے لیے یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔''

وہ پیچھے مڑی اور اپنی آنکھوں سے بالشت بھر کے فاصلے پر ان سرد آنکھوں' اس بے رنگ چہرے اور خوف سے پتھرائے ہوئے ان ہونٹوں کو اسی طرح دیکھا، جیسے اس سے پہلے گرجا گھر میں نصف شب کی عشائے ربانی کے ہجوم میں دیکھا تھا' لیکن اس بار اسے محبت کے ہیجان کے بجائے مایوسی کی گہری کھائی کی دہشت محسوس ہوئی۔ ایک ہی لمحے میں اس کی غلطی کا بھیانک پن اس پر آشکار ہو گیا اور اس نے ہیبت زدہ ہو کر خود سے سوال کیا کہ آخر کس طرح ایک لایعنی خیال اتنے طویل عرصے تک اور اتنی شدت سے اس کے دل میں بسا رہا۔ وہ صرف اس قدر سوچ سکی' او میرے خدا! یہ بے چارہ! فلورنٹینو آریزا نے مسکرا کر کچھ کہنا چاہا اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کی' لیکن فرمینا دازا نے اپنے ہاتھ کی ایک تیز

حرکت سے اسے اپنی زندگی سے محو کردیا۔

''نہیں ۔''اس نے اس سے کہا۔''بس اب بھول جاؤ۔''

اس سہ پہر' جب اس کا باپ قیلولہ کر رہا تھا' اس نے گالا پلے سیدیا کو ایک دوسطری خط کے ساتھ اس کی طرف بھیجا۔''آج جب میں نے تمھیں دیکھا' تو مجھے محسوس ہوا کہ جو کچھ بھی ہمارے بیچ ہے' وہ ایک التباس کے سوا کچھ نہیں۔''خادمہ نے اسے اس کے ٹیلی گرام' اس کی شاعری' اس کے خشک کیملیا بھی لوٹا دیے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کے بھیجے ہوئے تمام خط اور تحائف' پھوپھی ایسکولستیکا کی دینی کتاب' اس کے باغ کے سوکھے پتے' سینٹ پیٹر کلیوٹر کی عبا کا چوکور ٹکڑا' ولیوں کے تمغے' اس کے سکول یونی فارم کی ریشمی ربن سے بندھی اس کے پندرھویں سال کی چٹیا واپس کر دے۔آنے والے دنوں میں قریب قریب دیوانہ ہوئے' فلورنتینو آریزا نے اسے بے شمار بے آس خط لکھے' اور خادمہ سے التجائیں کیں کہ وہ انھیں اس تک پہنچا دے۔مگر اس نے اپنی مالکن کی واضح ہدایات کی پاسداری میں اس سے سوائے اس کے واپس کیے گئے تحائف کے اور کوئی چیز قبول نہیں کرنا تھی۔اس نے اس قدر رشد و مد سے اصرار کیا کہ فلورنتینو آریزا نے چٹیا کے سوا ہر شے واپس کر دی' جسے اس نے فرمینا دازا کو براہ راست واپس کرنے کا کہا تھا' چاہے اسے ایک لمحے کے لیے ہی اس سے مل کر بات کرنے کا موقع مل سکے۔مگر اس نے انکار کر دیا۔اپنے بیٹے کے کسی جان لیوا فیصلہ کر لینے کے اندیشے سے خوفزدہ' فلورنتینو آریزا نے اپنی انا کا بالائے طاق رکھتے ہوئے فرمینا دازا سے پانچ منٹ کی ملاقات کی درخواست کی' اور فرمینا دازا نے اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے کھڑے' اس سے ملاقات کی۔اس نے نہ اسے اندر آنے اور نہ ہی اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔اس کے انداز میں کمزور پڑنے کا شائبہ تک نہیں تھا۔دو دنوں بعد' اپنی ماں سے بحث کے بعد' فلورنتینو آریزا نے اپنے کمرے کی دیوار سے رنگین شیشے کا ڈبہ نکالا' جس میں اس نے اس چٹیا کو ایسے رکھا ہوا تھا جیسے وہ کوئی مقدس یادگار ہو اور ٹرانسیتو آریزا سنہرے دھاگے سے کڑھے ہوئے مخمل کے اسی ڈبے میں اسے واپس کر آئی۔فلورنتینو آریزا کو اس کے بعد فرمینا دازا سے تنہا ملنے یا بات کرنے کا' دونوں کی طویل زندگیوں میں' اتفاقیہ طور پر کئی دفعہ آمنا سامنا ہونے کے باوجود' کبھی موقع نہیں ملا۔تا وقتیکہ اکیاون برس' نو ماہ اور چار دنوں بعد' اس کی بیوگی کی پہلی رات' اس نے اپنی دائمی وفا اور ابدی محبت کا عہد ایک بار پھر دہرایا۔

❖❖❖❖

O

اٹھائیس سال کی عمر میں' ڈاکٹر جووینل اربینو' سب سے زیادہ چاہے جانے والا کنوارہ تھا۔ وہ پیرس میں ایک طویل قیام کے بعد لوٹا تھا جہاں اس نے میڈیسن اور سرجری میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی اور جب سے اس نے اپنی سرزمین پر قدم رکھے' تو یہ واضح طور پر ظاہر ہو چکا تھا کہ اس نے اس وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ اس کے ذوق میں پہلے کی نسبت زیادہ نفاست اور اس کی ذات میں زیادہ نظم وضبط پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے ہم عصروں میں سے کوئی بھی' سائنس میں اس سے زیادہ محقق اور عالم نہیں رہا تھا، اور کوئی بھی جدید ترین دھنوں پر اس سے بہتر رقص یا پیانو کی ہم آہنگی میں برمحل موسیقی ترتیب دینے میں اس سے زیادہ مہارت نہیں رکھتا تھا۔ اس کی دِلآویز شخصیت کے سحر اور اس کے خاندان کی یقینی خوش بختی کی وجہ سے اس کے حلقے کی لڑکیاں آپس میں اس بات پر خفیہ قرعہ اندازی کرتی تھیں کہ اس کے ساتھ وقت کون گزارے، اور وہ بھی ان کی قربت کا لطف لیتا رہا۔ مگر وہ اس بات کا خاص طور پر دھیان رکھتا کہ اس کا وقار مجروح نہ ہو اور اس کی دلکشی برقرار رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن آیا کہ اس نے ادنیٰ طبقے کی فرمینا دازا کی دلکشی کے سامنے خود کو بے بس پایا۔

وہ یہ بات کہنا پسند کرتا تھا کہ اس کی محبت ایک طبعی غلطی کا نتیجہ تھی۔ اسے خود یہ یقین نہ آتا تھا کہ ایسا ہو چکا ہے۔ خاص طور پر اپنی زندگی کے اس حصے میں جب کہ اس کی تمام تر توانائیاں اس شہر کا مقدر سنوارنے پر مرکوز تھیں۔ وہ اکثر ایک بھرپور یقین کے ساتھ یہ بات دہراتا رہتا تھا کہ اس شہر کا دنیا بھر میں کوئی ثانی نہیں ہے۔ پیرس میں' کسی وقتی محبوبہ کی بانھوں میں بانہیں ڈالے گھومتے ہوئے' کسی جاتی خزاں کے سمے' ان سنہری سہ پہروں میں ملنے والی شفاف مسرت سے بڑھ کر کسی اور احساس کا تصور ناممکن لگتا' جس میں بریزیروں پر شاہ بلوط کے درخت کی مہک' تھکے ماندے اکارڈین' اور کھلے صحنوں میں کبھی ایک دوسرے کو چومتے ہوئے عاشقوں کی مسلسل تشنگی کا احساس شامل ہوتا۔ مگر وہ اب بھی

اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر خود سے یہ کہتا تھا کہ اس کے نزدیک اگر اسے کریبئن کے اپریل کے ایک لمحے کے عوض یہ سب کچھ دیا جائے، تو وہ ہرگز تیار نہ ہوگا۔ وہ یہ جاننے کے لیے ابھی بہت کم عمر تھا کہ ہمارے دل میں بسنے والی یاد تلخیوں کو ختم کر دیتی ہے اور اچھی باتوں کو خوب اجاگر کرتی ہے۔ اور یہ اسی ہنرمندی کی مہربانی ہے کہ ہم میں ماضی کے بوجھ کو برداشت کرنے کی اہلیت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جب بحری جہاز کی ریلنگ پر کھڑے، اس نے اس نوآبادیاتی ضلع کے سفید ٹیلے، چھتوں پر موجود بے حس و حرکت شکروں، بالکنیوں پر سوکھنے کے لیے لٹکتے غریبوں کے کپڑوں کو دیکھا، تب جا کر اسے احساس ہوا کہ وہ ماضی کی یاد کی مصنوعی دلکشی کا کس حد تک اور کس قدر آسانی سے شکار ہو چکا تھا۔

جہاز نے غرقاب شدہ جانوروں کی تہہ پر سے گزرتے ہوئے خلیج کے پار اپنا راستہ بنایا اور بہت سے مسافروں نے اس سرانڈ سے بچنے کے لیے اپنے اپنے کیبن میں پناہ لی۔ مکمل طور پر ریشمی لباس میں ملبوس نوجوان ڈاکٹر، جہاز سے ساحل تک لگے تختے پر اترا۔ اس نے واسکٹ اور ڈسٹ کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی پاسچر نما داڑھی تھی اور اس کے بالوں کو ایک عمدگی سے نکالی گئی مانگ نے علاحدہ کر رکھا تھا۔ اس نے گلے میں پیدا ہونے والی گھٹن کو مناسب ضبط کے ساتھ روکے رکھا، جو دہشت کے بجائے افسردگی سے پیدا ہوتی تھی۔ قریب ہی ویران بندرگاہ پر، جس کی حفاظت کے لیے وردیوں کے بغیر برہنہ پا سپاہی متعین تھے، اس کی بہنیں اور ماں اس کے منتظر تھے۔ ان کے ساتھ اس کے عزیز ترین دوست بھی تھے۔ اس نے انہیں اپنی عمدہ سج دھج کے باوجود بے کیف اور مایوس پایا۔ وہ خانہ جنگی کے بحران کے بارے میں یوں باتیں کر رہے تھے جیسے یہ کسی دور دراز علاقے کی، اور کسی اور ملک کی باتیں ہوں۔ مگر ان سب کی آوازوں میں ایک گریزاں ارتعاش اور ان کی آنکھوں میں چھائی بے یقینی ان کی باتوں کو جھٹلا رہی تھی۔ ان سب میں اس کی ماں نے اسے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ وہ ابھی بھی جوان تھی۔ ایک عورت، جس نے اپنے وقار اور سماجی میل ملاپ کی بنا پر ایک بھرپور زندگی گزاری تھی، اب اپنی بیوگی کی چادر سے اٹھتے ہوئے کافور کی مہک میں دھیرے دھیرے غائب ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے بے دھیانی میں اپنے بیٹے کے بجائے شاید خود کو دیکھا، تبھی تو اس نے ایک فوری خود مدافعتی انداز میں اپنے بیٹے سے پوچھا: تمھاری جلد موم کی طرح زرد کیوں پڑ گئی ہے؟

''وہاں کی زندگی ہی ایسی ہے، ماں۔'' اس نے کہا: ''پیرس میں انسان سبز ہو جاتا ہے۔''

کچھ ہی دیر بعد بند بگھی میں اپنی ماں کے ساتھ بیٹھے ہوئے، دم گھونٹنے والی گرمی کی وجہ سے، وہ

اب اس بے رحم حقیقت کو برداشت کرنے کے قابل نہیں رہا تھا، جو کھڑکی کے راستے اندر جھانک رہی تھی۔ سمندر راکھ کی طرح نظر آ رہا تھا۔ نوابوں کے پرانے محلات، اب بھکاریوں کی بستیوں میں بدل رہے تھے اور کھلی بدروؤں سے اٹھتے ہوئے موت کے تعفن سے یاسمین کی پرشوق مہک کو ممیز کرنا اب ناممکن ہو رہا تھا۔ اس وقت کی نسبت جب وہ یہاں سے گیا تھا' ہر شے اب حقیر' مفلس اور اداس لگ رہی تھی اور گلیوں میں کوڑے کے انباروں میں اس قدر ربھوکے چوہے دوڑ رہے تھے کہ بگھی کے گھوڑے کئی بار خوف کے مارے بدکتے رہے۔ بندرگاہ سے ڈسٹرکٹ آف وائسرائے کے قلب میں واقع اپنے گھر تک کے لمبے راستے کے دوران میں اسے لگا کہ کوئی ایسی چیز اس کی فروزاں یادوں کی طرح نہیں رہی تھی۔ اس نے اپنا شکست خوردہ چہرہ دوسری جانب کر لیا تا کہ اس کی ماں اسے نہ دیکھ سکے۔ وہ خاموش تھا' مگر اس کے اندر ماتم بپا تھا۔

نواب کا زالڈورد کا سابقہ محل' اربینو ڈی لا کال خاندان کی تاریخی رہائش گاہ' گردوپیش کی تباہی سے بچ نہیں سکی تھی۔ اس بربادی کا احساس ڈاکٹر جووینل اربینو کو اس وقت، ہوا جب وہ اداس پورٹیکو سے ہوتا ہوا گھر میں داخل ہوا' اور اندرونی باغ میں خاک آلود فوارے اور پھولوں کی کیاریوں میں جھاڑیوں کو دیکھا جہاں امریکی چھپکلیاں پھر رہی تھیں، اور اس نے محسوس کیا کہ مرکزی کمروں کو لے جانے والی کاپر کی ریلنگ والی بڑی سیڑھیوں کے فرش پر سے بہت سے ماربل کے پتھر غائب ہیں' جبکہ باقی ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اس کا باپ (جس کی شہرت اس کے ممتاز ہونے کی نسبت اس کی ایثار پرستی کی بنا پر زیادہ تھی) چھ برس قبل اس آبادی کو تباہ کرنے والے ایشیائی ہیضے کی وبا کے دوران میں مر گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس گھر کا سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ اس کی ماں ڈونا بلانکا نے' جو ایک لامختتم ماتم سے بجھ کر رہ گئی تھی' اپنے عالی مرتبت مرحوم شوہر کے زمانے کی موسیقی کی شاموں اور کمروں میں بجائے جانے والی مخصوص موسیقی کے بجائے نوروزہ عبادات کا اہتمام شروع کر دیا تھا۔ اس کی بہنیں اپنے فطری میلان اور خوش وخرم طرز زندگی کے باوجود راہباؤں کی خانقاہ کی نذر ہو چکی تھیں۔

اپنی واپسی کی پہلی شب' ڈاکٹر جووینل اربینو تمام رات نہ سویا۔ وہ خاموشی اور تاریکی سے خوفزدہ تھا۔ اس نے تین بار روح القدس کی تسبیح پڑھی اور وہ دعائیں کیں جو اسے یاد تھیں تا کہ وہ ان مصائب اور رات کے بھیانک خوابوں سے عافیت میں رہے۔ اس دوران میں ایک بن چونچ کی مرغابی ادھ کھلے دروازے سے اندر آ چکی تھی' جو اس کی خواب گاہ میں ہر گھنٹے بعد اپنے راگ الاپتی رہی۔ اپنے

سمعی واہموں میں' قریبی مسیحی دارالامان سے آتی ہوئی جنونی عورتوں کی چیخوں' پانی کی صراحی سے واش بیسن میں گرتی ہوئی کھردری آواز جو پورے گھر میں گونج رہی تھی' خواب گاہ میں گھومتی ہوئی لمبی ٹانگوں والی مرغابی' تاریکی سے اس کے پیدائشی خوف اور اس وسیع اور سوئی ہوئی حویلی میں اس کے باپ کی غیر مرئی موجودگی نے اسے شدید دکھ میں مبتلا کر دیا۔ جب صبح کے پانچ بجے بن چونچ کی مرغابی نے مرغوں کے ساتھ راگ الاپنا شروع کیا تو ڈاکٹر جووینل اربینو نے اپنے جسم و روح کو مشیت ایزدی کے حوالے کر دیا' کہ وہ اپنے ملبہ بنے' بکھرے ہوئے آبائی وطن میں مزید ایک دن بھی گزارنے کی سکت نہیں پا رہا تھا۔ مگر وقت کے ساتھ، ساتھ' خاندان کی محبت' گاؤں میں گزارے ہوئے اتوار' اور اپنے طبقے کی کنواری لڑکیوں کی رشک بھری توجہ نے اس کے اس اولین احساس کی تلخی کو بہت حد تک کم کر دیا۔ رفتہ رفتہ وہ اکتوبر کی دم گھونٹنے والی گرمی' بدبوؤں' دوستوں کے عجلت پسند فیصلوں' ڈاکٹر پریشان نہ ہو' کل دیکھیں گے' طرح کے رویوں سے مانوس ہوتا گیا اور بالآخر اس نے اس عادت کو اپنا لیا۔ اس نے اپنی سپردگی کا جواز گھڑنے میں زیادہ وقت نہیں لگایا۔ یہ اس کی اپنی دنیا تھی۔ اس نے خود سے کہا۔ اداس' گھٹی ہوئی دنیا جو خدا نے اس کو عطا کی تھی اور وہ اس کا ذمہ دار تھا۔

سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ اپنے باپ کے دفتر کا انتظام سنبھال لیا۔ اس نے لکڑی سے بنے ہوئے مضبوط' اداس انگریزی فرنیچر کو جو بر فانی صبحوں میں چر چراتا تھا' اسی ترتیب میں برقرار رکھا۔ مگر اس نے شاہی سائنس اور روحانی طب کے بارے میں رسائل کو اٹاری میں منتقل کیا اور شیشے کے دروازوں والی بک شیلفوں کو نئی طرز رکھنے والے نئے فرانسیسی مصنفین کی کتابوں سے بھر دیا۔ اس نے دھندلائی ہوئی تصویروں' سوائے اس ایک کے' جس میں ایک طبیب ایک بیمار' برہنہ عورت کے لیے موت سے تکرار کر رہا تھا اور گوتھک حروف میں تحریر شدہ ہپوکریٹک حلف نامے کے سوا، سب کو دیوار سے اتار دیا' اور ان کی جگہ اس نے اپنے والد کے واحد ڈپلومے کے ساتھ یورپ کے مختلف سکولوں سے اپنے حاصل کردہ مختلف اعلیٰ ترین اعزازات کے ساتھ حاصل کردہ اسناد آویزاں کر دیں۔

اس نے میزری کورڈیا ہسپتال میں جدید ترین نظریات کو فروغ دینے کی کوشش کی' مگر یہ کام اس قدر آسان نہ تھا جتنا وہ اپنی جوانی کے جوش میں اسے سمجھ بیٹھا تھا۔ (کیوں کہ) اس قدیم صحت گاہ سے وابستہ افراد اب تک پشت ہا پشت سے چلے آنے والے توہمات سے بری طرح چمٹے ہوئے تھے۔ مثلاً یہ کہ بستروں کے پایوں کو پانی کے برتنوں میں رکھنا تا کہ بیماری ٹانگوں پر نہ چڑھ سکے' یا آپریشن تھیٹر

میں شام کا لباس اور ہرن کی کھال کے دستانے طلب کرنا کیوں کہ یہ طے شدہ سمجھا جاتا تھا کہ زخم کو آلودگی سے بچانے کے لیے خوش وضع ہونا ضروری شرط ہے۔ وہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ایک نوجوان نو وارد پیشاب کے ذریعے مریض کے خون میں شکر کا تعین کرے' چارکاٹ اور روسو کا حوالہ یوں دے جیسے وہ اس کے روم میٹ رہ چکے ہو' ویکسین کے مہلک خطرات کے بارے میں سختی سے خبردار کرے جبکہ وہ مقصد میں رکھنے کے لیے قبض کشا بتیوں کی حالیہ ایجاد کے بارے میں ایک شک بھرا یقین رکھے۔ وہ ہر شے کے ساتھ حالت تضاد میں تھا۔ اپنی ہر شے کو نیا کرنے کی فطرت، سماجی فرض کی ادائیگی کے لیے خبط کی حد تک حساسیت' اور دائمی ٹھٹھہ بازوں کی سرزمین پر اس کی نسبتاً کم حسِ مزاح، غرض یہ کہ ہر شے سے۔ درحقیقت اپنی سب سے زیادہ قابل قدر صفات کی وجہ سے وہ اپنے پرانے ہم پیشہ لوگوں کی ناراضگی اور نوجوان ہم پیشہ افراد کے تمسخرانہ لطائف کا نشانہ بن گیا۔

شہر میں تشویش ناک حد تک صفائی کا انتظام نہ ہونے کا خیال اس کے دماغ میں مسلط ہو کر رہ گیا۔ اس نے اعلیٰ حکام سے درخواست کی کہ وہ ہسپانوی بدرروؤں کو بھر دیں جو چوہوں کی افزائش کے لیے بہترین جگہیں بن چکی تھیں' اور ان کی جگہ بند بدرروؤں کا نظام رائج کریں' جس میں جمع ہونے والی گندگی کو مارکیٹ کے قریب کھاڑی میں نہ پھینکا جائے، بل کہ اس کی بجائے اسے نکاسی آب کے لیے بنائے گئے کسی دور دراز علاقے میں ڈالا جائے۔ ڈھنگ سے بنے ہوئے نوآبادیاتی گھروں میں صاف ستھرے حوضوں والی لیٹرینیں تھیں۔ مگر دلدلی علاقوں کے کناروں پر جھونپڑوں میں دو تہائی آبادی بستی تھی' جو کھلے میدان میں رفع حاجت سے فارغ ہوتی تھی۔ فضلہ دھوپ میں سوکھ کر مٹی میں بدل جاتا تھا' اور دسمبر کی خنک' نرم ہوا کے ساتھ کرسمس کی خوشیاں مناتے لوگوں کے تنفس کے ذریعے ان کے اندر اتر جاتا تھا۔ ڈاکٹر جووینل اربینو نے کوشش کی کہ بلدیہ کی کونسل کو مجبور کیا جائے کہ وہ ایک تربیتی کورس کا اہتمام کرے' جس میں غریبوں کو سکھایا جائے کہ وہ خود اپنے بیت الخلا کس طرح تعمیر کر سکتے ہیں۔ اس نے بے سود کوشش کی کہ وہ انہیں مینگرو و درختوں کے جھنڈ میں غلاظت پھینکنے سے باز رکھ سکے' جو صدیوں سے سڑانڈ سے بھرپور دلدل میں تبدیل ہو چکے تھے اور یہ کہ اس کے بجائے وہ کوڑا کرکٹ کم از کم ہفتے میں دو بار اکٹھا کریں اور اسے کسی غیر آباد علاقے میں لے جا کر جلا ڈالیں۔

وہ پینے کے پانی کی ہلاکت آفرینی کے بارے میں واقف تھا۔ ایک پختہ نالے کی تعمیر کا خیال اسے بہت مناسب معلوم ہوا۔ اس کی ممکنہ حمایت کرنے والے وہ لوگ تھے' جن کے پاس زیر زمین حوض

تھے' جہاں سالہا سال سے پانی رس رس کر فضلے کی تہہ تلے جمع ہوتا رہا تھا۔ اس زمانے میں گھر میں سے سب سے قیمتی شے منقش لکڑی کے پانی جمع کرنے کے برتن ہوتے تھے' جن کے پانی صاف کرنے کی سنگی چھلنیوں میں سے دن رات قطرہ قطرہ پانی مٹی کے بڑے برتنوں میں ٹپکتا رہتا تھا۔ کسی شخص کو پانی نکالنے والے برتن میں پانی پینے سے روکنے کے لیے ایک ایلومینیم کا کپ استعمال کیا جاتا تھا' جس کے کنارے کسی بادشاہ کا سوانگ بھرنے والے مسخرے کے تاج کی طرح نوک دار ہوتے تھے۔ گیلی مٹی میں پانی شفاف اور ٹھنڈا ہوتا تھا اور پانی میں جنگل کی باس شامل ہوتی تھی۔ ڈاکٹر جووینل اربینو' اس بظاہر دکھائی دینے والی صفائی کے فریب میں بالکل نہ آیا۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ ان تمام حفاظتی تدابیر کے باوجود مٹی کے ہر برتن کا پیندہ آبی جرثوموں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ وہ اپنے بچپن کی فراغت کے دنوں میں' گھنٹوں ایک پراسرار تحیر کے ساتھ انھیں دیکھتا رہا تھا اور وہ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح یہ یقین رکھتا تھا کہ یہ مافوق الفطرت آبی حشرات تھے جو ٹھہرے ہوئے پانی کی تلچھٹ میں پڑے' نوجوان دوشیزاؤں کو رجھاتے تھے اور انھیں محبت کے غارت گر جنون میں مبتلا کر سکتے تھے۔ جب وہ ایک لڑکا تھا تو اس نے دیکھا تھا کہ کیسے انھوں نے' ایک سکول ٹیچر لازارا کونڈے کے' جس نے ان آبی حشرات کو دھتکارنے کی جرات کی تھی' گھر میں انتقاماً تباہی بپا کی تھی اور اس نے گلی میں شیشے کی آبی لکیر دیکھی تھی اور تین دن اور تین راتیں انھوں نے مسلسل اس کے گھر پر پتھر برسا کر گلی میں پتھروں کا ایک پہاڑ سا کھڑا کر دیا تھا۔ بہت عرصے بعد اسے علم ہوا کہ یہ آبی حشرات دراصل مچھروں کے لاروا تھے۔ لیکن جب اسے اس کا علم ہو گیا' تو پھر وہ یہ کبھی بھولا نہیں۔ کیوں کہ اس لمحے کے بعد اس نے یہ جان لیا کہ ان جیسے کئی اور آبی حشرات عام پتھر کی چھلنی سے باآسانی صحیح سالم گزر سکتے ہیں۔

بہت عرصے تک حوضوں میں جمع شدہ پانی کو اس بنا پر اعزاز بخشا جاتا رہا کہ وہ فوطوں کے ہرنیا کا باعث ہے، اور شہر میں بہت سے لوگ نہ صرف یہ کہ اس بیماری کی وجہ سے کوئی پریشانی محسوس نہیں کرتے تھے' بل کہ وہ اسے ایک خاص قومی خودنمائی کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ جب جووینل اربینو پرائمری سکول میں تھا' تو اپنے اپنے گھروں کے باہر' گرم سہ پہروں میں فوطوں کے ورم کے ساتھ بیٹھے لوگوں کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو جاتا تھا۔ یہ لوگ اپنے بڑے بڑے فوطوں کو یوں ہوا لگوا رہے ہوتے تھے جیسے ان کی ٹانگوں میں کوئی بچہ سو رہا ہو۔ یہ کہا جاتا تھا کہ ہرنیا کسی اداس پرندے کی طرح طوفانی راتوں میں سیٹی بجاتا ہے' اور جب کبھی کہیں نزدیک کسی شکرے کے پر کو جلایا جائے تو وہ بل کھاتا ہے' جس

سے نا قابلِ برداشت درد جنم لیتا ہے۔ مگر کوئی بھی ان تکلیفوں کے بارے میں شکایت نہیں کرتا تھا، کیوں کہ فوطوں کا بھرپور ورم اور کچھ نہیں تو اعلیٰ قوتِ مردمی کا اظہار ضرور تھا۔ جب ڈاکٹر جووینل اربینو یورپ سے واپس لوٹا تو وہ سائنسی اندازِ فکر کی بنا پر جانتا تھا کہ یہ سب عقائد غلط ہیں۔ مگر مقامی توہمات کی جڑیں اس قدر گہری اور مضبوط تھیں کہ بہت سے لوگوں نے حوضوں میں معدنیات پانی میں ملانے کی محض اس بنا پر مخالفت کی کہ کہیں اس طرح پانی میں موجود فوطوں کے قابلِ فخر ورم پیدا کرنے کی تاثیر ختم نہ ہو جائے۔

صرف نخالص پانی ہی واحد مسئلہ نہ تھا جس نے ڈاکٹر جووینل اربینو کو تشویش میں مبتلا کیا تھا۔ اس طرح وہ پبلک مارکیٹ میں صفائی کے انتظامات کے نہ ہونے کے بارے میں بھی فکرمند تھا۔ یہ خلیج لاس اینمیاسس کے قریب ایک وسیع صاف کی ہوئی جگہ تھی، جہاں اینٹیلیز سے آنے والے جہاز گودی میں آتے تھے۔ اس زمانے کے ایک معروف سیاح نے اس مارکیٹ کو دنیا بھر میں سب سے مختلف قرار دیا۔ یہ وسیع تھی، مل کہ درحقیقت فراواں اور پرشور تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ شاید سب سے زیادہ تشویش ناک مارکیٹ بھی یہی تھی۔ متلون المزاج لہروں کے ساتھ لائے ہوئے، اپنے ہی کوڑے کرکٹ کے ٹیلے پر کھڑی یہ مارکیٹ وہ جگہ تھی جہاں خلیج بدرووں سے لائے ہوئے گند کو واپس زمین پر اگل دیتی تھی۔ قریبی مذبح خانے سے لایا گیا سڑا ہوا گوشت بھی یہیں پھینکا جاتا تھا ــ ــ ــ کٹے ہوئے سر، گلے ہوئے پیٹ کے اعضا، جانوروں کا فضلہ سورج اور ستاروں کی روشنی میں خون سے لتھڑی زمین پر تیرتا رہتا تھا۔ مارکیٹ کی دکانوں کے چھجوں سے لٹکتے ہوئے سوا ونیو لذیذ مرغوں اور ہرنوں کے گوشت کے لیے شکروں، چوہوں اور کتوں کے درمیان مستقلاً ایک گھمسان کا رن پڑا رہتا تھا، اور ارجونا سے لائی گئی موسم بہار کی سبزیاں زمین پر بچھی چٹائیوں پر دھری ہوتی تھیں۔ ڈاکٹر اربینو چاہتا تھا کہ یہ جگہ صاف ستھری ہونی چاہیے۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی اور جگہ ایک مذبح خانہ تعمیر ہونا چاہیے، اور شیشے کی منقش برجیوں کے ساتھ تعمیر کی ہوئی کوئی سرپوش مارکیٹ ہو، جیسی کہ اس نے بارسیلونا میں دیکھی تھی۔ وہاں اشیائے خورونی اس قدر عمدہ اور صاف نظر آتی تھیں کہ انہیں کھاتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی تھی، مگر اس کے سب سے بامروت دوست بھی اس کے تصوراتی جذبے پر ترس ہی کھاتے تھے۔ یہ لوگ ایسے ہی تھے۔ وہ اپنی زندگیاں، اپنی اعلیٰ نسبی، شہر کی تاریخی اہمیت، یادگاروں کی قدر و قیمت، یہاں کے بانکپن، اس کے حسن پر فخر کرنے میں گزار دیتے، مگر انھیں ان گزرتے برسوں میں پنہاں انحطاط قطعاً نظر نہ آتا تھا۔ اس کے برعکس ڈاکٹر جووینل اربینو اسے موجود حقائق کی سچائی کے ساتھ دیکھنا زیادہ پسند کرتا تھا۔

''یہ شہر کس قدر پروقار ہے۔'' وہ کہا کرتا۔ ''چار سو سال سے ہم اس کے خاتمے پر تلے ہوئے ہیں، مگر ہم اب تک اس میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔''

تاہم، وہ اس تباہی کے نزدیک ضرور پہنچ گئے تھے۔ ہیضے کی وبا جس کے اولین شکار سے گیارہ ہفتوں میں اس قدر اموات واقع ہوئی تھیں کہ جن کی نظیر یہاں کی تاریخ میں نہیں ملتی تھی۔ اس وقت تک طبقہ خاص کے مُردوں کو گرجا گھر میں لاٹ پادریوں اور مذہبی عمائدین کے قرب میں پختہ قبروں میں دفن کیا جاتا تھا، جب کہ نسبتاً کم امیر لوگوں کو راہباؤں کی خانقاہوں کے صحن میں دفن کیا جاتا۔ غریبوں کی میتوں کو نوآبادیاتی قبرستان میں بھیجا جاتا تھا، جو ایک پہاڑ پر واقع تھا جس پر تیز ہوائیں چلتی رہتی تھیں۔ ایک خشک نہر اس پہاڑ کو شہر سے جدا کرتی تھی جس کے گارے کے پُل پر کسی روشن ضمیر میئر کے حکم سے ایک دیو مالا کندہ کروائی گئی تھی۔ ہیضے کی وبا پھیلنے کے دو ہفتے بعد، قبرستان میں جگہ نہ رہی تھی، اور اس حقیقت کے باوجود کہ انھوں نے بہت سے بے نام سورماؤں کی گلی سڑی باقیات کو بستی کے گورستان بھیج دیا تھا، گرجاؤں تک میں بھی جگہ باقی نہ رہی تھی۔ بھدے طریقوں سے بند کیے ہوئے تہہ خانوں سے اٹھنے والے بخارات کی بنا پر کیتھڈرل کی ہوا بہت ہلکی ہو گئی تھی، اور اس کے دروازے اگلے تین برسوں کے بعد اس وقت کھلے، جب فرمینا دازا نے نصف شب کی عشائے ربانی سے جاتے ہوئے فلورنتینو آریزا کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ تیسرے ہفتے تک سینٹ کلیئر کانوینٹ کی خانقاہ کی پوپلر کے درختوں کے ساتھ بنی دیواروں تک ساری کی ساری بھر چکی تھی، اور یہ ضروری ہو گیا تھا کہ کمیونٹی کے باغ کو استعمال کیا جائے جو قبرستان کی نسبت دگنے رقبے پر مشتمل تھا۔ زمین کو کافی گہرا کھود کر قبریں بنائی گئیں، تاکہ مردوں کو بغیر تاخیر اور بغیر کفن کے تین تہوں میں دفن کیا جا سکے۔ مگر جلد ہی اس عمل کو روکنا پڑا، کیوں کہ لاشوں سے لبالب بھری زمین بہت نرم ہو چکی تھی، جس میں سے ہر قدم پر بیمار اور آلودہ خون رس رہا ہوتا۔ اس کے بعد شہر سے ایک فرلانگ سے کم فاصلے پر واقع دُستِ خدا' نامی ایک مویشی باڑے میں تدفین کے انتظامات کیے گئے۔ یہ جگہ بعد ازاں ''آفاقی قبرستان'' کے نام سے متبرک ٹھہری۔

اس وقت سے جب ہیضے کی وبا کا باقاعدہ اعلان کیا گیا، مقامی گیریژن دن رات، ہر پندرہ منٹ بعد ایک توپ داغتی۔ یہ عمل اس مقامی توہم کے مطابق تھا، جس کے تحت بارود سے آب و ہوا صاف ہوتی تھی۔ سیاہ فام آبادی جو تعداد میں زیادہ تھی اور غریب بھی، ہیضے کی ہلاکت آفرینی کا زیادہ شکار ہوئی۔ مگر درحقیقت اس وبا کو رنگ یا سماجی پس منظر کا قطعاً پاس نہیں تھا جس طرح اس کا اچانک آغاز

ہوا تھا' اسی طرح اس کا خاتمہ بھی ہو گیا اور اس کی غارت گری کا اندازہ کبھی بھی نہ لگایا جا سکا۔ اس لیے نہیں کہ اس کا تعین کرنا ممکن نہیں تھا' بلکہ اس لیے کہ ہماری یہ بہت معروف صفت ہے کہ ہم اپنی ذاتی بربادیوں کو اخفا میں رکھنا پسند کرتے ہیں۔

جووینل کا باپ ڈاکٹر مارکو اوریلیو اربینو' اس پرآشوب عرصے میں ایک سماجی نجات دہندہ اور اس کا سب سے قابل ذکر شکار بھی تھا۔ سرکاری احکامات کے تحت اس نے صحت عامہ کے لیے ذاتی طور پر منصوبہ بندی اور عمل درآمد کروایا' مگر اس نے اپنے تئیں ہر کام میں اس قدر زیادہ دخل دیا کہ طاعون کی وبا کے دوران میں کسی اور انتظامی ڈھانچے کا وجود تک نظر نہیں آتا تھا۔ برسوں بعد' ان دنوں کے جرائد کا مطالعہ کرتے ہوئے ڈاکٹر جووینل اربینو نے اس امر کی توثیق کی کہ اس کے باپ کا طریقہ کار سائنسی نہیں' فیاضانہ تھا اور بہت سارے پہلوؤں سے خلاف عقل تھا اور یوں اس نے طاعون کی ہلاکت آفرینی کو اور زیادہ بڑھاوا دیا۔ اس نے یہ توثیق ان بیٹوں میں پائے جانے والے جذبہ رحم کے ساتھ کی تھی جنھیں زندگی آہستہ آہستہ اپنے باپوں کے باپ بنا دیتی ہے' اور پہلی دفعہ سے احساس ہوا کہ وہ اس وقت اپنے باپ کے ساتھ کھڑا نہ ہو سکا جب وہ تنہا غلطیوں کا ارتکاب کر رہا تھا۔ مگر وہ اس کی خوبیوں سے انکاری نہیں تھا۔ اس کی ذکاوت اور ایثار پسندی' اور سب سے بڑھ کر اس کی ذاتی جراُت مندی' جس کی وجہ سے جب شہر اس تباہی سے باہر نکلا' اس کو بہت سے اعزازات سے نوازا گیا اور جائز طور پر اس کا شمار نسبتاً کم اہم جنگوں کے سورماؤں کے ساتھ کیا جانے لگا۔

اس کے باپ نے اپنی زندگی میں اپنے عروج کو دیکھ لیا تھا۔ جب اس نے اپنے اندر ناقابلِ علاج علامات کو پایا جو وہ دوسروں میں دیکھ چکا تھا اور ان پر رحم کھا چکا تھا' تو اس نے اس کے لاحاصل علاج کا تردد تک نہیں کیا' بلکہ دنیا سے خود کو علاحدہ کر لیا تاکہ وہ اس کے جراثیم کسی دوسرے کو منتقل نہ کر سکے۔ میزری کورڈیا ہسپتال کے ایک یوٹیلٹی روم میں مقید' اپنے ہم پیشہ افراد کی آوازوں اور اپنے خاندان کی التجاؤں پر کان دھرے بغیر' مریضوں سے کھچا کھچ بھرے برآمدوں کے فرش پر طاعون کے شکار مرتے ہوئے لوگوں سے پرے' اس نے اپنی بیوی اور بچوں کو ایک بےقرار محبت سے بھرا خط لکھا۔ اپنے وجود پر تشکر سے بھرا ایک خط جس میں اس نے یہ بتایا کہ اسے زندگی سے کس قدر اور کتنی پرجوش محبت تھی۔ جان کنی کے عالم میں لکھے بیس صفحات پر مشتمل یہ ایک الوداعیہ تھا' جس میں صفحات پر بگڑتی ہوئی تحریر سے بڑھتی ہوئی بیماری کی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا اور یہ جاننا اتنا اہم نہیں رہا تھا کہ لکھنے والے نے اپنے

دستخط اپنے آخری سانس کے وقت کیے تھے۔اس کی ہدایات کے مطابق'اس کے راکھ ہوئے جسم کوبستی کے قبرستان میں بہت سے دیگر مردوں کے ساتھ ملا دیا گیا اور یوں اپنے پیار کرنے والوں کو وہ پھر کبھی نظر نہ آیا۔

تین روز بعد' پیرس میں' اپنے دوستوں کے ساتھ رات کا کھانا کھاتے ہوئے ڈاکٹر جوونیل اربینو نے ایک ٹیلی گرام وصول کیا' اور شیمپین کے ساتھ اپنے باپ کی یاد میں جام تجویز کرتے ہوئے اس نے کہا'' وہ ایک اچھا انسان تھا۔'' بعدازاں اس نے خود پر ملامت کی کہ اس کے رویوں میں پختگی کا فقدان تھا۔اس نے حقیقت سے صرف اس لیے آنکھیں چرائی تھیں کہ گریہ نہ کرنا پڑے۔مگر تین ہفتوں بعد' جب اسے اس کے بعدازموت لکھے ہوئے خط کی نقل موصول ہوئی' تب اس نے سچ کے سامنے خودکو جھکا دیا۔یکایک اس کے ذہن میں اس شخص کا تصور پوری طرح روشن ہو گیا' جس کو وہ کسی بھی اور شخص کو جاننے سے پہلے جانتا تھا' جس نے اس کی پرورش کی اور تعلیم دلوائی' اور جو اس کی ماں کے ساتھ بتیس سال تک ہم بستری کرتا رہا تھا' اور جس نے اب تک اس خط سے پہلے محض اپنی بزدلی کی بنا پر، اپنی روح کی گہرائیوں سے اپنی سادہ اور کھری شخصیت کو عیاں نہیں کیا تھا۔اس وقت تک ڈاکٹر جوونیل اربینو اور اس کا خاندان موت کو ایک ایسی بدقسمتی سمجھتے تھے جو صرف دوسروں پر نازل ہوتی ہے۔دوسرے لوگوں کے باپ اور مائیں' دوسروں کے بھائی اور بہنیں' شوہر اور بیویاں موت سے ہم کنار ہوتے تھے' مگر ان کے نہیں۔یہ وہ لوگ تھے' جن کی زندگیاں بہت آہستہ تھیں' جو خود کو بوڑھا ہوتے' بیمار پڑتے یا مرتے نظر نہیں آتے تھے بلکہ وہ دھیرے دھیرے اپنے ہی وقت میں گم ہوتے' یادوں میں بدلتے' گئے دنوں کی دھند میں غرق ہوتے ہوئے فراموش ہو جاتے تھے۔اس کے باپ کے بعدازموت خط نے بری خبر والے ٹیلی گرام کی نسبت' ایک دم اسے موت کے جبر کے سامنے لا کھڑا کیا اور اپنی بہت پرانی یادوں میں' جب وہ نو برس کا تھا' یا شاید گیارہ برس کا' اس نے اپنے باپ میں موت کے ابتدائی آثار دیکھے تھے۔ایک مینہ برستی سہ پہر میں وہ دونوں اُس کے باپ کے گھر میں بنائے ہوئے دفتر میں موجود تھے۔وہ ٹائلوں والے فرش پر چاک سے چنڈول اور سورج مکھی کی تصویریں بنا رہا تھا' اور اس کا باپ کھڑکی سے آتی روشنی میں پڑھ رہا تھا۔اس کی صدری کے بٹن کھلے تھے اور اس کی قمیص کی آستینوں پر الاسٹک کے بازوبند بندھے ہوئے تھے۔اچانک اس نے پڑھنا بند کر دیا اور اپنی پشت کو ایک لمبے دستے والے پشت خار کے ساتھ' جس کے سرے پر ایک نقرئی ہاتھ بنا ہوا تھا' کھجانے لگا۔چوں کہ وہ اس مقام تک نہ پہنچ سکتا تھا' جہاں

خارش ہورہی تھی۔اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ وہ اپنے ناخنوں سے اس کی پشت کھجا دے،اور جب لڑکے نے ایسا کیا تو اسے اپنے جسم کے نامحسوس ہونے کا ایک عجیب احساس ہوا۔آخر کار اس کے باپ نے اپنے کندھوں پر سے ایک اداس مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

''اگر میں اب مرگیا۔''اس نے کہا:''تو میری عمر تک کو پہنچنے تک تم مجھے بمشکل یاد رکھ سکو گے۔''

اس کے ایسا کہنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی اور دفتر کے سرد سایوں میں موت کا فرشتہ ایک لمحے کے لیے منڈلاتا رہا اور پھر دوبارہ کھڑکی کے راستے باہر نکل گیا۔اس کے پیچھے بہت سے پر پھڑپھڑا رہے تھے،مگر لڑکے نے انھیں نہیں دیکھا۔اس وقت سے اب تک بیس برسوں سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا تھا اور بہت جلد جووینل اربینو بھی اس عمر کو پہنچ جائے گا جتنا اس سہ پہر اس کا باپ تھا۔وہ جانتا تھا کہ وہ اس سے مشابہہ تھا اور اس کا ادراک ہوتے ہی،یہ گمبھیر احساس بھی در آیا کہ وہ بھی ایک دن مرجائے گا۔

ہیضہ اس کے ذہن پر مسلط ہوگیا۔اس کو اس وقت سے زیادہ اس بارے میں علم نہیں تھا،جب اس نے کسی کم اہم کتاب میں اس کے بارے میں پڑھا تھا اور اس کے لیے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ ابھی تیس برس قبل ہی،ہیضہ،پیرس سمیت پورے فرانس میں ایک سو چالیس ہزار اموات کا باعث بنا تھا۔مگر اپنے باپ کی وفات کے بعد اس نے ہیضے کی مختلف اقسام کے بارے میں جاننے کی ہر ممکن کوشش کی،یوں جیسے وہ اپنے باپ کی یاد کو تسکین پہنچانے کے لیے کفارہ ادا کر رہا ہو اور اس نے اپنے وقت کے،مشہور وبائی امراض کے ماہر،ایک عظیم ناول نگار کے باپ پروفیسر آڈرن پروست سے تعلیم حاصل کی۔سو،جب وہ اپنے ملک واپس آیا اور ابھی جب وہ سمندر میں ہی تھا،تو اس نے مارکیٹ کی بدبو سونگھی،اور بدرووں میں چوہوں اور بچوں کو گلیوں کے جوہڑوں میں ننگ دھڑنگ پھرتے ہوئے دیکھا تو اس نے نہ صرف یہ جان لیا کہ یہ المیہ کس طرح رونما ہوا ہوگا بلکہ اسے اس امر کا بھی یقین ہوگیا کہ ایسا کسی بھی وقت دوبارہ بھی ہوسکتا ہے۔

اور یہ وقت زیادہ دور نہیں رہا تھا۔ایک سال سے بھی کم عرصے میں میزری کورڈیا ہسپتال میں اس کے طالب علموں نے ایک خیراتی مریض کا علاج کرنے میں اس کی مدد مانگی،جس کے پورے بدن پر ایک عجیب سی نیلاہٹ طاری تھی۔ڈاکٹر جووینل اربینو نے دروازے سے داخل ہوتے ہی اصل دشمن کو پہچان لیا۔مگر ان کی قسمت اچھی تھی۔مریض،کا اگاؤ سے ایک تیز رفتار جہاز پر تین روز قبل پہنچا تھا اور ہسپتال کے کلینک میں خود آیا تھا اور اس بات کا امکان بہت کم تھا کہ اس نے کسی اور کو بھی یہ جراثیم منتقل

کیے ہوں ۔ بہر صورت' ڈاکٹر جووینل اربینو نے اپنے ساتھیوں کو چوکس کر دیا اور انتظامیہ کے ذریعے ہمسایہ ساحلی شہروں کو خبر دار کر دیا' تا کہ وہ اس جہاز کو تلاش کر کے اسے قرنطینہ میں رکھ سکیں ۔ اسے شہر کے عسکری کمانڈر کو اس امر سے باز رکھنا پڑا' جس کی خواہش تھی کہ مارشل لا نافذ کر دیا جائے اور ہر پندرہ منٹ بعد توپ داغنے والی علاج معالجے کی حکمت عملی شروع کر دی جائے ۔

''بارود کو آزاد خیالوں کے لیے بچا کر رکھو۔' اس نے خوش طبعی سے کہا: ''ہم اب قرونِ وسطیٰ میں نہیں رہ رہے ۔''

سفید' دانے دار قے کے دوران میں دم گھٹنے پر' مریض کا چار دن میں انتقال ہو گیا' مگر اس کے بعد کے ہفتوں میں بہت زیادہ مستعد رہنے کے باوجود کوئی اور ایسا مریض نہیں ملا ۔ اس کے کچھ عرصے بعد' کمرشل ڈیلی نے یہ خبر شائع کی کہ شہر کے مختلف علاقوں میں دو بچے ہیضے سے مر گئے ۔ معلوم یہ ہوا کہ دونوں میں سے ایک کو عام پیچش کی بیماری تھی' مگر دوسری' ایک پانچ سالہ بچی کے بارے میں لگتا تھا کہ وہ ہیضے کا شکار ہوئی تھی ۔ اس کے والدین اور تین بھائیوں کو علاحدہ کر کے انفرادی قرنطینہ میں رکھ دیا گیا اور اس کے تمام ہمسایوں کا تفصیلی طبی معائنہ کرایا گیا ۔ ایک بچے کو ہیضہ ہوا مگر وہ جلد ہی صحت یاب ہو گیا اور خطرہ ٹلنے کے بعد سارا خاندان واپس آ گیا ۔ اگلے تین ماہ میں مزید گیارہ مریضوں کی خبر ملی اور پانچویں مہینے میں یہ وبا تشویشناک حد تک پھوٹ پڑی ۔ مگر سال کے آخر تک یہ سمجھ لیا گیا کہ وبا کا خطرہ ٹل گیا ۔ کسی کو اس بارے میں شبہ نہیں تھا کہ ڈاکٹر جووینل اربینوا کے صحیح' دوسرے فیصلوں سے زیادہ' اس کی صفائی کی مہم کی وجہ سے یہ معجزہ ممکن ہو سکا ہے ۔ اس وقت سے لے کر' اور اس صدی تک بھی' نہ صرف شہر میں بل کہ کریبئن ساحل کے ساتھ اور میگدالینا وادی میں بھی لوگ وقتاً فوقتاً ہیضے کا شکار ہوتے رہتے تھے مگر اس کے بعد یہ دوبارہ وبا کی صورت میں نہیں پھیلا ۔ اس بحران کے بعد ڈاکٹر جووینل اربینو کی کسی بھی تنبیہ پر شہر کے حکام سنجیدگی سے کان دھرنے لگے تھے ۔ انھوں نے میڈیکل سکول میں ہیضے اور زرد بخار کی ایک لازمی چیئر قائم کرنے کا اہتمام کیا اور بدروؤں کو فوری طور پر بند کرنے اور کوڑے کرکٹ کے انبار سے دور ایک مارکیٹ تعمیر کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا ۔ تاہم' اس وقت تک ڈاکٹر جووینل اربینو اپنی فتح کا ڈھنڈورا پیٹنے میں دلچسپی نہ رکھتا تھا اور نہ ہی وہ اپنے سماجی مقصد کو جاری رکھنے میں زیادہ دھیان دے رہا تھا' کیوں کہ اس لمحے وہ بھٹکتا ہوا اور منتشر انسان تھا اور زندگی میں ہر شے کو بھولنے پر تیار تھا ۔ وہ فرمینا دازا سے اپنی شدید محبت کی شعاعوں سے خود ہی گھائل ہو چکا تھا ۔

درحقیقت یہ ایک طبی غلطی کا نتیجہ تھی۔اس کے ایک ڈاکٹر دوست کا خیال تھا کہ اس نے ایک اٹھارہ سالہ مریضہ میں ہیضے کی علامات دیکھی ہیں اوراس نے ڈاکٹر جووینل اربینو سے اس کا معائنہ کرنے کو کہا۔اس پرانے شہر کی جائے امن میں وبا کے دوبارہ پھیلنے کے خدشے کے پیش نظر وہ اسی سہ پہرا سے دیکھنے گیا۔اس لیے کہ اب تک تمام مریضوں کا تعلق غریب علاقوں سے تھا اور تقریباً تمام کا تعلق سیاہ فام آبادی سے تھا۔اس کو کچھ دوسری کم ناخوشگوار حیرانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ایونجلز پارک میں' بادام کے درختوں میں گھرا یہ گھر باہر سے کھنڈر نظر آتا تھا' ویسے ہی جس طرح اس نوآبادیاتی علاقے کے دوسرے گھر تھے۔مگر اس کے اندر خوبصورتی کا ایک توازن موجود تھا اور ایک عجیب سی روشنی پھیلی ہوئی تھی' جیسے یہ کسی اور زمانے کا نور ہو۔دروازہ براہ راست ایک چوکور سویلین (ایک جنوبی مغربی ہسپانوی علاقہ) صحن میں کھلتا تھا' جس میں حال ہی میں چونے کی سفیدی کی گئی تھی۔یہاں مالٹوں کے شاداب درخت تھے اور فرش پر بھی ویسی ہی ٹائلیں تھیں جیسی کہ دیوار پر کہیں سے نظر نہ آنے والے بہتے پانی کی آواز آرہی تھی اور کارنسوں پر گلابی پھولوں سے سجے گلدان تھے اور محرابوں میں' پنجروں میں رکھے ہوئے کچھ ناشناسا پرندے تھے۔ان میں سب سے عجیب ایک بہت بڑے پنجرے میں رکھے تین کوے تھے' جو جس وقت پھڑ پھڑاتے' صحن میں ایک انوکھی سی مہک پھیل جاتی۔گھر میں کسی اور جگہ زنجیروں سے بندھے کتوں نے ایک اجنبی کی آمد سے غضب ناک ہو کر بھونکنا شروع کر دیا۔مگر ایک عورت کی آواز نے انھیں ایک دم بالکل خاموش کر دیا اور اس آواز میں موجود تحکم سے خوفزدہ ہو کر صحن میں ہر طرف سے بلیاں بھاگتی ہوئی آئیں اور پھولوں میں چھپ گئیں۔اس کے بعد ایسی شفاف خاموشی طاری ہوئی کہ پرندوں کی سرسراہٹ اور پتھر پر گرتے پانی کی آواز کے علاوہ سمندر کی برباد سانسیں بھی باآسانی سنی جا سکتی تھیں۔

خدا کی موجودگی کے احساس سے لرزتے ہوئے' ڈاکٹر جووینل اربینو نے سوچا کہ ایسے گھر میں وبا داخل نہیں ہو سکتی۔وہ محراب دار برآمدے میں گالا پلے سیڈیا کے پیچھے چلتا ہوا' سلائی کے کمرے کی اس کھڑکی کے قریب سے گزرا جہاں فلورنتینو آریزا نے پہلی بار فرمینا دازا کو اس وقت دیکھا تھا' جب صحن ابھی شکستہ حالت میں تھا۔پھر وہ نئے ماربل سے بنی سیڑھیوں سے ہوتا ہوا دوسری منزل تک آیا' اور اس امر کا انتظار کیا کہ مریض کی خواب گاہ میں داخل ہونے سے پہلے اس کی آمد کے بارے میں بتا دیا جائے۔لیکن گالا پلے سیڈیا یہ پیغام لے کر باہر آئی:

''سینوریٹا کا کہنا ہے کہ آپ اندر نہیں آسکتے کیوں کہ اس کے والد گھر پر نہیں ہیں۔''

چناں چہ وہ خادمہ کی ہدایات کے مطابق' سہ پہر پانچ بجے پھر لوٹ آیا اور اس بار لورنیز و دازا نے بذاتِ خود گلی کا دروازہ کھولا اور اسے اپنی بیٹی کی خواب گاہ تک لے آیا۔ وہاں وہ خود ایک تاریک کونے میں ہاتھ باندھے' اور اپنے منتشر سانسوں کو متوازن رکھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے موجود رہا۔ یہ جاننا مشکل تھا کہ ضبط کی زیادہ کوشش کون کر رہا تھا۔ ڈاکٹر اپنے پارسائی کے ساتھ یا ریشمی زیرِ جامے میں ملبوس مریضہ اپنی کنواری حیا کے ساتھ۔ مگر دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے سے نظریں نہیں ملائیں' بل کہ اس نے ایک رسمی آواز میں اس سے سوالات پوچھے اور اس نے کانپتی ہوئی آواز میں ان کے جواب دیے۔ دونوں تاریکی میں بیٹھے ہوئے شخص سے بہت محتاط تھے۔ بالآخر' ڈاکٹر جووینل نے مریضہ سے بیٹھ جانے کو کہا اور انتہائی نرمی اور احتیاط سے اس کا شب خوابی کا لباس کمر تک اتار دیا اس سے پہلے کہ وہ جلدی سے دونوں بازو لپیٹ کر اپنی چھاتیوں کو چھپا لیتی' بچوں جیسے پستانوں والی اس کی اٹھی ہوئی چھاتیاں خواب گاہ کے اندھیرے میں شعلے کی طرح چمک گئیں۔ پرسکون انداز میں ڈاکٹر نے اسے دیکھے بغیر اس کے بازو کھولے اور براہِ راست سٹیتھوسکوپ سے اس کا معائنہ کیا۔ اس کی جلد سے لگے اس آلے کی مدد سے پہلے اس کی چھاتیوں سے اور پھر اس کی پشت کو سنا۔

ڈاکٹر جووینل اربینو کہا کرتا تھا کہ جب وہ اس عورت سے' جس کے ساتھ اس نے مرتے دم تک رہنا تھا، ملا تو اس نے کوئی خاص جذبات محسوس نہیں کیے۔ اسے اس کا جھالروں والا' آسمانی نیلا زیرِ جامہ' بخار سے جلتی اس کی آنکھیں' اور اس کے کاندھے پر بکھرے دراز گیسو یاد تھے۔ مگر وہ نوآبادیاتی علاقے میں ہیضے کے پھوٹ پڑنے کے بارے میں اس قدر فکر مند تھا کہ اس نے اس کے مہکتے ہوئے شباب پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ صرف کسی ایسی موہوم ترین علامت کو ڈھونڈ رہا تھا جس سے وہ یہ جان سکے کہ مریضہ وبا کا شکار ہے یا نہیں۔ فرمینا دازا کا رویہ زیادہ قطعی تھا۔ اس نے ہیضے کی وبا کے حوالے سے اس نوجوان ڈاکٹر کے بارے میں اس قدر سنا تھا کہ وہ جانتی تھی کہ وہ ایسا خود پسند ہے کہ وہ اپنے علاوہ کسی سے محبت کر ہی نہیں سکتا۔ اس کی تشخیص کے مطابق اسے آنتوں کی آلودگی تھی جس کی وجہ آلودہ خوراک تھی' اور وہ گھر پر ہی تین روز کے علاج بعد ٹھیک ہو گئی۔ یہ ثبوت ملنے پر کہ اس کی بیٹی کو ہیضہ نہیں ہے' لورنیز و دازا نے سکھ کا سانس لیا اور ڈاکٹر جووینل اربینو کے ساتھ اس کی بگھی کے دروازے تک آیا۔ اس کی وہاں آمد پر اسے ایک طلائی پیسو دیا۔ یہ فیس ان دنوں اس قدر زیادہ تھی کہ امرا کے ڈاکٹروں کو بھی میسر نہیں تھی اور اس نے حد سے زیادہ تشکر کے اظہار کے ساتھ اسے خدا حافظ کہا۔ وہ ڈاکٹر کے خاندانی

ناموں کی شان وشوکت سے بہت زیادہ متاثر تھا اور اس نے اس بات کو نہ صرف یہ کہ بالکل نہیں چھپایا' بل کہ یہ کہ وہ نسبتاً بے تکلف ماحول میں اس سے دوبارہ ملنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔

یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ معاملہ ختم ہو گیا۔ مگر اگلے ہفتے منگل کے روز بن بلائے اور بغیر کسی پیشگی اطلاع کے' سہ پہر کے تین بجے کے غیر مناسب وقت پر' ڈاکٹر جوونیل اربینو وہاں دوبارہ پہنچ گیا۔ فرمینا دازا اس وقت سلائی کے کمرے میں اپنی دو سہیلیوں کے ہمراہ آئل پینٹنگ کے بارے میں ایک سبق لے رہی تھی، کہ وہ اپنے بے داغ سفید فراک کوٹ اور سفید اسطوانی ہیٹ میں اس کی کھڑکی پر نمودار ہوا اور اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ فرمینا دازا نے اپنی رنگوں کی تختی ایک کرسی پر رکھی اور پنجوں کے بل چلتی ہوئی کھڑکی تک آئی۔ اس نے اپنا سلوٹوں والا سکرٹ تھوڑا اٹھایا ہوا تھا تا کہ وہ فرش پر گھسٹتا نہ رہے۔ اس نے سر پر تاج سا پہنا ہوا تھا جس کا موتی اس کی پیشانی پر لٹک رہا تھا۔ اس چمک دار پتھر کا ویسا ہی بے تعلق رنگ تھا جیسا اس کی آنکھوں کا' اور اس کے انگ انگ سے ٹھہراؤ کا اظہار ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر اس بات سے حیران رہ گیا کہ وہ اپنے گھر میں پینٹنگ کے لیے ایسے ملبوس تھی جیسے وہ کسی پارٹی میں جانے والی ہو۔ اس نے کھلی کھڑکی سے اس کی نبض محسوس کی' اس کی زبان کا معائنہ کیا' ایلومینیم سے بنے زبان دبانے والے آلے سے اس کے حلق کا معائنہ کیا' اس کے نچلے پپوٹوں کو دیکھا اور ہر بار اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ پچھلی بار آمد کی نسبت زیادہ جرات کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ مگر وہ پہلے کی نسبت زیادہ پریشان تھی کیوں کہ وہ اس غیر متوقع آمد کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ ڈاکٹر نے خود کہا تھا اگر کوئی تبدیلی محسوس کرنے کی صورت میں وہ انھیں بلائیں تو ٹھیک' ورنہ وہ دوبارہ نہیں آئے گا اور اس سے بھی زیادہ اہم بات' وہ اس سے دوبارہ کبھی ملنا بھی نہ چاہتی تھی۔ معائنہ ختم کرنے کے بعد ڈاکٹر نے اپنے پہلے ہی آلات اور ادویات کی بوتلوں سے بھرے بیگ میں زبان دبانے والا آلہ رکھا اور ایک مناسب آواز کے ساتھ اسے بند کر دیا۔

''تم ایک تازہ کھلے ہوئے گلاب کی طرح ہو۔'' اس نے کہا۔

''شکریہ۔''

''شکر تو خدا کا کرنا چاہیے'' اس نے کہا اور سینٹ تھامس کا غلط حوالہ دیتے ہوئے کہا:

''یاد رکھو' جو چیز بھی اچھی ہے' اس کا ماخذ چاہے کچھ بھی ہو' مقدس روح کی طرف سے آتی ہے۔ تمھیں موسیقی پسند ہے؟''

''یہاں اس سوال کا کیا مطلب ہے'' اس نے سوال کیا۔

''موسیقی صحت کے لیے اہم ہے'' اس نے کہا۔

ڈاکٹر اس بات کو واقعتاً درست سمجھتا تھا' اور فرمینا کو بہت جلد ساری زندگی کے لیے یہ پتہ چلنے والا تھا' کہ موسیقی کا یہ تقریباً جادوئی فارمولا ڈاکٹر جووینل اربینو دوستی کے آغاز کے لیے استعمال کیا کرتا تھا۔ مگر اس وقت وہ اسے محض ایک مذاق سمجھی۔ اس کی دو سہیلیوں نے جو ڈاکٹر جووینل اور اس کے درمیان ہونے والی گفتگو کے دوران میں بظاہر رنگ بھرنے کی اداکاری کر رہی تھیں' اپنے چہرے رنگوں کی تختیوں کے پیچھے چھپا لیے اور دبی دبی ہنسی ہنسنے لگیں' اور اس بات پر فرمینا دازا خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ غصے سے بپھرے ہوئے' اس نے زور سے کھڑکی کو بند کر دیا۔ ڈاکٹر کو پریشانی میں صرف جھالردار پردے ہی نظر آئے۔ اس نے گلی میں کھلنے والا دروازہ تلاش کرنے کی کوشش کی مگر راستہ بھول گیا' اور اسی افراتفری میں اس نے خوشبودار کوؤں کے پنجرے کو کھٹکھٹا دیا۔ انھوں نے اپنی ملعون آواز میں چیختے ہوئے' خوف کے مارے اپنے پروں کو پھڑ پھڑایا' اور ڈاکٹر کے کپڑوں کو ایک نسوانی مہک سے لبریز کر دیا۔

لورینزو دازا کی گرج دار آواز نے اسے زمین پر ساکت کر دیا۔

''ڈاکٹر ۔۔۔۔ وہاں میرا انتظار کرو۔''

وہ بالائی منزل سے یہ سارا منظر دیکھ چکا تھا۔ غصے سے پھولا ہوا اور نیلا پڑتا ہوا' وہ قمیص کا بٹن بند کرتا سیڑھیوں سے نیچے اترا۔ ایک بے آرام قیلولہ کے بعد اس کے گل مچھوں کے کونے ابھی تک منتشر تھے۔ ڈاکٹر نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''میں نے آپ کی بیٹی کو بتایا تھا کہ وہ گلاب کی طرح ہے۔''

''کافی حد تک یہ بات درست ہے'' لورینزو دازا نے کہا۔ ''مگر ایسا گلاب جس کے ساتھ بہت سے کانٹے ہیں۔''

وہ ڈاکٹر اربینو سے سلام دعا کیے بغیر اس کے پاس سے گزرا۔ سلائی کے کمرے کی کھڑکی کھولی اور ایک درشت آواز میں اپنی بیٹی کو حکم دیا۔

''یہاں آؤ اور ڈاکٹر سے معافی مانگو۔''

ڈاکٹر نے مداخلت کر کے اسے ایسا کرنے سے منع کرنے کی کوشش کی' مگر اس نے اس کو کوئی توجہ نہیں دی۔ اس نے زور دے کر کہا۔ ''جلدی کرو' اس نے اپنی سہیلیوں کی طرف ہم خیالی کی آس لیے

نظروں سے دیکھا اور اپنے باپ سے کہا کہ ڈاکٹر سے معافی مانگنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیوں کہ اس نے صرف دھوپ سے بچنے کے لیے کھڑکی بند کی تھی۔ ڈاکٹر اربینو نے' خوش مزاجی سے کام لیتے ہوئے اس کی تائید کرنے کی کوشش کی' مگر لورنیز وداز امصر رہا کہ اس کا حکم مانا جائے۔ پھر فرمینا داز اغصے سے زرد پڑتے ہوئے کھڑکی کی جانب مڑی اور اپنے سکرٹ کو انگلیوں کی پوروں سے ہلکا سا اٹھائے' اپنا دایاں قدم آگے بڑھا کر ڈاکٹر کو تماشا کرنے کے سے انداز تعظیم دی۔

''میں دل کی گہرائیوں سے آپ سے معافی کی خواستگار ہوں۔''اس نے کہا۔

ڈاکٹر جووینل اربینو نے زندہ دلی سے کام لیتے ہوئے اسی کے انداز میں اپنا اسطوانی ہیٹ جھلاتے ہوئے بانکپن سے اسے دیکھا' مگر اس کو جواباً وہ ہمدردمسکراہٹ نہ ملی جس کی وہ توقع کر رہا تھا۔ پھر لورنیز وداز انے اسے اپنے دفتر میں کافی کا ایک کپ پینے کی دعوت دی تا کہ معاملہ سدھر سکے' اور اس نے خوشی سے اس کی دعوت قبول کر لی تا کہ اس بات میں کوئی شک نہ رہ جائے کہ اس کے دل میں ناراضی کا شائبہ تک نہیں رہا۔

حقیقت یہ تھی کہ صبح کے واحد اولین پیالے کے سوا' ڈاکٹر جووینل اربینو کافی نہیں پیتا تھا۔ وہ سوائے خاص تقاریب میں

وائن کے ایک گلاس کے علاوہ الکحل بھی نہیں پیتا تھا۔ مگر اس نے نہ صرف لورنیز وداز اکی پیش کی ہوئی کافی کو پیا بلکہ سونف کی شراب کا ایک گلاس بھی اس کی دعوت پر پی ڈالا پھر وہ ایک کے بعد دوسری اور پھر تیسری بار بھی کافی کے ساتھ سونف کی شراب پیتا گیا۔ حالاں کہ ابھی اس نے کچھ اور مریضوں کو دیکھنے بھی جانا تھا۔ پہلے پہل وہ لورنیز وداز اکی اپنی بیٹی کے لیے مسلسل عذر خواہی کو توجہ سے سنتا رہا' جسے وہ ایک ذہین اور سنجیدہ لڑکی گردانتا تھا۔ وہ کسی شہزادے کے لائق تھی' چاہے وہ یہیں کا ہو یا کہیں اور سے آئے۔ اس کے مطابق اس کا واحد نقص' اس کا اڑیل پن تھا۔ لیکن سونف کی شراب کے دوسرے گلاس کے بعد ڈاکٹر کو لگا جیسے وہ صحن کے دوسرے کنارے پر فرمینا داز اکی آواز سن رہا تھا اور اپنے تخیل میں وہ اس کی طرف جانے لگا' اس رات میں جو ابھی اتری تھی' جب اس نے برآمدوں میں روشنیاں جلائی تھیں' اس تک پہنچنے لگا' جہاں وہ کیڑے مار پمپ سے بخارات خواب گاہوں میں چھڑک رہی تھی' سٹوو سے سوپ کے برتن سے ڈھکنا اٹھا رہی تھی جو اس شب اس نے اپنے باپ کے ساتھ پینا تھا' دونوں میز پر اکیلے بیٹھے ہوئے تھے' وہ اپنی نظریں نہیں اٹھا رہی تھی۔ سوپ کو چکھ تک نہیں رہی تھی۔

عداوت ابھی دور نہیں ہوئی تھی ۔حتیٰ کہ وہ مجبور ہو گیا کہ اس سہ پہر اس سے اپنی درشتگی پر معافی کا خواستگار ہو ۔

ڈاکٹر اربینو عورتوں کے بارے میں اتنا علم تو رکھتا ہی تھا جو اسے یہ احساس دلا دے کہ جب تک وہ وہاں بیٹھا ہے فرمینا دازا وہاں سے نہیں گزرے گی ۔مگر اس کے باوجود وہ وہاں بیٹھا رہا' کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اس سہ پہر اس ذلت کے بعد اس کی مجروح انا اسے چین نہیں لینے دے گی ۔لورنیز و دازا جو اس وقت تک اپنے ہوش سے غافل ہو چکا تھا' اس کی عدم توجہی کی پرواہ نہیں کر رہا تھا' بل کہ وہ اپنی منہ زور خطابت میں مست نظر آ رہا تھا۔وہ اپنے ان جلے سگار کے گل کو منہ میں چباتے ہوئے' زور زور سے کھانس کر اپنا گلا صاف کرنے کی کوشش کرتے ہوئے' پوری رفتار سے بولے جا رہا تھا۔وہ گھومنے والی کرسی میں بمشکل کسی آرام دہ حالت میں بیٹھنے کی بھرپور تگ ودو کیے جا رہا تھا۔کرسی کے سپرنگ سے آوازیں یوں نکل رہی تھیں جیسے کوئی جانور اپنی شہوت بھری مستی میں کراہ رہا ہو ۔اس نے اپنے مہمان کی نسبت تین گنا زیادہ سونف کی شراب پی تھی' اور اس نے صرف اسی وقت وقفہ کیا جب اسے احساس ہوا کہ اب وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ نہیں پا رہے تھے ۔وہ لیمپ جلانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ڈاکٹر جووینل اربینو نے اس نئی روشنی میں اسے دیکھا' اس نے دیکھا کہ اس کی ایک آنکھ مچھلی کی آنکھ کی طرح خم کھا گئی تھی اور اس کے الفاظ اس کے ہونٹوں کی حرکت کے مطابق نہیں رہے تھے اور اس نے سوچا کہ یہ بصری واہمے تھے جو الکحل کے زیادہ استعمال کی وجہ سے اس میں پیدا ہو رہے تھے۔پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا' اس تخیل آمیز احساس کے ساتھ کہ وہ ایک ایسے جسم میں تھا جو اس کا نہیں تھا بل کہ اس کا تعلق اس شخص سے تھا' جو ابھی تک اس کرسی پر تھا' جس پر وہ پہلے بیٹھا ہوا تھا اور اسے بڑی کوشش کرنا پڑی کہ اس کے حواس برقرار رہ سکیں ۔

جب وہ دفتر کے لیے روانہ ہوا تو اس وقت سات بج چکے تھے ۔لورنیز و دازا اس کے آگے تھا۔یہ پورے چاند کی رات تھی ۔صحن سونف کی شراب کے تخیل میں بسا' کسی ماہی خانے کی تہہ میں تیرتا ہوا لگ رہا تھا اور کپڑوں سے ڈھکے پنجرے' ایسے لگ رہے تھے جیسے نئے نارنجی شگوفوں تلے ارواح محوِ خواب ہوں ۔سلائی کے کمرے کی کھڑکی کھلی تھی ۔کام کرنے کے لیے میز پر لیمپ روشن تھا اور نامکمل تصویریں اپنے ایزل پر یوں چڑھی ہوئی تھیں جیسے نمائش کے لیے رکھی گئی ہوں ۔''تو یہاں نہیں' تو کہاں ہے ۔'' ڈاکٹر اربینو نے وہاں سے گزرتے ہوئے پکارا ۔مگر فرمینا دازا نے اسے نہیں سنا ۔وہ اسے سن بھی نہ سکتی

تھی۔کیوں کہ اس سے وہ اپنی خواب گاہ میں شدید غصے سے کراہ رہی تھی۔وہ بستر میں اوندھے منہ لیٹی تھی اور اپنے باپ کا انتظار کر رہی تھی تاکہ وہ اس سے،اس سہ پہر اپنی تذلیل کا بدلہ لے سکے۔ڈاکٹر اسے الوداع کہنے کی حسرت سے ابھی دستبردار نہیں ہوا تھا مگر لورینز وداز انے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔وہ اس کی نبض کی معصومیت' بلی کی طرح کی اس کی زبان' اس کے گلے کے نرم غدودوں کے لیے مچل رہ تھا مگر وہ اس خیال سے دل شکستہ تھا کہ اب وہ کبھی اس سے ملنا نہ چاہے گی اور اسے دوبارہ ملنے کی کوشش کرنے کی اجازت بھی نہیں دے گی۔جب لورینز وداز ا اندرونی راہداری کی طرف بڑھا تو اپنے کپڑوں کے نیچے بیدار زاغ نے ایک ماتمی چیخ بلند کی۔"وہ تمہاری آنکھوں پر ٹھونگیں ماریں گے۔" ڈاکٹر نے اس کے بارے میں سوچتے ہوئے بلند آواز میں کہا اور لورینز وداز انے مڑ کر اس سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا تھا۔

"یہ میں نہیں تھا۔" اس نے کہا۔"یہ سونف کی شراب تھی۔"

لورینز وداز ااس کی بگھی تک اس کے ہمراہ آیا۔وہ اس سے اصرار کرتا رہا کہ وہ اپنی دوسری بار آمد پر ایک طلائی پیسو قبول کر لے' مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔اس نے کوچوان کو صحیح صحیح ہدایات دیں کہ وہ اسے ان دو مریضوں کے ہاں لے جائے جنھیں اس نے ابھی دیکھنا تھا اور بگھی پر بغیر کسی مدد کے سوار ہو گیا۔مگر جوں ہی گھوڑوں نے گول پتھروں والی سڑک پر اچھلنا شروع کیا تو وہ بیزار ہو گیا' چناں چہ اس نے کوچوان کو کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے کو کہا۔اس نے ایک لمحے کے لیے خود کو بگھی میں لگے آئینے میں دیکھا اور اس نے دیکھا کہ اس کی شبیہہ بھی اب تک فرمینا داز ا کے بارے ہی سوچ رہی تھی۔اس نے اپنے کندھے اچکائے۔پھر اس نے ایک ڈکار لی' اس کا سر اس کے سینے کی طرف ڈھلک گیا اور وہ سو گیا اور اپنے خواب میں اسے جنازوں کی گھنٹیاں سنائی دینے لگیں۔پہلے اس نے کیتھڈرل کی گھنٹیاں سنیں' پھر اس نے یکے بعد دیگرے مہربان سینٹ جولیس سمیت" تمام گرجاؤں کی گھنٹیاں سنیں۔

"خانہ خراب۔" وہ نیند میں بڑبڑایا۔"مردے تو مر چکے ہیں۔"

اس کی ماں اور بہنیں بڑے سے ڈائننگ روم میں بیٹھے' شام کے کھانے کے لیے میز کے گرد بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے کہ انھوں نے اسے دروازے میں آتے دیکھا۔اس کا منہ لٹکا ہوا تھا اور اس کا سارا وجود کوؤں کی رنڈیوں جیسی بو میں بسا' ذلت کا نمونہ نظر آ رہا تھا۔گھر کی بے پناہ خالی وسعت میں ملحقہ کیتھڈرل کی سب سے بڑی گھنٹی کی آواز گونجی۔اس کی ماں نے گھبرا کر اس سے پوچھا کہ وہ آخر کہاں سے ہو کر آیا ہے۔کیوں کہ اسے ہر جگہ ڈھونڈا گیا تھا تاکہ وہ مارکوئیز ڈی جاریا زڈی لاویرا کے آخری

پو۔تے جنرل اگیسو ماریا کو دیکھ سکے جس کے دماغ کی شریان پھٹ گئی تھی اس سہ پہر یہ گھنٹیاں اسی کے لیے بج رہی تھیں ۔ڈاکٹر جووینل اربینو دروازے کا فریم تھامے بغیر کچھ سنے بظاہر اپنی ماں کی طرف متوجہ رہا۔پھر وہ اپنی خواب گاہ کا راستہ ڈھونڈنے کی کوشش میں تھوڑا سا مڑا' مگر وہ دھڑام سے منہ کے بل زمین پر گرا اور اس کے منہ سے سونف کی شراب سے لتھڑی قے کا فوارہ چھوٹ گیا۔

''خدایا!'' اس کی ماں چلائی ۔''آج ضرور کوئی عجیب واقعہ ہوا ہے کہ تم اپنے ہی گھر میں اس حالت میں آئے ہو۔''

تاہم' وہ عجیب بات' اب تک رونما نہیں ہوئی تھی ۔مشہور پیانو نواز رومیولوشی' کی جس نے شہر میں جنرل اگیسو ماریا کی وفات کے سوگ کے ختم ہونے کے بعد' موزارٹ کے تمام سائیٹ بجائے تھے' کی آمد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈاکٹر جووینل اربینو نے میوزک سکول سے پیانو لے کر اسے خچروں سے کھینچی جانے والی ویگن میں رکھا اور فرمینا دازا کے گھر کے سامنے اس کے لیے ایک تاریخ ساز سیرینا دکا اہتمام کیا۔وہ اس کی ابتدائی دھن ہی سے بیدار ہو گئی اور اسے بالکونی کی جالی سے اس سمع خراشی کو دیکھنے کے لیے بھی نہ آنا پڑا کہ اس غیر معمولی خراج کا اہتمام کس نے کیا ہے ۔اس کو صرف اس بات کا افسوس تھا کہ اس میں دوسری پریشان کی جانے والی دوشیزاؤں جتنی جرات نہ تھی' جو ان ناپسندیدہ شادی کے امیدواروں کے سروں پر اپنے پیشاب کے برتن الٹا دیتی تھیں ۔دوسری جانب سیرینا د بجائے جانے کے دوران میں لورنیز و دازا نے بغیر کسی تاخیر کے لباس بدلنا شروع کیا' اور جب یہ ختم ہوا تو اس کے ساتھ ڈاکٹر جووینل اربینو اور ابھی تک کنسرٹ کے رسمی لباس میں ملبوس پیانو نواز تھے' جو دیوان خانے میں اس کے ہمراہ آئے' جہاں اس نے سیرینا د کے لیے ان کا شکریہ ادا کیا اور عمدہ برانڈی کے ایک گلاس سے ان کی تواضع کی۔

فرمینا دازا نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ اس کا باپ ،اس کے دل میں نرم گوشہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔سیرینا د کے واقعے سے اگلے روز اس نے بالکل عام سے لہجے میں اس سے کہا:''ذرا تصور کرو۔تمھاری ماں کیسا محسوس کرتیں اگر اسے پتہ چلتا کہ ایک اربینو ڈی لا کالے تمھارا خواستگار ہے۔'' اس نے خشک لہجے میں جواب دیا۔''وہ اپنی قبر میں ہی سمٹ جاتی ۔'' اس کی سہیلیوں نے جو اس کے ساتھ مصوری کرتی تھیں' اسے بتایا کہ اس کے باپ کو ڈاکٹر جووینل اربینو نے سوشل کلب میں دوپہر کے کھانے پر بلایا ہے' جسے کلب کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر سخت ملامت کی گئی تھی، اور یہیں اس پر

یہ انکشاف ہوا کہ اس کے باپ نے سوشل کلب کی رکنیت حاصل کرنے کے لیے کئی مواقع پر درخواست دی تھی اور ہر بار اس کی درخواست اس قدر زیادہ مخالفانہ ووٹوں کے ساتھ مسترد کی جاتی رہی تھی کہ اب کوئی دوسری کوشش ممکن نہ رہی تھی مگر لورینز و دازا میں بے پناہ ذلت برداشت کرنے کا مادہ موجود تھا اور اس نے اپنی بے تکلفانہ حکمت عملی سے بارہا ایسے مواقع پیدا کیے کہ اس کی ڈاکٹر جووینل اربینو سے اتفاقیہ ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اسے اس بات کا احساس نہیں تھا کہ یہ جووینل اربینو ہی تھا جس نے غیر معمولی طور پر خود ان اتفاقی ملاقاتوں کے لیے اہتمام کیے۔ بعض اوقات وہ اس کے دفتر میں بیٹھے گھنٹوں باتیں کرتے رہتے اور یوں لگتا جیسے سارا گھر وقت کے کنارے پر معلق ہو گیا ہے۔ کیوں کہ جب تک وہ چلا نہ جاتا فرمینا دازا گھر میں کوئی کام معمول کے مطابق نہ ہونے دیتی۔ کلیسائی کیفے ایک اچھی درمیانی جائے پناہ تھی۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں لورینز و دازا نے جووینل اربینو کو شطرنج کے ابتدائی گر سکھائے اور وہ اس قدر اچھا اور محنتی شاگرد ثابت ہوا کہ شطرنج اس کے لیے ایک ناقابل علاج نشہ بن گئی اور موت کے دن تک وہ اس عذاب سے پیچھا نہ چھڑا سکا۔

ایک رات تنہا' پیانو پر سیرینا د بجائے جانے کے بعد' لورینز و دازا نے اپنے گھر کی ڈیوڑھی میں ایک سربمہر لفافے میں ملفوف خط پڑا ہوا پایا۔ یہ خط اس کی بیٹی کے نام تھا اور اس کی مہر پر ''جے۔ یو۔ سی'' کا مونوگرام چھپا ہوا تھا۔ فرمینا دازا کی خواب گاہ کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے یہ خط اس کے دروازے کے نیچے سے کھسکا دیا۔ اسے کبھی یہ پتہ نہ چلا کہ یہ خط وہاں کیسے پہنچ گیا۔ کیوں کہ اس کے لیے یہ تصور کرنا ناممکن تھا کہ اس کا باپ اس قدر بدل گیا ہے کہ اس کے ایک خواستگار کا خط خود وہاں پہنچا دے گا۔ اس نے اسے نائٹ ٹیبل پر رکھ دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس کے ساتھ کیا کرے اور یہاں وہ کئی دنوں تک بن کھلا پڑا رہا۔ یہاں تک کہ ایک بارش میں بھیگتی سہ پہر کو فرمینا دازا نے خواب میں دیکھا کہ جووینل اربینو گھر لوٹ آیا ہے' تاکہ اسے وہ زبان دبانے والا آلہ دے سکے جس سے اس نے اس کے گلے کا معائنہ کیا تھا۔ خواب میں یہ آلہ ایلومینیم سے بنا ہوا نہیں تھا مگر یہ ایک ایسی نفیس دھات سے بنا ہوا تھا جس کو وہ اپنے دوسرے خوابوں میں ایک لطف کے ساتھ چکھ چکی تھی۔ اس نے اس کے دو غیر مساوی ٹکڑے کر دیے اور چھوٹا حصہ ڈاکٹر کو دے دیا۔

جب وہ بیدار ہوئی تو اس نے خط کھولا' یہ عمدگی سے تحریر کیا ایک مختصر سا خط تھا اور جووینل اربینو نے صرف یہ چاہا تھا کہ وہ اس کے باپ سے اس کو ملنے کی درخواست کرنے کی اجازت دے دے۔ وہ

اس کی سادگی اور سنجیدگی سے بہت متاثر ہوئی اور وہ تمام غصہ جس کی اتنے دنوں سے اس نے پرورش کی تھی اسی وقت غائب ہو گیا۔ اس نے وہ خط اپنے ٹرنک کی تہہ میں رکھ دیا' مگر اسے یاد آیا کہ اس نے فلورنتینو آریزا کے خوشبو میں مہکتے خط بھی وہیں رکھے تھے۔ شرم کی ایک لہر سے لرزتے ہوئے اس نے وہ خط وہاں سے نکال لیا تاکہ وہ اسے کسی اور جگہ رکھ سکے۔ پھر اسے لگا جیسے سب سے مہذب ردعمل یہ ہے کہ جیسے یہ خط اسے ملا ہی نہیں اور اس نے اسے لیمپ کے شعلے میں جلا دیا اور دیکھتی رہی کہ کس طرح شعلے کے اوپر موم کے قطرے نیلے بلبلوں کی صورت میں بھڑکتے رہے۔ "بے چارہ!" اس نے آہ بھری۔ اور تب اسے احساس ہوا کہ اس نے ایک سال سے ذرا ہی زیادہ عرصے میں دوسری بار یہ الفاظ کہے ہیں، اور ایک لمحے کے لیے اس نے فلورنتینو آریزا کے بارے میں سوچا' مگر اس سے بھی زیادہ حیرانی اسے اس بات پر ہوئی وہ اس کی زندگی سے کس قدر دور رہ گیا تھا بے چارہ۔

اکتوبر کی آخری بارشوں میں تین مزید خط موصول ہوئے۔ ان میں سے پہلے کے ساتھ بنفشی اگربتیوں کی ایک چھوٹی سی ڈبیا بھی تھی۔ ان میں سے دو خطوں کو ڈاکٹر جووینل اربینو کے کوچوان نے ڈیوڑھی میں پھینکا تھا اور ڈاکٹر نے بگھی کی چلمن سے گالا پلیسڈیا کو سلام کیا تھا۔ تاکہ' پہلے تو یہ کہ اس بات میں کوئی شک نہ رہے کہ یہ خطوط اس کے تھے اور دوسرے یہ کہ کوئی اسے یہ نہ کہہ سکے کہ یہ خطوط موصول نہیں ہوئے۔ مزید یہ کہ دونوں خطوط پر لاکھ سے اس کے مونوگرام کی مہر لگائی گئی تھی اور یہ اسی پراسرار خط شکستہ میں لکھے گئے تھے جس کو فرمینا دازا پہلے ہی ایک ڈاکٹر کی تحریر کے طور پر پہچانتی تھی۔ دونوں میں وہی مدعا دہرایا گیا تھا جو پہلے خط میں تھا اور یہ اسی عاجزانہ جذبے کے ساتھ لکھے گئے تھے۔ مگر اس خوش اسلوبی کی تہہ میں وہ بے قراری محسوس کی جا سکتی تھی، جو فلورنتینو آریزا کے جز رس خطوط میں کبھی نمایاں نہ ہوئی تھی۔ ان خطوط کے وہاں پہنچتے ہی فرمینا دازا نے انھیں پڑھا' دو ہفتے گزر گئے اور بغیر یہ جانے کہ ایسا کیوں ہوا' اس نے انھیں آگ کے سپرد کرنے کا ارادہ تبدیل کر دیا، مگر اس نے ان کا جواب دینے کے بارے میں سوچا تک نہیں۔

اکتوبر کے مہینے میں تیسرا خط گلی کے دروازے کے نیچے سے سرکایا گیا تھا' اور یہ ہر لحاظ سے گذشتہ خطوط سے مختلف تھا۔ خطِ تحریر اس قدر رنچگانہ تھا کہ اس بات میں کوئی شک نہیں رہا کہ اسے بائیں ہاتھ سے گھسیٹا گیا ہے' مگر فرمینا دازا کو خط کا متن پڑھنے کے بعد ہی اندازہ ہو سکا کہ یہ کس قدر زہرناک قلم کا نتیجہ ہے۔ جس کسی نے بھی یہ خط لکھا تھا' اس نے یہ فرض کر لیا تھا کہ فرمینا دازا نے اپنے عشق کی

بازی گری سے ڈاکٹر جووینل اربینو کو مسحور کر دیا ہے۔ اور اس مفروضے کے نتیجے میں خط کے مصنف نے بہت سے مہلک نتائج اخذ کیے ہوئے تھے۔ یہ خط ایک دھمکی کے ساتھ ختم ہوا تھا کہ اگر فرمینا ڈازا نے شہر کے سب سے محبوب شخص کے وسیلے سے سماجی ترقی کا زینہ طے کرنے کی کوششوں کو ترک نہیں کیا تو اسے سرِعام رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس نے محسوس کیا کہ اسے ایک شدید ناانصافی کا شکار بنایا گیا ہے، تاہم اس کا ردعمل منطقی نہیں تھا، بل کہ اس کے برعکس: وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح وہ اس گمنام خط کے خالق کا پتہ چلا لے، اور تمام تر مناسب وضاحتوں کے ساتھ اس کو قائل کر لے کہ اس کے اخذ کردہ نتائج غلطی پر مبنی تھے۔ اس لیے کہ اسے یقین تھا کہ کبھی بھی، کسی بھی صورت میں، وہ ڈاکٹر جووینل اربینو کی خواستگاری کو قبول نہیں کرے گی۔ آئندہ دنوں میں اسے پہلے مخالفانہ خط کی طرح کے مزید دو خط موصول ہوئے، جن پر دستخط نہیں کیے گئے تھے، مگر ایسا لگتا تھا کہ یہ تینوں خط مختلف افراد نے تحریر کیے ہیں۔ یا تو اسے کسی جال میں پھنسایا جا رہا تھا، یا اس کی خفیہ محبت کی غلط توجیہہ، نا قابلِ تصور حد تک لوگوں میں عام ہو گئی تھی۔ وہ اس خیال سے پریشان ہو گئی کہ یہ سب ڈاکٹر جووینل اربینو کی بے احتیاط حرکتوں کا نتیجہ ہے۔ اسے لگا کہ وہ اپنے بظاہر پروقار سراپے سے مختلف انسان ہے، اور وہ اپنے طبقے کے بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی تصوراتی فتوحات کی شیخیاں بگھارتا ہو گا اور جب وہ مریضوں کو دیکھنے جاتا ہے تو بہت زیادہ باتیں کرتا ہو گا۔ اس نے سوچا کہ وہ اپنی عزت کو خاک میں ملانے پر اسے لعن طعن کا ایک خط لکھے، مگر پھر یہ سوچ کر کہ وہ یہی چاہتا ہو گا کہ وہ اسے خط لکھے، اس نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ اس نے سلائی کے کمرے میں اپنی تصویریں بنانے والی سہیلیوں سے کچھ جاننے کی کوشش کی، مگر انھوں نے پیانو پر تنہا سیرینا دبجائے جانے پر ہی کچھ بے ضرر سے تبصرے کیے۔ اس نے خود کو بے بس، بے عزت اور شدید طیش کے عالم میں محسوس کیا۔ اپنے اولین احساسات کے برعکس، جس میں اس نے اپنے نظر نہ آنے والے دشمن سے مل کر اسے اس کی غلطی کا احساس دلانے کا سوچا تھا، اب وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ وہ ایک قینچی سے کاٹ کاٹ کر اس کو دھجیوں میں تبدیل کر دے۔ وہ اپنی بے خواب راتوں میں گمنام خط کی تفصیلات اور اس کے فقروں کا تجزیہ کرتی رہی، مگر یہ ایک رائیگاں امید تھی: فرمینا ڈازا فطرتاً اربینو ڈی لا کالے خاندان کی اندرونی دنیا کے بارے میں اجنبی تھی، اور وہ ان کے اوچھے اقدامات سے خود کا دفاع کرنے پر قادر تھی، مگر ان کے بدنیت منصوبے سے نہیں۔

اس خوف کے بعد یہ احساس مزید تلخ ہوگیا' جو سیاہ گڑیا کے بھیجے جانے کی وجہ سے اس میں پیدا ہوگیا تھا۔ اس گڑیا کے ساتھ کوئی خط نہیں آیا تھا' مگر اس کے ماخذ کے بارے میں تصور کرنا مشکل نہیں تھا: صرف ڈاکٹر جووینل اربینو ہی اسے بھیج سکتا تھا۔ اس کو شاندار لباس پہنایا گیا تھا۔ اس کے بالوں میں سنہرے لہریے تھے' اور جب اسے لٹایا جاتا تو اس کی آنکھیں بند ہو جاتیں۔ فرمینا دازا کو یہ اس قدر دلکش لگی کہ اس نے اپنے واہموں پر قابو پالیا اور دن کے دوران میں اسے اپنے تکیے پر لٹانے لگی اور رات کو اسے اپنے ساتھ سلانے کی عادت اپنا لی۔ تاہم' کچھ عرصے بعد' جب وہ ایک پریشان کن خواب سے بیدار ہوئی تو اس نے دیکھا کہ گڑیا بڑی ہو رہی ہے۔ جس شاندار لباس میں ملبوس وہ وہاں آئی تھی' وہ چھوٹا ہو کر اس کی رانوں سے اوپر تک آ گیا تھا اور اس کے جوتے اس کے پاؤں کے دباؤ سے پھٹ چکے تھے۔ فرمینا دازا نے افریقی منتروں کے بارے میں سن رکھا تھا' مگر کوئی بھی اس قدر دہشت انگیز نہیں تھا۔ دوسری جانب' وہ یہ تصور نہیں کر سکتی تھی کہ جووینل اربینو جیسا شخص ایسی بدتہذیبی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ وہ صحیح تھی: گڑیا کو اس کا کوچوان نہیں بلکہ ایک جھینگے بیچنے والا آوارہ گرد لایا تھا جسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ اس معمے کو حل کرنے کا جتن کرتے ہوئے' ایک لمحے کے لیے فرمینا دازا کو فلورنتینو آریزا کا خیال آیا' جس کی خستہ حال کیفیت نے اس میں مایوسی بھر دی تھی' مگر جلد ہی اسے اپنی غلطی کا ادراک ہو گیا۔ یہ راز کبھی حل نہیں ہوا' اور بہت عرصے تک جب اس کی شادی ہو چکی تھی اور اس کے بچے تھے اور وہ خود کو مقدر کی محبوبہ اور دنیا کی سب سے زیادہ خوش قسمت عورت سمجھتی تھی' وہ اس کا خیال آتے ہی خوف سے لرز اٹھتی تھی۔

ڈاکٹر اربینو نے آخری سہارے کے طور پر سسٹر فرانکا ڈی لالز کو پیامبر بنانے کا فیصلہ کیا۔ سسٹر فرانکا مقدس مریم کی اکادمی کی نگران تھی جو ایسے خاندان کے فرد کی درخواست رد نہ کر سکتی تھی جس نے اس کی قوم کو امریکہ میں قدم جمانے کے لیے آغاز سے ہی مدد کی تھی۔ ایک صبح وہ نو بجے ایک مبتدی راہبہ کی معیت میں ان کے گھر وارد ہوئی۔ آدھے گھنٹے تک دونوں ملاقاتیوں کو پنجروں میں بند پرندوں سے دل بہلانا پڑا' جب کہ اس دوران میں فرمینا دازا نے اپنا غسل ختم کیا۔ وہ ایک گٹھے ہوئے جسم کی جرمن عورت تھی جس کے آہنی لہجے اور نخوت بھری نگاہوں کا اس کے چھچھورے جذبات سے کوئی میل نہیں تھا۔ فرمینا دازا کو دنیا میں سب سے زیادہ اس سے' اور اس سے متعلق کسی بھی چیز سے نفرت تھی' اور محض اس کے جھوٹے تقدس کی یاد سے اس کے پیٹ میں سانپ سے دوڑنے لگے۔ غسل خانے کے دروازے سے اس پر نظر پڑتا ہی اس کے لیے سکول کے صدمات' عشائے ربانی کی ناقابل برداشت بوریت'

امتحانوں کی دہشت' مبتدی راہباؤں کی غلامانہ سرگرمیاں اور جاں فشانی یاد کرانے کے لیے کافی تھا۔ وہ ساری زندگی جو روحانی فرومائیگی کے تخروطی منشور نے برباد کردی۔اس کے برعکس سسٹر فرانکا ڈی لائز اس سے ایسی مسرت کے ساتھ ملی جو پرخلوص دکھائی دیتی تھی ۔وہ حیران تھی کہ وہ کس قدر بڑی اور سمجھ دار ہو چکی ہے اور اس نے اس کی خوش سلیقگی کی تعریف کی جس سے کام لے کر اس نے گھر کا اتنا اچھا انتظام کیا ہوا تھا۔اس کا نفیس ذوق صحن کی ترتیب سے جھلک رہا تھا۔انگیا جو کھلتی ہوئی نارنجیوں سے بھر گئی تھی ۔اس نے مبتدی راہبہ کو اس کا انتظار کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی کہا کہ وہ کوؤں کے پنجرے کے زیادہ قریب نہ جائے مبادا وہ اس کی آنکھیں نہ نکال لیں اور اس نے کسی ایسی الگ تھلگ جگہ کو دیکھا جہاں وہ فرمینا کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ کر باتیں کر سکے۔فرمینا نے اسے ڈرائنگ روم میں چل کر بیٹھنے کی دعوت دی۔

یہ ایک مختصر اور تلخ ملاقات تھی ۔سسٹر فرانکا ڈی لائز نے رسمی باتوں میں وقت ضائع کیے بغیر فرمینا داز اکو باعزت طور پر بحال کرنے کی پیشکش کی ۔اس کے نکالے جانے کی وجہ نہ صرف ریکارڈ بلکہ اس کے سماجی حلقے کے لوگوں کی یادداشت سے بھی مٹادی جائے گی ۔اس طرح وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکے گی اور یوں اپنی یونیورسٹی کی ڈگری بھی حاصل کر سکے گی ۔فرمینا داز احیران رہ گئی اور اس نے پوچھا کہ یہ سب کچھ کیوں ۔

''یہ ایک ایسے شخص کی خواہش ہے جو ہر اس چیز کا حق دار ار ہے جس کی وہ خواہش کرے' اور اس کی صرف یہ تمنا ہے کہ تم خوش رہو۔'' راہبہ نے کہا۔''تم جانتی ہو وہ کون ہے؟''

پھر اسے سمجھ آ گئی۔اس کے ذہن میں خیال ابھرا کہ کس اختیار کے تحت ایک عورت نے اس کی زندگی جہنم بنادی تھی' محض محبت کے پیغامبر ایک معصوم خط کی وجہ سے۔مگر اسے یہ سب کچھ کہہ دینے کی جرات نہ ہوئی ۔اس کے بجائے اس نے کہا' ہاں وہ اس شخص کو جانتی ہے اور اس حوالے سے وہ یہ بھی جانتی ہے کہ اسے اس کی زندگی میں داخل انداز ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔'

''وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم اسے پانچ منٹ کی ملاقات کی اجازت دے دو۔'' راہبہ نے کہا۔ ''مجھے یقین ہے تمہارے والد اس کے ساتھ اتفاق کریں گے۔''

اس خیال سے کہ اس کا باپ اس ملاقات میں مددگار رہا تھا فرمینا دازا کا غصہ مزید بڑھ گیا۔

''جب میں بیمار تھی تو ہم دونوں ایک دوسرے سے دوبار ملے تھے ۔'' اس نے کہا: ''اور اب ہمارے ایک دوسرے سے پھر ملنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔''

''کسی بھی عورت کے لیے جس میں تھوڑی سی بھی عقل ہو' وہ شخص خدا کا انعام ہے۔'' راہبہ نے کہا۔

وہ اس کی خوبیوں' اس کے خلوص' مصیبت کے مارے لوگوں کی خدمت کے لیے اس کے وقف ہونے کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ گفتگو کے دوران میں اس نے اپنی آستین سے ایک طلائی تسبیح نکالی جس پر ماربل سے مسیح کی شبیہہ بنائی گئی تھی اور اسے فرینا دازا کی آنکھوں کے سامنے لہرانے لگی۔ یہ ایک خاندانی میراث تھی' سو سال سے زیادہ قدیم' جسے سینا کے ایک سنار نے کندہ کیا تھا اور جسے کلیمنٹ چہارم نے متبرک کیا تھا۔

''یہ تمھاری ہے۔'' اس نے کہا۔

فرینا دازا کو اپنی رگوں میں خون کھولتا ہوا محسوس ہوا اور تب اس نے جرات کر کے کہا۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ تم ایسا کیوں کر رہی ہو۔'' اس نے کہا: ''جب کہ تم سمجھتی ہو کہ محبت ایک گناہ ہے۔''

سسٹر فرانکا ڈی لائز نے ایسا ظاہر کیا جیسے اس نے یہ فقرہ سنا ہی نہیں' مگر اس کی آنکھیں شعلہ بار ہو گئیں تھیں۔ اس نے تسبیح کو فرینا دازا کی نظروں کے سامنے جھلانا جاری رکھا۔

''تمہارے لیے یہ بہتر ہوگا کہ تم میرے ساتھ کسی سمجھوتے پر راضی ہو جاؤ۔'' اس نے کہا۔

''کیوں کہ میرے بعد عالی مرتبت آرچ بشپ آئے گا اور اس کے ساتھ معاملہ مختلف ہوگا۔''

''اسے آنے دو۔'' فرینا دازا نے کہا۔

سسٹر فرانکا ڈی لائز نے طلائی تسبیح آستین میں واپس ڈال لی۔ پھر اس نے دوسری آستین سے ایک بہت زیادہ استعمال شدہ اور گولا بنایا ہوا رومال نکالا اور اسے اپنی مٹھی میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔ فرینا دازا کو کافی فاصلے سے اور رحم سے بھری مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتے ہوئے اس نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''میری بے چاری بیٹی' تم ابھی تک اس شخص کے بارے میں سوچ رہی ہو۔''

فرینا دازا لاتعلقی سے پلک جھپکائے بغیر اس راہبہ کو دیکھتی رہی اور ہونٹ چباتی رہی۔ وہ خاموشی سے کچکچاتے ہوئے بغیر کچھ بولے سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی' حتیٰ کہ اس نے بے پناہ تسکین کے ساتھ دیکھا کہ وہ آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو چکی تھیں۔ سسٹر فرانکا ڈی لائز نے اس گول

کیے رومال سے آنکھوں کو خشک کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تمھارا باپ صحیح کہتا ہے تم ایک خچر ہو۔'' اس نے کہا۔

آرچ بشپ نہ آیا' اور یوں اس کا یہ گھیراؤ اپنے اختتام کو پہنچ جاتا اگر اسی روز ہلڈے برانڈا اپنی عم زاد کے ساتھ کرسمس گزارنے نہ پہنچ جاتی اور یوں زندگی دونوں کے لیے تبدیل ہوگئی۔ وہ اسے ریوہاچا سے آنے والے تیز رفتار جہاز پر صبح کے پانچ بجے ملے۔ اس کے اردگرد مسافروں کا ہجوم تھا جو بحری متلی کے مرض سے ادھ موئے ہو رہے تھے۔ مگر وہ کشتی سے بہت فروزاں انداز میں نکلی۔ ایک بھرپور عورت جو ایک تکلیف دہ سمندری رات کے بعد خوشی سے چہک رہی تھی۔ وہ زندہ فیل مرغوں کے ٹوکرے کے کریٹ اور اپنی زرخیز زمین کے تمام پھل ساتھ لائی تھی تاکہ اس کے قیام کے دوران میں کسی کو غذا کی کمی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس کے باپ لیزی ماکوسا لچیز نے ایک رقعہ بھیجا تھا جس میں اس نے پوچھا تھا کہ اگر انھیں اپنی تعطیلات کے دوران میں پارٹیوں میں موسیقاروں کی ضرورت ہو تو وہ بھیج سکتا ہے' کیوں کہ اس کے پاس بہترین سازندوں کا انتظام تھا اور اس نے بعدازاں آتش بازی کا کثیر سامان بھیجنے کا بھی وعدہ کیا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو لینے مارچ سے پہلے نہیں آسکتا تھا۔ سو ان کے پاس یہ پُرمسرت دن گزارنے کے لیے وافر وقت موجود تھا۔

دونوں عم زادوں نے فوراً ہی اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ پہلی ہی سہ پہر سے' وہ دونوں اکٹھے برہنہ نہاتیں۔ دونوں ایک دوسرے کو حوض کے پانی سے نہلاتیں' ایک دوسرے کو صابن لگاتیں' ایک دوسرے کی جوئیں نکالتیں۔ اپنے سرین اور اپنی خاموش چھاتیوں کا موازنہ کرتیں۔ دونوں ایک دوسرے کی شبیہہ میں خود کو دیکھتیں' یہ اندازہ لگاتیں کہ اس وقت سے جب انھوں نے آخری بار ایک دوسرے کو عریاں دیکھا تھا' وقت نے ان کے ساتھ کیا کیا ستم روا رکھے ہیں۔ ہلڈے برانڈا دراز قد اور گٹھے ہوئے جسم کی تھی۔ اس کا جسم سنہرا تھا مگر اس کے جسم پر تمام بال کسی مخلوط النسل عورت کے بالوں کی طرح تھے۔ کسی سخت اون کی طرح مختصر اور گھنگھریالے۔ اس کے برعکس فرمینا دازا کے جسم میں چمک نہیں تھی' اس کا جسم زرد تھا اس کے جسم کے خطوط لمبے' جلد پرسکون اور بال سیدھے تھے۔ گالا پلے سیڈیا نے ان کی خواب گاہ میں ان کے لیے دو یکساں بستر بچھائے تھے' مگر بعض اوقات وہ دونوں ایک ہی بستر میں گھس جاتیں اور اندھیرے میں صبح تک باتیں کرتی رہتیں۔ وہ پتلے اور لمبے سگار پیتیں' جو ہلڈے برانڈا نے اپنے ٹرنک کی تہہ میں چھپا رکھے تھے اور بعدازاں انھیں ان کی وجہ سے خواب گاہ میں پھیلی ہوئی'

سڑی ہوئی بو کو دور کرنے کے لیے آرمینیائی کاغذ جلانا پڑتا۔ فرمینا دازا نے پہلی بار رولادوپار میں تمباکو کشی کی تھی اور فونیسکا اور ریوہاچا میں اسے جاری رکھا تھا' جہاں قریباً دس کے قریب کزن اکٹھی ہو جاتیں تا کہ تمباکو پی سکیں اور مردوں کے بارے میں باتیں کر سکیں۔ اس نے جنگوں میں رات کے وقت سگریٹ پینے والے سپاہیوں کی طرح' ایسے کش لینے بھی سیکھے جن میں سگریٹ کا جلا ہوا سرا منہ کے اندر ہوتا تھا' تا کہ سگریٹ کے شعلے کی وجہ سے وہ نظر میں نہ آ جائیں۔ مگر اس نے تنہا کبھی سگریٹ نہیں پیا تھا۔ جب سے ہلڈے برانڈا اس کے گھر میں تھی' وہ ہر روز سونے سے پہلے سگریٹ پیتی اور اس وقت سے اسے سگریٹ نوشی کی عادت پڑ گئی' اگرچہ اس نے ہمیشہ دوسروں سے' یہاں تک کہ اپنے شوہر اور بچوں سے بھی اس کو چھپایا۔ صرف اس لیے نہیں کہ عورتوں کا سرِ عام سگریٹ پینا معیوب خیال کیا جاتا تھا' بل کہ اس لیے بھی کہ اس میں اس کی مسرت کا پہلو خفیہ پن سے مشروط ہو گیا تھا۔

ہلڈے برانڈا کا یہاں آنا اس کے والد کی طرف سے اس لیے بھی مسلط کیا گیا تھا تا کہ اس کے اور اس کی ناممکن محبت کے درمیان فاصلہ پیدا کیا جا سکے۔ اگرچہ ان کی خواہش تھی کہ فرمینا سوچے کہ ایسا اس کے لیے ایک موزوں رشتے کے انتخاب میں مدد دینے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ ہلڈے برانڈا نے اس بات کو قبول کر لیا تھا۔ اسے امید یہ تھی کہ وہ اپنی عم زاد کی فراموشی پر ہنسے گی' جیسا کہ وہ ایک بار اس کے سامنے ایسا کر چکی تھی اور اس نے اس بات کا اہتمام کیا تھا کہ فونیسکا کا ٹیلی گراف آپریٹر نہایت احتیاط سے اسے پیغامات بھیجتا رہے اور اسی وجہ سے جب اس نے سنا کہ فرمینا دازا فلورنتینو آریزا کو مسترد کر چکی تھی' تو اس کا سحر بڑے تلخ انداز میں بکھر گیا۔ مزید برآں ہلڈے برانڈا کا محبت کے بارے میں ایک آفاقی نکتہ نظر تھا اور اس کا یقین تھا کہ ایک محبت کے ساتھ جو کچھ ہوتا ہے وہ دنیا بھر کی دوسری محبتوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ پھر بھی اس نے اپنا منصوبہ ترک نہیں کیا تھا۔ ایک ایسی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے' جس سے فرمینا دازا خوف میں گرفتار ہو گئی' وہ فلورنتینو آریزا کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے' تنہا ٹیلی گراف آفس چلی گئی۔

وہ اسے نہ پہچان سکی' کیوں کہ اس میں اسے وہ شباہت نظر نہ آئی جو فرمینا دازا سے سن سن کر اس نے اپنے ذہن میں بنائی تھی۔ پہلی نظر میں اسے یہ ناممکن نظر آیا کہ اس کی عم زاد کبھی اس مضروب سگ جیسے سراپے' اور کسی ذلت کے مارے یہودی قانون دان جیسے کپڑوں میں ملبوس اس تقریباً غیر محسوس کلرک کے لیے پاگل پن کی حدوں کو چھو سکتی ہے۔ جب کہ اس کے سنجیدہ اطوار کسی کے دل میں بھی ہیجان

پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ مگر جلد ہی اسے اپنے اولین تاثر پر پشیمانی کا احساس ہوا کیوں کہ فلورنٹینو آریزا نے بغیر یہ جانے کہ وہ کون ہے' اپنی غیر مشروط خدمات اسے پیش کر دیں۔ اسے یہ کبھی پتہ نہ چلا وہ کون تھی۔ کوئی بھی ہلڈے برانڈا کو اس سے بہتر نہیں سمجھ سکا تھا' کیوں کہ اس نے اسے اپنا تعارف کرانے' یہاں تک کہ اس کا پتہ پوچھنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ اس نے اس کے مسئلے کا سادہ ساحل پیش کر دیا۔ وہ بدھ کی سہ پہر کو ٹیلی گراف آفس کے قریب سے گزر جایا کرے تا کہ وہ اس کے عاشق کے جواب اس کو تھما سکے' اس کے علاوہ کچھ نہیں اور پھر یہ کہ جب ہلڈے برانڈا کا لایا ہوا تحریری پیغام اس نے پڑھا تو اس نے پوچھا کہ آیا وہ اس کی تجویز قبول کر لے گی۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پہلے فلورنٹینو آریزا نے سطروں میں کچھ تصحیح کی' اس نے کچھ فقرے مٹا دیئے' انھیں دوبارہ لکھا مزید جگہ باقی نہ رہی تو اس نے بالآخر پورا صفحہ پھاڑ دیا اور نئے سرے سے پیغام تحریر کیا۔ ہلڈے برانڈا کے خیال میں یہ بہت متاثر کن تھا۔ جب ہلڈے برانڈا ٹیلی گراف آفس سے جانے لگی' تو اس سے اپنے آنسو سنبھالے نہیں جا رہے تھے۔ ''وہ بدصورت اور اداس ہے۔''

اس نے فرمینا دازا سے کہا: ''مگر وہ سراپا عشق ہے۔''

ہلڈے برانڈا کو سب سے زیادہ خیال اپنی عم زاد کی تنہائی کا تھا۔ اس نے اسے بتایا کہ وہ بیس سالہ لڑکی دکھائی دیتی ہے۔ ان گھروں کے اطوار کے مطابق جہاں بڑے اور منتشر خاندان بستے ہوں اور جہاں کسی کو پتہ نہیں ہوتا کہ ایک وقت میں وہاں کتنے لوگ کھا رہے ہیں' یا رہ رہے ہیں' ہلڈے برانڈا اپنی عمر کی کسی ایسی لڑکی کا تصور نہ کر سکتی تھی جو بالکل ہی اپنی ذاتی زندگی میں محدود ہو کر رہ گئی ہو۔ یہ صحیح تھا' اس وقت سے لے کر جب وہ صبح چھ بجے بیدار ہوتی اس وقت تک جب وہ سونے کے لیے خواب گاہ کی روشنیاں گل کر دیتی' اس نے خود کو محض وقت گزاری کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ زندگی اس پر بیرونی طور پر مسلط کی گئی تھی۔ سب سے پہلے' جب آخری مرغ بھی بانگ دے چکتا' گوالا دروازہ کھٹکھٹا کر اسے جگا دیتا۔ پھر مچھلی بیچنے والی کی دستک آتی' جس کے ساتھ اس کا سمندری کائی والا سرخ مچھلیوں کا ٹوکرا ہوتا۔ پھر ماریا لا باجا کی سبزیاں اور سان جکنو کے بیش قیمت پھل بیچنے والوں کی صدائیں آتیں اور پھر باقی دن ہر کوئی اس دروازے پر دستک دیتا رہتا۔ فقیر' لاٹری ٹکٹ بیچنے والی لڑکیاں' چاقو تیز کرنے والے باتونی' بوتل خریدنے والے' پرانا سونا خریدنے والے' پرانے اخبار خریدنے والے' جعلی خانہ بدوش جو تاش کے پتوں' ہاتھ کی لکیروں' پسی ہوئی کافی میں' اور واش بیسن کے پانی سے قسمت کا حال بتانے کی

پیشکش کرتے۔ گالا پلے سیڈ یا سارا ہفتہ ''نہیں'' یا ''کسی اور دن'' کہنے کے لیے گلی کا دروازہ کھولتی اور پتہ کرتی رہتی یا وہ بالکونی سے بدمذاقی کے ساتھ چیختی رہتی کہ ہمیں تنگ نہ کرو لعنت ہو ہم ہر وہ چیز خرید چکے ہیں جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ اس نے پھوپھی ایسکولستیکا کی کمی اس خوبی اور تندہی سے پوری کی تھی کہ فرمینا دازا کو کبھی یوں لگتا جیسے اسے اس سے محبت ہوگئی ہے۔ اس کے دماغ میں کسی غلام کے سے واہمے تھے۔ جب کبھی اس کے پاس فالتو وقت ہوتا تو وہ ورکنگ روم میں جا کر کپڑے استری کرنے لگ جاتی، وہ انھیں بالکل صحیح حالت میں رکھتی۔ انھیں لیونڈر میں بسا کر الماری میں رکھتی، وہ نہ صرف ان کپڑوں کو استری کرتی اور اس کی تہہ لگاتی جن کو اس نے ابھی دھویا ہو، بل کہ ان کپڑوں کو بھی استری کرتی جو زیادہ عرصہ استعمال نہ ہونے کی وجہ سے اپنی چمک کھو بیٹھے ہوں۔ اسی توجہ کے ساتھ وہ فرمینا کی ماں فرمینا سانچیز کی وارڈ روب بھی درست رکھتی تھی، جو چودہ برس قبل مر چکی تھی۔ تاہم یہ فرمینا دازا ہی تھی جو سارے فیصلے کرتی تھی۔ وہ یہ بتاتی کہ انھوں نے کیا کھانا ہے، کیا خریدنا ہے، کسی صورت حال میں کیا کرنا ہے، اور یوں وہ ایک ایسے گھر میں زندگی کا ڈھب متعین کرتی جہاں درحقیقت کوئی شے بھی متعین ہونے کے لیے نہیں تھی جب وہ پنجروں کی صفائی اور پرندوں کو دانہ ڈالنے کا کام ختم کر لیتی، اور دیکھ لیتی کہ اب پھولوں کا بھی کچھ نہیں ہونا، تو اسے پریشانی لاحق ہو جاتی۔ سکول سے نکالے جانے کے بعد اکثر وہ قیلولہ کے وقت سو جاتی اور اگلے روز تک بیدار نہ ہوتی۔ مصوری کی کلاسیں بھی محض وقت گزاری کا ایک مشغلہ تھیں۔

پھوپھی ایسکولستیکا کے نکال باہر کر دیے جانے کے بعد سے اس کے اپنے باپ کے ساتھ تعلقات میں محبت کا عنصر غائب ہو چکا تھا۔ تاہم انھوں نے ایک دوسرے کو پریشان کیے بغیر ساتھ رہنے کا طریقہ ڈھونڈ لیا تھا۔ جب وہ بیدار ہوتی تو وہ پہلے ہی اپنے کام پر جا چکا ہوتا۔ وہ دوپہر کے کھانے کی رسم سے کبھی کبھار ہی ناغہ کرتا، حالاں کہ وہ تقریباً کبھی بھی کچھ نہیں کھاتا تھا۔ اس لیے کہ کلیسائی کینٹے کی اشتہا آمیز چیزوں سے اس کی سیری ہو جاتی تھی۔ وہ رات کا کھانا بھی نہیں کھاتا تھا۔ وہ میز پر اس کا کھانا رکھ چھوڑتے۔ ساری چیزیں ایک پلیٹ میں ڈال کر اسے ایک دوسری پلیٹ سے ڈھک دیا جاتا۔ اگرچہ انہیں علم تھا کہ وہ اسے نہیں کھائے گا حتیٰ کہ اگلے دن اسے اس کے ناشتے کے لیے پھر سے گرم کر لیا جاتا۔ ہفتے میں ایک بار وہ اپنی بیٹی کو اخراجات کے لیے پیسے دے دیتا۔ وہ نہایت احتیاط سے ان کا حساب لگاتی اور خوب تندہی سے سارے انتظام کرتی۔ تاہم اس کی بیٹی اس سے کسی غیر متوقع خرچ کے لیے مزید رقم

کے لیے درخواست کرتی' تو وہ اس پر بڑی خوشی سے توجہ دیتا۔ اس نے کبھی اس سے ایک پائی کے خرچ کے بارے میں بھی سوال نہیں کیا' اس سے کبھی کوئی وضاحت نہیں مانگی' مگر فرمینا کا برتاؤ ایسا ہوتا جیسے اس نے کسی مقدس منصف کے سامنے حساب پیش کرنا ہو۔ اس نے اس سے اپنے کاروبار کی نوعیت کے بارے میں کبھی کوئی بات نہیں کی تھی اور وہ کبھی اسے بندرگاہ میں اپنے دفتر نہیں لے کر گیا' جو ایسی جگہ واقع تھا جو مہذب نوجوان دوشیزاؤں کے لیے ممنوعہ علاقہ تھا' چاہے وہ اپنے والد کے ہمراہ ہی وہاں کیوں نہ آئیں۔ لورینزو وازا رات کو دس بجے سے پہلے گھر واپس نہ آتا۔ یہ جنگوں کے دوران میں کے کم اہم عرصے میں کرفیو کا گھنٹہ ہوتا تھا۔ اس وقت تک وہ کلیسائی کیفے میں ٹھہرتا' مختلف کھیل کھیلتا' کیوں کہ وہ تمام نشستی کھیلوں میں ماہر تھا اور ان کا استاد بھی۔ اس حقیقت کے باوجود کہ بیدار ہوتے ہی وہ سونف کی شراب کا پہلا جام انڈیلتا اور سارا دن اپنا بن جلا سگار چباتا رہتا اور وقفے وقفے سے شراب پیتا رہتا، وہ گھر میں ہمیشہ پروقار طریقے سے اپنی بیٹی کو پریشان کیے بغیر داخل ہوتا۔ تاہم' ایک رات فرمینا دازا نے اسے گھر میں داخل ہوتے سنا۔ اس نے سیڑھیوں پر اس کے ناتاریوں جیسے قدموں کی چاپ سنی' دوسری منزل کے استقبالیہ کمرے پر اس کے بھاری سانسوں کی آواز' ہاتھ کی ہتھیلی سے اس کی خواب گاہ کے دروازے کو پیٹنے کی آواز سنی۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور پہلی بار وہ اس کی خمیدہ آنکھوں اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز سے خوفزدہ ہو گئی۔

''ہم تباہ ہو چکے ہیں۔'' اس نے کہا: ''مکمل طور پر تباہ' سنو اب تم جان لو۔''

اس نے بس یہی کچھ کہا' جو اس نے پھر دوبارہ کبھی نہیں دہرایا اور ایسی کوئی بات رونما نہ ہوئی، جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ آیا اس نے جو کچھ کہا تھا وہ صحیح تھا۔ مگر اس رات کے بعد فرمینا دازا نے یہ جان لیا کہ وہ اس دنیا میں اکیلی ہے۔ وہ ایک سماجی اعراف میں رہ رہی تھی۔ اس کی سابقہ ہم جماعت لڑکیاں ایسی جنت میں رہتی تھیں جس کے دروازے اس کے لیے بند کیے جا چکے تھے۔ وہ اپنے ہمسائیوں کی ہمسائی نہیں رہی کیوں کہ وہ اسے یونی فارم میں ملبوس مقدس مریم کی اکادمی کی ایک ایسی لڑکی کے طور پر جانتے تھے جس کا کوئی ماضی نہیں تھا۔ اس کے باپ کی دنیا تاجروں اور جہازوں پر کام کرنے والے مہمانوں' کلیسائی کیفے کی پناہ عام میں آئے جنگ کے مہاجروں کی' تنہا آدمیوں کی دنیا تھی۔ گذشتہ سال اس کی مصوری کی کلاسوں نے اس کی تنہائی کو کسی حد تک کم کیا تھا' اس لیے کہ اس کی استاد اجتماعی کلاسوں کو ترجیح دیتی تھی اور یوں وہ اپنی دوسری شاگردوں کو بھی اس سلائی کے کمرے میں لے آتی تھی۔ مگر وہ مختلف

اور غیر متعین سماجی حالات سے متعلق لڑکیاں تھیں اور فرینا داز ا کے لیے وہ مستعار لی ہوئی سہیلیوں سے زیادہ نہیں تھیں جن کے ساتھ محبت ہر کلاس کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی تھی ۔ ہلڈے برانڈا چاہتی تھی کہ وہ اس گھر کو کھول دے اس میں ہوا آئے وہ اپنے باپ کے سازندوں کو آتش بازی اور بارود کو یہاں لے آئے اور یہاں ایک کارنیوال رقص ہو جس کی سرمست لہریں اس کی عم زاد کی کرم خوردہ روح کو مصفا کر دیں ۔مگر اسے جلد ہی احساس ہو گیا کہ اس کی ان تجویزوں کا کوئی حاصل نہیں ہے اور اس کی وجہ بالکل سادہ ہے : وہاں کوئی ایسا ہی نہیں جس کو آنے کی دعوت دی جا سکے ۔

بہر حال یہ وہی تھی جو فرینا داز ا کو زندگی میں واپس لے آئی ۔مصوری کی کلاس کے بعد سہ پہر میں وہ شہر میں گھومنے کے لیے باہر جاتیں ۔فرینا داز ا نے اسے وہ راستہ دکھایا جس پر وہ ہر روز پھوپھی ایسکولستیکا کے ساتھ جاتی ' وہ بنچ دکھایا جس پر فلورنٹینو آریزا اس کے انتظار میں بظاہر کچھ پڑھنے کی اداکاری کر رہا ہوتا ' وہ تنگ گلی جس میں وہ اس کے پیچھے آتا ' وہ جگہیں جہاں وہ اپنے خط چھپاتے ' وہ خوفناک جگہ جہاں مقدس منصف کا قید خانہ موجود تھا ' جسے بعد میں مقدس مریم کی اکادمی میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور جس سے وہ روح کی گہرائیوں سے نفرت کرتی تھی ۔وہ مفلسوں کے قبرستان کے ٹیلے پر چڑھتیں ' جہاں فلورنٹینو آریزا ہوا کے رخ کے مطابق وائلن بجایا کرتا تا کہ وہ اپنے بستر میں اس کی آواز سن سکے ' اور یہاں سے وہ اس تاریخی شہر کا مکمل نظارہ کرتیں ۔ٹوٹی ہوئی چھتیں اور شکستہ دیواریں ' جھاڑیوں میں پڑا قلعوں کا ملبہ خلیج میں جزیروں کی قطار ' دلدلی علاقوں کے قریب غریبوں کے چھپر ' ہر شے بے پناہ کربناک ۔

کرسمس کے موقع پر وہ نصف شب کی عشائے ربانی کے لیے کیتھڈرل گئیں ۔فرینا اس جگہ بیٹھی جہاں بیٹھ کر وہ فلورنٹینو آریزا کی خفیہ موسیقی بالکل صاف سنا کرتی تھی اور اس نے اپنی عم زاد کو عین وہ جگہ دکھائی دی جہاں ایسی ہی ایک رات کو اس نے فلورنٹینو آریزا کی خوف زدہ آنکھوں کو پہلی بار قریب سے دیکھا تھا ۔وہ اکیلے ہی منشی آرکیڈ تک چلی گئیں ' انھوں نے مٹھائی خریدی ' منقش کاغذوں کی دکان پر وہ بہت لطف اندوز ہوئیں اور فرینا داز ا نے اپنی عم زاد کو وہ جگہ دکھائی جہاں اس پر اچانک یہ انکشاف ہوا تھا کہ اس کی محبت ایک فریب نظر کے سوا کچھ نہیں ہے ۔اس کو خود یہ احساس نہیں تھا کہ ہر وہ قدم جو وہ سکول کے لیے گھر سے اٹھاتی ' شہر کی ہر جگہ اس کے ماضی قریب کا ہر لمحہ فلورنٹینو آریزا کے الوہی تاثر کے بغیر بے معنی ہے ۔اپنے وجود کے لیے فلورنٹینو آریزا کا رہین منت ہے ۔ہلڈے برانڈا نے اس کو اس بات کی

طرف توجہ دلائی' لیکن اس نے اس کا اعتراف نہیں کیا۔ اس لیے کہ اس نے اس بات کا کبھی بھی اعتراف نہیں کرتا تھا کہ بُرا یا بھلا فلورنٹینو آریزا کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا جو اس کی زندگی میں رونما ہوا ہو۔

یہی وہ وقت تھا جب ایک بیلجین فوٹو گرافر شہر میں آیا اور اس نے منشی آرکیڈ کے آخر میں اپنا سٹوڈیو قائم کر لیا تھا' اور ان تمام لوگوں نے جو اس کی قیمت ادا کر سکتے تھے' اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی تصویریں کھنچوانا شروع کر دی تھی۔ فرمینا اور ہلڈے برانڈا اس کے اولین گاہکوں میں سے تھیں۔ انھوں نے فرمینا سانچیز کی کپڑوں کی الماری کو خالی کر دیا' اس میں سے اپنے لیے نفیس ترین کپڑے نکالے' پھر اس میں سے چھتریاں' اعلیٰ جوتے' ہیٹ نکالے اور خود کو وسط صدی کی بیگمات کی طرح آراستہ کیا۔ گالا پلے سیڈیا نے کمانی دار انگیا کے لیس باندھنے میں ان کی مدد کی۔ اس نے انھیں دکھایا کہ حلقہ دار تاروں والے فریم کے سکرٹ میں کس طرح چلا جاتا ہے۔ دستانے کس طرح پہنتے ہیں اور اونچی ایڑی کے جوتوں کے بٹن کس طرح بند کرتے ہیں۔ ہلڈے برانڈا نے ایک چوڑے چھجے والا ہیٹ پسند کیا، جس میں شتر مرغ کے پر لگے ہوئے تھے' جو اس کے کندھوں تک لٹک رہے تھے فرمینا نے ایک نسبتاً جدید انداز کا ہیٹ پہنا' جس پر مصور کیے ہوئے پھل چھپے ہوئے تھے۔ اور گھوڑے کے بالوں سے پھول بنے ہوئے تھے۔ آخر میں انھوں نے خود کو آئینے میں دیکھا اور خوب قہقہے لگائے' ان کی اپنی نانیوں دادیوں کے ساتھ مشابہت دکھائی دے رہی تھی۔ اور جیسا کہ انھیں یہی کچھ کرنا تھا' وہ خوش خوش ہنستے ہوئے اپنی زندگی کے ان لمحوں کی تصویریں اتروانے چل دیں۔ گالا پلے سیڈ بالکونی میں کھڑی انھیں دیکھتی رہی۔ جب انھوں نے کھلی چھتروں کے ساتھ پارک کو عبور کیا' اونچی ایڑیوں کے ساتھ ڈگمگا کر چلتے ہوئے' اور اپنے جسموں سے حلقہ دار سکرٹ کو دھکیلتے ہوئے' جیسے کہ وہ بچوں کے واکر ہوں، اور اس کے منہ سے ان کے لیے دعا نکلی کہ اپنی تصویریں بنوانے میں خدا ان کی مدد کرے۔

بیلجین کے سٹوڈیو کے باہر ایک ہجوم لگا ہوا تھا۔ کیوں کہ اس وقت بنی سین مینو جس نے پاناما میں باکسنگ چیمپئن شپ جیتی تھی' کی تصویریں اتاری جارہی تھیں۔ اس نے اپنی باکسنگ کی پیٹی' دستانے اور تاج پہن رکھا تھا اور اس کی تصویر کھینچنا اتنا آسان نہیں تھا کیوں کہ اسے تقریباً پورے ایک منٹ کے لیے باکسنگ کرنے کے ایکشن میں رہنا ہوتا تھا اور کم سے کم سانس لینا تھا مگر جوں ہی اس نے اپنا مدافعتی انداز ختم کیا' اس کے مداح چلانے لگے اور وہ ان کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کیے بغیر نہ رہ سکا۔ جب ''عم زادوں'' کی باری آئی تو اس وقت آسمان پر بادل چھا گئے تھے اور بارش کے آثار نمایاں

تھے، مگر انھوں نے اپنے چہروں پر نشاستے والے پاوڈر کو لگنے دیا اور وہ سفید چکنے سنگ مرمر کے ستون کے سامنے ضرورت سے کہیں زیادہ وقت تک جھکی رہیں۔ یہ ایک لافانی پورٹریٹ تھا۔ جب ہلڈے برانڈا فلورنس ڈی ماریا میں اپنے مویشی باڑے پر فوت ہوئی، جب کہ وہ تقریباً سو سال کی عمر پا چکی تھی، تو انھوں نے اس کی ایک کاپی کو اس کے بیڈروم کی الماری میں، اس کے خیالات کے سے بھرے، وقت کے ساتھ دھندلائے ہوئے ایک خط کے ساتھ، خوشبو میں بسے کاغذوں میں چھپا ہوا پایا۔ بہت سالوں تک فرمینا دازا نے اسے اپنے خاندانی البم کے پہلے صفحے پر رکھے رکھا، پھر یہ کسی کے بھی جانے بغیر کہ یہ کیسے اور کب ہوا وہاں سے غائب ہو گیا اور کچھ ناقابلِ یقین اتفاقات کے سلسلے کے بعد فلورنتینو آریزا کی ملکیت میں آ گیا۔ اس وقت، جب ان دونوں کی عمریں ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھیں۔

جب فرمینا اور ہلڈے برانڈا بلجین کے سٹوڈیو سے باہر نکلیں، تو پلازہ کے دوسری طرف منشی آرکیڈ میں اس قدر لوگ تھے کہ بالکونیاں تک ہجوم سے بھر گئیں تھیں۔ انھیں یاد ہی نہ رہا تھا کہ ان کے چہرے نشاستے والا پاؤڈر لگانے سے سفید ہوئے پڑے تھے اور ان کے ہونٹوں پر چاکلیٹ رنگ سے لیپ کیا گیا تھا اور ان کے کپڑے اس وقت اور ماحول کے مطابق نہیں تھے۔ گلی میں ان کا تمسخرانہ انداز اور سیٹیوں کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ ہجوم کے استہزا سے بچنے کے لیے وہ ایک طرف کو ہو کر چلنے لگیں تب سنہرے کمیتی گھوڑوں والی ایک بگھی نے ہجوم میں سے راستہ بنایا۔ سیٹیاں بجنا بند ہو گئیں اور بپھرا ہوا ہجوم منتشر ہو گیا۔ ہلڈے برانڈا کو کبھی اس شخص کو پہلی بار دیکھنا نہیں بھولا جب وہ پائیدان پر نمودار ہوا۔ اس کی ساٹن والی اسطوانی ہیٹ، بروکیڈ کی صدری، اس کے شناساؤں جیسے انداز، اس کی آنکھوں کی نرمی، اور اس کی موجودگی کا تحکم۔

اگرچہ اس نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، تاہم اس نے اسے فوراً پہچان لیا۔ گذشتہ ماہ اس سہ پہر کو، جب وہ سنہرے گھوڑوں والی بگھی کے دروازے کے ساتھ کھڑی ہونے کی بنا پر، مارکیز ڈی کازل ڈورو کے سامنے سے گزرنا نہیں چاہ رہی تھی، فرمینا نے اس کے بارے میں سرسری طور پر اور بغیر کسی دلچسپی کا اظہار کیے بتایا تھا۔ اس نے اسے بتایا کہ اس کا مالک کون ہے اور اس نے اس سے اپنی نفرت کی وجوہات بھی بتا دیں۔ تاہم اس نے اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا کہ وہ اس کا خواستگار ہے۔ ہلڈے برانڈا نے اس کے بارے میں مزید کچھ نہیں سوچا۔ مگر جب اس نے اسے ایک شخص کے طور پر دیکھا، جو داستان سے نکل کر نظر کے سامنے آ گیا ہو، بگھی کے دروازے پر ایک پاؤں زمین پر اور دوسرا

پائیدان پر رکھے اس کو اپنی عم زاد کی نیت سمجھ نہ آئی۔

''مہربانی فرما کر اندر تشریف لے آئیں۔'' ڈاکٹر جووینل اربینو نے کہا۔'' آپ جہاں جانا چاہیں میں لے چلوں گا۔''

فرمینا دازا نے انکار کرنا چاہا، مگر ہلڈے برانڈا پہلے ہی اس کی پیشکش قبول کر چکی تھی۔ ڈاکٹر جووینل نیچے اتر آیا اور پھر اپنی انگلیوں کی پوروں سے تقریباً اسے چھوئے بغیر اس نے اسے بگھی میں سوار ہونے میں مدد دی۔ فرمینا کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اس کے پیچھے وہ بھی سوار ہو جائے اس کا چہرا الجھن سے سرخ ہو رہا تھا۔

ان کا گھر صرف تین بلاک دور تھا۔ عم زادوں کو پتہ تو نہ چلا کہ ڈاکٹر اربینو کوچوان کو کچھ ہدایات دے چکا ہے۔ مگر اس نے ایسا ضرور کیا ہوگا۔ کیوں کہ بگھی کو ان کے گھر تک پہنچنے میں آدھ گھنٹا لگ گیا۔ لڑکیاں مرکزی نشست پر بیٹھی تھیں اور وہ ان کے سامنے بگھی کے عقب کی جانب منہ کیے بیٹھا تھا۔ فرمینا نے اپنا چہرہ بگھی کی چلمن کی طرف کر لیا اور باہر پھیلے خلا میں کھو گئی۔ اس کے برعکس ہلڈے برانڈا بہت خوش تھی اور اس کی مسرت دیکھ کر ڈاکٹر اربینو اس سے کہیں زیادہ خوشی محسوس کر رہا تھا۔ بگھی نے جونہی چلنا شروع کیا تو اس نے چمڑے کی نشستوں کی نیم گرم بو اور اس کے اندر کی نرم و گداز اپنائیت کو محسوس کیا اور اس نے کہا کہ بقیہ زندگی گزارنے کے لیے یہ ایک اچھی جگہ ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ہنسنے لگے اور ایک دوسرے کو یوں لطیفے سنانے لگے جیسے وہ پرانے دوست ہوں، اور وہ لفظوں کے اس سادہ کھیل میں فقرے بازی کرنے لگے جیسے محض ایک جیسے حرفوں کو مختلف بے تکی شکلوں میں ادا کرنا ہوتا ہے۔ انھوں نے ایسے ظاہر کیا جیسے فرمینا دازا ان کی باتیں نہیں سمجھ رہی، اگرچہ وہ جانتے تھے کہ وہ نہ صرف یہ سب کچھ سمجھ رہی ہے بل کہ غور سے ان کی باتیں سن بھی رہی ہے اور اسی لیے وہ یہ سب کچھ کر رہے تھے۔ کافی ہنسی مذاق کے بعد ہلڈے برانڈا نے یہ اعتراف کیا کہ وہ اپنے جوتوں کی تکلیف مزید برداشت نہیں کر سکتی۔

''کوئی بھی چیز اس سے زیادہ سادہ نہیں ہو سکتی۔'' ڈاکٹر اربینو نے کہا۔'' آؤ دیکھتے ہیں کہ پہلے کون انھیں اتارتا ہے۔''

وہ اپنے بوٹوں کے تسمے کھولنے لگا اور ہلڈے برانڈا نے اس کا یہ چیلنج قبول کر لیا۔ اس کے لیے یہ اتنا آسان نہیں تھا کیوں کہ کمانی دار انگیا کی وجہ سے اس سے جھکا نہیں جا رہا تھا۔ مگر ڈاکٹر اربینو اس وقت تک ٹال مٹول کے سے انداز میں لگا رہا، حتیٰ کہ اس نے ایک فاتحانہ ہنسی کے ساتھ اپنے سکرٹ

میں سے جوتے نکال لیے بالکل یوں جیسے اس نے تالاب سے مچھلیاں پکڑی ہوں۔ پھر دونوں نے فرمینا کی طرف دیکھا اور اس کے عالی شان سنہرے سراپے کو دیکھا' جو ڈوبتے سورج کی سرخی میں ہمیشہ سے کہیں زیادہ تند نظر آ رہا تھا۔ تین وجوہات کی بنا پر وہ شدید غصے میں تھی۔ اس بے جوڑ کیفیت کی وجہ سے جس میں وہ پھنس چکی تھی' ہلڈے برانڈا کے بے تکلف رویے کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ اسے یقین تھا کہ بگھی محض دائروں میں چکر لگا رہی ہے تاکہ ان کے گھر پہنچنے میں تاخیر کی جائے۔ مگر ہلڈے برانڈ اعتدال کی تمام حدیں پھلانگ چکی تھی۔

''اب میں سمجھی۔'' اس نے کہا۔'' میں اپنے جوتوں کی وجہ سے نہیں بلکہ تاروں کے اس پنجرے کی وجہ سے تنگ ہو رہی تھی۔'' ڈاکٹر اربینو سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ اس حلقہ دار سکرٹ کی طرف ہے اور اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا:

''اس سے زیادہ سادہ بات کیا ہو سکتی ہے۔'' اس نے کہا۔''اسے اتار دو۔'' کسی شعبدہ باز کی سی پھرتی کے ساتھ اس نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔

''میں نہیں دیکھوں گا۔'' اس نے کہا۔

آنکھوں پر پٹی باندھے ہوئے اس کے شفاف ہونٹ مزید نمایاں ہو گئے۔ ان کے گرد اس کی گول ریشمی داڑھی تھی اور مونچھیں تھیں، جن کے کونوں پر کریم ملی ہوئی تھی اور وہ اپنے اندر پیدا ہونے والے اچانک ہیجان سے لرز کر رہ گئی۔ اس نے فرمینا کی طرف دیکھا اور اس نے محسوس کیا کہ اب وہ غصے میں نہیں تھی' بلکہ خوفزدہ تھی کہ کہیں وہ اپنا سکرٹ اتار ہی نہ دے۔ ہلڈے برانڈا سنجیدہ ہو گئی اور اشارے سے اس سے پوچھا۔''ہم کیا کریں'' فرمینا نے اسی طرح اشارے میں واضح کیا کہ اگر اب وہ سیدھے گھر نہ گئے تو وہ اس چلتی بگھی سے باہر چھلانگ لگا دے گی۔

''میں انتظار کر رہا ہوں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''تم اب دیکھ سکتے ہو۔'' ہلڈے برانڈا نے کہا۔

جب ڈاکٹر اربینو نے آنکھوں پر سے رومال ہٹایا تو اس نے دیکھا کہ وہ بدل چکی ہے' اور وہ سمجھ گیا کہ کھیل ختم ہو گیا ہے اور یہ بھی کہ صحیح انداز میں ختم نہیں ہوا۔ اس کی طرف سے اشارہ پا کر کوچوان نے بگھی کو موڑا اور اسے ایونجلو پارک کی طرف لے چلا۔ تمام گرجاؤں میں عبادت کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ ہلڈے برانڈا جلدی سے بگھی سے اتر آئی۔ وہ کسی حد تک اس بات پر پریشان تھی کہ اس نے اپنی

عم زاد کو ناراض کر دیا ہے اور اس نے بے دلی سے ڈاکٹر کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے اسے خدا حافظ کہا۔ فرمینا نے بھی ایسا ہی کیا مگر جب اس نے ساٹن کے دستانے میں بند اپنا ہاتھ واپس کھینچنا چاہا تو ڈاکٹر نے اس کی انگشت شہادت کو دبایا۔

''میں تمھارے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔

تب فرمینا نے سختی سے اپنا ہاتھ کھینچا اور اس کا خالی دستانہ ڈاکٹر کے ہاتھ میں لٹکتا رہ گیا۔ مگر وہ اس کی واپسی کا انتظار کیے بغیر چلی گئی۔ بغیر کچھ کھائے وہ سوگئی۔ ہلڈے برانڈا' جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو: گالا پلے سیڈیا کے ساتھ کچن میں کھانا کھا کر خواب گاہ میں آئی اور اپنی جبلی خوش مزاجی کے ساتھ سہ پہر کے واقعات پر تبصرہ کرنے لگی' اور اس نے ڈاکٹر اربینو کے بارے' میں اس کے وقار اور دل کشی کے بارے میں' اپنے پر جوش جذبات چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ فرمینا نے کوئی بھی تبصرہ نہیں کیا۔ مگر وہ غصے سے بھری بیٹھی تھی۔ ایک موقع پر ہلڈے برانڈ نے اعتراف کیا کہ جب ڈاکٹر اربینو نے اپنی آنکھوں کے آگے رومال رکھا تھا اور اس نے اس کے گلاب جیسے ہونٹوں کے درمیان اس کے پر شکوہ دانت دیکھے تھے تو اس وقت اس میں ناقابل مزاحمت خواہش پیدا ہوئی تھی کہ وہ اسے چوم چوم کر نگل جائے۔ فرمینا دا زا دیوار کی جانب مڑی' اور اس کو ناراض کرنے کے کسی ارادے کے بغیر' مل کہ ہنستے ہوئے خوش دلی کے ساتھ اس گفتگو کو یہ کہہ کر ختم کر دیا۔

''تم بھی زمی گشتی ہو۔'' اس نے کہا۔

اس کی نیند بے قرار تھی۔ اس نے ہر جگہ ڈاکٹر اربینو کو دیکھا۔ اس نے اس کو ہنستے ہوئے، گاتے ہوئے' اس کے دانتوں سے گندھک کی سی چمک خارج ہوتے ہوئے' جب کہ اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی۔ لفظوں کے کھیل سے جس کے کوئی خاص اصول نہیں تھے' اس کا مذاق اڑاتے ہوئے اور مفلسوں کے قبرستان کی طرف ایک مختلف بگھی میں جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ صبح ہونے سے بہت پہلے بے دار ہوگئی اور تھکی ماندی' جاگتی ہوئی لیٹی رہی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ ان بے شمار سالوں کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اس نے ابھی مزید جینے ہیں۔ بعد ازاں جب ہلڈے برانڈا بھی غسل کر رہی تھی' اس نے نہایت عجلت میں خط ایک لکھا اور جتنا جلدی ممکن تھا اسے بند کیا اور اس سے پہلے کہ ہلڈے برانڈ غسل خانے سے باہر آتی' اس نے گالا پلے سیڈیا کو یہ خط ڈاکٹر جووینل اربینو تک پہنچانے کے لیے روانہ کر دیا۔ یہ اس کے مخصوص انداز کا خط تھا۔ نہ ایک حرف زیادہ نہ کم' جس میں اس نے ڈاکٹر کو یہ بتایا تھا کہ' ہاں' وہ

اس کے باپ سے بات کرسکتا ہے۔

جب فلورنتینو آریزا کو علم ہوا کہ فرمینا داز اایک یورپ پلٹ اور اس وقت کے ایک غیر معمولی شہرت رکھنے والے خوش بخت اور خاندانی ڈاکٹر سے شادی کرنے جارہی ہے' تو وہ پژمردگی کی ایسی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرا جہاں سے کوئی اسے اٹھا نہ سکتا تھا۔ ترانسیتو آریزا نے جب محسوس کیا کہ وہ اپنی قوت گویائی اور بھوک کھو چکا ہے' اور تمام رات بے انت گریہ کرتا رہتا ہے تو اس نے دلجوئی کے لیے' جو کچھ اس سے بن پڑا' کیا' چاہے وہ اس کے بس میں تھا' یا نہیں۔ اس نے' اس کو تسلی دینے کے لیے تمام طریقے آزمائے۔ یوں ہفتے کے آخر تک اس نے دوبارہ کھانا شروع کردیا۔ پھر اس نے ڈان لیوہفتم لوئیزا جو تین بھائیوں میں سے واحد حیات تھا' سے بات کی اور وجہ بتائے بغیر اس سے درخواست کی' کہ وہ جہازراں کمپنی میں اپنے بھتیجے کو کوئی سی بھی ملازمت دے دے' کسی ایسی جگہ' جو میگدالینا کے جنگل میں کہیں پوشیدہ ہو' اور جہاں کسی ڈاک یا ٹیلی گراف کا انتظام نہ ہو اور اس منحوس شہر کے بارے میں کچھ بتانے والا کوئی نہ ہو۔ اس کے چچا نے' اسے ولا ڈی لیوا میں ایک ٹیلی گراف آپریٹر کی ملازمت دلوادی۔ دریچوں والی گلی سے بیس دن سے زیادہ کی مسافت پر' اس سے تقریباً تین ہزار میٹر بلندی پر یہ ایک خواب ناک شہر تھا۔

فلورنتینو آریزا ابحالی کے اس سفر کے بارے میں زیادہ حساس نہیں تھا۔ اس نے ہر اس واقع کی طرح جو اس دوران میں رونما ہوا ہو' اپنی بدنصیبی کے لطیف کردینے والے عدسوں سے' ہمیشہ اس واقعے کو یاد رکھا۔ جب اسے اپنی تعیناتی کی خبر کا ٹیلی گرام ملا تو اسے اس پر سنجیدگی سے دھیان دینے کا خیال تک نہ آیا۔ مگر لوٹا ریوٹھگٹ نے اپنے مخصوص دلائل سے اسے قائل کرلیا کہ اس طرح اس کے لیے انتظام عامہ کے شعبہ میں ایک شاندار مستقبل منتظر ہے۔ اس نے اسے کہا: ''ٹیلی گراف مستقبل کا پیشہ ہے۔'' اس نے اسے خرگوش کی فر سے تہہ لگے دستانوں کا ایک جوڑا' بے شجر علاقوں کی مناسبت سے ایک ہیٹ اور مخملی کالر والا ایک اوورکوٹ دیا جو بویریا کی برفانی سردیوں میں کار آمد رہ چکا تھا۔ چچا لیوہفتم نے اسے دو سرج کے سوٹ اور واٹر پروف جوتوں کا ایک جوڑا دیا، جو اس کے بڑے بھائی کے تھے اور اس نے اگلی کشتی پر اسے ایک کیبن بھی مخصوص کردیا۔ ترانسیتو آریزا نے کپڑوں کو تراش کراسے اپنے بیٹے کے حساب سے چھوٹا کردیا جو اپنے باپ کی نسبت کم فربہ تھا' اور اس نے اسے اونی جرابیں اور لمبے زیرجامے لے کر دیے تاکہ ان بنجر پہاڑی علاقوں کے شدید موسموں سے نبٹنے کے لیے اس کے پاس ضرورت کی ہر شے موجود

ہو۔ رنج وغم میں گرفتار فلورنتینو آریزا نے اپنے سفر کی تیاریوں میں کسی ایسے مردہ شخص کی طرح حصہ لیا جو اپنے ہی جنازے کی تیاریوں میں شریک ہو۔ تنہا رہنے کی اسی شدید عادت کی بنا پر، جس کی وجہ سے اس نے سوائے اپنی ماں کے کسی اور کو اپنے مغلوب جذبے کے بارے میں نہیں بتایا تھا، اسی طرح اس نے کسی کو یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ وہاں سے جا رہا تھا اور اس نے کسی کو خدا حافظ نہیں کہا۔ مگر رخصت ہوتے ہوئے اس نے اپنے تمام ہوش وحواس کے ساتھ وہ جنونی حرکت کی جس میں اس کی جان کا زیاں بھی ہو سکتا تھا۔ نصف شب کو اس نے اپنا اتوار کا سوٹ پہنا، اور فرمینا دازا کی بالکونی تلے جا کر کھڑا ہو گیا تا کہ وہ اسے محبت کے وہ گیت سنائے جو اس نے صرف اسی کے لیے بنائے تھے۔ جس کا علم صرف انھی دونوں کو تھا اور جو تین سال تک ان کے رائیگاں عشق کی علامت بنے رہے تھے۔ اس نے سرگوشیوں میں بول ادا کرتے ہوئے دھن چھیڑی، اس کا وائلن آنسوؤں سے بھیگ گیا، اس کا جذبہ اتنا شدید تھا کہ ابتدا میں گلی کے اور پھر سارے شہر کے کتے بھونکنے لگے، مگر پھر دھیرے دھیرے وہ موسیقی کے سحر میں گرفتار خاموش ہوتے گئے اور جب گیت ختم ہوا تو چار سو ایک الوہی خاموشی چھا گئی۔ جھروکے کا در وا نہیں ہوا اور کوئی بھی، یہاں تک کہ چوکیدار بھی گلی میں نمودار نہیں ہوا جو تقریباً ہمیشہ کسی نزدیکی سیرینا دکو سن کر آئل لیمپ کے ساتھ بھاگتا ہوا آتا تھا تا کہ اسے کوئی چھوٹی موٹی منفعت حاصل ہو سکے۔ یہ عمل فلورنتینو آریزا کے لیے سکون کی تمہید ثابت ہوا، کیوں کہ جب اس نے وائلن واپس اس کے تھیلے میں رکھا اور ان خاموش گلیوں میں واپسی کے لیے پیچھے دیکھے بغیر آنے لگا تو اسے اب یہ احساس بالکل نہیں تھا کہ وہ اگلی صبح یہاں سے رخصت ہو رہا ہے، بل کہ اسے یوں لگا جیسے وہ کئی سال پہلے کبھی نہ واپس آنے کے ناقابل تنسیخ ارادے کے ساتھ یہاں سے جا چکا تھا۔

یہ وہ جہاز تھا جسے کریبئن کی جہاز راں کمپنی کے تین بالکل مشابہہ جہازوں میں سے چن کر، اس کے بانی کے اعزاز میں لوئی پنجم لویازا کا نیا نام دیا گیا تھا۔ آہنی ڈھانچے پر بنا ہوا یہ لہروں پر تیرتا ہوا لکڑی کے دو منزلہ گھر کی طرح تھا۔ پرانی کشتیاں وسط صدی کی ان دیو مالائی کشتیوں کے ماڈل پر بنائی گئیں تھیں جو اوہیو اور مسزپی میں چلتی تھیں۔ ہر طرف ایک پہیہ لگتا تھا جو لکڑی جلانے والی بھٹی سے اپنی توانائی حاصل کرتا تھا۔ انھی کی طرح کریبئن جہاز راں کمپنی کے جہازوں کے تقریباً پانی کی سطح کے برابر زیریں عرشے بھی ہوتے۔ ان کے ساتھ دخانی انجن، کپتان کی کشتی اور مرغی کے ڈربوں کی طرح کے سونے کے کیبن ہوتے تھے جہاں عملہ اپنے جھولنے مختلف جگہوں پر لٹکا دیتا۔ بالائی عرشے پر چھوٹا سا

پلیٹ فارم کپتان اوراس کے افسروں کے کیبن' ایک تفریح گاہ اور کھانے کا کمرہ تھا، جس میں زیادہ معزز مسافروں کو کم از کم ایک بار رات کے کھانے اور تاش کھیلنے کے لیے دعوت دی جاتی تھی۔ درمیانی عرشے پر ایک راہداری کے دونوں طرف درجہ اول کے چھ کیبن تھے اور راہداری کو مشترکہ طعام گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ جہاز کے اگلے حصے میں ایک نشست گاہ تھی جو سمندر کی جانب کھلتی تھی' اس کے آہنی ستون تھے اور لکڑی کی ریلنگ تھی جس پر نقش گری کی گئی تھی۔ یہاں سے مسافررات کو اپنے جھولنے لٹکا لیتے تھے۔ قدیم کشتیوں کے برعکس ان کے اطراف میں پیڈل والے پہیے نہیں تھے۔ اس کے برعکس مسافروں کے عرشے کی گھٹن دار سیڑھیوں کے بالکل نیچے' اس کے دنبالے پر افقی پیڈل والا ایک بہت بڑا پہیہ ہوتا تھا۔ جس وقت جولائی کی ایک اتوار' صبح سات بجے فلورنتینو آریزا جہاز پر سوار ہوا تو اس نے اس کا جائزہ لینے کی زحمت نہیں کی' جیسا کہ پہلی بار جہاز پر سفر کرنے والے تمام لوگ تقریباً جبلی طور پر ایسا کرتے ہیں۔ وہ اپنے نئے ماحول سے اس وقت آشنا ہوا جب وہ شام ڈھلے کیلیمر کی بستی کے قریب سے گزر رہے تھے۔ وہ دنبالے کے طرف پیشاب کرنے گیا اور ٹائلٹ کے روزن سے اس نے اس عظیم الجثہ پیڈل والے پہیے کو اپنے قدموں تلے بے پناہ جھاگ اور بھاپ اڑاتے' گھومتے ہوئے دیکھا۔ اس نے اس سے پہلے کبھی ایسا سفر نہیں کیا تھا۔ اس کے پاس ایک ٹن کا ٹرنک تھا، جس میں اس نے بنجر پہاڑی علاقوں کے لیے کپڑے' مصور ناول جو اس نے پمفلٹوں کی صورت میں ہر ماہ خریدے تھے اور جنھیں اس نے خود کارڈبورڈ کے غلاف میں سی رکھا تھا' اور عشقیہ شاعری کی کتابیں جنھیں وہ یاد کرنے کے لیے پڑھتا تھا اور جنھیں اتنی بار پڑھا گیا تھا کہ اب وہ خاک ہو کر بکھرنے والی تھیں۔ وہ اپنا وائلن پیچھے چھوڑ آیا تھا کیوں کہ اسے وہ بالکل اپنی بدنصیبی کی طرح لگتا تھا۔ مگر اس کی مہربان ماں نے اسے ایک بہت مقبول اور عملاً مفید بستر بند مع تکیے چادر' جست کا ایک برتن' اور ایک چٹائی میں لپٹی پٹ سن کی دو رسیوں سے بندھی مچھر دانی دی تھی۔ فلورنتینو آریزا اسے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں کہ اس کے خیال ایک ایسے کیبن میں' جس میں چارپائی اور بستر مہیا کیے گئے ہوں ان کا لے جانا بے کار تھا۔ مگر پہلی ہی رات اسے اپنی ماں کی فراست کے لیے شکرگزار ہونا پڑا۔ آخری لمحے' شام کے کپڑوں میں ملبوس ایک شخص کشتی پر سوار ہوا۔ وہ اسی روز علی الصبح یورپ سے آنے والے ایک جہاز کے ذریعے وہاں پہنچا تھا۔ جب کہ علاقے کا گورنر بذات خود اس کے ساتھ تھا۔ وہ اپنی بیوی' بیٹی' وردی پوش نوکر اور طلائی لوازمات کے سات ٹرنکوں کے ساتھ' جو اس زینے کے لیے ضرورت سے زیادہ وزنی تھے' بغیر کسی تاخیر کے اپنا سفر

جاری رکھنا چاہ رہا تھا۔ان غیر متوقع مسافروں کے لیے جگہ بنانے کے لیے' کراکاؤ کے عظیم الجثہ کپتان نے مسافروں کے طبعی حب الوطنی کے جذبے کو ابھارا۔ٹوٹی پھوٹی ہسپانوی اور کرکاؤ زبان میں اس نے فلورنتینو آریزا کو بتایا کہ شام کے لباس میں آنے والا شخص انگلستان کا نیا خود مختار سفیر ہے اور وہ جمہوریہ کے صدر مقام تک جانے کے لیے یہ سفر کر رہا ہے۔اس نے اسے یاد کرایا کہ کس طرح اس سلطنت نے ہسپانوی استبداد سے ہماری آزادی کی جدوجہد میں ہمیں فیصلہ کن امداد بہم پہنچائی تھی اور یہ کوئی اتنی بڑی قربانی نہیں ہوگی اگر اس ممتاز خاندان کے لیے سفر ان کے اپنے ملک سے بھی زیادہ آرام دہ بنا دیا جائے۔ظاہر ہے فلورنتینو آریزا نے اپنا کیبن خالی کر دیا۔

شروع میں تو اسے اس بات پر افسوس نہ ہوا۔کیوں کہ سال کے اس عرصے میں دریا چڑھا ہوا تھا اور جہاز پہلی دو راتیں بغیر کسی دشواری کے چلتا رہا۔رات کے کھانے کے بعد پانچ بجے عملے نے مسافروں کو کینوس کی فولڈنگ چارپائیاں فراہم کیں اور ہر مسافر نے جہاں کہیں بھی اسے جگہ ملی چارپائی بچھالی۔اپنے بستر بند سے بستر نکال کر اسے اس پر بچھایا اوور اس پر مچھر دانی تان دی۔جن کے پاس جھولنے تھے انھوں نے انھیں سیلون میں لٹکایا اور جن کے پاس کچھ نہیں تھا وہ ڈائننگ روم میں جھولنے کی میزوں پر انھی میزوں کی چادروں کو لپیٹ کر سو گئے جنھیں ایک سفر میں دوبارہ سے زیادہ تبدیل نہیں کیا جاتا تھا۔فلورنتینو آریزا رات کے بیشتر حصے میں جاگتا رہا' یہ سوچتے ہوئے کہ اس نے دریا کی تازہ ہوا میں فرمینا دازا کی آواز سنی ہے وہ اپنی یاد سے اپنی تنہائی کو کم کرتا رہا۔اسے یوں لگا جیسے وہ تاریکی میں تیرتے ہوئے اس عظیم جہاز کی سانس لیتی آوازوں میں گا رہی ہے۔اس وقت تک' جب تک کہ افق پر اولین گلابی رنگ کرنیں بکھرنے لگیں اور ویران چراگاہوں اور دھند میں ڈوبے دلدلی علاقوں پر نیا دن طلوع ہونے لگا' اسے یہ سفر ایک بار پھر اپنی ماں کی دانائی کا ثبوت لگا اور اسے محسوس ہوا کہ اس میں فراموش کرنے کی ہمت ہے۔

تین دن تک تو پانی کا بہاؤ مددگار رہا تاہم اس کے بعد بے موقع ریتیلے ساحلوں اور گمراہ کن بہاؤ کی بنا پر جہاز چلانا مشکل ہوتا گیا۔دریا عظیم الجثہ درختوں کے ایک گنجان پر پیچ جنگل میں سے گزرتے ہوئے گدلا اور تنگ سے تنگ تر ہوتا گیا' جہاں صرف کہیں کہیں جہاز کی بھٹی کے لیے رکھی لکڑیوں کے ڈھیر کے ساتھ ایک تنکوں سے بنی جھونپڑی نظر آ جاتی تھی۔طوطوں کی چیخوں اور دکھائی نہ دینے والے بندروں کی چوں چوں سے لگتا جیسے دوپہر کی گرمی میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔رات کے

وقت کشتی کا لنگر انداز کرنا ضروری تھا تا کہ سونے کا اہتمام کیا جا سکے اور اس سے زندہ رہنے کی سادہ حقیقت بھی ناقابلِ برداشت ہو جاتی۔ مچھروں اور گرمی کے ساتھ ساتھ ریلنگ پر خشک ہونے کے لیے لٹکائے گئے نمک لگے گوشت کی بو کا بھی اضافہ ہو جاتا۔ بہت سے مسافر، خاص طور پر یورپی مسافر اپنے کیبنوں کی تکلیف دہ بدبو کی وجہ سے وہاں سے نکل آتے اور عرشوں پر پھرتے ہوئے رات گزارتے۔ ہر طرح کے غارت گر حشرات کو اسی تولیے سے پرے کرتے ہوئے جن سے وہ اپنا مسلسل بہتا ہوا پسینہ پونچھتے اور صبح کے وقت وہ نڈھال ہو جاتے اور ان کے جسم کیڑوں کے کاٹے جانے کی بنا پر سوجے ہوئے ہوتے۔

مزید برآں، اسی سال، آزاد خیالوں اور قدامت پسندوں کے درمیان ایک وقتاً فوقتاً جاری رہنے والی خانہ جنگی کا آغاز ہو چکا تھا اور کپتان نے اندرونی نظم و ضبط اور مسافروں کی حفاظت کے لیے سخت احتیاطی اقدامات کر رکھے تھے۔ غلط فہمیوں اور اشتعال انگریزیوں سے بچنے کے لیے اس نے ان دنوں دریائی سفروں کے پسندیدہ مشغلے یعنی وسیع ریتیلے ساحلوں پر دھوپ سینکتے مگرمچھوں کو مار گرانے پر پابندی عائد کر دی۔ بعد ازاں جب ایک بحث مباحثے کے دوران میں کچھ مسافروں کے دو مخالفانہ گروہ بن گئے تو اس نے ہر شخص کے ہتھیار ضبط کر لیے اور ان سے وعدہ کیا کہ سفر کے اختتام پر وہ ان کو واپس کر دیے جائیں گے۔ اس نے برطانوی سفیر سے بھی کوئی رعایت نہیں برتی، جو ان کی روانگی سے اگلی صبح، شکاری لباس میں ملبوس باہر نکلا اور اس کے پاس چیتے کے شکار کے لیے ایک نہایت اعلیٰ کاربائن اور ایک ڈبل بیرل رائفل تھی۔ ٹے نے رائف کی بندرگاہ سے آگے جہاں طاعون کی وبا کا زرد جھنڈا لہراتی کشتی ان کے قریب سے گزری، پابندیاں مزید سخت ہو گئیں۔ اس خطرناک علامت کے بارے میں کپتان مزید معلومات حاصل نہ کر سکا، کیوں کہ دوسری کشتی نے اس کے سگنل کا جواب نہیں دیا۔ مگر اسی روز انھوں نے ایک اور کشتی دیکھی، جس میں جمیکا بھیجے جانے والے مویشی سوار تھے۔ اس میں سے انھیں بتایا گیا کہ طاعون کے جھنڈے والی کشتی میں ہیضے کا شکار دو مریض تھے اور یہ کہ دریا کے اس حصے میں جہاں انھوں نے ابھی سفر کرنا تھا، یہ وبا بہت تباہی پھیلا رہی تھی۔ اس کے بعد مسافروں کو کشتی سے اترنے کی ممانعت کر دی گئی۔ نہ صرف بندرگاہوں پر بلکہ ان غیر آباد جگہوں پر بھی جہاں وہ لکڑی جہاز پر اتارنے کے لیے رکتے تھے۔ چناں چہ اس وقت تک، جب چھ روز کے سفر کے بعد وہ آخری بندرگاہ پر پہنچے تو مسافر قیدیوں کی سی عادات اختیار کر چکے تھے۔ جس میں ان ولندیزی فاسد عریاں پوسٹ کارڈز کے پیکٹ

کا دھیان بھی شامل تھا، جو اس بات کا علم ہوئے بغیر کہ یہ کہاں سے آئے تھے' ایک شخص سے دوسرے تک گردش کرتا رہا تھا۔ اگرچہ سمندری سفر کا کوئی بھی پرانا مسافر اس بات سے بے خبر نہیں تھا کہ یہ کپتان کے اس طرح کے افسانوی مجموعے کا ایک مختصر سا نمونہ ہے۔ مگر آخر میں اس لا حاصل پراگندہ خیالی نے بھی کوفت کو بڑھانے کے سوا کچھ نہ کیا۔

فلورنٹینو آریزا نے سفر کی ان ساری صعوبتوں کو اسی آہنی صبر کے ساتھ برداشت کیا جو اس کی ماں کو افسردہ اور اس کے دوستوں کو برانگیختہ کر دیتا تھا۔ اس نے کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ جنگلے کے ساتھ بیٹھے' ریتیلے ساحلوں پر تتلیوں کو پکڑنے کے لیے ہر وقت منہ کھلا رکھنے والے مگر مچھوں' دلدلی علاقوں سے اچانک نمودار ہونے والے' گھبرائے ہوئے بگلوں کے جھنڈ' اور اپنے بڑے بڑے تھنوں سے بچھڑوں کو دودھ پلانے والی اور اپنی عورتوں جیسی کراہوں سے مسافروں کو پریشان کر دینے والی سمندری گایوں کا نظارہ کرتے ہوئے' آسانی سے دن بتا دیتا۔ ایک ہی دن میں اس نے تین پھولی ہوئی سبزی مائل انسانی لاشوں کو دریا میں تیرتے ہوئے دیکھا۔ ان پر شکرے بیٹھے ہوئے تھے۔ پہلے دو آدمیوں کی لاشیں قریب سے گزریں' اور اس کے بعد ایک نوجوان لڑکی کی' جس کے بالوں کے میڈوسا نما ناگن حلقے کشتی کے پیچھے لہرا رہے تھے۔ وہ کبھی نہیں جان سکا' کیوں کہ کسی کو بھی کبھی یہ پتہ نہیں چلا کہ وہ ہیضہ کا شکار ہوئے تھے یا جنگ کا' مگر اس متلی آمیز بد بو نے اس کے ذہن میں بسی فرمینا دازا کی یاد کو آلودہ کر دیا۔

ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا: کوئی بھی واقع اچھا ہو یا برا' اس کا کوئی نہ کوئی تعلق فرمینا دازا سے ضرور ہوتا تھا۔ رات کو جب کشتی لنگر انداز ہوتی اور تمام مسافر پریشانی میں عرشوں پر ٹہل رہے ہوتے' وہ ڈائننگ روم میں کاربائیڈ کے اس واحد لیمپ تلے جو صبح تک جلتا رہتا' ان مصور ناولوں کو دیکھنے لگتا جو اب تک اسے زبانی یاد ہو چکے تھے اور وہ ڈرامے، جن کو اس نے بارہا پڑھا ہوتا' اس وقت ان کا حقیقی تاثر نمایاں ہونے لگتا جب وہ ان کے تخیلاتی کرداروں کی جگہ ان لوگوں کو رکھنا شروع کر دیتا جنھیں وہ حقیقی زندگی میں جانتا تھا۔ تاہم اپنے اور فرمینا دازا کے لیے وہ تقدیر سے برسر پیکار عاشقوں کے کردار خاص طور پر علاحدہ رکھتا۔ کبھی دوسری راتوں میں وہ کرب آمیز خط لکھتا اور پھر ان کے پرزے پانی میں بہا دیتا' جو بغیر کسی وقفے کے اس کی جانب تیرنا شروع کر دیتے اور یوں مشکل ترین وقت اس کے لیے گزرتا گیا' کبھی کسی بزدل شہزادے کے روپ میں اور کبھی کسی بانکے عاشق کے روپ میں' اور بعض دوسرے وقتوں میں' اپنی ہی محبت کی آگ میں جلتے ہوئے ایسے عاشق کے روپ میں' جو ابھی فراموشی کے دور سے گزر رہا ہو

اور پھر صبح کی پہلی ہوا چلنے لگتی اور وہ ریلنگ کے ساتھ لگی آرام دہ کرسیوں پر ستانے چلا جاتا۔

ایک رات جب اس نے اپنا مطالعہ معمول سے ذرا پہلے بند کر دیا تھا اور یونہی کھویا کھویا ٹائلٹ کی طرف جا رہا تھا' جس سے وہ ڈرائنگ روم میں سے گزر رہا تھا' ایک دروازہ کھلا' عقاب کے پنجے کی طرح ایک ہاتھ باہر نکلا اور اس کو آستین سے پکڑ کر اندر کیبن میں کھینچ لیا۔ اندھیرے میں وہ بمشکل اس برہنہ عورت کو دیکھ سکا' جس کا وہ جاوداں مہکتا ہوا' بے عمر بدن پسینے سے بھیگا ہوا تھا' اس کی سانسیں بھاری ہو رہی تھیں۔ اس نے اسے دیوار سے لگے سونے کے تختے پر سیدھا لٹا دیا' اس کی بیلٹ اتاری' اس کی پتلون کے بٹن کھولے' اور خود کو اس پر یوں پیوست کر دیا جیسے کسی گھوڑے پر سواری کر رہی ہو' اور اسی پامال کر دینے والے انداز میں اس نے اس کے کنوارپن کو تاراج کرنا شروع کر دیا۔ دونوں جھینگوں سے بھرے اس شور دلدلی علاقوں کی بو سے سڑتے اس بے انت خلا میں' خواہش کی آگ میں جلنے لگے۔ وہ اس کے اوپر لیٹ گئی' اس کا سانس پھولنے لگا اور اس تاریکی میں اس کا وجود تحلیل ہو گیا۔

''اب چلے جاؤ اور اس بارے میں سب کچھ بھول جاؤ'' اس نے کہا۔ ''ایسا کبھی ہوا ہی نہیں۔''

یہ شب خون اتنا تیز اور فتح یاب تھا کہ اس کی توجیہہ یوں ہی ممکن ہو سکتی تھی کہ یہ یہاں پر موجود بوریت کی وجہ سے اچانک پیدا ہوئی دیوانگی کا نتیجہ تھا۔ مگر یہ حملہ کافی دیر تک نظر رکھنے اور اس کی ہر ممکن تفصیلات پر غور کے بعد ہی وقوع پذیر ہو سکا تھا۔ اس لذت بخش حقیقت نے فلورنٹینو آریزا کی بے قراری میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس لیے کہ اس لذت کے نقطۂ عروج پر وہ ایسے کشف آمیز تجربے سے گزرا' جس پر وہ یقین نہ کر سکا' جس کا اعتراف کرنے سے اس نے انکار کر دیا اور وہ یہ تھا کہ فرمینا داز کے لیے اس کی خیالی محبت کا کوئی بھی ارضی جذبہ نعم البدل ہو سکتا تھا۔ اس بات نے اسے مجبور کیا کہ وہ اس عصمت دری کی ملکہ کی اصلیت کو جانے' جس کی چیتے جیسی جبلتوں سے شاید اس کی بدقسمتی کے زخموں پر مرہم رکھا جا سکے۔ مگر اسے اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے برعکس جتنا وہ اس تلاش میں سرگرداں رہا' اتنا ہی اس نے خود کو سچ سے دور محسوس کیا۔

شب خون آخری کیبن میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ مگر یہ ایسے تھا کہ اس کا دروازہ ایک دوسرے کیبن میں کھلتا تھا اور اس طرح ان دونوں کمروں میں چار سونے کے تخت ڈال کر انھیں ایک خاندان کی خواب گاہ بنا دیا گیا تھا۔ اِس میں دو نوجوان عورتیں' ان کے علاوہ ایک نسبتاً زیادہ عمر کی مگر بہت دلکش عورت' اور کچھ ماہ کا شیر خوار بچہ رہتے تھے۔ وہ براکوڈی لوبا سے سوار ہوئیں تھیں۔ یہ وہ بندرگاہ تھی جہاں

اس وقت سے، جب سے دریا کی تلون مزاجی کی بنا پر اس شہر کو دخانی کشتیوں کے راستے سے خارج کر دیا گیا تھا اور جہاں سے موم پوکس کے مسافر اور دوسرا سامان لادا جاتا تھا۔ فلورنتینو آریزا نے صرف اس وجہ سے ان پر دھیان دیا تھا کہ وہ سوتے ہوئے بچے کو ایک بڑے سے پنجرے میں لیے پھرتی تھیں۔

وہ لباس اس طرح کا پہنتیں جیسے وہ کسی فیشن ایبل تیز رفتار جہاز پر چمکتے ہوئے ریشمی سکرٹ' جارجٹ کی جھالر اور بالوں سے پھول کڑھے ہوئے پٹیوں کے ساتھ محو سفر ہوں اور دونوں نوجوان عورتیں دن میں کئی بار اپنا پورا لباس تبدیل کرتیں۔ جب باقی مسافروں کا گرمی سے دم گھٹ رہا ہوتا وہ اپنے حلقہ بہار میں پھرتی رہتیں۔ تینوں چھتریوں اور پنکھ دار پروں کے استعمال میں ماہر تھیں۔ نگران کی نیت کا موم پوکس سے سوار ہونے والی دوسری عوتوں کی طرح کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔ فلورنتینو آریزا کو ان کے باہمی رشتے تک کا بھی اندازہ نہیں ہو سکا۔ اگرچہ اسے اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ پہلے اس نے سوچا کہ زیادہ عمر کی عورت باقی دونوں کی ماں ہوگی' مگر پھر اسے احساس ہوا کہ وہ ابھی اتنی عمر رسیدہ بھی نہیں ہوئی تھی کہ ان دونوں کی ماں ہو سکے' اور یہ کہ وہ کسی حد تک ماتمی سراپے میں رہتی تھی' جس میں باقی دونوں شامل نہیں ہوتی تھیں۔ وہ سمجھ نہ پایا کہ کیسے ان میں سے کسی ایک نے یہ جسارت کی ہوگی' جب کہ باقی دونوں نزدیکی تختوں پر سو رہی ہوں۔ واحد قرین قیاس بات یہی لگتی تھی کہ اس نے اتفاقی طور پر یا شاید پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت' جب وہ کیبن میں تنہا تھی' موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ سب کچھ کیا ہوگا۔ اس نے دیکھا کہ بعض اوقات ان میں سے دو ٹھنڈی ہوا لینے کے لیے بہت دیر تک باہر رہتی تھیں' جب کہ تیسری بچے کی نگہداشت کے لیے اندر رہتی۔ مگر ایک رات جب گرمی بہت شدید تھی' وہ تینوں جالی سے ڈھکے تیلوں کے پنجرے میں بچے کو اٹھائے باہر نکل آئیں۔

کچھ شواہد ملنے کے باوجود فلورنتینو آریزا نے جلد ہی اس امکان کو مسترد کر دیا کہ ان میں سے بڑی عورت نے اس شب خون کا ارتکاب کیا ہوگا۔ اور اتنی ہی سرعت سے اس نے سب سے چھوٹی کو' جو ان میں سب سے زیادہ حسین اور بہادر تھی' اس سے بری الذمہ قرار دے دیا۔ ایسا سوچنے کی کوئی ٹھوس وجوہات نہیں تھیں' سوائے اس کے کہ جن آرزومند نظروں سے اس نے ان تین عورتوں کو دیکھا تھا' اس نے اسے اسی خیال پر اکسایا کہ وہ اپنی اس آرزو کو ایک پختہ سچ سمجھ لے' کہ اس کی ناگہانی عاشق پنجرے میں رکھے بچے کی ماں ہی تھی۔ یہ تصور اس قدر رلبھانے والا تھا کہ وہ فرمینا دازا کی نسبت کہیں زیادہ شدت

سے اس کے بارے میں سوچنے لگا اُس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ وہ ہمہ وقت اپنے بچے ہی میں مگن رہتی تھی۔ اس کی عمر پچیس برس سے زیادہ نہ تھی۔ اس نازک اندام حسینہ کا رنگ سنہرا تھا، اُس کی آنکھوں کے پرتگیزی پپوٹے تھے، جن سے وہ مزید تنہا نظر آتی تھی، اور کوئی بھی مرد صرف اس بے پناہ نرمی کے ذرا سے گوشے سے ہی مطمئن ہو سکتا تھا جو وہ اپنے بیٹے پر نچھاور کرتی تھی۔ ناشتے سے لے کر سونے تک وہ سیلون میں اس کے ساتھ مگن رہتی، جبکہ باقی دونوں چینی ڈرافٹ کھیلتی رہتیں، اور بالآخر وہ اسے سلانے میں کامیاب ہو جاتی۔ پھر وہ اس پتلیوں والے پنجرے کو ریلنگ کی نسبتاً ٹھنڈی جانب لٹکا دیتی۔ تاہم، چاہے وہ سو بھی رہا ہو، وہ اسے کبھی نظر انداز نہ کرتی۔ وہ پنجرے کو ہلاتی، اسے لوریاں سناتی رہتی، جب کہ اس کی سوچیں سفر کے مصائب سے پرے محوِ پرواز رہتیں۔ فلورنتینو آریزا اس واہمے کا شکار ہو گیا کہ جلد یا بدیر وہ خود اپنے معمول سے انحراف کرے گی، چاہے یہ کسی اشارے کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو یہاں تک کہ اس نے اس وقت جب وہ بظاہر پڑھنے کی اداکاری کو ترک کر کے اسے دیکھ رہا ہوتا، اس کے نفیس بلاؤز پر لٹکتے ہوئے تعویذ کو دیکھتے ہوئے اُس نے اس کے تنفس میں بھی تبدیلیاں محسوس کیں اور اس نے سوچی سمجھی ڈھٹائی کے تحت ڈائننگ روم میں اپنی جگہ اس طرح تبدیل کر لی کہ وہ اس کے سامنے رہے۔ مگر وہ اس بات کا ذرا سا بھی اشارہ نہ پا سکا وہ اس راز کے باقی حصے کی شریک ہے۔ اس کی واحد چیز جس تک وہ پہنچ سکا، اور وہ بھی اس لیے کہ اس کی کم عمر ساتھی نے اسے پکارا تھا، اُس کا پہلا نام تھا: روزالبا۔

آٹھویں دن کشتی نے سنگِ مرمر کی چٹانوں کے درمیان تنگ ہوتی پر آشوب آبنائے کو طے کیا اور دوپہر کے کھانے کے بعد پورٹو نارے میں لنگر انداز ہو گئی۔ یہ ان مسافروں کے ساحل پر اترنے کا مقام تھا، جنھوں نے خانہ جنگی سے سب زیادہ متاثر ہونے والے شہر انٹیوکیا کے لیے اپنا سفر جاری رکھنا تھا۔ بندرگاہ نصف درجن کھجور کی لکڑی سے بنے جھونپڑوں اور لکڑی سے بنے ایک گودام پر مشتمل تھی۔ اس کی چھت جست کی تھی اور نیم مسلح اور برہنہ پا سپاہیوں کے بہت سے دستے اس کی حفاظت پر تعینات تھے، کیوں کہ اس طرح کی افواہیں گشت کر رہی تھیں کہ باغی کشتیوں کی لوٹ مار کا منصوبہ بنائے ہوئے ہیں۔ گھروں کے عقب میں آسمان سے باتیں کرتا ہوا ایک بنجر پہاڑی ابھار تھا، جس کے آگے سے نکلے ہوئے عمودی حصے پر زم لوہے کا ایک چھجا بنا ہوا تھا۔ جہاز پر سوار کوئی بھی شخص اس رات ٹھیک طرح سے نہ سو سکا، مگر ان پر کوئی حملہ نہ ہوا اور صبح کو بندرگاہ کا سماں اتوار کے دن کے سے جشن میں بدل گیا، جس میں ان جانوروں کے غول میں، وسطی پہاڑی سلسلے کے شاداب جنگلوں کی طرف اپنا چھ روزہ سفر شروع کرنے

کے لیے تیار انڈین مسافر تعویذ اور عرق محبت بیچتے رہے۔فلورنٹینو آریزا نے سیاہ فام مردوں کو کشتی سے اپنی پشت پر اسباب اتارتے دیکھا۔اس نے دیکھا کہ وہ چینی کے کریٹ اور ایوی گندوکی نا کتخدا عورتوں کے لیے پیانو اتار رہے تھے'اور اسے احساس ہوا کہ روزالبا اور اس کی شریک سفر عورتیں ان مسافروں میں شامل تھیں' جو ساحل پر ہی ٹھہر گئے تھے۔اس نے دیکھا کہ وہ اپنی استوائی رنگوں والی چھتریوں اور اپنے ایمزوں جوتوں کے ساتھ پہلے ہی دونوں پاؤں ایک طرف لٹکا نے بیٹھی تھیں اور پھر اس نے وہ قدم اٹھایا جس کی جرات وہ ان گذشتہ دنوں نہیں کر سکا تھا'اس نے روزالبا کو الوداع کہنے کے لیے ہاتھ ہلایا اور تینوں عورتوں نے ایک ساتھ اس کا جواب دیا۔ایسی شناسائی کے تاثر کے ساتھ کہ وہ اس بات پر کٹ کر رہ گیا کہ اس کی یہ بہادری بہت دیر سے آئی ۔اس نے انھیں گودام کے کونے کے قریب دیکھا۔ان کے پیچھے خچروں پر ان کا سامان'ان کے ہیٹ' بکس اور بچے کا پنجر لٹکا ہوا تھا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس نے انھیں عمودی ڈھلوان کے کنارے پر چیونٹیوں کی قطار کی طرح چڑھتے'اور پھر انھیں اپنی زندگی سے غائب ہوتے دیکھا۔تب اس نے خود کو زندگی میں تنہا محسوس کیا اور گذشتہ کئی دنوں سے گھات لگائے بیٹھی فرمینا دازا کی یاد نے اس پر اپنا کاری وار کیا۔

وہ جانتا تھا کہ اس کی شادی ہر اعتبار سے مکمل ہوگی ۔اور پھر اس کے بعد اس شخص کے پاس'جو اس سے سب سے زیادہ محبت کرتا تھا'جس نے ہمیشہ اسی سے محبت کرنی تھی'اس کے لیے مرنے کا حق بھی باقی نہیں رہے گا۔حسد نے' جو اس وقت تک اس کی آہ و زاری میں کھوئی ہوئی تھی ،اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔اس نے خدا سے دعا مانگی کہ جس وقت فرمینا دازا ایک ایسے شخص کے لیے جو اسے محض اپنی سماجی سج دھج کے لیے بیوی بنانا چاہتا ہے'اپنی محبت اور اطاعت کا عہد کرنے لگےتو آسمانی انصاف کا قہر اس پر ٹوٹ پڑے'اور ایسے میں دلہن کا تصور کرتے ہوئے وہ ایک وجد کی حالت میں آ گیا۔اُس کی دلہن یا کسی کی بھی نہیں'جو کیتھڈرل کے پتھروں پر اوپر چہرہ کیے'دراز اس کے سنگتروں کے شگوفے ،موت کی شبنم سے گراں بار اور اس کے نقاب کا جھاگ اڑاتا دھارا' مرکزی قربان گاہ کے سامنے دفن چودہ پشتوں کے تجہیزی پتھروں کو ڈھک رہا تھا۔ جب کبھی اس کا انتقام ٹھنڈا پڑنے لگتا تو وہ اپنی اس فاسدانہ ذہنیت پر افسوس کرتا اور پھر وہ فرمینا دازا کو زمین سے بلند ہوتے دیکھتا'اس کی روح بالکل محفوظ' دور مگر زندہ' کیوں کہ اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ ایسے جہاں کا تصور کرے جس میں وہ زندہ نہ ہو۔وہ اس کے بعد نہیں سویا اور کبھی کبھار جو وہ کھانے کے لیے بیٹھتا'تو اس امید پر کہ شاید فرمینا دازا میز پر بیٹھی ہو'یا اس کے برعکس'

اسے یہ جتانے کے لیے کہ وہ اس کے فراق میں فاقہ کشی نہیں کر رہا۔ کبھی کبھار اس یقین سے اس کی دلجوئی ہوتی کہ اپنی شادی کے جشن میں مست یا حتیٰ کہ اپنے ہنی مون کی ہیجان انگیز راتوں میں فرمینا دازا اس لمحے شدید کرب میں مبتلا ہوگی ایک لمحے کے لیے ہر صورت میں جب اس محبوب کا سایہ جسے وہ ملامت کر چکی تھی جس کی تذلیل اور توہین کر چکی تھی اس کے خیالوں میں در آئے گا اور اس کی تمام مسرت خاک میں مل جائے گی۔

اپنے سفر کے اختتام پر پورٹ آف کاراکولی پہنچنے سے پہلی رات کو کپتان نے جہاز کے عملے ہی سے کچھ لوگوں پر مشتمل کلارنیٹ اور بانسری نوازوں کی ٹولی اور پل سے حاصل کی ہوئی آتش بازی کے ساتھ روایتی الوداعی پارٹی کا اہتمام کیا۔ برطانوی سفیر جس کا سفر اپنے کیمرے سے ان جانوروں کو داغتے ہوئے گذارا تھا جن کو اسے کو اپنی رائفل سے مارنے کی اجازت نہیں تھی اور کوئی ایسی رات نہیں گزری تھی جب وہ ڈرائنگ روم میں شام کے لباس کے بغیر دیکھا گیا ہو یوں اس نے خوشی اور رنج کے احساس سے بالاتر ہو کر ایک مثالی انداز میں اس سفر کو گزار لیا تھا۔ مگر وہ اس الوداعی پارٹی میں میک ناوش قبیلے کے چوخانہ اونی لباس میں آیا اور اس نے ہر ایک کو محظوظ کرنے کے لیے بین بجائی اور جو لوگ اس کے قومی رقص سیکھنے میں دلچسپی رکھتے تھے انھیں اس نے اپنے رقص سکھائے اور دن چڑھنے سے پہلے اسے تقریباً اٹھا کر اس کے کیبن میں پہنچانا پڑا۔ اپنے غم سے نڈھال فلورنٹینو آریزا عرشے کے سب سے الگ کونے میں چلا گیا تھا جہاں اس ہنگامہ طرب کی آوازاس تک نہ پہنچ سکتیں اور سردی سے کانپتی ہوئی اپنی ہڈیوں کو بچانے کے لیے لوٹا ریو کھکٹ کا دیا ہوا اوورکوٹ پہن لیا۔ اس رات وہ صبح پانچ بجے اُٹھ گیا تھا جس طرح موت کی سزا پانے والا شخص اپنی پھانسی کے دن جاگتا ہے۔ اور اس سارے دن اس نے سوائے فرمینا دازا کی شادی پر ہونے والے لمحہ بہ لمحہ واقعات کا تصور کیے کچھ اور نہیں کیا۔ بعدازاں جب وہ گھر واپس آ گیا تھا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ اس وقت غلطی پر تھا اور یہ کہ ہر شے اس کے تصور سے بالکل مختلف وقوع پذیر ہوئی اور وہ اپنی تخیلاتی اڑان پر ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔

مگر بہر حال ہفتے کا یہ دن جذباتی طور پر اس کے لیے بہت کٹھن تھا وہ اس کا تصور کر کے وہ کرب کی ایک نئی زنجیر میں گھر گیا کہ وہ لمحہ آ چکا ہے جب نو بیاہتا جوڑا خود کو سہاگ رات کی لذتوں کے سپرد کرنے کے لیے نقلی دروازوں سے خفیہ طور پر اندر داخل ہو رہا ہے۔ کسی نے اسے بخار میں کانپتے ہوئے دیکھا اور اس نے کپتان کو اس کی اطلاع دی جس نے اس ڈر سے کہ کہیں یہ ہیضے کا مریض نہ ہو

جہاز کے ڈاکٹر کے ہمراہ اس پارٹی کو چھوڑ کر اس کے پاس آ گیا اور ڈاکٹر فلورنتینو آریزا کو برومائیڈ کی ایک خوراک کے ساتھ فرنطینہ کیبن میں بھیجنے کی تدابیر کرنے لگا۔ اگلے روز جب کاراکولی کی چٹانیں نظر آنے لگیں اس کا بخار غائب ہو چکا تھا اور اس کے حوصلے جوان تھے، کیوں کہ مسکن دواؤں کے اثر میں اس نے ہمیشہ کے لیے یہ طے کر لیا تھا کہ ٹیلی گراف کے اس شاندار مستقبل پر لات مار کر وہ اسی کشتی پر اپنی دریچوں والی گلی میں واپس چلا جائے گا۔ اسے ان کو ملکہ وکٹوریہ کے نمائندے کے لیے اپنا کیبن خالی کرنے کے صلے میں واپسی کا ٹکٹ دینے پر قائل کرنا چنداں مشکل ثابت نہ ہوا۔ کپتان نے اسے قائل کرنے کی بہت کوشش بھی کی کہ ٹیلی گراف مستقبل کی سائنس ہے، اس لیے وہ اپنے واپسی کے ارادے سے باز رہے۔ یہاں تک کہ اس نے کہا، وہ کشتیوں پر بھی اس نظام کی تنصیب کی تدبیر کر رہے ہیں، مگر اس نے کسی بھی دلیل پر کان نہیں دھرے اور بالآخر کپتان اسے واپس گھر لے آیا۔ اس لیے نہیں کہ کیبن کی رقم اس پر واجب تھی، بل کہ اس لیے کہ وہ کریبین جہازوں کمپنی سے اس کے اعلیٰ روابط سے واقف تھا۔

دریا کے نشیب کی طرف سفر میں چھ دن کم لگے اور جب صبح کے وقت وہ مرسیدس جھیل میں داخل ہوئے اور فلورنتینو آریزا نے جہاز کے پیچھے لہروں پر مچھلیاں پکڑنے کی چھوٹی کشتیوں پر روشنیوں کی قطار کو تیرتے دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ واپس گھر پہنچ گیا ہے۔ ابھی اندھیرا ہی تھا جب وہ خلیج سے نو فرسنگ پہلے اور ہسپانوی نہر کے دوبارہ گہرا کیے جانے اور استعمال میں لائے جانے سے قبل کی آخری بندرگاہ تیوپریدوکودی کودی پر اترے۔ جب مسافروں کو ہلکی کشتیوں کو کرائے پر لے کر اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے صبح چھ بجے تک انتظار کرنا تھا، لیکن فلورنتینو آریزا اس قدر بے قرار تھا کہ بہت پہلے ایک ڈاک لے جانے والی کشتی پر سوار ہو گیا، جس کا عملہ اسے اپنے ہی ایک فرد کے طور پر جانتا تھا۔ کشتی سے اترنے سے پہلے وہ ایک علامتی فعل سرانجام دینے سے باز نہ رہ سکا۔ اس نے اپنا بستر بند پانی میں پھینک دیا اور اسے اس وقت دیکھتا رہا جب تک کہ وہ نظر نہ آنے والے مچھیروں کی راستہ دکھانے والی روشنیوں کے قریب سے گزر کر، جھیل سے ہوتے ہوئے سمندر میں گم نہ ہو گیا۔ اسے یقین تھا کہ باقی زندگی اب اسے اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ کبھی بھی نہیں، کیوں کہ اب وہ دوبارہ کبھی فرمینا دازا کا شہر نہیں چھوڑے گا۔

صبح کے نمودار ہوتے وقت خلیج پرسکون تھی۔ تیرتی ہوئی دھند سے پرے، فلورنتینو آریزا نے صبح

کےاولین سنہرے میں لپٹے ہوئے کیتھڈرل کے مینار کو دیکھا۔اس نے مکانوں کی چھتوں پر کبوتروں کے ڈربوں کو دیکھا' اوران کے حوالے سے سمت کا اندازہ کرکے اس نے قصر مارکوئز ڈی کازل ڈوروکی بالکونی کے مقام کا تعین کیا' جہاں اس کے خیال میں اس کی بدبختی کی ذمہ دار خاتون' اپنے مطمئن خاوند کے کندھوں پر سر رکھے'نیم خوابیدہ حالت میں اب تک دراز ہوگی ۔اس تصور سے اس کا دل ٹوٹ گیا مگر اس نے اس کو دبانے کی کوئی کوشش نہیں کی بل کہ اس کے برعکس' وہ اپنے درد میں خوشی محسوس کرنے لگا۔ پبلک مارکیٹ اور خلیج کی تہہ میں گلتے سڑتے مواد سے خارج ہونے والے ناگوار تعفن کے قریب لنگر انداز جہازوں کے بیچ کی بھول بھلیوں کے قریب سے' جب ڈاک کا یہ چھوٹا سا جہاز گزر رہا تھا تو سورج آہستہ آہستہ گرم ہونا شروع ہو گیا تھا۔

ریو ہاچا سے سریع رفتار جہاز ابھی پہنچے تھے اور پانی میں کمر تک بھیگے ہوئے حمالوں کے دستے نے مسافروں کو اٹھا کر انھیں ساحل پر اتار دیا۔فلورنٹینو آریزا پہلا مسافر تھا جو اس چھوٹی کشتی سے چھلانگ لگا کر خشکی پر اتر آیا اور اس وقت کے بعد' اسے خلیج کی وہ سڑاند پھر محسوس نہ ہوئی بل کہ وہ صرف فرمینا دازا کی ذات سے پھوٹنے والی خوشبو سے آگاہ تھا' ہر شے میں اسی کی مہک تھی۔

وہ واپس ٹیلی گراف آفس نہیں گیا۔اس کی واحد دلچسپی ان قسط وار عشقیہ ناولوں اور پاپولر لائبریری کی کتابوں میں رہ گئی تھی جو اس کی ماں اس کے لیے خریدتی رہی تھی اور جنھیں وہ اپنے جھولنے میں لیٹے ہوئے اس وقت تک بار بار پڑھتا رہا' جب تک کہ وہ اسے زبانی یاد نہ ہو گئیں۔اس نے اپنے وائلن تک کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔اس نے اپنے قریب ترین دوستوں کے ساتھ تعلقات دوبارہ استوار کر لیے اور کبھی کبھار وہ ان کے ساتھ بلیرڈ کھیلتا یا کیتھڈرل کے پلازہ،محرابوں کے نیچے بیرونی کیفوں میں بیٹھ کر ان سے گپ شپ لگاتا۔مگر وہ اختتام ہفتہ کی رقص پارٹیوں میں پھر نہیں گیا۔اس کے بغیر وہ ان کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

جس صبح وہ اپنے ادھورے سفر سے واپس پہنچا' اسے پتہ چلا کہ فرمینا دازا یورپ میں اپنا ہنی مون منا رہی ہے اور اس کے اکھڑے ہوئے دل نے یہ فرض کر لیا کہ وہ وہیں رہے گی۔اگر ہمیشہ کے لیے نہیں تو بھی وہ آئندہ آنے والے کئی برس وہیں گزارے گی۔اس یقین نے اسے فراموش کرنے کی اولین امید سے بھر دیا۔اس نے روزالبا کے بارے میں سوچا' جس کی یاد دوسری ماند پڑتی یادوں کے مقابلے میں ابھی فروزاں تھی۔یہی وہ وقت تھا جب اس نے مونچھیں رکھیں' جن کی نوکوں کی وہ مالش کرتا

تھا' جنھیں اس نے ساری عمر رکھنا تھا اور جنھوں نے اس کے سارے وجود کو تبدیل کر دیا' اور ایک محبت کے دوسری محبت کے متبادل ہونے کا خیال اسے حیران کن راستوں پر لے گیا۔ دھیرے دھیرے فرمینا دازا کی مہک کم اور کبھی کبھار ہوتی گئی اور بالآخر وہ صرف گارڈینیا کے سفید پھولوں ہی میں رہ گئی۔

جنگ کے دنوں میں ایک رات جب وہ اپنی زندگی کے سمت کے تعین کے بغیر یوں ہی دن گزار رہا تھا' نذارت نامی ایک معروف بیوہ نے ان کے گھر پناہ لی' کیوں کہ اس کا گھر باغی جنرل ریکارڈو گیتان او ببو کے محاصرے کے دوران میں توپ خانے کی گولہ باری سے تباہ ہو گیا تھا۔ ٹرانسیتو آریزا نے اس صورت حال میں یہ جواز بنا کر، کہ اس کے ہاں اور کوئی جگہ نہیں ہے۔' اسے اپنے بیٹے کی خواب گاہ میں بھیج دیا۔ درحقیقت اسے امید تھی کہ شاید کوئی اور محبت اس محبت کے زخموں کا مرہم بن جائے جو اسے جینے نہیں دے رہی تھی۔ جہاز کے کیبن میں روزالبا کے ہاتھوں اپنے کنوارپن کے کھوئے جانے کے بعد سے فلورنتینو آریزا نے کسی سے ہم بستری نہیں کی تھی' اور اس ہنگامی صورت حال میں اسے یہی مناسب لگا کہ بیوہ بستر پر سو جائے اور وہ اپنے جھولنے میں۔ مگر وہ پہلے ہی اس کے لیے فیصلے کر چکی تھی۔ وہ اس بستر کے کنارے پر بیٹھ گئی جہاں فلورنتینو آریزا لیٹا ہوا تھا۔ اسے سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کرے اور اس نے اپنے شوہر کے ناقابل تلافی غم کے بارے میں باتیں شروع کر دیں' جو تین سال قبل وفات پا چکا تھا اور اسی دوران میں وہ اپنا بیوگی کا ماتمی لباس اتار کر اسے ہوا میں اچھالتی رہی' حتیٰ کہ اس کے جسم پر اس کی شادی کی انگوٹھی تک باقی نہ رہی۔ اس نے موتیوں کی کڑھائی والا اپنا ریشمی بلاؤز اتارا اور اسے کمرے کے پار کونے میں پڑی آرام کرسی پر پھینک دیا۔ اس نے اپنی انگیا اپنے کندھے سے پلنگ کے دوسری طرف پھینک دی۔ اس نے اپنے لمبے شکن دار سکرٹ کو ایک ہی بار کھینچ کر اتار دیا' اس کا ساٹن کا موزہ بند اور ماتمی جرابیں' اور اس نے ہر شے فرش پر پھینک دی حتیٰ کہ کمرے کا سارا فرش اس کے اترے ہوئے ماتمی لباس سے بھر گیا۔ اس نے یہ سب کچھ اس قدر خوشی اور اتنے نپے تلے وقفوں کے ساتھ کیا کہ ایسا لگتا تھا جیسے اس کی ہر حرکت پر حملہ آور دستے ان توپوں سے سلامی دے رہے ہوں' جنھوں نے شہر کو اس کی بنیادوں تک ہلا کر رکھ دیا تھا۔ فلورنتینو آریزا نے اس کی انگیا کھولنے میں اس کی مدد کرنا چاہی' مگر اس نے نہایت ماہرانہ انداز میں اسے روک دیا' کیوں کہ اپنی پانچ سالہ شادی شدہ زندگی میں اس نے محبت کے تمام مراحل میں' یہاں تک کہ اس کے ابتدائی مراحل میں بھی کسی اور کی مدد کے بغیر خود پر بھروسہ کرنا سیکھ لیا تھا۔ پھر اس نے ایک تیراک کی سی چست حرکات کے ساتھ اپنے جالی دار زیر جامے کو ٹانگوں سے نیچے لے جا کر الگ

کیا'اور بالآخر وہ عریاں ہوگئی۔

اس کی عمر اٹھائیس برس تھی اور وہ تین بار زچگی کے مراحل سے گزر چکی تھی' مگر اس کے برہنہ جسم میں اب تک ایک غیر شادی شدہ عورت کی بے خود کر دینے والی حرارت تھرتھرا رہی تھی۔ فلورنتینو آریزا کبھی یہ بات نہ سمجھ سکا کہ یہ انفعالی لباس کس طرح اس جنگلی گھوڑی کی خواہشات کو چھپا سکتا تھا' جس نے اپنی ہی خواہش کی جلتی آگ سے کراہتے ہوئے اس کا لباس اتارا' جس طرح وہ اپنے شوہر کا لباس بھی کبھی نہ اتار سکی تھی، جوا سے کج رو سمجھتا۔ اور یوں اس نے اپنی پانچ سالہ شادی شدہ زندگی کی ابتری اور معصومیت کے ساتھ' اپنے ماتمی دور کی آہنی پرہیز گاری کو اس ایک شب خون میں لذت سے ہم کنار کر دیا۔ اس رات سے قبل اور اس مقدس لمحے سے جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا' وہ اپنے مرحوم شوہر کے سوا کسی اور مرد کے ساتھ ایک بستر میں نہیں سوئی تھی۔

اس نے خود پر پچھتاوے کی بے ہودگی کو طاری نہیں ہونے دیا۔ اس کے برعکس چھتوں پر برستی گولہ باری سے مسلسل جاگتے ہوئے وہ صبح ہونے تک اپنے شوہر کی عالی شان خصوصیات کو اجاگر کرتی رہی۔ اس نے اس کی کسی بے وفائی کی شکایت نہیں کی سوائے اس کے کہ وہ اسے چھوڑ کر دوسرے جہان سدھار گیا۔ اِس دکھ کو اس نے اس طرح کم کیا کہ وہ پہلے کبھی اس کا اتنا اپنا نہیں تھا جتنا کہ اب ہے، جب کہ وہ تین انچ لمبے ایک درجن کیلوں سے گڑے کفن میں سطح زمین سے دو میٹر نیچے لیٹا ہوا ہے۔

''میں خوش ہوں۔'' اس نے کہا۔'' کیوں کہ صرف اب ہی' میں یقین سے یہ جان سکی ہوں کہ وہ گھر پر نہیں تو کہاں ہے۔'' اس رات سے' اس نے نسبتاً گرے بلاؤزوں کی بے کار درمیانی مدت سے گزرے بغیر ہمیشہ کے لیے ماتمی لباس پہننا ترک کر دیا۔ اور اس کی زندگی محبت کے گیتوں اور دھبے دار تتلیوں اور طوطوں کے نقوش سے سجے بھڑک دار کپڑوں سے معمور ہوگئی اور وہ جسم کی لذت میں ہر اس شخص کو شریک کرنے پر آمادہ ہوگئی جو اس کی درخواست کرے۔ جب تریسٹھ دنوں کے محاصرے کے بعد جنرل گیان اوبیو کے دستے پسپا ہو گئے تو اس نے گولہ باری سے تباہ اپنے گھر کو دوبارہ تعمیر کیا اور اس میں اس نے ایک خوبصورت ٹیرس کا اضافہ کیا جس کا رخ پشتے کی طرف تھا' اور جہاں طوفانی دنوں میں سمندر اپنی جھاگ اڑاتا گزرتا تھا۔

یہ اس کا محبت کا گھونسلہ تھا جیسا کہ وہ بغیر کسی طنز کے اسے کہتی تھی۔ جہاں وہ صرف ان لوگوں کو آنے دیتی جنھیں وہ پسند کرتی تھی جب اس کا اپنا دل چاہے' اور جس انداز سے چاہے اور وہ کسی سے

ایک پائی بھی وصول نہ کرتی تھی کیوں کہ اس کے خیال میں یہ مرد تھے جو اس کے ساتھ مہربانی کر رہے تھے ۔بہت کم مواقع پر وہ کوئی تحفہ قبول کر لیتی تھی' وہ بھی اس صورت میں اگر وہ سونے کا نہ بنا ہوا اور وہ ہر شے کا اتنی عمدگی سے اہتمام کیا کرتی کہ کوئی بھی شخص اس کے کسی نامناسب برتاؤ کا قطعی ثبوت پیش نہ کر سکتا۔ صرف ایک بار وہ سماجی بدنامی کا شکار ہوئی' جب یہ افواہ گرم ہوئی کہ آرچ بشپ دانتے ڈی لونا حادثاتی طور پر زہریلی کھمبیوں کی پلیٹ کھا کر نہیں مرا بلکہ اس نے ایسا جان بوجھ کر کیا، کیوں کہ اس نے اسے دھمکی دی تھی کہ اگر وہ اس کے ساتھ اپنے ناپاک اور ہولناک ارادوں سے باز نہ آیا تو وہ اس کے راز سب پر عیاں کر دے گی۔ وہ اپنے زوردار قہقہوں کے درمیان یہ کہا کرتی کہ اس علاقے میں وہ واحد آزاد عورت ہے۔

بیوہ نذارت نے اپنے مصروف ترین وقت میں بھی فلورنٹینو آریزا سے کبھی کبھار کا ملنا کبھی نہیں چھوڑا' اور یہ ہمیشہ محبت کرنے یا چاہے جانے کے دکھاوے کے بغیر ہوتا۔ اگرچہ ہر بار محبت سے ملتے جلتے کسی جذبے کے پانے کی امید میں' مگر محبت کے مسائل کے بغیر' کبھی وہ اس سے ملنے اس کے گھر چلا جاتا اور تب وہ سمندر کی طرف والے چبوترے پر بیٹھنا پسند کرتے جس کو سالٹ سپرے سے صاف کیا ہوتا اور یہاں سے وہ افق پر پوری کائنات کو طلوع ہوتے دیکھتے۔ اس نے پوری مستقل مزاجی سے اس کو وہ طریقے سکھانے کی کوشش کی جنھیں اس نے اپنے عارضی ہوٹل میں قیام کے دوران میں روزنوں سے دوسروں کو کرتے دیکھا تھا اور ان نظریاتی ضابطوں کے بارے میں بھی بتایا جو لوتا ریو ٹھگٹ اپنی رنڈی بازی میں گزاری گئی راتوں کے بعد اسے بتاتا تھا۔ اس نے اسے ترغیب دی کہ محبت کرنے کے عمل کے دوران میں وہ اپنا مشاہدہ ہونے دیں' روایتی مشنری حالت کے بجائے سمندر پر سائیکل والی حالت اختیار کرے' یا جس طرح چوزہ' بھوننے والی سلاخ پر ہوتا ہے یا وہ کھینچے اور پھر ایک چوتھائی زاویہ پر لائی جانے والی حالت اپنائے۔ اور اس طرح ایک جھولنے میں کوئی نیا طریقہ دریافت کرتے ہوئے اپنی ہڈیاں تقریباً توڑ ہی چکے تھے۔ اس مشق کا کوئی فائدہ نہ ہوتا' سچ تو یہ ہے کہ وہ بے خوفی سے یہ سب کچھ سیکھتی' لیکن سوچے سمجھے جنسی عمل کے لیے اس کے پاس کوئی ذہانت نہیں تھی۔ وہ کبھی یہ نہ سمجھ سکی کہ بستر میں پرسکون ہونے میں کیا دلکشی ہے۔ وہ کبھی بھی کسی نئے ڈھب کو اختیار نہ کر سکی اور اس کی لذت کا عروج بے موقع اور وبائی ہوتا۔ بڑے عرصے تک فلورنٹینو آریزا اس فریب میں مبتلا رہا کہ صرف وہی اس کے پاس آتا ہے' اور وہ بھی اس کی تسکین کے لیے اس یقین کو پروان چڑھاتی رہی۔ مگر بدقسمتی سے اسے

نیند میں بولنے کی عادت تھی ۔ آہستہ آہستہ نیند میں اس کو سنتے ہوئے' اس کے خوابوں کی سرزمین کو دریافت کرتے ہوئے وہ اس کی زندگی کے بے شمار جزیروں سے آشنا ہو گیا۔ اس طرح اس نے جانا کہ وہ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی' مگر وہ اس بے پناہ ممنونیت کے احساس سے خود کو اس سے جڑا ہوا محسوس کرتی تھی کہ اس نے اسے گمراہی کے اس راستے سے روشناس کرایا تھا۔ وہ اکثر اس سے کہا کرتی۔

''میں تم سے محبت کرتی ہوں' کیوں کہ تم ہی نے مجھے طوائف بنایا۔''

اور کسی حد تک تو یہ بات درست بھی تھی ۔ فلورنتینو آریزا نے اس پر سے روایتی شادی کی پاکیزگی کا لبادہ تار تار پھینکا تھا' جو فطری کنوارے پن یا بیوگی کی پرہیز گاری سے زیادہ مہلک تھا۔ اس نے اسے بتایا تھا کہ بستر میں کیا گیا کوئی بھی فعل اس وقت تک غیر اخلاقی نہیں ہوتا جب تک یہ محبت کو برقرار رکھے' اور اس کے علاوہ ایک اور بات جو اس وقت کے بعد سے اس کی زندگی کا جواز بن گئی تھی' یہ کہ اس نے اسے قائل کیا کہ دنیا میں ہر کوئی پہلے سے طے شدہ مواقع اپنے مقدر میں لے کر آتا ہے۔ اور جو کوئی بھی' کسی بھی وجہ سے' چاہے یہ اس کی اپنی ہو یا کسی اور کی عائد کردہ' چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے' ان کو استعمال نہیں کرتا وہ انھیں ہمیشہ کے لیے کھو دیتا ہے۔ اس نے اس کی بات پلے سے باندھ لی۔ اس کے باوجود کہ وہ سمجھتا تھا کہ وہ کسی بھی اور کی نسبت اسے زیادہ جانتا تھا' فلورنتینو آریزا کبھی یہ بات نہ سمجھ سکا کہ اس قدر طفلانہ اطوار کے باوجود ایک عورت اس قدر مقبول کیوں کر ہو سکتی ہے۔ مزید برآں ایک ایسی عورت جو جب بستر میں ہوتی تو اپنے مرحوم شوہر کے لیے اپنے دکھ کے بارے میں باتیں کرنا کبھی بند نہ کرتی۔ اس کے ذہن میں اس کی ایک ہی توجیہ آتی تھی اور جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا' وہ یہ کہ بیوہ نذارت اس قدر شفیق ہے کہ اس کی یہ خصوصیات اس کی جنسی ہنر مندی کی کمی کی تلافی کر دیتی تھیں۔

جوں جوں اس نے اپنے سلسلے وسیع کرنے شروع کیے' اور اس نے اپنے مواقع دیکھے' انھوں نے ایک دوسرے سے کم کم ملنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے درد کا درماں دوسروں کے دلوں میں ڈھونڈنے کی کوشش کرتا رہا اور بالآخر بغیر کسی افسوس کے ان دونوں نے ایک دوسرے کو فراموش کر دیا۔

کسی خواب گاہ میں فلورنتینو آریزا کا یہ اولین جنسی عمل تھا۔ مگر اس کے برعکس جیسا کہ اس کی ماں نے سوچا تھا کہ وہ اس تعلق کو ایک مستقل رشتے کی صورت دے دیں' دونوں نے اسے زندگی کے ایک آوارہ انداز کے طور پر اپنا لیا۔ فلورنتینو آریزا نے ایسے طریقے اپنائے' جن کا تصور اس جیسے شخص کے ساتھ کرنا بہت مشکل تھا۔ وہ کم گو اور دبلا پتلا تھا اور کسی اور ہی زمانے کے بوڑھے آدمی کا سا لباس پہنتا

تھا۔تاہم اس کو دو ایسی سہولیات میسر تھیں جو اس کی حمایت میں جاتی تھیں: ایک تو اس کی بے خطا نظر تھی جو فوراً ہی کسی عورت کو تاڑ لیتی تھی، چاہے وہ کسی ہجوم میں ہی کیوں نہ ہو' جو اس کا انتظار کر رہی تھی' اگرچہ پھر بھی وہ نہایت احتیاط سے اس کو اپنی طرف مائل کرتا تھا' کیوں کہ اس کے خیال میں مسترد کیے جانے سے زیادہ پریشان کن' اور ذلت آمیز بات کوئی اور نہیں۔دوسری بات یہ تھی کہ عورتیں فوری طور پر پہچان لیتی تھیں کہ وہ ایک تنہا شخص ہے جسے محبت کی ضرورت ہے' گلیوں میں پھرنے والا ایک گداگر جو ایک مار کھائے ہوئے کتے کی طرح عاجز ہے' اس بنا پر وہ بغیر کسی شرط کے خود کو اس کے سپرد کر دیتیں' اس سے بغیر کوئی چیز مانگے' اس سے کسی بات کی توقع کیے بغیر' سوائے اس سکون کے جو یہ جان کر ہوتا کہ وہ اس کے ساتھ مہربانی کر چکی ہیں۔صرف یہی اس کے ہتھیار تھے اور انھی کے ساتھ وہ مطلق رازداری کے ان تاریخی معرکوں میں شامل ہو گیا، جن کو وہ کسی لومڑی کی سی مستعدی کے ساتھ ایک خفیہ اشاروں والی کتاب میں رقم کرتا رہا' جو بہت سی کتابوں میں محض اپنے سرورق کی بنا پر پہچانی جا سکتی تھیں' اور جس سے ہر بات عیاں ہو جاتی تھی۔اس پر تحریر تھا ''عورتیں۔'' اس نے سب سے پہلے بیوہ نذارت کا اس میں اندراج کیا۔پچاس سال بعد جب فرمینا دازا کو اپنی مقدس سزا سے رہائی ملی تو اس کے پاس تقریباً چھبیس کاپیاں تھیں' جن پر چھ سو بائیس' طویل مدت پر پھیلے تعلقات کا اندراج تھا۔اس کے علاوہ بے شمار اتفاقی مہموں کو تو خیر وہاں ذکر کے قابل سمجھا ہی نہیں گیا تھا۔

بیوہ نذارت کے ساتھ چھ ماہ تک بے پناہ ہیجانی وصال کے بعد فلورنتینو آریزا خود اس بات کا قائل ہو گیا تھا کہ وہ فرمینا دازا کا صدمہ جھیل گیا ہے۔نہ صرف اسے اس کا یقین تھا بلکہ اس نے کئی بار ٹرانسیتو آریزا کے ساتھ اس پر تبادلہ خیال بھی کیا۔اس دوران میں فرمینا دازا اپنے ہنی مون پر دو سال تک باہر رہی تھی اور وہ ایک بے پناہ آزادی کے احساس کے ساتھ اس مفروضے پر یقین کرتا رہا' حتیٰ کہ ایک منحوس اتوار کو اس نے اسے اپنے خاوند کے بازوؤں میں عظیم عشائے ربانی سے رخصت ہوتے ہوئے دیکھا۔وہ اپنی نئی دنیا کے تجسس اور اس کی مسرتوں سے مسحور دکھائی دے رہی تھی۔اعلیٰ خاندانوں کی وہی عورتیں جو پہلے اس بنا پر اس پر ملامت کرتیں اور اس کا مذاق اڑاتیں کہ وہ بغیر کسی بڑے خاندانی نام کے محض نو دولتیوں میں سے تھی' اب بڑھ چڑھ کر اسے یہ باور کرانے کی کوشش کرتیں کہ وہ انھی میں سے ہے اور اس نے اپنی دلکشی سے انھیں مدہوش کر رکھا تھا۔اس نے ایک دنیا پرست عورت کے اطوار کو اتنی قطعیت سے اپنایا تھا کہ فلورنتینو آریزا کو اسے پہچاننے میں کچھ دیر لگی۔وہ بالکل مختلف ہستی دکھائی

دے رہی تھی ایک بڑی عمر کی عورت کا پرسکون انداز لیے' اونچے بوٹ' ہیٹ جس کے ساتھ نقاب تھا اور اس پر کسی مشرقی پرندے کا رنگ دار شہپر لگا ہوا تھا۔ اس کی ہر شے سے امتیازی وصف اور ایسی خوداعتمادی ٹپک رہی تھی، جیسے وہ اپنے جنم سے ہی ایسی چلی آ رہی ہو۔ اس نے اسے پہلے سے کہیں زیادہ جوان اور حسین' مگر کھویا ہوا پایا۔ وہ اس وقت تک نہ سمجھ پایا، جب تک اس نے اس کے ریشمی کرتے کے نیچے اس کے پیٹ پر ابھار نہ دیکھ لیا' اس کو حمل کا چھٹا مہینہ تھا۔ مگر وہ سب سے زیادہ اس بات سے متاثر ہوا کہ وہ اور اس کا شوہر ایک قابل تحسین جوڑا دکھائی دے رہے تھے اور وہ دونوں دنیا سے اس روانی اور بے تکلفی کا برتاؤ کر رہے تھے کہ یوں لگتا تھا جیسے وہ حقیقت کے پرفریب گڑھوں پر تیر رہے ہوں۔ فلورنتینو آریزا کو حسد اور نہ ہی غصہ محسوس ہوا۔ صرف اس نے خود کو ذلت میں غرق تصور کیا۔ اس نے خود کو غریب' بدصورت' کمتر محسوس کیا، اور نہ صرف یہ کہ وہ اس کے قابل نہیں تھا بل کہ اس دنیا پر وہ کسی بھی عورت کے لائق نہیں تھا۔

تو وہ واپس آ چکی تھی۔ وہ اپنی زندگی میں اس اچانک تبدیلی لانے پر بغیر کسی پچھتاوے کے واپس آ چکی تھی۔ بل کہ اس کے برعکس اس کے لیے ایسی کسی پریشانی کے لیے اسباب نہ ہونے کے برابر تھے۔ خصوصاً اپنے ابتدائی سالوں کی مشکلات پر معاملہ فہمی کے ساتھ قابو پانے کے بعد' جب وہ اپنی سہاگ رات میں بھی معصومیت کی دھند کے ساتھ داخل ہوئی تھی' اس نے اپنی عم زاد ہلڈے برانڈا کے علاقے کی طرف سفر کے دوران میں ان بندھنوں سے نکلنا شروع کیا تھا۔ والیڈو میں بالآخر اسے علم ہوا کہ مرغے مرغیوں کے پیچھے کیوں بھاگتے ہیں' اس نے گدھوں کا وحشیانہ جشن دیکھا۔ اس نے بچھڑوں کو جنم لیتے دیکھا اور اس نے اپنی عم زادوں کو بے پناہ فطری انداز میں' خاندان کے ان جوڑوں کے بارے میں باتیں کرتے سنا، جو، اب تک ایک دوسرے سے اختلاط کرتے تھے اور ان کے بارے میں جنھوں نے اب ایسا کرنا بند کر دیا تھا۔ کب اور کیوں' اس کے باوجود کہ وہ اب تک اکٹھے رہ رہے تھے۔ یہی وہ وقت تھا جب اس نے تنہا لذت وصل کا آغاز کیا' انکشاف کا وہ عجیب احساس جس سے اس کی جبلتیں ہمیشہ سے آشنا تھیں۔ پہلے اپنے بستر میں' اپنی سانس روکے ہوئے تا کہ وہ اس خواب گاہ میں، جس میں اس کی آدھی درجن عم زادیں بھی رہتی تھیں' خود کو اس رو میں بہہ نہ جانے دے اور پھر اشتیاق اور بے پرواہ انداز کے ساتھ غسل خانے کے فرش پر پاؤں پھیلائے پیٹ کے بل لیٹ کر' جب کہ اس کے بال بکھرے ہوتے اور وہ پہلے پہل کے خچر بانوں والے سگریٹ پی رہی ہوتی۔ ہمیشہ سے وہ یہ سب کچھ جذباتی

کرب کے ساتھ کرتی رہی تھی' جس پر وہ صرف شادی کے بعد ہی قابو پا سکی۔ اور ہمیشہ مطلق رازداری میں' حالاں کہ اس کی عم زادیں نہ صرف یہ کہ شیخی سے ایک دن میں ہونے والی اپنی جنسی لذتوں کے بارے میں ایک دوسرے کو بتاتیں' بل کہ ان کی ہئیت اور دورانیے کے بارے میں بھی بات کرتیں۔ مگران پرفسوں رسومات کے باوجود، وہ اب بھی اس عقیدے کا شکار تھی کہ کنوار پن کا خاتمہ ایک لہو رنگ قربانی کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔

چناں چہ اس کی شادی، جو اس صدی کے آخری سالوں میں سب سے زیادہ قابل دید تھی' اس کے لیے ایک دہشت کا آغاز تھی۔ اپنے وقت کے بامثال شخص سے شادی کی وجہ سے سماجی حلقوں میں ہونے والے ہنگامے سے کہیں زیادہ وہ اپنے ہنی مون کی وجہ سے اذیت کا شکار رہی۔ جب کیتھیڈرل میں عشائے ربانی کے دوران میں ان کی شادی کا اعلان کیا گیا، فرمینا کو دوبارہ گمنام خطوط موصول ہونے لگے' ان میں سے کچھ میں موت کی دھمکیاں دی گئی تھیں مگر اس نے بہت کم ان پر توجہ دی کیوں کہ اس کے ذہن میں موجود خوف کا ہر ممکن گوشہ اپنی قریب الوقوع تاراجی کے احساس سے بندھ چکا تھا۔ اگر چہ یہ بےلوث جبی اس کی نیت نہیں تھی، تاہم ایک ایسے طبقے کی طرف سے، جو بار ہا تاریخ کی بد سلوکی کا شکار ہوا ہو' ایسے گمنام خطوں کے آنے کو اپنا مقدر سمجھ کران کے آگے سر جھکا دینا ہی ایک صحیح ردعمل تھا۔ جوں جوں یہ واضح ہوتا گیا کہ یہ شادی ناقابل تنسیخ ہے' ان کی مخالفت کم پڑتی گئی۔ اس نے دیکھا کہ جوڑوں کے درد اور آزردگی سے ستائی' نیلی پڑتی عورتیں آہستہ آہستہ اس لطف و کرم پر آمادہ ہونے لگیں تھیں۔ جب انھیں اپنی سازشوں کے لاحاصل ہونے کا یقین ہو گیا تو وہ مختلف ترکیبیں اور منگنی کے تحائف لیے' بغیر کسی اعلان کے چھوٹے سے ایونجیلو پارک میں یوں آن پہنچیں، جیسے یہ ان کا اپنا ہی گھر ہو۔

ترانسیتو آریزا اس جہان سے آشنا تھی' اگر چہ یہ واحد ایسا موقع تھا، جب اس نے اس کے اندر اذیت کا احساس پیدا کر دیا اور وہ جانتی تھی کہ اس کے گاہک ایسی بڑی پارٹیوں کے دوران میں دوبارہ نمودار ہوتے تھے' کہ وہ مہربانی کر کے اپنے برتنوں میں سے ان کے رہن رکھے گئے زیورات انھیں محض چوبیس گھنٹے کے لیے ادھار دے دے اور اس کے بدلے ان سے اضافی سود کی رقم وصول کر لے' اور ایسا جس شدت سے اس بار ہوا تھا' پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ مرتبان خالی ہو گئے تاکہ بڑے ناموں والی خواتین اپنے تاریک معبدوں سے نکلیں اور اپنے ہی مستعار لیے ہوئے زیورات میں چمک کر اس شادی میں شریک ہوں' جو اس صدی میں آئندہ ہونے والی کسی بھی شادی سے زیادہ شان دار

ہونے والی تھی اور جس کی قطعی شان وشوکت فلسفی' شاعر' قومی ترانے کے خالق اور جمہوریہ کا تین بار صدر رہ چکنے والے ڈاکٹر رافیل نونیز کی سرپرستی کی صورت میں تھی۔ فرمینا دازا اپنے باپ، جس کا اس روز کا رسمی لباس، اسے ایک مبہم سا احترام عطا کر رہا تھا' کا بازو پکڑے مرکزی قربان گاہ پر پہنچی۔ اس کے بعد اس مقدس تثلیث کے دن کی صبح کو گیارہ بجے اس عشائے ربانی کے ساتھ' جسے تین بشپوں نے ادا کیا' فلورنتینو آریزا کو ذرا سا بھی اپنے دھیان میں لائے بغیر' جو اس لمحے بخار میں اپنے ہوش وحواس کھوئے بغیر، چھت کی ایک ایسی کشتی پر لیٹے ہوئے جو اسے فراموشی کی منزل تک نہ پہنچا سکتی تھی' اس کے لیے مرا جا رہا تھا' وہ کیتھیڈرل کی اس مرکزی قربان گاہ پر ہمیشہ کے لیے ڈاکٹر جووینل اربینو کے ساتھ رشتہ ازدواج میں بندھ گئی۔ تقریب' اور بعد میں استقبالیے کے دوران میں اس کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ تجی تھی ، جیسے کسی نے اس کے چہرے پر سفید سیسے کا لیپ کر دیا ہو' ایک بے روح بناوٹ جس کو کسی نے فتح کی مضحکہ خیز مسکراہٹ سے تعبیر کیا' مگر درحقیقت یہ ایک کنواری دلہن کی دہشت کو چھپانے کے لیے اس کی ایک کمزوری کوشش تھی۔

خوش قسمتی سے اس کے خاوند کی معاملہ فہمی کی وجہ سے پہلی تین راتیں کسی تکلیف کے بغیر گزر گئیں۔ ایسا ناگہانی سے ہوا۔ ٹرانس اٹلانٹک کے جہاز سے اس کی روانگی سے صرف تین روز قبل یہ اعلان کیا گیا کہ کریبئن میں خراب موسم کی وجہ سے اس کا راستہ سفر کے لیے موافق نہیں ہے' اس لیے اس کی روانگی، چوبیس گھنٹے پہلے کر دی گئی ہے۔ چناں چہ پچھلے چھ ماہ سے کی گئی منصوبہ بندی کے مطابق یہ شادی سے اگلے روز لاروچیلے کے لیے روانہ ہونے کے بجائے اسی رات روانہ ہوگا۔ ہر کسی نے یہی سوچا کہ یہ تبدیلی بھی ان عظیم حیرانیوں میں سے ایک ہے' جنھوں نے اس شادی کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونا تھا۔ یوں استقبالیہ' آدھی رات کو چراغاں کیے گئے سمندر پر اہتمام کیے گئے عشائیے پر انجام پایا، جس میں ویئنس کے آرکسٹرا نے اس بحری سفر کے لیے جوہان سٹراس کی والز کی جدید ترین دھنیں بجا رہے تھے۔ اسی وجہ سے شیمپئن میں ڈوبے ہوئے' شادی کے اس جشن میں شریک بہت سے لوگوں کو ان کی دیر سے مبتلائے انتظار بیویاں گھسیٹ کر ساحل پر لائیں کیوں کہ انھوں نے سٹیورڈوں سے پوچھنا شروع کر دیا تھا کہ کیا وہاں کوئی خالی کیبن بچ گئے ہیں تا کہ وہ پیرس تک اس جشن طرب میں شریک رہ سکیں۔ وہاں سے سب سے آخر میں رخصت ہونے والے نے بندرگاہ کے شراب خانے کے باہر لورینزو دازا کو دیکھا۔ وہ گلی کے وسط میں زمین پر بیٹھا تھا۔ اس کی ڈنر جیکٹ نہایت خستہ حال میں تھی۔ وہ گدلے پانی کے

دھارے میں بیٹھا تھا' جو شاید اسی کے آنسوؤں کا تالاب تھا۔ وہ با آوازِ بلند سسکیاں لیتے ہوئے ایسے چلا رہا تھا' جس طرح عرب اپنے مردوں کے لیے آہ زاری کرتے ہیں۔

بپھرے سمندر کی پہلی رات اور نہ ہی بعد میں معمول کے بہاؤ کی آنے والی راتوں کو' یہاں تک کہ اس کی نہایت طویل شادی شدہ زندگی میں بھی وہ وحشیانہ عمل وقوع پذیر نہیں ہوئے، جن سے فرمینا داز اخوفزدہ رہتی تھی۔ جہاز کے حجم اور اس کے سٹیٹ روم کی تعیشات کے باوجود، اس کی پہلی رات' اس کے ریو ہا چا سے کیے گئے تیز رفتار جہاز والے سفر کی دہشت کا اعادہ تھا' اور اس کا خاوند جو ایک ذہین طبیب تھا' اس کو تسلی دیتے ہوئے ساری رات نہ سویا۔ اس نے اس سے اس طرح برتاؤ کیا جیسے کوئی نہایت ممتاز ڈاکٹر بحری متلی کی بیماری سے نمٹنے کے لیے کرتا۔ مگر تین روز بعد پورٹ آف گویرا کے بعد طوفان میں کمی آ گئی اور اس دوران وہ اس قدر وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزار چکے تھے اور اس قدر باتیں کر چکے تھے کہ دونوں نے ایک دوسرے کو پرانے دوستوں کی طرح سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ چوتھی رات جب دونوں نے اپنی معمول کی عادتیں اپنا لی تھیں' ڈاکٹر جووینل اربینو کو اس بات پر سخت حیرانی ہوئی کہ اس کی نوجوان بیوی سونے سے پہلے دعا نہیں کرتی تھی۔ اس نے بغیر کسی جھجک کے اسے بتایا: راہباؤں کے دوہرے کردار نے اس کے دل میں ان رسومات کے خلاف ایک خاص طرح کی مزاحمت پیدا کر دی تھی، مگر اس کا ایمان محفوظ تھا اور وہ خاموشی سے اس پر عمل کرتی تھی۔ اس نے کہا: ''میں خدا سے براہِ راست رابطے کو ترجیح دیتی ہوں۔'' اس کے دلائل اس کی سمجھ میں آ گئے۔ اور اس دن کے بعد سے وہ اسی مشترکہ مذہب پر اپنے اپنے انداز میں عمل کرتے رہے۔ ان کی منگنی مختصر سی مدت کے لیے تھی' مگر اس وقت کے حساب سے کافی غیر رسمی۔ ڈاکٹر اربینو ہر شام کسی نگران عورت کی موجودگی کے بغیر، اس سے ملاقات کرنے اس کے گھر جاتا تھا۔ اس نے اسقفی تقدیس کے حصول سے پہلے' اسے اپنی انگلیوں کی پوروں تک کو چھونے کی اجازت نہیں دی اگرچہ اس نے اس کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ یہ پہلی پرسکون رات تھی جب وہ بستر میں اکٹھے تھے تاہم ابھی بھی اپنے پورے لباس میں ملبوس۔ اس نے اس قدر احتیاط کے ساتھ ابتدائی لمس آشنائیاں شروع کیں کہ جب اس نے اس کو تجویز کیا کہ وہ اپنا شب خوابی کا لباس پہن لے تو اسے یہ نہایت فطری لگا۔ وہ باتھ روم میں لباس تبدیل کرنے چلی گئی' مگر اس سے پہلے اس نے سٹیٹ روم کی بتیاں گل کر دیں' اور جب وہ اپنے زیرِ جامہ میں باہر آئی تو اس نے دروازے کے گرد تمام روزن مختلف کپڑوں سے بند کر دیے تاکہ وہ مطلق تاریکی میں واپس اپنے بستر میں جا سکے۔ ایسا

کرتے ہوئے اس شگفتہ مزاجی سے کہا۔

''ڈاکٹر۔ تم کیا توقع کرتے ہو؟ یہ پہلی بار ہے کہ میں کسی اجنبی کے ساتھ سوئی ہوں۔''

ڈاکٹر اربینو نے اسے کسی گھبرائے ہوئے چھوٹے سے جانور کی طرح اپنے پہلو میں سرکتے ہوئے محسوس کیا' جو ایک ایسے تخت پر اس سے جس قدر ممکن ہو دور رہنے کی کوشش کر رہی ہو جہاں دو افراد کا ایک دوسرے سے مس ہوئے بغیر اکٹھے لیٹنا نہایت مشکل تھا۔ اس نے اس کا سرد اور خوف سے لرزتا ہوا ہاتھ تھاما' اس کی انگلیوں کو اپنی انگلیوں میں لپیٹ لیا اور تقریباً سرگوشی میں اسے اپنے دوسرے بحری سفروں کی یادیں سنانا شروع کر دیں۔ بستر میں واپس آنے کے بعد' اس احساس سے کہ وہ غسل خانے میں تمام لباس اتار چکی ہے' وہ دوبارہ کھچاؤ کا شکار ہو چکی ہے' اور آنے والے واقعات کے تصور سے دہشت زدہ ہو گئی تھی۔ مگر جو ہونا تھا' وہ کئی گھنٹوں بعد ہوا اس لیے کہ ڈاکٹر اربینو نے اس سے باتیں کرنا جاری رکھا اور یوں نہایت دھیرج کے انداز میں اس کے جسم کا اعتماد جیتنے میں کامیاب رہا۔ اس نے اس سے پیرس' پیرس کے عشق' پیرس کی گلیوں میں' اومنی بس میں گرما کی جلتی ہوئی ہواؤں اور شکستہ اکارڈینوں کی آواز کی طرف کھلتے پھولوں سے لدے' کیفوں کے ٹیرسوں پر' بوس و کنار میں مصروف عاشقوں کے بارے میں بتایا، جو دریائے سین کے پشتوں پر کھڑے محو اختلاط ہوتے اور کوئی شخص ان میں مخل نہ ہوتا۔ تاریکی میں اس سے باتیں کرتے ہوئے' اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کی گردن کے خم کو چھوا' اس کے بازوؤں کے مہین ریشمی بالوں سے مس کیا' اس کے پرفریب پیٹ پر ہاتھ پھیرا' اور جب اس نے محسوس کیا کہ اس کا کھچاؤ ختم ہو گیا ہے تو اس نے اس کا لبادہ شب اٹھانے کی اولین کوشش کی' مگر اس نے ایک ایسی لہر کے زیر اثر جو اس کے کردار کا خاصہ تھی' اسے روک دیا۔ اس نے کہا: ''میں جانتی ہوں کہ یہ کس طرح کرنا ہے۔'' اس نے اسے اتار دیا اور اس کے بعد درحقیقت وہ اس قدر ساکت ہو گئی کہ اگر تاریکی میں اس کا جگمگاتا جسم نظر نہ آ رہا ہوتا تو ڈاکٹر اربینو شاید سمجھ بیٹھتا کہ وہ وہاں موجود ہی نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے دوبارہ اس کا ہاتھ تھاما اور اس بار یہ گرم اور نرم' مگر ابھی بھی کسی مہربان شبنم سے نم تھا۔ کچھ دیر وہ دونوں خاموش اور بے حس و حرکت لیٹے رہے' وہ اگلا قدم اٹھانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھا جب کہ وہ اس کی منتظر' اس بات کو جانے بغیر کہ یہ کہاں سے شروع ہو گا' اور اب جب کہ ان دونوں کے سانس آہستہ آہستہ بھاری ہوتے جا رہے تھے' تاریکی کی وسعت میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔ بغیر کچھ بتائے اس نے اس کا ہاتھ چھوڑا اور اسے اس خلا کی طرف دھکیل دیا۔ اس نے زبان سے اپنی

انگشت شہادت کی پور کو گیلا کیا اور اسے اس کے پستان پر رگڑا اور یہ اتنا اچانک ہوا کہ اسے کسی شدید دھماکے کا احساس ہوا' جیسے اس نے اس کی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا ہو۔ وہ تاریکی کی وجہ سے خوش تھی کہ یوں وہ اس پر دہکتی ہوئی سرخی کو نہ دیکھ سکتا تھا، جس نے اسے اس کی کھوپڑی تک ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ''پریشان مت ہو۔'' اس نے انتہائی سکون سے کہا: ''مت بھولو کہ میں انھیں پہلے بھی چھو چکا ہوں۔'' اس نے اس کی مسکراہٹ کو محسوس کیا اور اس کی آواز تاریکی میں میٹھی اور نئی لگ رہی تھی۔

''مجھے یہ اچھی طرح یاد ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اور میں اب تک ناراض ہوں۔''

جب اس نے جانا کہ وہ اس حسین جزیرے کی خوب سیاحت کر چکا ہے' تو اس نے اس کا نرم ہاتھ دوبارہ پکڑا اور اسے بے شمار چھوٹے چھوٹے بے بس بوسوں سے بھر دیا۔ وہ پہلے اس کے سخت کفِ دست کو' پھر اس کی لمبی ہوشیار انگلیوں' اس کے شفاف ناخن اور پھر اس کی بھیگی ہوئی ہتھیلیوں پر، جہاں اس کی تقدیر، ان لکیروں میں عیاں تھی' چومنے لگا۔ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ کیسے اس کا ہاتھ اس کی چھاتی تک آیا اور وہاں ایک ایسے لمس کو محسوس کیا جس کے معنی وہ نہیں جانتی تھی۔ اس نے کہا۔

''یہ شانہ ہے۔'' اس نے اس کی چھاتی کے بالوں کو ایک ایک کر کے چھوا اور پھر ان سب کو اپنی مٹھی میں پکڑ کر یوں کھینچا جیسے وہ انہیں جڑ سے اکھاڑ دے گی۔ ''اور زور سے۔'' اس نے کہا۔ اس نے ایسا ہی کیا' جب تک کہ اسے یہ احساس نہ ہو گیا کہ کہیں وہ اسے تکلیف تو نہیں پہنچا رہی' اور پھر یہ اس کا ہاتھ تھا، جس نے تاریکی میں کھوئے ہوئے اس کے ہاتھ کو ڈھونڈا مگر اس نے ایک دوسرے کی انگلیوں کو آپس میں لپٹنے نہ دیا' اس کے بجائے اس نے اس کا ہاتھ سے کلائی سے پکڑا اور اسے ایک غیر مرئی مگر واضح سمت کی طرف اپنے بدن پر پھیرنے لگا' یہاں تک کہ اس نے ایک برہنہ جانور کی پر جوش سانسوں کو محسوس کیا، جس کی کوئی شکل نہیں تھی مگر وہ بے قرار اور تنا ہوا تھا۔ اس کی سوچ کے برعکس' یہاں تک کہ خود فرمینا کے اپنے خیال کے برعکس' اس نے اپنا ہاتھ نہیں کھینچا اور نہ ہی اسے وہاں بے حرکت پڑا رہنے دیا' جہاں اس نے اسے رکھا تھا' بلکہ اس نے اپنی جسم و روح کو مقدس مریم کے حوالے کر دیا۔ اس نے اپنے دانت بھینچ لیے کہ کہیں وہ اپنے پاگل پن پر زور سے ہنس نہ پڑے۔ اس نے اس کی لمبائی کو جانچا' اس کے تنے کی طاقت کو' اس کے پروں کے پھیلاؤ کو' اس کے استقلال سے حیرت زدہ' مگر اس کی تنہائی پر رحم کھاتے ہوئے' ایک بے حد تجسس سے اسے اپناتے ہوئے' اپنے ابھرتے ہوئے دشمن کو پہچاننا شروع کر دیا۔ اگر اس کے شوہر کی جگہ کوئی کم تجربہ کار شخص ہوتا تو وہ سارے عمل کو لمس کا کھیل سمجھتا۔ اس نے اپنی

پوری قوت کو مجتمع کر کے، اس سر چکرانے کی کیفیت پر قابو پایا، جو اس کی کٹھور جانچ پڑتال کی وجہ سے اس میں پیدا ہو رہی تھی، یہاں تک کہ اس نے اسے بچگانہ لاپرواہی سے یوں چھوڑ دیا جیسے وہ اسے کوڑے میں پھینک رہی ہو۔

''میں کبھی یہ نہیں سمجھ سکی کہ یہ شے کام کس طرح کرتی ہے''اس نے کہا۔

پھر'ایک محکم انداز کے ساتھ اس نے اس کو مکمل سنجیدگی کے ساتھ اس کے بارے میں سمجھایا' اس دوران میں وہ جن حصوں کا ذکر کرتا' وہاں اس کا ہاتھ بھی رکھتا اور اس نے ایک مثالی شاگرد کی طرح اسے اپنا ہاتھ وہاں وہاں رکھنے دیا۔ایک موافق موقع پر اس نے کہا کہ اگر روشنی ہو تو یہ سب کچھ مزید سہل ہو جائے گا۔وہ بتی جلانے لگا تھا کہ اس نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا:''میں اپنے ہاتھوں سے زیادہ بہتر طریقے سے دیکھ سکتی ہوں۔''حقیقت میں وہ خود بھی روشنی کرنا چاہ رہی تھی مگر یوں کہ بغیر کسی دوسرے کے حکم کے خود ایسا کرے اور پھر اس نے ایسا ہی کیا۔اس نے اس اچانک روشنی میں اسے دیکھا' وہ چادر کے نیچے سمٹ کر گٹھری کی طرح قبل از پیدائش کی حالت میں لیٹی ہوئی تھی، مگر وہ اسے دیکھتا رہا حتیٰ کہ اس نے اس زیرِ مطالعہ جانور کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے پکڑ لیا' اسے ادھر ادھر پلٹتی رہی' اس کو ایک ایسی دلچسپی سے دیکھا تھا، جو سائنسی انداز سے بھی سوا لگ رہی تھی' اور جب وہ یہ ختم کر چکی تو اس نے کہا:''یہ کس قدر بدصورت ہے' عورت کی چیز سے بھی زیادہ بدصورت۔''اس نے اس سے اتفاق کیا اور اس کی دوسری قباحتوں کی طرف بھی اشارہ کیا جو بدصورتی کی نسبت زیادہ تشویش ناک تھیں' اس نے کہا' یہ ایک پہلوٹھی کے بچے کی طرح ہے۔تم ساری زندگی اس کے لیے کام کرتے رہو' اس کے لیے ہر شے کی قربانی دیتے رہو مگر وقت آنے پر یہ وہی کچھ کرتا ہے جو یہ خود چاہتا ہے۔''اس نے اس کی جانچ پڑتال جاری رکھی۔یہ پوچھتی رہی کہ یہ کس لیے ہے اور اس کا کیا کام ہے' اور جب وہ اپنی معلومات سے مطمئن ہو گئی تو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں اسے تھاما تاکہ وہ یہ جان سکے کہ اس کا وزن اتنا تو نہیں کہ اسے پریشانی ہو' اور پھر اس نے ناپسندیدگی کے ساتھ اسے چھوڑ دیا۔

''اس کے علاوہ میں سمجھتی ہوں کہ اس پر بہت ساری چیزیں ہیں''اس نے کہا۔

اس بات پر وہ حیران رہ گیا۔اس کے مقالے کا اصل موضوع بعینہٖ یہی تھا:انسانی عضو کو سادہ بنانے کے فوائد۔اس کو یہ سب کچھ قدیم لگتا' بہت سے بے کار یا دوہرے افعال کے ساتھ جو انسانی نسل کے دوسرے مرحلوں پر تو ضروری تھے مگر ہمارے وقتوں میں نہیں۔ہاں:یہ زیادہ سادہ ہو سکتا تھا اور اسی وجہ

سے زیادہ محفوظ'اس نے نتیجہ نکالا۔''یہ ایسی چیز ہے جو یقیناً صرف خدا ہی کر سکتا ہے۔مگر بہرصورت نظر یاتی سطح پر اس کا اثبات بہتر ثابت ہوگا۔''وہ لطف لیتے ہوئے ہنسی اور اس قدر فطری انداز میں کہ اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، اسے گلے لگایا اور پہلی بار اس کے دہن پر بوسہ دیا۔اس نے اس کا مثبت جواب دیا اور اس نے اس کے رخساروں پر'اس کے ناک پر'اس کے پپوٹوں پر'بہت نرم انداز میں چومنا جاری رکھا'اس دوران میں اس نے چادر کے نیچے سے اپنا ہاتھ اندر کیا اور اس کے ہموار' سیدھے موئے زیریں کو چھوا' کسی جاپانی عورت کی طرح کے موئے زیریں'اس نے اس کا ہاتھ پرے نہیں کیا،اس صورت میں کہ کہیں وہ اس سے اگلا قدم اٹھائے۔مگر اس نے اپنا ہاتھ مستعد رکھا۔

اس نے کہا:''میرا خیال ہے کہ اس طبی سبق کو بند کیا جائے۔''

''نہیں:'اس نے کہا۔''یہ محبت کا سبق ہوئے جا رہا ہے۔''

پھر اس نے چادر اتار دی'اور اس نے نہ صرف یہ کہ اس پر اعتراض نہیں کیا بلکہ اپنے پاؤں کی ایک تیز حرکت سے اسے تختے سے دور اچھال دیا کہ اس سے اب حدت برداشت نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس کا جسم لچک دار اور لہراتا ہوا تھا۔اس وقت سے کہیں زیادہ پرفسوں' جب وہ ملبوس ہوتی تھی۔اس کی اپنی ایک جنگلی جانور کی سی خوشبو تھی'جو اسے دنیا کی تمام عورتوں سے ممیز کرتی تھی۔روشنی میں مدافعت کے بغیر اس نے اپنے چہرے پر بے پناہ خون دوڑتا ہوا محسوس کیا اور اس کو چھپانے کا ایک ہی طریقہ اس نے سوچا'اور وہ یہ کہ اس نے اپنے شوہر کی گردن کے گرد اپنے بازو حمائل کر دیے اور اسے ایک گہرا'مکمل بوسہ دیا'جو اس وقت جاری رہا جب تک کہ دونوں کا دم نہ پھولنے لگا۔

وہ جانتا تھا کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا تھا۔اس نے اس سے اس کی تند مزاجی'اس کی سنجیدگی' اس کی قوت اور کسی حد تک اپنے غرور کی وجہ سے اس سے شادی کی تھی،مگر جب اس نے پہلی بار اسے چوما تو اسے یقین ہو گیا کہ ان کے درمیان حقیقی محبت کو پروان چڑھانے کے لیے اب کوئی شے رکاوٹ نہیں ہوگی۔اس پہلی رات' گو کہ وہ صبح تک باتیں کرتے رہے تھے'انھوں نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی'نہ ہی انھوں آئندہ کبھی اس بارے میں بات کرنا تھی،مگر آنے والے دنوں میں'ان دونوں کا یہ اولین تاثر ہمیشہ درست ثابت ہوتا رہا۔

صبح' جب وہ سو گئے تو وہ اب تک کنواری تھی' مگر اب زیادہ دیر تک وہ ایسی نہیں رہے گی۔ درحقیقت اگلی شب ستاروں بھرے کریبئن آسمان تلے اسے وینس کا والز سکھانے کے بعد وہ اس کے

باتھ روم سے آنے کے بعد باتھ روم گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ بستر میں برہنہ اس کی منتظر ہے۔ پھر یہ وہ تھی جس نے پہل کاری کی' اور بغیر کسی خوف کے خود کو اس کے سپرد کر دیا۔ بغیر کسی پچھتاوے کے' چڑھتے ہوئے سمندر پر ایک مبہم کی سی خوشی کے ساتھ' اور چادر پر گلاب عصمت کے نشان کے علاوہ کسی اور لہو رنگ جشن کے بغیر' ان دونوں نے ایک دوسرے سے خوب اختلاط کیا' جیسے یہ کوئی معجزہ ہو اور دن رات اسے جاری رکھا اور پورے سمندری سفر کے دوران میں پہلے سے بہتر ہوتا گیا اور جب وہ لاروچیلے پہنچے تو انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ زمانوں سے ایک دوسرے کے عاشق رہے ہوں۔

پیرس کو اپنا مرکز بنا کو انھوں نے یورپ میں قیام کیا۔ یہاں سے وہ ہمسایہ ملکوں میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے لیے جاتے رہتے۔ اس دوران میں وہ ہر روز ایک دوسرے سے اختلاط کرتے' سرما کے اتواروں کو ایک سے بھی زیادہ دفعہ کیوں کہ وہ دوپہر کے کھانے تک بستر پڑے ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے۔ وہ ایک مضبوط اعصاب کا مرد تھا اور اس کے علاوہ بہت منظم بھی' اور وہ وا یسی نہیں تھی کہ کوئی اس سے رعایت لے سکے۔ اس لیے ان دونوں کو بستر میں ہی اپنی اپنی قوت کا حصہ ڈالنے پر قانع ہونا پڑتا۔ تین ماہ کے ہیجان آمیز اختلاط کے بعد اس نے نتیجہ نکالا کہ ان دونوں میں سے ایک بانجھ ہے' اور وہ دونوں ڈی لا ایسل پئیر ٹر ہسپتال جہاں وہ ایک ہاؤس فزیشن کے طور پر کام کرتا رہا تھا صبر آزما تشخیصی مراحل سے گزرنے لگے۔ یہ ایک کٹھن مگر بے ثمر کوشش تھی۔ تاہم' جب وہ اس کی بالکل بھی توقع نہیں کر رہے تھے' بغیر کسی سائنسی مداخلت کے یہ معجزہ رونما ہو گیا۔ جب وہ اپنے گھر واپس پہنچے تو فرمینا چھ ماہ کی حاملہ تھی اور خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین عورت تصور کر رہی تھی۔ جس کے بچے کی وہ دونوں خواہش کر رہے تھے' وہ بخیر و خوبی عقرب کے نشان کے تحت پیدا ہو گیا اور ہیضے سے مرنے والے اپنے دادا کے اعزاز میں اسے بپتسمہ دیا گیا۔

یہ جاننا ممکن نہیں تھا کہ یہ محبت تھی یا یورپ' جس نے انھیں تبدیل کر دیا تھا۔ اس لیے کہ یہ دونوں واقعات ایک ساتھ رونما ہوئے۔ درحقیقت وہ ایک دوسرے میں ہی مست نہ تھے مل کہ ہر ایک کے ساتھ مگن تھے' جیسے کہ اپنی بدقسمتی کے اس اتوار کو فلورنٹینو آریزا نے ان کی آمد کے دو ہفتوں بعد عشائے ربانی سے نکلتے ہوئے ان کا تصور کیا تھا۔ وہ زندگی کے ایک نئے تصور کے ساتھ واپس آئے تھے۔ وہ دنیا کے جدید ترین رجحانات اپنے ساتھ لائے تھے اور ان کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے تیار تھے۔ ڈاکٹر' ادب' موسیقی اور سائنس میں حالیہ ترقی سے آگاہ تھا۔ وہ لی فگارو کا مستقل خریدار تھا تاکہ وہ

حقیقت سے ناطہ نہ توڑ پائے اور دوسری طرف ادبی جائزوں کا خریدار بھی تا کہ شاعری سے اس کا تعلق ختم نہ ہونے پائے۔ اس نے پیرس میں اپنے کتب فروش سے یہ بھی طے کرلیا تھا کہ وہ سب سے زیادہ پڑھے جانے والے مصنفین کی کتابیں اسے بھیجتا رہے، جس میں اناطول فرانس اور پیرے لوئی شامل تھے، اور ان دوسروں کی، بشمول دیے ڈی گوامانٹ اور پال بورجے کی کتابیں بھی جنھیں وہ سب سے زیادہ پسند کرتا تھا۔ مگر کسی بھی صورت، ان میں ایملی زولا کی کوئی کتاب شامل نہ ہو، جس سے وہ باغی فرانسیسی فوجی افسر ڈریفس کے معاملے میں اس کی دلیرانہ مداخلت کے باوجود نفرت کرتا تھا۔ وہی کتب فروش اس بات پر بھی راضی ہوگیا کہ وہ اسے ریکارڈ کی کیٹلاگ سے سب سے زیادہ مسحور کن ریکارڈ بھی بھیجتا رہے گا۔ خاص طور پر چیمبر میوزک، تا کہ وہ اپنے باپ کے اس اعزاز کا جائز طور پر مستحق قرار پائے جو کہ شہر میں موسیقی کے پروگراموں کے لیے سب سے زیادہ دلچسپی رکھنے کے سلسلے میں اسے حاصل تھا۔

فرمینا دازا، جو ہمیشہ فیشن کے تقاضوں سے پرے رہتی تھی، مختلف زمانوں کے کپڑوں کے چھ ٹرنک اپنے ہمراہ لائی۔ بڑے تجارتی ناموں سے وہ متاثر نہیں ہوتی تھی۔ وہ سرما کے وسط میں، تو تھیریز میں ورتھ کی نمائش کے سلسلے میں ٹوئے لیریز گئی تھی، اور وہاں سے واحد چیز جو اس نے لی وہ برانکائٹس کا مرض تھا، جس کی وجہ سے وہ پانچ دن بستر میں پڑی رہی۔ لیفیر یا اسے تصنع اور حرص میں کم لگا، مگر اس کا دانائی پر مبنی فیصلہ یہ تھا کہ وہ استعمال شدہ چیزوں کی دکانوں سے اپنا ذخیرہ خریدے، اگر چہ اس کے شوہر نے شدید مایوسی میں حلفاً یہ کہا کہ یہ مرداروں کا لباس ہے۔ اسی طرح وہ بغیر کسی مشہور نام کے بہت سے اطالوی جوتے بھی اپنے ساتھ لائی، جن کو اس نے مشہور اور مستند فیری کے جوتوں پر ترجیح دی، اور وہ ڈوپے سے جہنم کے شعلوں کی طرح ایک سرخ چھتری لے کر آئی، جس نے ہمارے باخبر سماجی رسائل کے لکھنے کے لیے خاصا مواد مہیا کر دیا۔ اس نے میڈم ری بوکس سے صرف ایک ہیٹ خریدا مگر اس کے برعکس اس کے پاس مصنوعی شاہ دانوں کی ڈالیوں سے بھرا ہوا ایک پورا ٹرنک تھا۔ ان تمام نمدہ نما پھولوں کی ڈنڈیاں جو اسے ملیں، شتر مرغ کے پروں کے جھے، موروں کی کلغیاں ایشیائی مرغوں کی دم کے پر، رنگوں سے بھرے جنگلی مرغ، گنگناتے ہوئے پرندے، اڑان، پکار اور جنون کی حالتوں میں محفوظ کیے ہوئے، بدیسی پرندوں کی بے شمار اقسام، ہر وہ چیز جو گذشتہ بیس برسوں میں ہیٹ کی صورتوں کی تبدیلی کے لیے استعمال ہوئی ہو، وہ تمام دنیا سے چن کر جمع کر کے اپنے ہمراہ لائی۔ جن میں سے ہر کوئی مختلف مواقع کی مناسبت سے تھا۔ وہ بازار ڈی لا چیرٹ کی بہت سی دکانوں میں سے ایک پریشان کن خوشبو پسند کر کے

ہمراہ لائی۔ بہار کی ہواؤں نے ہر شے کو مٹی میں بدل دیا' مگر اس نے اسے صرف ایک بار استعمال کیا کیو ں کہ وہ خود کو اس نئی خوشبو میں پہچان نہ پائی تھی۔ وہ ایک سنگھار دان بھی اپنے ساتھ لائی جو دل کشی پیدا کرنے کی جدید ترین اشیا سے مزین تھا اور وہ ایسے وقت میں پارٹیوں میں اسے اپنے ساتھ لے جاتی رہی جس زمانے میں پبلک میں کسی کے سامان آرائش کا جائزہ لینا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ ان کی واپسی پر تین نا قابل فراموش یادیں بھی ان کے ہمراہ تھیں: پیرس میں ہوف مین کی کہانیوں کا بے مثال افتتاح' ایک خوفناک آگ جس نے وینس کے سینٹ مارک چوک پر لگے تقریباً تمام بجروں کو تباہ کر دیا' اور جسے انھوں نے اپنے ہوٹل کی کھڑکی سے ایک دکھی دل کے ساتھ دیکھا' اور جنوری کی پہلی برفباری میں آسکر وائلڈ کی ایک لمحاتی جھلک۔ مگر ان یادوں اور بہت ساری دوسری یادوں کے ساتھ ڈاکٹر جووینل اربینو کی ایک اور یاد بھی تھی جس کا اپنی بیوی سے ذکر نہ کرنے کا اس کو ہمیشہ پچھتاوا رہا۔ اس کا تعلق اس کے پیرس میں اپنی غیر شادی شدہ زندگی کے دور سے تھا۔ یہ وکٹر ہیوگو کی یاد تھی جس کو یہاں ایک ایسی پرشوق شہرت حاصل تھی' جس کا اس کی کتابوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ کیوں کہ کسی نے کہا تھا کہ' بقول اس کے' مگر حقیقت میں کسی نے اسے یہ کہتے نہیں سنا تھا کہ'' ہمارا آئین انسانوں کے لیے نہیں بل کہ فرشتوں کے لیے بنا ہے'' اس وقت سے وہ خصوصی احترام کا مستحق ٹھہرا تھا اور ہمارے بہت سے ہم وطن، جن کا فرانس جانا ہوا' خصوصی طور پر اس سے ملنے گئے۔ بشمول جووینل اربینو آدھی درجن طلبا کے ساتھ ایونیو ایلاؤ پر اس کی رہائش گاہ کے باہر ان کیفوں پر، جن کے بارے میں سنا گیا تھا کہ وہ ہر صورت بلا ناغہ پہنچتا ہے اور وہاں وہ کبھی نہیں آیا' مستعد کھڑے رہتے اور بالآخر انھوں نے اسے ایک تحریری درخواست بھیجی کہ وہ ریونیگرو آئین کے فرشتوں کے نام پر انھیں ایک نجی ملاقات کا موقع دے۔ انہیں کبھی اس کا جواب نہیں ملا۔ ایک روز جب جووینل اربینو لکسمبرگ کے باغات سے گزرنے کا اتفاق ہوا' اس نے اسے ایک نوجوان عورت کی بانھوں میں بانہیں ڈالے سینیٹ سے نکلتے دیکھا۔ وہ بہت بوڑھا لگ رہا تھا اور بہت مشکل سے چل رہا تھا۔ اس کی تصویروں کی نسبت اس کی داڑھی اور سر کے بال کم چمک دار لگ رہے تھے اور اس نے ایک اوورکوٹ پہن رکھا جو لگتا تھا کہ کسی ایسے شخص کا تھا جو جسامت میں اس سے بڑا ہو۔ وہ اس وقت کسی بے محل خیر مقدمی جملے سے اس یاد کو خراب نہیں کرنا چاہتا تھا: وہ اس قریباً غیر حقیقی منظر سے مطمئن تھا، جسے اس نے ساری زندگی یاد رکھنا تھا۔ جب وہ ایک شادی شدہ شخص کی حیثیت سے پیرس گیا' جب کہ وہ اس مقام پر تھا کہ اب اسے نسبتاً رسمی انداز میں مل سکے' وکٹر ہیوگو پہلے ہی مر چکا تھا۔ تشفی کے طور پر'

جووینل اربینو اور فرمینا دازا نے اس برف زدہ دوپہر کی یاد میں ایک دوسرے کو شریک رکھا، جب انھوں نے ایک ہجوم کو دیکھا، جس نے بلیوارڈ ڈی کیپو سینز کے باہر ہلہ بولا ہوا تھا اس کے اندر آسکر وائلڈ موجود تھا۔ بالآخر جب وہ باہر آیا، واقعی پر وقار، مگر ایسا ہونے کی وجہ سے اس کے وفور سے آگاہ بھی، وہ گروہ اس کے گرد اکٹھا ہو کر یہ درخواست کرنے لگا کہ وہ ان کی کتابوں پر دستخط کر دے۔ ڈاکٹر اربینو محض صرف اسے دیکھنے کے لیے رکا تھا، لیکن اس کی متلون بیوی نے چاہا کہ وہ بلیوارڈ عبور کر کے اس کے قریب پہنچتا کہ وہ اس کے پاس کتاب نہ ہونے کی صورت میں، اس واحد چیز یعنی غزالی کھال سے بنے اپنے خوبصورت دستانے پر دستخط کر دے جو اس کے نزدیک اس کے لیے نہایت موزوں تھا۔ اس کا خوبصورت لمبا، ہموار، نرم دستانہ بالکل ویسے ہی رنگ کا جیسا اس کی نوبیاہتا جلد کا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس جیسا نفیس شخص اس کے اس انداز کو پسند کرے گا، مگر اس کے خاوند نے سختی سے اس کو منع کیا اور جب وہ اس کے دلائل کے باوجود جانے پر بضد رہی تو اسے لگا کہ وہ اس گھبراہٹ کو برداشت نہیں کر پائے گا۔

''اگر تم اس گلی کو پار کرو گی۔'' اس نے اس سے کہا: ''جب تم واپس آؤ گی تو تم مجھے مردہ پاؤ گی۔''

اس میں یہ بات فطرتاً تھی۔ شادی کو ایک سال ہونے پر وہ دنیا میں اسی اعتماد کے ساتھ پھرنے لگی جیسے وہ سان جوان ڈی لاسینیگا کے جنگلوں میں گھوما کرتی تھی۔ جیسے یہ یقین اس کے ساتھ اس کے جنم ہی سے وابستہ تھا اور اجنبیوں کے ساتھ وہ اس قدر آسانی سے پیش آتی تھی کہ اس کا شوہر دم بخود رہ جاتا۔ اور اس میں ہسپانوی زبان میں کسی سے بھی کہیں بھی اپنا مدعا سمجھانے کا پراسرار ہنر آتا تھا۔ ''جب تم کوئی چیز فروخت کرنے جاؤ، تو تمھیں اس کی زبان سے واقف ہونا چاہیے۔'' وہ ایک تمسخرانہ ہنسی کے ساتھ کہا کرتی۔ ''مگر جب تم خریدنے جاؤ، ہر کوئی آپ کو سمجھنے کے لیے سب کچھ کرتا ہے۔'' یہ تصور کرنا مشکل تھا کہ کوئی کس طرح پیرس کی روزمرہ زندگی کو اتنی برق رفتاری اور اتنی خوشی سے اپنے اندر سمو سکتا ہے اور کوئی کس طرح ابدی بارش کے باوجود اس کی یاد سے محبت کر سکتا ہے۔ پھر بھی جب اتنے سارے تجربات سے بے حد جذباتی ہوئے، وہ واپس اپنے وطن پہنچی، سفر کی تھکان سے چور، اپنے حاملہ ہونے کی بنا پر غنودگی کے عالم میں، بندرگاہ پر اس سے پہلا سوال جو پوچھا گیا، وہ یہ تھا کہ اس نے یورپ کے عجائب کو کیسا پایا۔ اور اس نے مسرت کے ان بہت سارے مہینوں کو کریبین کی عامیانہ زبان کے چار لفظوں میں سمو دیا۔ ''ایسا کوئی خاص تو نہیں'۔

جس روز فلورنٹینو آریزا نے فرمینا دازا کو کیتھڈرل کی دہلیز پر اس روپ میں دیکھا کہ وہ چھ ماہ کی حاملہ تھی اور اس دنیا کی عورت ہونے کی اپنی نئی حیثیت پر مکمل طور پر خود مختار لگ رہی تھی تو اس نے اسی وقت شہرت اور دولت حاصل کرنے کا اٹل فیصلہ کر لیا۔ تا کہ وہ خود کو اس کے قابل بنا سکے۔ اس نے اس کے شادی شدہ ہونے کی رکاوٹ پر ایک لمحے کے لیے بھی غور نہیں کیا۔ کیوں کہ اسی وقت اس نے ایک اور فیصلہ بھی کیا' جیسے کہ یہ صرف اسی پر منحصر ہو' اور وہ یہ کہ ڈاکٹر جووینل اربینو کو مرنا پڑے گا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ کب اور کیسے۔ وہ اسے ایک ایسی ''ہونی'' سمجھتا تھا جس سے فرار ممکن نہیں تھا اور وہ بغیر کسی بے صبری یا تشدد کے اس کے وقوع پذیر ہونے کا انتظار کرنے کے لیے تیار تھا۔ چاہے یہ انتظار کائنات کے اختتام تک ہی کیوں نہ دراز ہو جائے۔

اس نے اس جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ وہ بغیر بتائے کریبئن جہاز راں کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے صدر اور جنرل مینجر چچا لیو ہفتم کے دفتر میں نمودار ہوا' اور اس کے بتائے ہوئے منصوبوں کے مطابق کام کرنے کے لیے اپنی آمادگی کا اظہار کیا۔ ولاڈی لیوا میں اس نے جس انداز میں ٹیلی گراف آپریٹر کی ملازمت کو ٹھکرا دیا تھا' اس پر اس کا چچا اس سے سخت ناراض تھا۔ مگر اس نے خود کو اپنے اس یقین کے زیر اثر رہنے دیا کہ انسان صرف ایک ہی بار اس روز جنم نہیں لے لیتے جس روز ان کی مائیں ان کو جنتی ہیں۔ زندگی انہیں بار بار اس بات کا موقع دیتی ہے کہ وہ خود کو جنم دے سکیں۔ یوں بھی اس کے بھائی کی بیوہ ایک سال ہوئے دل میں تلخی کا دکھ لیے' بغیر کسی وارث کے مر چکی تھی۔ چناں چہ اس نے اپنے خطا کار بھتیجے کو ملازمت دے دی۔

یہ فیصلہ ڈان لیو ہفتم لوایزا کے مزاج کی صحیح عکاسی کرتا تھا۔ جذبات سے عاری ایک سوداگر کے خول میں زندگی سے بھرپور ایک دیوانہ چھپا ہوا تھا۔ جو صحرائے گجرا میں تر نجاب بہار لانے کا ایسے ہی خواہش مند رہتا' جیسے وہ کسی پر وقار ماتمی جنازے کو اپنی دلخراش نوحہ خوانی سے بھگو دیتا تھا۔ اس کے بال گھنگھریالے تھے۔ اس کے ہونٹ کسی جنگلی دیوتا کے ہونٹوں کے مانند تھے اور اگر اسے لارل کا ہار پہنا کر اس کے ہاتھوں میں بربط تھما دیا جاتا تو وہ عیسائی دیومالا کے آتش انگیز نیرو سے کسی طور بھی مختلف نظر نہ آتا۔ جب وہ اپنے خستہ حال جہازوں کے' جواب تلک اپنی پریشان قسمت کی بنا پر تیر رہے تھے' انتظام میں مشغول نہ ہوتا' یا دریائی جہاز رانی کے روز افزوں بڑھتے ہوئے مسائل میں سر نہ کھپا رہا ہوتا' تو وہ اپنا فارغ وقت اپنے آلات موسیقی کے ذخیرے کو بڑھانے میں صرف کرتا۔ اسے سب سے زیادہ

دلچسپی جنازوں میں نوحہ خوانی سے تھی۔اس کی آواز قدیم جنگی جہازوں کے غلاموں کے مانند تھی۔جن کی مناسب ترتیب تو نہ ہوتی تھی مگر وہ اس قابل ضرور ہوتے کہ متاثر کن سر نکال سکیں۔کسی نے اسے بتایا تھا کہ افریکو کروسو اپنی آواز کی قوت سے کسی گلدان کے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا تھا اور یوں اس نے کئی برس اس کی نقل کرنے میں گذار دیے۔حتیٰ کہ اس نے کھڑکی کے شیشوں پر بھی اس کی مشق کی۔اس کے دوست اپنے دنیا بھر کے سفروں کے دوران میں اس کے لیے نہایت نفیس گلدان لاتے اور اس کے لیے خصوصی پارٹیوں کا اہتمام کرتے تا کہ وہ اپنے خواب کی تکمیل کر سکے۔وہ کبھی کامیاب نہ ہوا۔پھر بھی اس کی آواز کی گونج میں درد کی ایسی لرزتی صدا ہوتی جو اس کے سننے والوں کے دلوں کو یوں چیر دیتی جیسے وہ عظیم کروسو کے کرسٹل کے گلدان ہوں۔اور اسی وجہ سے وہ جنازوں پر سب سے زیادہ چاہے جانے والا شخص بن گیا تھا۔صرف ایک بار جب اسے ایک ایسے موقع پر لوزیانہ کے خوبصورت اور دردانگیز ماتمی گیت: ''جب میں عظمتوں کے سائے میں بیدار ہوتا ہوں'' گانے کا خیال سوجھا' تو پادری نے اسے خاموش ہو جانے کو کہا۔اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کے چرچ میں یہ پروٹسٹنٹ کہاں سے ٹپک پڑا تھا۔

چناں چہ ان غنائی تمثیلوں کے مظاہروں اور اپنے عاشقانہ گیتوں کے ساتھ ساتھ اس کے تخلیقی جوہر اور نا قابل تسخیر مہم جو طبیعت نے دریائی جہاز رانی کے بہترین دنوں میں اسے سب سے کامیاب شخص بنا دیا تھا۔اپنے گذر جانے والے بھائیوں کی طرح اس کا بھی کوئی پس منظر نہیں تھا۔ایسے غیر قانونی بچے ہونے کے داغ کے باوجود جنھیں کبھی بھی تسلیم نہ کیا گیا ہو' وہ زندگی میں ہر اس مقام تک پہنچے جن کی انھوں نے خواہش کی۔وہ اس زمانے کے اعلیٰ ترین لوگ تھے' جنھیں ان دنوں تجارتی اشرافیہ کہا جاتا تھا اور تجارتی کلب جن کے لیے مقدس جگہ کا مقام رکھتا تھا۔مگر اس کے باوجود' اب جب کہ اس کے پاس اس قدر وسائل تھے کہ وہ اس رومن شہنشاہ کی طرح زندگی گذار سکتا تھا جس سے وہ مشابہہ تھا' چچا لیو ہفتم پرانے شہر میں ہی رہتا تھا کیوں کہ اس کے کاروبار کے لیے یہ جگہ مناسب تھی۔اس کا طرز زندگی اور مکان اس قدر سادہ تھا کہ وہ کبھی بھی ایک کنجوس انسان ہونے کی شہرت سے دامن نہیں چھڑا سکا تھا۔اس کی واحد عیاشی اس سے بھی زیادہ سادہ تھی۔ساحل سمندر پر ایک گھر جو اس کے دفاتر سے دو فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔اس میں ہاتھ سے بنے ہوئے چھ سٹول' مٹی کے برتنوں کے لیے ایک سٹینڈ' اور چبوترے پر ایک جھولنا تھا' جہاں وہ اتوار کے دنوں میں بیٹھ کر غور و فکر میں مشغول رہتا۔اس کے اپنے علاوہ کسی اور نے اس کا تجزیہ اس سے بہتر انداز میں نہیں کیا تھا۔جب کسی نے اس کے امیر ہونے کا طعنہ

دیا تو اس نے کہا۔ ''نہیں' میں ایک غریب آدمی ہوں جس کے پاس دولت ہے اور یہ ایک ہی بات نہیں ہے۔'' یہ اس کی انوکھی فطرت تھی جسے کسی نے ایک بار اپنی تقریر میں منور دیوانگی قرار دیا تھا اور جس کی بنا پر ایک ہی لمحے میں اسے فلورنتینو آریزا میں وہ کچھ دکھائی دے گیا' جو آج تک ہر ایک کی نگاہ سے اوجھل رہا تھا۔ اس روز سے' جب وہ اپنے چھبیس رایگاں سالوں اور خستہ حال صورت لیے اس کے دفتر میں ملازمت کے حصول کے لیے آیا تھا، اس نے اسے ایسی کڑی آزمائشوں سے گزارا جو کسی مضبوط ترین شخص کو بھی بے حوصلہ کرنے کے لیے کافی تھیں۔ مگر اس نے اسے ڈرایا نہیں۔ جس بات میں چچا لیو بفتم کو ذرہ برابر بھی شبہ نہیں تھا وہ یہ تھی کہ اس کے بھتیجے میں یہ حوصلہ اپنی بقا کی جدوجہد کے لیے' یا اپنے باپ سے ورثے میں ملنے والی وحشی بے اعتنائی کے باعث پیدا نہیں ہوا تھا' بل کہ یہ محبت کی ایسی شدید خواہش کے نتیجے میں در آیا تھا، جسے اس جہان یا اگلے جہاں کی کوئی بھی رکاوٹ' کبھی بھی روکنے میں کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔

اس کے ابتدائی سال، اس کے لیے سخت ترین ثابت ہوئے۔ اس دوران میں اسے بورڈ آف ڈائرکیٹرز کے عملے میں کلرک کے عہدے پر تعینات کیا گیا۔ یہ ایسا عہدہ تھا جو بظاہر یوں لگتا تھا جیسے اسی کے لیے بنایا گیا ہو۔ چچا لیو بفتم کے موسیقی کے پرانے استاد لوٹا ریو ٹھگٹ نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو کوئی لکھنے کا کام دے' کیوں کہ وہ ادب کا بے حد شوقین تھا۔ چچا لیو نے اس کی اپنے بھتیجے کے مطالعے کے برے ذوق کے بارے میں کی گئی اس کی بات سے اتفاق نہیں کیا۔ لوٹا ریو ٹھگٹ یہ بھی کہتا تھا کہ وہ گانا سیکھنے میں اس کا سب سے نکما شاگرد تھا۔ حالاں کہ وہ اب بھی اپنی آواز سے کسی سنگ مزار تک کو رلا سکتا تھا۔ بہر حال اس جرمن کی رائے اس کے اس پہلو پر بالکل صحیح تھی' جس کے بارے میں اس نے سب سے کم توجہ دی تھی' اور وہ یہ کہ فلورنتینو آریزا ہر بات اس قدر جذباتی انداز میں تحریر کرتا تھا کہ دفتری خطوط پر بھی محبت ناموں کا گماں گذرنے لگتا۔ سامان تجارت کے بارے میں اس کے لکھے خط منظوم ہوتے چاہے' وہ اس سے بچنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرتا اور اس کے معمول کے کاروباری خطوط غنائی انداز لیے ہوتے جس کی بنا پر وہ قدرے غیر مستند لگتے۔ اس کا چچا ایک روز خود ایسے خطوط کا پیکٹ اٹھائے اس کے دفتر میں آیا' جس پر اس نے نام لکھنے کی جرات نہ کی تھی اور اسے آخری موقع دیتے ہوئے کہا۔

''اگر تم ایک کاروباری خط بھی صحیح نہیں لکھ سکتے تو تمہیں عرشے پر سے کوڑا کرکٹ اٹھانے پڑے گا۔''

فلورنیتو آریزا نے یہ چیلنج قبول کر لیا۔اس نے سادہ تجارتی نثر کے رموز سیکھنے کی انتھک کوشش شروع کر دی۔اس نے تجارت سے متعلق فائلوں کی نقل کی مشق اس طرح کرنا شروع کر دی جس طرح وہ کبھی مشہور شاعروں کے انداز شعر کو اپنانے کی کوشش کرتا تھا۔یہ وہ وقت تھا جب وہ اپنا فارغ وقت منشی آرکیڈ میں گذارتا تھا۔ جہاں وہ ادبی ذوق سے عاری عاشقوں کو ان کے مہک دار محبت نامے لکھنے میں مدد کرتا تا کہ وہ اپنے دل کو محبت کے ان تمام الفاظ کے بوجھ سے آزاد کر سکے، جنھیں وہ کسٹم کی رپورٹوں میں استعمال نہیں کر سکتا تھا۔مگر چھ ماہ بعد خود کو بدلنے کی اس قدر سخت محنت کے باوجود وہ خود کو بدلنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔چناں چہ جب چچا لیو ہفتم نے دوسری بار اس پر لعن طعن کی تو اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی مگر کسی قدر تند خوئی کے ساتھ۔

''میری واحد دلچسپی محبت سے ہے۔''اس نے کہا۔

''مصیبت یہ ہے۔''اس کے چچا نے کہا:''کہ دریائی جہاز رانی کے بغیر کسی محبت کا بھی وجود نہیں ہے۔''

اس نے عرشے پر سے کوڑا کرکٹ اٹھوانے کی اپنی دھمکی پر عمل کیا مگر اس کے ساتھ ہی اس نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اسے درجہ بدرجہ اس ملازمت کے دوران میں ترقی دیتا رہے گا، جب تک کہ وہ اپنا مقام نہ حاصل کر لے اور اس نے ایسا کر دکھایا۔کسی بھی قسم کا کوئی کام، چاہے وہ کتنا بھی سخت اور ذلت آمیز ہو، اسے شکست نہ دے سکا۔کوئی تنخواہ چاہے وہ کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو اس کے حوصلوں کو کم نہ کر سکی۔اور جب کبھی اسے اپنے اعلیٰ اہلکاروں کے توہین آمیز رویہ کا سامنا ہوا تب بھی کبھی اس نے اپنی ذات کے لازمی جزو بے خوفی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔مگر وہ اس قدر سادہ لوح بھی نہ تھا۔ہر وہ شخص جس نے اس کا راستہ کاٹنے کی کوشش کی اس نے اس کی بے یارو مددگار صورت کے پیچھے چھپے اس کے بے پناہ مصمم ارادے کے ہاتھوں زک اٹھائی۔بعینہٖ جس طرح چچا لیو ہفتم نے تصور کیا تھا اور جس کی اسے خواہش تھی، کہ اس کا بھتیجا کاروبار کے کسی راز سے غافل نہ رہے، فلورنیتو آریزا نے اپنی تیس سالہ ملازمت میں ہر عہدے سے گذرتے ہوئے ہر آزمائش کو پوری توانائی اور استحکام سے نبٹایا۔اس نے اپنے تمام فرائض قابل رشک مہارت سے سرانجام دیے۔وہ ہر بات کا مطالعہ ویسی ہی باریک بینی سے کرتا تھا جو اس کے شاعرانہ مزاج سے مطابقت رکھتی تھی۔مگر وہ کبھی اس اعزاز کو نہ پا سکا جس کی اس نے سب سے زیادہ تمنا کی تھی اور وہ یہ کہ کبھی وہ ایک، محض ایک قابل قبول کاروباری خط ہی تحریر کر سکے۔بلا ارادہ بغیر یہ جانتے

ہوئے'اس نے اپنی زندگی سے اس بات کو ثابت کیا کہ جسے اس کا باپ صحیح طور پر دہراتا رہا تھا کہ کوئی شاعر سے زیادہ عام فہم' کوئی سنگ تراش اس سے زیادہ ضدی'اور کوئی بھی منتظم اس سے زیادہ صاف ذہن'یا خطرناک نہیں ہوسکتا تھا۔ایسی باتیں اس کا چچا لیوہفتم اپنی فراغت کے جذباتی لمحوں میں اس کے باپ کے بارے میں کیا کرتا تھا اور اس کی تصویر کشی وہ ایسے انداز میں کرتا جس سے اس پر ایک کاروباری شخص کی نسبت ایک خواب پرست کا زیادہ گمان گذرنے لگتا۔

اس نے اسے بتایا کہ پائیز پنجم لویازا اپنے دفتروں کو جن کاموں کے لیے استعمال کرتا تھا وہ کاروباری امور کی نسبتاً زیادہ پرمسرت ہوتے تھے اور وہ یہ اہتمام ضرور کرتا کہ ہر اتوار کو اس بہانے کہ کسی کشتی نے آنا ہے یا اس نے کسی کشتی کو روانہ کرنا ہے' گھر سے باہر چلا جائے۔مزید یہ کہ اس نے صحن کے گودام میں ایک پرانی بھٹی لگا رکھی تھی' جس کے ساتھ ایک دخانی سیٹی لگی ہوتی' جو جہاز رانی کے کسی پیغام کے مانند معلوم ہوتی۔یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تھا کہ اس کی بیوی کو کسی قسم کا شک نہ گزرے۔ اپنے اندازوں کے مطابق چچا لیوہفتم کو یقین تھا،فلورنتینو آریزا کا بیج اتوار کی ایک سہ پہر کو ایک بے قفل دفتر کے ڈیسک پر بویا گیا تھا'اس دوران میں اس کی بیوی ایک ایسی کشتی کی الوداعی گھنٹیاں سن رہی تھی جو کبھی اپنے سفر پر روانہ ہی نہیں ہوئی۔جس وقت تک اس کی بیوی کو اس راز کا علم ہوا اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی کہ وہ اس کو خاندان کی ذلت کا ذمہ دار ٹھہرا سکے کیوں کہ وہ پہلے ہی مر چکا تھا۔وہ اس کے گزرنے کے کئی سال،بعد تک زندہ رہی۔اپنے بے اولاد ہونے کی تلخی میں برباد وہ خدا سے اس کے حرامی بچے کی دائمی بربادی کے لیے دعائیں مانگتی رہتی۔

اپنے والد کے اس تصور نے فلورنتینو آریزا کو پریشان کر دیا۔اس کی ماں کے مطابق وہ ایک عظیم انسان تھا جس کی تجارتی امور میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔اس کے اس دریائی کاروبار میں شمولیت کی وجہ اس کے بڑے بھائی کی بابائے دریائی جہاز رانی 'جرمن کموڈور جوھان بی ایبیز ز سے دوستی تھی۔وہ سب ایک ہی ماں کے ناجائز بیٹے تھے جو پیشے کے لحاظ سے ایک باورچن تھی اور جس نے ان کو مختلف مردوں سے اختلاط کے نتیجے میں جنا تھا۔ان سب کے ناموں کے ساتھ ان کی ماں کا خاندانی نام اور ولیوں کے کیلنڈر سے چنا ہوا کسی پوپ کا نام ہوتا تھا' سوائے چچا لیوہفتم کے جس کا نام ان دنوں اس وقت کے موجود پوپ کے نام پر رکھا گیا تھا۔فلورنتینو نامی شخص ان کا نانا تھا۔اور یہ پاپاؤں کی ایک پوری پیڑھی سے انحراف کرتا ہوا ترانسیتو آریزا کے بیٹے کے حصے میں آیا۔

فلورنتینو ہمیشہ اس نوٹ بک کو اپنے پاس رکھتا جس میں اس کے باپ نے عشقیہ نظمیں لکھی ہوتیں۔ان میں سے کچھ نظمیں اس کی ماں سے متاثر ہو کر کہی گئی تھیں۔اس کے صفحات کو شکستہ دلوں کی تصویروں سے مزین کیا گیا تھا۔دو چیزوں نے اسے بہت حیران کیا۔ایک تو اس کی تحریر کا انداز تھا جو بالکل اس کے اپنے خط تحریر سے مشابہہ تھا، اگر چہ اس نے یہ محض اس لیے منتخب کیا تھا کہ مینوئل میں موجود سارے خطوط تحریر میں یہی اس کو پسند آیا تھا۔دوسرا' وہاں ایک ایسے فقرے کا موجود ہونا تھا جو اس کے خیال میں اس نے خود موزوں کیا' مگر اسے اس کا باپ اس کی پیدائش سے پہلے ہی تحریر کر چکا تھا۔''اگر میں محبت کے لیے نہ مرا تو مرتے دم یہ میرا واحد دکھ ہو گا۔''

اپنے والد کی صرف دو دستیاب تصویریں بھی وہ دیکھ چکا تھا۔ایک تصویر سانتا فے میں اتاری گئی تھی۔جب وہ نوجوان تھا اور اسی عمر کا تھا جس عمر میں فلورنتینو آریزا نے پہلی بار اس تصویر کو دیکھا تھا۔اس میں اس نے ایک اوورکوٹ پہنا ہوا تھا۔جسے دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے اسے ریچھ کی کھال میں ٹھونس دیا گیا ہو۔اور وہ ایک ایسی کرسی پر جھکا ہوا تھا جس پر ایک سر کٹے مجسمے کے ساق پوشوں کو سہارا گیا تھا۔اس کے ساتھ دوسری تصویر میں اس کے ہاتھوں میں سب سے بڑی رائفل تھی اور اس کی مونچھوں میں بارود کی بو تھی، جو تصویر سے باہر پھیلتی محسوس ہو رہی تھی۔وہ اپنے بھائیوں کی طرح آزاد خیال اور میسن تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا مدرسۂ اطفال جائے۔فلورنتینو آریزا کو اپنے باپ سے ایسی کوئی مشابہت نظر نہیں آتی تھی' جس کا لوگوں نے مشاہدہ کیا تھا مگر اس کے چچا لیو ہفتم کے مطابق پائیز پنجم کو بھی دفتری خطوط کو غنائیہ انداز میں لکھنے پر' سخت سرزنش کی جاتی تھی۔کسی بھی صورت میں بہرحال وہ تصویروں میں یا اس کے لیے اپنی یادوں میں یا اس شبیہہ میں جو محبت میں گندھی ہوئی اس کی ماں نے اس کے سامنے پیش کی تھی' یا اس بے رنگ تصویر میں جو اس کے چچا لیو ہفتم نے اپنے بے رحم مذاق کے ساتھ اس کو دکھائی تھی' کہیں بھی اس نے خود کو اپنے باپ سے مشابہہ محسوس نہیں کیا۔تاہم کئی سالوں بعد' جب وہ آئینے کے سامنے اپنے بال سنوار رہا تھا تو فلورنتینو آریزا نے اس مشابہت کو دریافت کیا اور اسی وقت سے یہ بات سمجھ آئی کہ کوئی شخص خود کو اس وقت بوڑھا ہوتے ہوئے محسوس کرتا ہے جس سے وہ خود اپنے باپ کی طرح لگنا شروع ہو جاتا ہے۔

دریچوں والی گلی میں اس کی کوئی یاد اس کے ذہن میں نہیں تھی۔اس کے خیال میں اسے علم تھا کہ ایک دفعہ اس کا باپ ٹرانسیتو آریزا کے ساتھ اپنے معاشقے کے ابتدائی دنوں میں وہاں سویا تھا۔مگر یہ

کہ فلورنتینو آریزا کی پیدائش کے بعد اس نے دوبارہ وہاں کا رخ نہیں کیا۔ بہت دنوں تک بپتسمہ کی سند ہی ہماری شناخت کا واحد ذریعہ ہوتی تھی اور فلورنتینو آریزا کے سلسلے چرچ میں محفوظ یہ سرٹیفکیٹ محض اتنا کچھ ہی بتاتا تھا کہ وہ ترانسیتو اریزا نامی ایک غیر شادی شدہ ناجائز بیٹی کا ناجائز بیٹا تھا۔ اس کے باپ کا نام ان کاغذات میں درج نہیں تھا۔ مگر پائیز پنجم مرتے دم تک اپنے بیٹے کی ضروریات خفیہ طور پر پوری کرتا رہا۔ اسی سماجی مجبوری کی وجہ سے مدرسہ اطفال کے دروازے فلورنتینو آریزا پر بند کر دیے گئے۔ مگر اسی کی وجہ سے اس کو ہماری سب سے خونریز جنگوں کے دوران میں بھی فوجی ملازمت سے چھٹکارا حاصل رہا کیوں کہ وہ ایک غیر شادی شدہ عورت کا اکلوتا بیٹا تھا۔

وہ جمعے کو سکول کے بعد کریبئن جہازراں کمپنی کے دفاتر کے پاس بیٹھ جاتا اور جانوروں کی تصویروں والی ایک کتاب جو اس کے بار بار دیکھنے کی بنا پر نہایت خستہ حال ہو چکی تھی' تکتا رہتا۔ اس کا باپ مبلغ سینٹ جان کا سا چہرہ بنائے عمارت میں داخل ہو جاتا۔ وہ فراک کوٹ پہنے ہوئے' جنھیں بعد میں ترانسیتو آریزا نے تبدیلیاں کر کے اس کے پہننے کے لیے موزوں کر دیا تھا اسے دیکھے بغیر عمارت میں داخل ہو جاتا۔ جب وہ کئی گھنٹوں بعد باہر نکلتا تو وہ اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ کوئی شخص' یہاں تک کہ اس کا گاڑی بان بھی اس کو دیکھ تو نہیں رہا' اس کو ہفتے کے اخراجات کے لیے پیسے دے دیتا۔ وہ آپس میں کوئی گفتگو نہیں کرتے تھے۔ محض اس لیے ہی نہیں کہ اس کے باپ نے کبھی اس کی کوشش ہی نہیں بل کہ اس لیے بھی کہ وہ خود اس سے خوفزدہ ہوتا تھا۔ ایک روز اسے اس کا' معمول سے زیادہ انتظار کرنا پڑا' اس کے باپ نے اس کو روپے دیے اور کہا۔

"انھیں لے لو اور آئندہ یہاں نہ آیا کرو۔"

آخری بار اس نے اسے اسی وقت دیکھا تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ اسے پتہ چلا کہ چچا لیومفتم جو اس سے دس سال چھوٹا تھا' ترانسیتو آریزا کے پاس متواتر رقم لے کر آتا رہا اور اسی نے پائیز پنجم کے ایک ایسے قولنج سے' جس کا علاج نہ کیا گیا' سے مرنے کے بعد' ترانسیتو آریزا کی ضروریات کا خیال رکھا۔ وہ اس کے لیے کوئی بھی تحریری ورثہ چھوڑے بغیر مر گیا تھا اور اس کو اتنی بھی مہلت نہ ملی کہ وہ اس ہستی کے لیے کوئی انتظام کر سکے جو اس کا اکلوتا بیٹا تھا: گلیوں کی اولاد۔

کریبئن جہازراں کمپنی میں کلرکی کرتے ہوئے فلورنتینو آریزا کا مسئلہ ہی یہ تھا کہ وہ لکھتے ہوئے غنائیت سے بچ نہیں سکتا تھا۔ کیوں کہ وہ ہر وقت فرمینا دازا کے بارے میں سوچ رہا ہوتا اور اس

کے تصور کے بغیر لکھنے کے خیال سے وہ کبھی آشنا ہی نہیں ہوا تھا۔ بعد ازاں' جب وہ دوسرے عہدوں پر تعینات ہو گیا تو اس کے اندر محبت کے اس قدر شدید جذبات بغیر اظہار کیے گئے باقی رہ گئے تھے کہ اس کو سمجھ نہ آتی تھی کہ وہ ان کے ساتھ کیا کرے۔ یوں اس نے بغیر کسی معاوضے کے اپنی خدمات ان ناخواندہ عاشقوں کے لیے وقف کر دیں جن کے لیے وہ منشی آرکیڈ میں بیٹھ کر ان کے محبت نامے تحریر کرتا رہتا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں وہ اپنا کام ختم کرنے کے بعد جایا کرتا۔ یہاں وہ بڑے محتاط انداز میں اپنا فراک کوٹ اتارتا۔ اپنے کف چڑھا لیتا تاکہ اس کی قمیص کی آستین میلی نہ۔ وہ اپنی صدری کے بٹن کھول دیتا تاکہ وہ بہتر انداز میں سوچ سکے اور بعض اوقات وہ رات گئے تک جنوں آمیز محبت سے بھرے خطوط سے ناامید لوگوں کا حوصلہ بڑھاتا رہتا۔ اکثر اوقات اس کے پاس کوئی غریب عورت اپنے کسی بچے کا مسئلہ لیے آتی۔ کوئی پرانا جنگی سپاہی آتا جو اپنی پنشن کی ادائیگی کے مطالبے پر اصرار کرتا۔ کوئی ایسا شخص جسے لوٹ لیا گیا ہوتا اور وہ حکومت سے اس کی شکایت درج کروانا چاہ رہا ہوتا۔ مگر بے انتہا کوشش کے باوجود وہ ان کو مطمئن نہ کر سکتا۔ محبت نامہ وہ واحد پر اثر دستاویز تھی جو وہ تحریر کر سکتا تھا۔ وہ اپنے پاس آنے والے نئے غرض مندوں سے کوئی سوال بھی نہیں پوچھتا تھا کیوں کہ اسے صرف ان کی آنکھوں کی سفیدی میں جھانکنا ہوتا تھا' جس سے ان کا سارا مسئلہ اس پر عیاں ہو جاتا اور پھر وہ فرمینا دازا اور صرف فرمینا دازا کو تصور میں لا کر دیوانہ وار محبت سے بھرے بے شمار صفحات لکھ ڈالتا۔ پہلے مہینے کے بعد اسے یہ نظام وضع کرنا پڑا کہ لوگ پہلے سے اس سے وقت حاصل کریں' تاکہ وہ آرزو سے لبریز عاشقوں کے ہجوم میں غرق نہ ہو جائے۔

اس کی سب سے خوشگوار یاد اس وقت کی تھی جب ایک بہت ہی کم عمر لڑکی اس کے پاس آئی۔ اس نے ہنستے ہوئے اس سے درخواست کی کہ وہ ایک ایسے ناقابل مزاحمت خط کا جواب اس کے لیے تحریر کر دے جو اسے کچھ دیر پہلے ملا تھا اور فلورنٹینو آریزا نے پہچان لیا کہ یہ وہی خط تھا جو اس نے گذشتہ سہ پہر لکھا تھا۔ اس نے ایک مختلف انداز میں اس کے لیے بھی ایسا خط تحریر کیا جو اسی لڑکی کا محسوس ہو۔ وہ جانتا تھا کہ کس موقع کے لیے کیسا خط تحریر اپنانا چاہیے' جو اس شخص کی شخصیت سے مطابقت رکھتا ہو۔ اس نے اس کے لیے جواب لکھتے ہوئے فرمینا دازا کا تصور کیا۔ جیسے وہ اس کو خط لکھتی اگر وہ اس کے لیے اتنی ہی شدید محبت میں گرفتار ہوتی جتنی یہ لڑکی اپنے خواستگار کے لیے محسوس کر رہی تھی۔ دو روز بعد ظاہر ہے' اسے اس لڑکے کا جواب تحریر کرنا تھا۔ اسی خط تحریر' انداز اور محبت کے ساتھ' جو وہ اس لڑکے کے ساتھ' اس

کے پہلے خط میں منسوب کر چکا تھا اور یوں وہ خواہ اپنے ہی ساتھ ایک بے قرار خط وکتابت میں مگن ہو گیا۔ ابھی ایک ماہ بھی نہ گزر تھا کہ وہ دونوں علاحدہ علاحدہ اس بات کا شکریہ ادا کرنے آئے جو اس نے خوولڑکے کے خط میں تجویز کی تھی اور خود ہی لڑکی کے خط میں پورے خلوص کے ساتھ اس کو قبول کیا تھا: وہ دونوں شادی کرنے والے تھے۔

اپنے پہلے بچے کی پیدائش کے بعد یونہی ایک بار باتیں کرتے ہوئے انھیں پتہ چلا کہ ان کے خطوط لکھنے والا شخص ایک ہی تھا اور وہ پہلی بار اکٹھے یہ درخواست لے کر منشی آرکیڈ آئے کہ وہ اس بچے کا گاڈ فادر بننا قبول کرلے۔ فلورنتینو آریزا اپنے خوابوں کی عملی تعبیر سے اس قدر خوش ہوا کہ وہ ہمہ وقت "ہمراہ عشق" نامی محبت نامہ لکھنے میں مشغول ہو گیا، جو ان نظموں کے مجموعے سے کہیں زیادہ شاعرانہ اور طویل تھا جو بیس سینٹو کے عوض گلیوں میں بکتا تھا اور جو آدھے شہر کو زبانی یاد ہو گیا تھا۔ وہ تصور میں آنے والی تمام حالتوں کو تحریر میں لایا جس میں وہ اور فرمینا دازا ہو سکتے تھے اور ان سب کے لیے اس نے وہ تمام متبادل صورت حال اور خاکے لکھے جو اس کے گمان میں آ سکتے تھے۔ جب وہ اسے لکھ چکا تو تو یہ تین جلدوں پر مشتمل ہزاروں الفاظ کے ساتھ اتنی ہی مکمل کتاب تھی جیسا کہ کودے رویا س کی مصور لغت' لیکن شہر کا کوئی بھی پبلشر اسے چھاپنے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھا۔ ترانسیتو آریزا نے اس تجویز کا کورا جواب دے دیا تھا کہ وہ مٹی کے برتنوں کو کھود کر نکالے اور عمر بھر کی جمع پونجی کو اس کتاب کے چھپوانے کی جنونی مہم میں برباد کر دے۔ برسوں بعد جب فلورنتینو آریزا کے اپنے پاس اس قدر وسائل ہو گئے کہ وہ خود یہ کتاب چھپوا سکے تو اس کے لیے یہ حقیقت تسلیم کرنا بڑا دشوار ثابت ہوا کہ اب محبت ناموں کا رواج ختم ہو چکا ہے۔

جب وہ کریبئن دریائی جہاز راں کمپنی میں اپنے مستقبل کا آغاز کر رہا تھا اور منشی آرکیڈ میں بیٹھا بلا معاوضہ خطوط لکھنے میں مصروف تھا، فلورنتینو آریزا کے ایام جوانی کے دوستوں کو یقین ہوتا جا رہا تھا کہ وہ ان سے اتنی دور جا چکا ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں اور ان کا خیال درست تھا۔ جب وہ اپنے دریائی سفر سے واپس لوٹا تو وہ فرمینا دازا کی یاد کو کم کرنے کے لیے ابھی بھی کچھ دوستوں سے ملتا رہا۔ وہ ان سے بلیرڈ کھیلتا یا ان کے ساتھ رقص کے لیے جاتا۔ اس نے خود کو لڑکیوں کی قرعہ اندازی میں گم ہونے دیا۔ ہر اس کام میں گم ہونے دیا جو اس کے خیال میں اسے اس طرح کا انسان بنانے میں مدد دے سکتا تھا، جو وہ کبھی تھا۔ بعد ازاں جب چچا لیو ہفتم نے اس کو ملازم رکھ لیا تو اس نے کمرشل کلب میں اپنے دفتر

کے ساتھیوں کے ساتھ ڈومینو کھیلنا شروع کر دیا اور انھوں نے اسے اپنا فرد سمجھنا شروع کر دیا کیوں کہ وہ ان سے جہاز راں کمپنی کے علاوہ کوئی اور گفتگو نہیں کرتا تھا' جس کا ذکر وہ اس کے پورے نام سے نہیں' بل کہ آر۔ سی۔ سی سے کرتا تھا۔

اس نے اپنے کھانے کا انداز تک بدل ڈالا۔ اب تک خوراک کے معاملے میں وہ جتنا بے قاعدہ اور لاپرواہ رہا تھا۔ اتنا ہی اب وہ اس معاملے میں سختی سے باقاعدگی برتنے لگا۔ ناشتے کے لیے بلیک کافی کا ایک بڑا کپ' لنچ کے لیے سفید چاولوں کے ساتھ ابلتے ہوئے پانی میں پکی مچھلی کا ایک ٹکڑا اور سونے سے ذرا پہلے کافی کا ایک کپ اور پنیر کا ایک ٹکڑا۔ بلیک کافی ایسی چیز تھی جو وہ کسی بھی وقت کسی بھی جگہ کیسے بھی حالات میں پیتا رہتا تھا۔ وہ ایک دن میں اس کے تیس کپ تک پی جاتا تھا۔ خام تیل کی طرح کا ایک کشیدہ جو وہ خود تیار کرنا پسند کرتا تھا' وہ ایک تھرموس میں ڈال کر ہر وقت خود سے قریب رکھتا تھا۔ اپنے مضبوط فیصلے اور اذیت آمیز جدوجہد کے باوجود جو اس نے خود کو ویسا شخص بنانے کے لیے کی' جیسا وہ محبت کے اس ناپائیدار واقعہ سے پہلے تھا' وہ اب بھی ایک مختلف شخص تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ پہلے والا انسان رہا ہی نہیں تھا۔ فرمینا دازا کا دل دوبارہ جیتنا اس کی زندگی کا واحد مقصد تھا اور اسے اپنے مقصد کے حصول کا اس قدر مکمل یقین تھا کہ اس نے ٹرانسیتو آریزا سے گھر کی تزئین نو جاری رکھنے کو کہا' تاکہ جب بھی یہ معجزہ ظہور میں آئے' یہ گھر فرمینا دازا کے استقبال کے لیے پہلے سے تیار ہو۔ ''ہمراہ عشق'' کے مجوزہ اشاعتی منصوبے پر اپنے ردعمل کے برعکس ٹرانسیتو آریزا نے اس تجویز پر مزید پیش رفت شروع کر دی۔ اس نے گھر فوراً خرید لیا اور اس کی مکمل طور پر تزئین و آرائش شروع کر دی۔

جہاں پہلے خواب گاہ تھی وہاں انھوں نے استقبالیہ بنا دیا۔ بالائی منزل پر انھوں نے دو کشادہ اور روشن خواب گاہیں تعمیر کروائیں۔ ایک شادی شدہ جوڑے کے لیے اور ایک ان بچوں کے لیے جنھوں نے ان کے ہاں جنم لینا تھا۔ اور جس جگہ پرانی تمباکو فیکٹری تھی وہاں انھوں نے ہر قسم کے گلاب کے پھولوں سے بھرا ایک باغ بنا دیا' جس کی نگہداشت طلوع صبح سے قبل اپنے فارغ وقت میں فلورنتینو آریزا خود کیا کرتا تھا۔ وہ واحد چیز جسے انھوں نے ماضی کے ساتھ اپنے تشکر آمیز جذبات کے اظہار کے لیے بالکل نہ چھیڑا' وہ ان کی چھوٹی موٹی اشیا کی دکان تھی۔ عقبی کمرے کو جس میں فلورنتینو آریزا سویا کرتا تھا' انھوں نے جھولنے اور بے ترتیب کتابوں کے انبار میں دبے میز کے ساتھ ویسا ہی رہنے دیا۔ مگر وہ خود

بالائی منزل پر شادی شدہ جوڑے کے لیے بنائے گئے کمرے میں منتقل ہوگیا۔ یہ گھر میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ ہوادار کمرہ تھا۔ اور اس میں رات کو بیٹھنے کے لیے ایک اندرونی ٹیرس تھا۔ جہاں سمندر کی ہوا اور گلاب دار جھاڑیوں کی مہک سے لطف اندوز ہوا جاسکتا تھا۔ مگر اس خواب گاہ سے فلورنتینو آریزا کی راہبانہ شدت کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ سادہ اور سفید دیواریں جو کھردری اور بے آرائش تھیں۔ اور اس میں جملہ فرنیچر ایک چارپائی، ایک نائٹ ٹیبل، جس پر ایک بوتل میں موم بتی رکھی ہوتی، ایک الماری اور ایک واش سٹینڈ پر مشتمل تھا۔

اس کام میں تقریباً تین برس لگے۔ یہ وہ مختصر سا عرصہ بھی تھا، جس دوران میں شہری زندگی کی رونقیں دریائی جہاز رانی اور تجارت کی وجہ سے بحال ہوگئیں تھیں۔ یہی وہ عناصر تھے جنھوں نے نوآبادیاتی دور سے، دوصدیوں سے زیادہ عرصے تک شہر کی عظمت کو برقرار رکھا تھا اور اسے امریکہ جانے کے لیے ایک گزرگاہ بنا دیا تھا۔ مگر اسی دوران میں ترانسیتو آریزا میں بھی اس کے ناقابل علاج مرض کی علامات نمودار ہونا شروع ہوئیں۔ اس کے مستقل گاہک جب بھی اس کی دوکان پر آتے وہ مزید بوڑھے زرد اور مرجھائے ہوئے ہوتے، اور وہ اپنی زندگی کا نصف حصہ ان سے معاملات طے کرنے کے باوجود انھیں پہچان نہ پاتی، یا وہ کسی ایک کے معاملات کو کسی دوسرے کے ساتھ الجھادیتی، جو ایک ایسے کاروبار میں ایک سنگین غلطی کا سبب بن سکتے تھے، جس میں اس کی یا گاہکوں کے موقف کی تصدیق کے لیے کوئی تحریری دستاویز موجود نہ ہوتی اور محض کسی کا زبانی کہنا ہی قبول کرلیا جاتا اور یہی اس معاملے کے لیے ایک کافی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ شروع میں یوں لگا جیسے وہ بہری ہوتی جارہی ہے۔ مگر جلد ہی یہ واضح ہوگیا کہ وہ اپنی یادداشت سے محروم ہورہی ہے۔ چناں چہ اس نے اپنا کاروبار بند کردیا۔ برتنوں میں بھرے خزانے کو دکان کی تعمیر کرنے اور اس کی آرائش پر صرف کردیا۔ جو کچھ باقی بچا، وہ انتہائی بیش قیمت قدیم جواہرات تھے جن کو واگذار کرانے کے لیے ان کے مالکوں کے پاس رقم موجود نہیں تھی۔

اس عرصے کے دوران میں فلورنتینو آریزا کو کئی ایک ذمہ داریاں نبھانا پڑ رہی تھیں مگر اس کے حوصلوں میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ اب اس نے خفیہ شکار شروع کردیے جس نے اس کے لیے آوارہ محبت کے دروازے کھولے۔ بیوہ نذارت کے ساتھ اپنے بھٹکے ہوئے معاشقے کے بعد، وہ کئی برس تک رات کے آوارہ پرندوں کا شکار کرتا رہا۔ اس امید میں کہ شاید اس طرح فرمینا دازا کے لیے اس کا دکھ ختم ہوجائے۔ مگر اس وقت تک وہ یہ نہ بتا سکتا تھا کہ بے امید جنسی تعلقات، اس کی ذہنی ضرورت تھے یا

محض اس کے بدن کی۔ عارضی قیام گاہ والے ہوٹل کی طرف اس کے پھیرے اب کم ہو گئے تھے۔ محض اس وجہ سے ہی نہیں کہ اب اس کی دلچسپیاں کسی اور جانب مبذول ہو گئیں تھیں۔ بل کہ اس لیے بھی' کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اب ان حالات میں جو ماضی کی شفاف معصومیت سے مختلف تھے' وہ اس کو وہاں دیکھیں۔ تاہم تین ہنگامی مواقع ایسے آئے کہ اسے اس سادہ حکمت عملی کی طرف رجوع کرنا پڑا جو اس کے اپنے وقت سے کہیں زیادہ قدیم تھی: اس نے اپنی شناساؤں کو جو پہچانے جانے سے خوف زدہ تھیں' مردوں کا بھیس بدلوایا اور وہ ہوٹل میں اس طرح داخل ہوئے جیسے وہ دو شریف آدمی ہوں اور قصبے سے باہر جا رہے ہوں۔ اس کے باوجود، ان میں سے دو مواقع پر کسی نے یہ نوٹ کیا کہ وہ اور اس کے ساتھ قیاس کیے جانا والا مرد، بار کی طرف نہیں بل کہ کسی کمرے میں چلے جاتے ہیں اور پہلے ہی سے فلورنٹینو آریزا کی داغ دار شہرت مزید ذلت اور رسوائی کی نذر ہو گئی۔ بالآخر اس نے وہاں جانا بند کر دیا سوائے ان چند ایک مواقع کے جب وہ کبھی وہاں اپنی کسی کھوئی ہوئی چیز کو پانے نہیں بل کہ اس کے بالکل الٹ وجہ سے گیا: ایک ایسی پناہ گاہ کی تلاش میں، جہاں وہ اپنی زیادتیوں کا ازالہ کر سکے۔

اور ایسے ہی ہوتا تھا۔ ہر سہ پہر پانچ بجے جوں ہی وہ دفتر سے نکلتا، کسی شکرے کی طرح اپنا شکار ڈھونڈنا شروع کر دیتا۔ شروع میں شب بسری کے لیے اسے جو بھی مل جاتی وہ اسی پر قناعت کر لیتا۔ وہ پارکوں میں سے غلام لڑکیوں' مارکیٹوں میں گھومتی سیاہ فام عورتوں' اور نوجوان لڑکیوں کو ساحلوں پر سے' سلہ نفیس اور نیو اور لینز سے آنے والی کشتیوں پر سے بدیسی عورتوں کو لے جاتا۔ وہ انھیں ساحل پر لے جاتا جہاں تقریباً آدھا شہر رات ڈھلے پہنچا ہوتا۔ وہ انہیں جہاں بھی لے جا سکتا لے جاتا' بل کہ بعض اوقات ایسی جگہوں پر بھی' جہاں انھیں لے جانا اس کے لیے مشکل ہوتا۔ کئی بار تو اسے جلدی میں انھیں کسی تاریک راہ داری میں لے جانا پڑتا اور کسی گیٹ کے عقب میں وہ جس حد تک' جب تک کچھ کر سکتا کر لیتا۔

لائٹ ہاؤس اس کے لیے ہمیشہ کسی سخت طوفان میں کسی مبارک پناہ گاہ کی حیثیت رکھتا تھا' جسے وہ اپنے بڑھاپے کے آغاز میں' جب اس کے پاس ہر شے تھی' اپنی یادوں میں تازہ رکھتا تھا۔ اس لیے کہ یہ ایسی جگہ تھی، جہاں پر خوشی مل سکتی تھی۔ خاص طور پر رات کے وقت اور وہ سوچا کرتا کہ اس کی محبتوں میں سے کوئی شے نکل کر اس وقت جلتی بجھتی روشنی کے ساتھ جہازوں پر پھوٹتی تھی۔ چناں چہ اس نے کسی بھی اور جگہ کی نسبت لائٹ ہاؤس جانا جاری رکھا۔ یہاں اس کا دوست لائٹ ہاؤس کیپر چہرے پر ایک

سادہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتا، اور یہ مسکراہٹ ان خوف زدہ کمسن پرندوں کے لیے مہربانی کی بہترین ضمانت ہوتی۔ ناورکی وہلیز پر چٹانوں سے سرٹکراتی موجوں کے قریب ایک گھر تھا' جس کی کسی برباد جہاز سے مماثلت کی بنا پر، وہ مل زیادہ شدت سے آشکار ہوتا تھا مگر فلورنتینو آریزا اس پر لائٹ ہاؤس کو ترجیح دیتا کیوں کہ یہاں سے مچھلیاں پکڑتی کشتیوں سمیت سارے شہر کا نظارہ اور حتیٰ کہ دوسرے علاقوں پر بھی روشنیوں کی قطار دیکھی جا سکتی تھی۔

انھی دنوں اس نے کسی عورت کی ظاہری صورت اور محبت اور اس کے ظاہری رویے کے درمیان تعلق کے متعلق اپنے سادہ نظریات ترتیب دیے۔ وہ شہوت بھری نظر آنے والی عورتوں پر اعتبار نہیں کرتا تھا۔ جنھیں دیکھنے سے یوں لگتا جیسے وہ کسی مگر مچھ کو کچا ہی چبا جائیں مگر بستر میں وہ سب سے زیادہ منفعل ہوتیں۔ جس طرح کی عورتوں کو وہ ترجیح دیتا تھا' وہ ان سے بالکل الٹ تھیں۔ دبلی پتلی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں جنھیں گلی سے گذرتے ہوئے کوئی بھی شخص مڑ کر دوبارہ دیکھنے کی زحمت نہیں کرتا تھا' جو کپڑے اتارتیں تو یوں لگتا جیسے غائب ہو گئی ہوں' جن کے جسم کو جب پہلی بار اپنی جکڑ میں لیا جائے تو ان کی چٹختی ہڈیاں آپ کو شرمسار کر دیتی ہیں۔ اس کے باوجود وہ ہر اس شخص کو، جو اپنی مردانگی پر ڈینگیں مارتا تھکتا نہ ہو' کونکا محسوس کروانے کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھیں۔ اس نے اپنے خام مشاہدوں کے نوٹس تیار کر رکھے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ 'ہمراہ عشق' کے عملی پہلو کے بارے میں ایک ضمیمہ تیار کرے گا۔ مگر اس منصوبے کا انجام بھی پچھلے منصوبے کی طرح ہی ہوا۔ یوں کہ جب آسینکا سینڈر نے اپنی زبردست مہارت کے ساتھ اُسے اور اس کے بدن کو تہہ وبالا کر دیا اور اسے بالکل نیا کر دیا اور اس کے تمام نظریات کو منتشر کر دیا اور یوں محبت کے بارے میں ایک واحد بات سمجھائی: کہ کوئی شخص زندگی کو کچھ نہیں سکھاتا۔

آسینکا سینڈر کی شادی ایک روایتی شادی تھی۔ جو بیس سال تک برقرار رہی۔ اس شادی سے اس کے تین بچے پیدا ہوئے جن کی شادیاں ہو چکی تھیں اور جن کے آگے اولادیں تھیں۔ سو یوں وہ شہر بھر میں بہترین بستر والی دادی ہونے کی ڈینگیں مارتی تھی۔ یہ کبھی واضح نہ ہو سکا کہ آیا اس نے اپنے خاوند کو چھوڑا تھا یا اس کے خاوند نے اسے چھوڑ دیا تھا، یا دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے کو چھوڑ دیا تھا۔ مگر اس کے خاوند نے اپنی مستقل داشتہ کے ساتھ رہنا شروع کر دیا تھا اور یوں اس نے خود کو اس امر میں آزاد محسوس کیا کہ وہ ایک دریائی کشتی کے کپتان روزینڈ وڈی لا روزا' جس کا استقبال پہلے وہ اکثر عقبی دروازے پر آدھی رات کو کرتی تھی' عین دن کے وقت مرکزی دروازے سے اس کو اندر لے جا سکے اور

پھر بنا سوچے سمجھے وہ فلورنٹینو آریزا کو اس سے ملوانے کے لیے لے آیا۔

وہ اسے لنچ کے لیے وہاں لاتا تھا۔ ایک ایسی ڈش جو صرف گھریلو چوزوں، نرم ہڈیوں والے گوشت، سور کے گوشت اور دریا کے ساتھ بسنے والے قصبوں سے لائی گئی سبزیوں سے ہی بنائی جاسکتی تھی۔ تاہم شروع ہی سے فلورنٹینو آریزا پکانے کے اس سلیقے یا خاتون خانہ کے شکوہ سے اتنا متاثر نہیں ہوا، جتنا کہ گھر کی خوبصورتی سے۔ اس نے اس کے گھر کی وجہ سے جو روشن اور ٹھنڈا تھا، اس کو پسند کیا۔ اس میں چار بڑی کھڑکیاں تھیں جو سمندر کی طرف کھلتی تھیں اور اس سے پرے پرانے شہر کا مکمل نظارہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کو ان چیزوں کی تعداد اور ان کی چمک دمک پسند آئی، جنھوں نے ان تمام ہاتھ سے بنی ہوئی چیزوں کے ساتھ جو کپتان اپنے ہر دورے کے بعد وہاں لاتا رہا، یہاں تک کہ وہاں مزید چیز رکھنے کے لیے جگہ باقی نہ بچی تھی، لاؤنج کو ایک بے ترتیب مگر کرخت صورت دی ہوئی تھی۔ سمندر کی طرف والے ٹیرس پر ملایا کا ایک طوطا اپنے ناقابل یقین حد تک خوبصورت گھنے پروں اور ایک دل گیر سکون کے ساتھ بیٹھا تھا۔ فلورنٹینو آریزا نے اس سے زیادہ خوبصورت جانور آج تک نہیں دیکھا تھا۔ کیپٹن روزینڈو ڈی لا روزا اپنے مہمان کی دلچسپی کے بارے میں بہت پر جوش تھا اور اس نے ہر چیز کے بارے میں تفصیل سے بتانا شروع کر دیا۔ گفتگو کے دوران میں وہ بغیر کسی وقفے کے برانڈی کے گھونٹ بھی لیتا رہا۔ وہ بہت مضبوط کنکریٹ سے بنا لگتا تھا۔ وہ بڑے ڈیل ڈول والا شخص تھا جس کے سر کے سوا تمام جسم پر بال تھے۔ اس کی مونچھیں کسی رنگ روغن کرنے والے کے برش کی طرح تھیں۔ اس کی آواز یوں تھی جیسے یہ کسی لنگر کی چرخی سے آرہی ہو اور یہ صرف اسی کی آواز ہوسکتی تھی۔ وہ ایک نفیس اور متواضع شخص تھا۔ مگر جس انداز سے وہ پیتا تھا اس کا جسم بھی اس کی راہ میں مزاحم نہیں ہوسکتا تھا۔ ابھی وہ میز پر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ آدھی بوتل ختم کر چکا تھا اور جب ہلکے سے چھنانے کی آواز آئی تو وہ بوتلوں اور گلاسوں کی ٹرے پر گر چکا تھا۔ آسینکا سینٹنڈر نے فلورنٹینو آریزا کی مدد سے اس بے جان کسی ذبیل مچھلی جیسے بے حرکت جسم کو گھسیٹ کر بستر تک لے گئی اور سونے سے پہلے اس کے کپڑے اتارے، اور پھر خواہش کی ایک لپک کے ساتھ جسے وہ دونوں اپنے ستاروں کا ملن کہتے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھے یا کہے بغیر دوسرے کمرے میں جا کر بے لباس ہو گئے اور وہ اگلے سات سال سے زیادہ عرصے تک جب کپتان بحری سفر پر گیا ہوتا، جہاں کہیں بھی ممکن ہو یوں ہی ایک دوسرے کو بے لباس کرتے رہے۔ ان کو ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ وہ اچانک انھیں آدھمکے گا۔ کیوں کہ اچھے کشتی بانوں کی عادت کے مطابق وہ بندرگاہ کو اپنی آمد کی اطلاع

جہاز کے بھونپو سے دیتا ۔ چاہے یہ طلوع صبح کا وقت ہی کیوں نہ ہو ۔ پہلے وہ تین بار اپنی بیوی اور نو بچے بچوں کے لیے ہارن بجاتا ' اور پھر وہ چھوٹے چھوٹے بے ربط ہارن اپنی داشتہ کے لیے بجاتا ۔

آمینٹا کاسیٹلڈ رقریباً پچاس برس کی تھی اور وہ اتنی عمر کی دکھائی بھی دیتی تھی لیکن وصل کے لیے اس کی ذاتی جبلت ایسی تھی کہ کوئی دیسی یا سائنسی نظریہ اس میں مداخلت نہ کر سکتا تھا۔ فلورنٹینو آریزا جہازوں کے شیڈول سے جان لیتا کہ کن دنوں وہ اس کے گھر جا سکتا ہے ۔ وہ ہر بار بغیر اطلاع دیے دن یا رات کے کسی بھی وقت ' جب بھی وہ چاہتا وہاں چلا جاتا ۔ اور کبھی بھی ایسا نہ ہوا کہ اس نے اسے اپنا منتظر نہ پایا ہو ۔ وہ اس کے لیے دروازہ کھولتے ہوئے اس حالت میں ہوتی جس حالت میں سات برس کی عمر تک اس کی ماں نے اسے پالا تھا ۔ بالوں میں ململ کی ربن باندھے مکمل طور پر برہنہ ۔ جب تک وہ اسے بے لباس نہ کر لیتی وہ اسے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دیتی ۔ وہ اس بات کو بدقسمتی تصور کرتی تھی کہ ایک ملبوس شخص اس گھر میں داخل ہو ۔ یہی بات کیپٹن روزینڈ وڈی لارزوالباء کے ساتھ اس کے مستقل تضاد کا باعث تھی کیوں کہ اسے یہ وہم تھا کہ برہنہ ہو کر سگریٹ نوشی کرنا بدقسمتی کو دعوت دینے کے مترادف تھا ۔ اور بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ وہ اپنی بے حد محبوب کیوبن سگار بجھانے کے بجائے محبت نہ کرنے کو ترجیح دیتا ۔ اس کے برعکس فلورنٹینو آریزا کو برہنگی میں مزا آنے لگا تھا اور وہ دروازہ بند کرتے ہی اپنی بھر پور مستی کے ساتھ اس کو بے لباس کر دیتی ۔ وہ اسے اتنی مہلت بھی نہ دیتی کہ وہ اسے خیر سگالی کے کلمات کہہ پائے ۔ یا وہ اپنی ہیٹ یا چشمہ ہی اتار لے ۔ وہ اس کو چومتے اور نوکیلے بوسوں میں بھیگتے ہوئے سر سے پیر تک اس کا لباس ڈھیلا کرنا شروع کر دیتی ۔ پہلے وہ اس کی کلائی کے بٹن کھولتی ۔ ہر بوسے کے بعد ایک بٹن پھر وہ اس کی پیٹی کا بکل کھولتی اور آخر میں اس کی بنیان اور قمیص کی باری آتی ۔ اور یوں وہ ایسی زندہ مچھلی کی طرح دکھائی دینے لگتا جس کے سر سے دم تک اسے درمیان سے کھول دیا گیا ہو ۔ پھر وہاں لاؤنج میں بٹھا کر وہ اس کے بوٹ اتارتی ۔ پھر وہ اس کی پتلون کے بند کھینچتی تا کہ وہ اس کا لمبا انڈر رویئر اتارتے ہوئے اس کی بیلٹ بھی اتار دے اور آخر میں وہ اس کی پنڈلیوں کے گرد بندھے تسمے کھول کر اس کے موزے اتار دیتی ۔ اس کے بعد فلورنٹینو آریزا اس کو چومنا بند کر دیتا تا کہ وہ اپنی واحد ذمہ داری ادا کر سکے اور وہ یہ کہ وہ اپنی گھڑی اور زنجیر اپنی بنیان کے بٹن کے سوراخ سے نکال دیتا اور پھر وہ اپنا چشمہ اتار کر اپنے جوتوں میں رکھ دیتا تا کہ وہ انھیں بھول نہ جائے ۔ وہ جب بھی کسی اور کے گھر بے لباس ہوتا تو یہ احتیاط ضرور کرتا اور اپنی اس عادت سے اس نے کبھی روگردانی نہیں کی تھی ۔

جب وہ یہ سب کر چکا ہوتا تو اسی صوفہ پر جہاں اس نے ابھی اسے برہنہ کیا ہوتا' یا کبھی کبھار بستر پر' اسے کسی اور بات کی مہلت دیے بغیر اس پر حملہ آور ہو جاتی۔ وہ اس پر سوار ہو کر اس کا سب کچھ اپنے سارے وجود کے لیے مقبوض کر لیتی۔ اپنے آپ میں سرشار' اس کی آنکھیں بند ہو جاتیں اپنی اندرونی مطلق تاریکی میں اس کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے وہ کبھی ایک طرف آگے بڑھتی' پھر دوسری طرف پیچھے ہٹتی۔ اپنے غیر مرئی راستے کو درست کرتی۔ کسی اور زیادہ شدت والے راستے کو ڈھونڈتی۔ اپنی کوکھ سے خارج ہوتی دلدل میں ڈوبنے سے بچنے کے لیے کسی اور راہ کو تلاش کرتی۔ جنگلی مکھی کی طرح جھنبھناتی اپنے مقامی لہجے میں خود سے سوال کرتی اور خود ہی جواب دیتی کہ ان سایوں میں وہ چیز کہاں ہے جسے صرف وہی جانتی ہے اور جس کی وہ صرف اپنے ہی لیے خواہش کرتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ بغیر کسی کا انتظار کیے' مغلوب ہو کر زمین تھرتھرا دینے والی' اپنی مکمل فتح کی مسرت آمیز چیخ کے ساتھ اپنے خلا میں تنہا گر جاتی۔ فلورنتینو آریزا تھکا ہارا' نامکمل' اس تاثر کے ساتھ کہ وہ محض لذت حاصل کرنے کا ایک آلہ ہے' دونوں جسموں سے بہتے پسینے کے گڑھے میں غرق پڑا ہوتا۔ وہ اس سے کہتا "تم میرے ساتھ ایسے سلوک کرتی ہو جیسے میں تمہارے لیے کوئی بھی شخص ہوں" وہ ایک آزاد عورت کے قہقہے میں اس پر چنگھاڑتی۔ "ہرگز نہیں' بلکہ یوں کہ تم کچھ بھی نہیں ہو۔" اسے احساس ہوتا کہ اس نے اس سے اپنی ذلیل حرص کے وسیلے ہر شے اس سے چھین لی ہے۔ اس کی عزت نفس اس سے بغاوت کرتی اور وہ اس مصمم ارادے کے ساتھ وہاں سے چلا جاتا کہ اب وہ اس گھر کبھی نہیں آئے گا۔ مگر پھر یوں ہوتا کہ وہ عین نصف شب کو بغیر کسی وجہ کے بیدار ہو جاتا اور آسینکا سینٹنڈر کی خود میں مست محبت کی یاد اس پر اپنی حقیقت آشکار کرتی۔ یہ خوشی کا ایک پوشیدہ گڑھا تھا، جس سے وہ بیک وقت نفرت کرتا اور اس کی خواہش کرتا، مگر جس سے بچ کر نکلنا ممکن نہیں تھا۔

ایک اتوار جب انہیں ملے ہوئے دو سال ہو چکے تھے۔ وہ اس کے گھر پہنچا تو پہلا کام اس نے یہ کیا کہ اسے بے لباس کرنے کے بجائے اس نے سب سے پہلے اس کا چشمہ اتارا تا کہ وہ اسے زیادہ آسانی سے چوم سکے۔ اور یوں فلورنتینو آریزا کو علم ہوا کہ اس نے اس سے محبت کرنا شروع کر دی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ پہلے دن ہی سے وہ اس گھر میں بہت پرسکون محسوس کرتا تھا' اور جس سے اب اسے اتنا انس ہو گیا تھا جیسے وہ اس کا اپنا ہی گھر ہو' وہ یہاں دو گھنٹوں سے زیادہ نہیں ٹھہرتا تھا اور وہاں کبھی نہیں سویا تھا۔ اور اس نے وہاں سے صرف ایک بار کھانا کھایا تھا کیوں کہ اس کے لیے اس نے اسے

رسمی دعوت دی تھی۔درحقیقت وہ وہاں صرف اسی مقصد کے لیے جاتا تھا جواس کے لیے متعین کردیا گیا تھا ٗہمیشہ اکلوتے گلاب کا واحد تحفہ لیے۔اور پھر وہ آنے والے انجان وقتوں کے لیے غائب ہو جاتا۔مگر اس اتوار جب اس نے اسے چومنے کے لیے اس کا چشمہ اتارا ٗ کچھ اس وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ وہ نرم انداز محبت کرنے کے بعد سو گئے تھے ٗانھوں نے وہ سہ پہر کیپٹن کے بے حد کشادہ بستر میں برہنہ سوتے ہوئے گذاری۔جب وہ اپنی اس ہلکی نیند سے بیدار ہوا تو اس کا بڑا سا طوطا چیختے ہوئے آوازیں نکال رہا تھا۔اس کی کرخت آواز اس کے حسن کی نفی کرنے لگی تھی مگر چار بجے کی اس گرم سہ پہر کو اردگرد مکمل خاموشی تھی اور یہاں سے قدیم شہر کے آثار نظر آرہے تھے ٗ جب کہ سہ پہر کا سورج اس کے عقب میں تھا۔ اور اس کے سنہرے گنبد ٗ جمیکا کی طرف اس کے سارے راستے میں شعلوں میں بھڑکتا سمندر۔ آمینکا سینڈز نے اس سوئے ہوئے وحشی کی تلاش میں اپنا مبہم جو ہاتھ بڑھایا۔مگر فلورنٹینو آریزا نے اسے پرے کردیا۔اس نے کہا:''ابھی نہیں مجھے کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔جیسے کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے۔''اس نے اپنی خوشی سے بھرپور قہقہے کے ساتھ ایک بار پھر طوطے کو متوجہ کرلیا۔اس نے کہا:''کسی منحوس کی بیوی تک اس کہانی کو ہضم نہیں کرے گی۔''یقیناً اس نے خود بھی اس پر یقین نہیں کیا۔مگر اس نے اعتراف کیا کہ یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا اور وہ دونوں دیر تک دوبارہ مباشرت کیے بغیر ایک دوسرے کو پیار کرتے رہے۔پانچ بجے جب سورج ابھی بلندی پر ہی تھا وہ اپنے بستر سے چھلانگ مار کر باہر نکل آئی۔ ہمیشہ کی طرح برہنہ اور ململ کی ربن پہنے اور کچن میں پینے کی کوئی چیز ڈھونڈنے چلی گئی ٗ مگر اس نے خواب گاہ سے ابھی ایک قدم بھی باہر نہیں نکالا تھا کہ وہ خوف سے چلانے لگی۔

اس کے لیے یہ یقین کرنا مشکل تھا۔گھر میں بچ جانے والی واحد اشیا دیواروں کے ساتھ لگے لیمپ تھے۔باقی سب کچھ فرنیچر ٗ ہندوستانی نمدے ٗ مورتیاں اور ہاتھ سے بنے منقش پردے ٗ قیمتی پتھروں اور دھاتوں سے بنے ہوئے بے شمار چھوٹے چھوٹے زیورات ٗ ہر وہ شے جس نے اس کے گھر کو پورے شہر میں سب سے خوش گوار سب سے زیادہ آراستہ بنا رکھا ٗ جی ہاں ہر شے حتیٰ کہ وہ مقدس طوطا بھی ٗ سب کچھ غائب ہو چکا تھا۔یہ سب کچھ سمندری کی طرف والے ٹیرس سے اُن کی محبت میں ذرہ بھر خلل ڈالے بغیر لے جایا گیا تھا۔جو کچھ بچا وہ خالی کمرے اور چار کھلی کھڑکیاں تھیں ٗ اس پیغام کے ساتھ جو عقبی دیوار پر پینٹ کیا گیا تھا''یہ تمہارے مباشرت کرتے رہنے کا صلہ ہے۔'' کیپٹن روز بینڈ وڈی لاروزالبا کو کبھی یہ بات سمجھ نہ آسکی کہ آمینکا سینڈز نے اس چوری کی رپٹ کیوں درج نہیں کروائی۔یا مسروقہ اشیا خریدنے

والے ڈیلروں سے رابطہ کیوں نہیں قائم کیا یا یہ کہ اس نے دوبارہ اپنی بدقسمتی کا ذکر کرنے کی کبھی اجازت نہیں دی۔

فلورنتینو آریزا نے اس لیے ہوئے گھر میں' جس کی اشیا گھٹ کر چڑے کے صرف ان تین سٹولوں' جنھیں چور کچن میں بھول گئے تھے'اس بیڈروم کی اشیا جس میں وہ دونوں اس وقت تھے' تک رہ گئیں تھیں' اپنا آنا جانا برقرار رکھا۔مگر اب وہ اس قدر تواتر کے ساتھ وہاں نہیں جاتا تھا جتنا کہ پہلے۔اس وجہ سے نہیں کہ وہ گھر اب ویران ہو گیا تھا۔جیسا کہ آسینکا نے ایسا سمجھا اور اس سے اس کا اظہار بھی کیا۔ مگر اس صدی کی تبدیلی کے وقت' اس خچر بردار ٹھیلا گاڑی کی جدت تھی' جو آزاد اڑنے والے کمسن پرندوں کے لیے ایک انوکھا اور حقیقی گوشہ عافیت ثابت مند ہوئی تھی۔ وہ دن میں چار مرتبہ اس پر سواری کرتا۔دو مرتبہ دفتر جاتے ہوئے اور دو دفعہ دفتر سے واپسی پر۔وہ دن میں چار مرتبہ اس پر سواری کرتا۔دو مرتبہ دفتر جاتے ہوئے اور دو دفعہ دفتر سے واپسی پر۔اس میں بیٹھے ہوئے' کبھی واقعتاً پڑھتے ہوئے' اور کبھی اس کا دکھاوا کرتے ہوئے' آنے والے پیانِ ملاقات کی جانب اپنے ابتدائی قدم اٹھاتا۔بعد ازاں جب چچا لیو ہفتم نے اسے دو چھوٹے بھورے خچروں سے کھینچے جانے والی سنہری آرائش والی بگھی اسے دے دی' بالکل اسی طرح کی جس طرح صدر رافیل نونیز کے پاس تھی۔ وہ ٹھیلا گاڑی کے وقت کو بہت یاد کیا کرتا جو اس کے نزدیک اس کے شکاری دنوں میں سب سے زیادہ بار آور مہمات کا وقت تھا۔ اس کا خیال درست تھا' کسی گھر کے دروازے پر عاشق کے انتظار میں کھڑی بگھی سے زیادہ خفیہ محبت کا دشمن کوئی اور نہیں ہو سکتا۔تقریباً ہر بار وہ اسے اپنے گھر میں چھپا رکھتا اور پیدل اپنے شکار کی تلاش میں چکر لگاتا' تاکہ وہ مٹی میں پہیوں کے نشان نہ چھوڑ جائے۔اسی وجہ سے لاغر اور زخموں سے بھرے خچروں والی اس پرانی ٹھیلا گاڑی کی یاد اسے بہت شدت سے آتی تھی۔جس میں محض ایک طرف نظر مار کر دیکھنا ہی بتا دیتا تھا کہ محبت کا شکار کس جگہ پر ہے۔تاہم اپنی بے پناہ گداز یادوں کے درمیان وہ اس بے کس اور کمسن پرندے کی یاد سے خود کو نہ بچا سکا' جس کا اس کو کبھی نام بھی معلوم نہ ہو سکا۔اور جس کے ساتھ اس کا گزرا ہوا وقت ایک نصف جنونی رات سے زیادہ نہ تھا' مگر جو اس کے لیے کارنوال کے معصوم ہنگامے کو تباہ کرنے کے لیے کافی تھی۔

ٹھیلا گاڑی میں بیٹھے ہوئے اس کی توجہ اس بے خوفی کی بنا پر اس کی طرف ہو گئی جس کے ساتھ وہ اس ہنگامہ خیز عوامی تقریب میں پھر رہی تھی۔اس کی عمر بیس برس سے زیادہ نہ تھی۔اور وہ ابھی تک

کارنیوال میں پوری طرح شریک نہیں محسوس ہو رہی تھی جب تک کہ اس نے ایک اپاچی کا بھیس نہ بدل لیا۔ اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے بال' ہلکے' لمبے اور سیدھے تھے۔ اور وہ لینن کی ایک سادہ کرتی اوڑھے ہوئے تھی۔ وہ گلیوں میں گونجتی ہوئی موسیقی کے شور' مٹھی بھر چاولوں اور ٹرالی میں بیٹھے مسافروں پر پھینکے جانے والے رنگ سازی کے مرکبات' جن کے خچر نشاستے سے سفید ہو گئے تھے اور جنھوں نے ان تین جنونی دنوں کے دوران میں پھولوں والے ہیٹ پہن رکھے تھے' سے قطعی بے پرواہ گھوم رہی تھی۔ اس بے ہنگم صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فلورنٹینو آریزا نے اسے آئس کریم کھانے کی دعوت دی۔ اس لیے کہ وہ اس کے لیے اس سے زیادہ اور کچھ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے کہا ''مجھے یہ دعوت قبول کر کے خوشی ہوگی۔ لیکن میں تمھیں خبردار کر دیتی ہوں کہ میں ایک جنونی لڑکی ہوں۔'' وہ اس کی بذلہ سنجی پر ہنسا اور آئس کریم پارلر کی بالکونی پر نمائشی پریڈ دکھانے ساتھ لے گیا۔ پھر اس نے کرائے پر ایک بے آستین عبائی اور وہ دونوں کسٹم ہاؤس پلازہ میں رقص میں مشغول' اوائل عشق کی مستی میں غرق عاشقوں کی طرح خوشیاں منانے لگے۔ اس لیے بھی کہ' جوں جوں رات کا ہنگامہ اپنے عروج پر پہنچتا گیا' اس کی ابتدائی بے توجہی کا رویہ اب اس کے برعکس شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ وہ ایک پیشہ ور کی طرح رقص کرنے لگی۔ وہ اس ہنگامہ طرب میں تخیل آمیز اور بے خوف انداز میں مشغول تھی اور اس کا حسن ہوشربا ہو گیا تھا۔

''تم نہیں جانتے میرے ساتھ کس مصیبت میں پھنس چکے ہو۔''

وہ کارنیوال کی مستی میں ہنستے ہوئے چلائی۔ ''میں پاگل خانے سے بھاگی ہوئی ایک جنونی عورت ہوں۔''

فلورنٹینو آریزا کے لیے وہ رات لڑکپن کی اس معصوم سرکشی کی واپسی تھی جب اب اس کا دل ابھی محبت سے گھائل نہیں ہوا تھا مگر وہ ذاتی تجربے کی بنا پر تو نہیں تاہم سنی سنائی باتوں سے یہ جانتا تھا کہ ایسی آسان مسرت' زیادہ پائیدار نہیں ہوتی اور جب ہمیشہ کی طرح' بہترین پہناوے کے لیے انعامات تقسیم ہو چکنے کے بعد' رات اپنے اختتام کو پہنچنے لگی' اس نے لڑکی کو تجویز پیش کی کہ وہ طلوع آفتاب کا منظر دیکھنے کے لیے لائٹ ہاؤس چلیں۔ اس نے خوشی کے ساتھ اس دعوت کو قبول کر لیا مگر وہ چاہتی تھی کہ انعامات کے تقسیم ہونے تک ذرا انتظار کر لیا جائے۔

فلورنٹینو آریزا کو یقین تھا کہ اس تاخیر نے اس کی زندگی بچالی۔ درحقیقت جب مسیحی دار الامان کے دو محافظوں اور ایک نرس نے اسے پکڑا تو لڑکی اسے لائٹ ہاؤس کی طرف چلنے کا اشارہ کرنے

گئی تھی ۔ وہ اس سہ پہر تین بجے سے اس کے فرار کے بعد سے اس کو تلاش کر رہے تھے ۔ ان کے ساتھ پوری پولیس فورس موجود تھی ۔ اس نے باغبان سے خنجر چھین کر ایک محافظ کا کر سر اڑا دیا تھا اور دوسرے دو محافظوں کو اس لیے شدید زخمی کر دیا تھا کہ وہ کارنیوال میں رقص کرنے کے لیے جانا چاہتی تھی ۔ کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ تھی کہ وہ گلیوں میں رقص کرتی پھر رہی ہو گی ۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ان بہت سے گھروں میں سے کسی ایک میں چھپتی پھر رہی ہو گی اور ان گھروں میں انھوں نے اس کی تلاش میں بیت الخلا تک چھان مارے تھے ۔

اس کو واپس لے جانا اتنا آسان نہیں تھا ۔ اس نے اپنی انگیا میں چھپائی ہوئی باغبانی قینچی سے اپنا دفاع کیا اور اس کو دیوانوں کی واسکٹ پہنانے کے لیے چھ آدمیوں کی ضرورت پڑی ۔ اس دوران میں کسٹم ہاؤس میں کھچا کھچ بھرا ہجوم چیخ رہا تھا اور خوشی سے سیٹیاں بجا رہا تھا ان کے خیال میں قید کرنے کا یہ خونی عمل بھی کارنیوال کے بہت سے ڈراموں میں سے ایک تھا ۔ فلورنٹینو آریزا کا دل ٹوٹ گیا اور مسیحی چلکے کے پہلے دن سے اس نے انگریزی چاکلیٹوں کے ایک ڈبے کے ساتھ وہاں جانا شروع کر دیا ۔ وہ وہاں کھڑا ہو جاتا اور اس کے باسیوں کو دیکھتا رہتا جو اپنی کھڑکیوں سے اس پر تحقیری اور ہر طرح کے دوسرے جملے کستے اور وہ ان کو چاکلیٹوں کا ڈبہ دکھاتا کہ شاید قسمت اس پر مہربان ہو اور وہ لڑکی بھی ان آہنی سلاخوں کے پیچھے سے اس پر ایک نظر ڈالے مگر اسے وہ کبھی نظر نہ آئی ۔ کئی ماہ بعد جب وہ اپنی خچر بردار ٹھیلا گاڑی سے نیچے اتر رہا تھا' اپنے باپ کے ساتھ چلتی ہوئی ایک کمسن بچی نے ، اس کے ہاتھ میں اٹھائے ہوئے چاکلیٹ کے ڈبے سے ایک چاکلیٹ مانگا ۔ اس کے باپ نے اس لڑکی کو ڈانٹا اور آریزا سے معذرت چاہی مگر اس نے وہ سارا ڈبہ اس بچی کو دے دیا' یہ سوچتے ہوئے کہ یہ عمل اس کے اندر بسی ہوئی تلخی سے اس کو آزاد کر دے گا ۔ اور اس نے اس کے باپ کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے اسے تسلی دی ۔

''۔۔۔ یہ ایک ایسی محبت کے لیے تھے ۔ جو اب جہنم کا ایندھن بن چکی ہے ۔'' اس نے کہا ۔

اور یوں جیسے تقدیر نے اس سے اس امر کی تلافی کرنا چاہی ہو ۔ اسی خچر بردار ٹھیلا گاڑی پر اس کی ملاقات لیونا کیزیانی سے ہوئی ۔ اگرچہ ان دونوں کو اس بات کا علم نہیں تھا اور نہ ہی وہ کبھی ایک دوسرے سے ہم آغوش ہوئے' تاہم وہ اس کی زندگی میں آنے والی موزوں ترین عورت تھی ۔ اس روز ٹھیلا گاڑی پر سہ پہر پانچ بجے واپس گھر جاتے ہوئے اس نے اسے دیکھنے سے قبل ہی محسوس کر لیا تھا ۔ اس کی نظریں لمس سے اس قدر بھرپور تھیں کہ اسے یوں لگا جیسے یہ اس کو چھو رہی ہوں ۔ جیسے کئی انگلیاں اس سے

مس کر رہی ہوں ۔اس نے نظریں اٹھائیں اور اسے دیکھا۔وہ ٹھیلے کے دوسرے سرے پر کھڑی تھی ۔مگر دوسرے مسافروں کی نسبت اس کا انداز بہت واضح تھا۔اس نے اس کی جانب سے نظریں نہیں ہٹائیں بل کہ اس کے برعکس وہ اس قدر دیدہ دلیری سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے رہی کہ وہ یہ سوچے بنا نہ رہ سکا کہ وہ ایک سیاہ فام' خوبصورت اور نوجوان دوشیزہ ہونے کے باوجود بلا شک وشبہ ایک طوائف ہے ۔اس نے اسی وقت اس سے دور رہنے کا فیصلہ کر لیا کیوں کہ اس کے نزدیک قیمت ادا کر کے محبت حاصل کرنے سے زیادہ کوئی اور فعل نفرت انگیز نہیں تھا: اس نے کبھی ایسا نہیں کیا تھا۔

فلورنتینو آریزا گلی کے آخری سرے پر اتر گیا اور جلد جلد کاروباری گتھیوں سے نبٹنے لگا تا کہ وہ چھ بجے تک گھر میں منتظر اپنی ماں کے پاس پہنچ سکے ۔ جب وہ ہجوم کے دوسرے کنارے سے باہر نکلا تو اس نے پتھریلے فرش پر کسی آوارہ عورت کی ٹھک ٹھک کرتی ایڑیوں کی آواز سنی ۔اس نے یہ یقین کرنے کے لیے آیا یہ وہی ہے جس کا اسے گمان ہے' مڑ کر اس طرف دیکھا۔ یہ وہی تھی ۔غلام لڑکیوں کی طرح نقش کیے لباس میں ملبوس' اس نے جھالروں والا سکرٹ پہن رکھا تھا اور جب وہ گلی میں کیچڑ والے گڑھوں سے چھپ چھپ کرتی گذرتی تو کسی رقاصہ کی طرح یہ سکرٹ اوراوپر اٹھا لیتی ۔اس کے قمیص کا گلا بہت نیچے تک کھلا تھا جس سے اس کے شانے برہنہ نظر آرہے تھے ۔اس کے گلے میں کچھ رنگین ہار تھے اور سر پر سفید پگڑی تھی ۔ایسی لڑکیوں کو وہ اپنے عارضی قیام گاہ والے ہوٹل کے زمانے سے جانتا تھا۔ اکثر یوں ہوتا کہ شام کے چھ بج جاتے اور وہ ابھی تک اپنے ناشتے ہی سے فارغ نہ ہوتی ہوتیں اور اس کے بعد وہ اپنی جنس کو استعمال کرنے یوں نکل کھڑی ہوتیں جیسے یہ کسی راہزن کے ہاتھ میں کھلا خنجر ہو اور اسے گلی میں سے گذرنے والے پہلے راہ گیر کی گردن پر رکھ کر کہہ رہی ہوں ۔''ہمارے ساتھ بستر میں آ ئیا مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' حتمی آزمائش کے طور پر فلورنتینو آریزا نے اپنی سمت تبدیل کر لی اور ویران چراغوں والی گلی کی طرف چلنے لگا اور وہ اس کے تعاقب میں چلتے ہوئے اس کے قریب سے قریب تر ہوتی گئی ۔پھر وہ رک گیا' واپس مڑا اور گلی کے ایک طرف سے اس کا راستہ روک لیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے اپنی چھتری کو تھامے اس کی طرف جھک گیا ۔وہ اس کے سامنے کھڑی رہی ۔

''اے نازنین تم نے غلطی کی ۔'' اس نے کہا۔''میں ایسا کام نہیں کرتا ۔''

''تم یقیناً یہ کرتے ہو۔'' اس نے کہا ''تمہارے چہرے پر صاف لکھا ہوا ہے ۔''

فلورنتینو آریزا کو اپنے بچپن میں سنی ہوئی ایک ضرب المثل یاد آئی' جو اس کا خاندانی معالج اور

اس کا گا ڈفادراس کی دائمی قبض کے بارے میں کہا کرتا تھا۔ ''دنیا دو قسم کے لوگوں میں بٹی ہوئی ہے: ایک وہ جو پاخانہ کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو ایسا نہیں کرتے۔'' اپنے اس اعتقاد کی بنا پر ڈاکٹر ایک پوری شخصیت کا خاکہ کھینچ دیتا تھا۔ جس پر اسے علم نجوم سے بھی زیادہ یقین تھا۔

لیکن ان گذرتے ہوئے سالوں میں فلورنتینو آریزا نے جو کچھ سیکھا تھا۔ اس کو وہ اس طرح بیان کرتا تھا:

''دنیا دو قسم کے انسانوں میں تقسیم ہے۔ ایک وہ جو عشق پیشہ ہوتے ہوئے اور دوسرے وہ جو نہیں ہوتے۔'' جو ایسے نہیں تھے ان پر وہ اعتبار نہیں کرتا تھا۔ جب وہ اپنی راست زندگی سے بھٹکتے تو یہ ان کے لیے اس قدر غیر معمولی ہوتا کہ اپنے عشق کے بارے میں شیخیاں بگھارتے ہوتے انہیں یوں محسوس ہوتا جیسے انھوں نے اسے ابھی ابھی ایجاد کیا ہو۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو کثرت سے اس فعل میں مشغول رہتے' ان کا یہ واحد مقصد حیات ہوتا تھا۔ وہ اس میں اس قدر مست رہتے کہ اس بارے میں ان کے ہونٹ کسی گنبد کی طرح بند رہتے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ ان کی زندگی کا رس انھی کا رہینِ منت ہے۔ وہ اپنے کارناموں' مہم جوئیوں کے بارے میں کبھی بات نہیں کرتے۔ کسی پر اعتبار نہیں کرتے۔ وہ اس بارے میں اپنی لاتعلقی کی اس قدر اداکاری کرتے کہ ان کے نامرد ہونے' ٹھنڈا یا سب سے زیادہ یہ کہ بزدل ہونے کی شہرت پھیل جاتی۔ جیسا کہ فلورنتینو آریزا کے بارے میں عام لوگوں کا یہی خیال تھا۔ مگر وہ اس غلط فہمی کا مزا لیتے کیوں کہ یہی غلط فہمی ان کی حفاظت کرتی تھی۔ وہ ایک خفیہ سوسائٹی کا حصہ ہوتے۔ جس کے ارکان پوری دنیا میں کہیں بھی بغیر کسی مشترکہ زبان کا سہارا لیے ایک دوسرے کو پہچان لیتے۔ اسی وجہ سے فلورنتینو آریزا کو اس لڑکی کے جواب سے حیرانی نہیں ہوئی تھی۔ وہ انھی میں سے ایک تھی اور اسی لیے وہ جانتی تھی کہ وہ جانتا تھا کہ وہ یہ جانتی ہے۔

یہ اس کی ایک عظیم غلطی تھی، جس کی بازگشت اس کی زندگی کے آخری دن تک ہر روز بار بار اس کے ضمیر سے ٹکراتی رہی۔ وہ اس سے مباشرت کی خواہاں نہیں تھی۔ اور ایسی محبت کی تو بالکل ہی نہیں جس کی قیمت وہ حاصل کرنے ٹل کہ وہ اس سے ملازمت کی طلب گار تھی۔ کریبئن جہاز راں کمپنی میں کوئی بھی نوکری' کسی بھی تنخواہ پر۔ فلورنتینو آریزا اپنے طرزِ عمل سے اس قدر شرمسار تھا کہ وہ اسے ملازمین کے امور کے سربراہ کے پاس لے گیا' جس نے اسے عمومی شعبے میں ادنیٰ ترین ملازمت دے دی' جس پر اس نے تین برس تک سنجیدگی' عاجزی اور خلوص سے اپنے فرائض انجام دیے۔

جب سے آر سی سی کا قیام عمل میں لایا گیا تھا' اس کے دفاتر دریائی گودی سے پرے بنائے گئے تھے اور خلیج کے دوسری جانب کے تیز رفتار جہازوں کی گودی یا خلیج لاس انیماس پر منڈی کے بند سے اس کا کچھ بھی مشترک نہیں تھا۔ یہ ایک لکڑی کی عمارت تھی۔ اس کی ڈھلوانی چھت ٹن کی بنی ہوئی تھی۔ اس کی ایک ہی لمبی بالکونی تھی جس کے سامنے والے حصے میں ستون ایستادہ تھے' اس کے چاروں جانب لوہے کی جالی دار کھڑکیاں تھیں۔ جن سے گودی میں کھڑی کشتیوں کا بھرپور نظارہ ہو سکتا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ دیوار میں لٹکی تصویریں ہوں۔ جب جرمن معماروں نے اسے تعمیر کیا تو انھوں نے ٹن کی چھت پر سرخ اور چوبی دیوار پر چمکتا ہوا سفید رنگ کیا تھا اور یوں یہ عمارت بذات خود بھی ایک دریائی کشتی ہی کی طرح لگتی تھی۔ بعد ازاں تمام عمارت پر نیلا رنگ کر دیا گیا۔ جس وقت فلورنتینو آریزا نے کمپنی کے لیے کام کرنا شروع کیا' یہ ایک گرد آلود چھپر بن چکی تھی۔ جس پر کوئی واضح رنگ نہیں تھا اور اس کی زنگ آلودہ چھت کی پرانی ٹن پر کہیں کہیں نئے ٹن کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے۔ عمارت کے عقب میں پتھریلے صحن میں نئے تعمیر شدہ گودام تھے اور اس کے پیچھے ایک بند سیوریج پائپ تھا جو تعفن اور گندگی سے بھرا پڑا تھا اور جہاں نصف صدی سے دریائی جہاز رانی کے نتیجے میں جمع شدہ فضلہ پڑا گل سڑ رہا تھا۔ تاریخی کشتیوں کے بچے کھچے ٹکڑے ایک چمنی والی ابتدائی کشتی جس کا نام سمون بولیوار نے رکھا تھا' جدید کشتیوں' جن کے کیبن میں بجلی کے پنکھے تک لگے ہوئے تھے' سب اس میں شامل تھا۔ ان میں سے بہت سی کشتیوں کو توڑا گیا تھا تا کہ ان میں سے کچھ چیزوں کو نئی کشتیوں کی تعمیر میں استعمال کیا جا سکے مگر ان میں سے کچھ تو اس قدر اچھی حالت میں تھیں کہ ان میں موجود چھپکلیوں کو بھگائے بغیر اور ان میں ماضی کی یاد اجاگر کرنے والے پتوں کے ڈھیر کو ہٹائے بغیر' اگر ان پر محض رنگ روغن ہی کر دیا جائے تو انھیں نئے سرے سے استعمال کیا جا سکتا تھا۔

شعبہ انتظامیہ عمارت کی بالائی منزل پر تھا۔ جس میں کشتیوں کے کیبن کی طرح چھوٹے مگر آرام دہ دفاتر بنے ہوئے تھے۔ انہیں سیول معماروں کے بجائے نیوی کے انجینئروں نے تعمیر کیا تھا۔ کاریڈور کے آخری سرے پر دوسرے ملازمین کی طرح کے دفاتر میں چچا لیو ہفتم اپنا کاروبار نمٹاتا تھا۔ اس کا دفتر بھی دوسرے دفاتر ہی کی طرح کا تھا' سوائے اس فرق کے کہ ہر صبح اس کی میز پر گلدان میں تازہ مہکتے ہوئے پھول رکھ دیے جاتے تھے۔ گراؤنڈ فلور پر مسافروں کا شعبہ تھا، جس میں ایک انتظار گاہ تھی، جہاں زنگ آلودہ بنچ پڑے تھے اور ایک کاؤنٹر جس پر ٹکٹ فروخت ہوتے اور سامان کے معاملات طے

کیے جاتے۔ سب سے آخر میں عمومی امور کا پریشان حال شعبہ تھا۔ اس کے نام ہی سے اس کے غیر واضح مقصد کا اظہار ہوتا تھا۔ اور کمپنی کے وہ معاملات جو کہیں اور طے نہ ہو سکتے تھے، انھیں اس سیکشن کی بھول بھلیوں میں تلف ہونے کے لیے بھیج دیا جاتا۔ جس روز چچا لیوہفتم خود اس عمومی شعبے میں آیا تا کہ وہ اندازہ لگا سکے کہ اس شعبے کو کس طرح کارآمد بنایا جا سکتا ہے' وہاں جہاز میں چڑھائے جانے کے لیے تیار روئی اور بغیر ترتیب دیے کاغذات کے انبار میں گھری' طالب علموں والی ڈیسک کے پیچھے کھوئی ہوئی لیونا کیزیانی بیٹھی تھی۔ کمرے کے درمیان میں کھڑے تمام ملازمین سے تین گھنٹے تک سوالات کرنے' مفروضے بنانے اور ٹھوس شواہد کے بعد وہ اس حقیقت کو جان کر نڈھال اپنے دفتر میں واپس آیا کہ بہت سے مسائل کا حل تلاش کرنے کی بجائے وہ اس کے بالکل برعکس صورت حال سے دوچار ہو گیا تھا؛ بغیر کسی حل کے نئے اور مختلف مزید مسائل۔

اگلے روز جب فلورنتینو آریزا اپنے دفتر میں داخل ہوا تو اسے لیونا کیزیانی کی طرف سے ایک غیر رسمی خط ملا' جس کے ساتھ یہ درخواست بھی تھی کہ وہ اس کا مطالعہ کرے اور اگر اسے مناسب سمجھے تو اسے اپنے چچا کو بھی دکھا دے۔ وہ واحد ملازم تھی جس نے گذشتہ سہ پہر کے معائنے کے دوران میں ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا۔ اس بات سے پوری طرح باخبر' کہ وہ اس کمپنی میں ایک خیراتی ملازمہ تھی' وہ بالکل خاموش رہی تھی لیکن اس غیر رسمی خط میں اس نے لکھا تھا کہ وہ لاعلمی کی بنا پر خاموش نہیں رہی تھی بل کہ اس شعبہ میں حفظ مراتب کے احترام کی وجہ سے کچھ نہیں بولی۔ یہ سادگی بہت کچھ عیاں کرتی تھی۔

چچا لیوہفتم نے اس شعبے کی مکمل طور پر تنظیم نو کی تجویز پیش کی تھی مگر لیونا کیزیانی اس سے متفق نہیں تھی اور اس کی سادہ سی وجہ یہ تھی کہ شعبہ عمومی کا در حقیقت کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ یہ ان چھوٹے چھوٹے پریشان کن مسائل کو داخل دفتر کرنے کی جگہ تھی، جن سے دوسرے شعبے چھٹکارا پانا چاہتے تھے۔ اس کا حل یہی تھا کہ شعبہ عمومی کو ختم کر دیا جائے اور مسائل کو انھی شعبوں میں واپس بھیج کر طے کیا جائے جہاں سے وہ پیدا ہوئے تھے۔

لیونا کیزنائی کون تھی۔ چچا لیوہفتم کو اس بارے میں ذرا بھی علم نہیں تھا اور گذشتہ سہ پہر کی میٹنگ کے دوران میں انہیں بالکل یاد نہیں تھا کہ ان میں سے لیونا کون ہو سکتی تھی۔ انھوں نے اسے اپنے دفتر بلا لیا اور دروازے بند کر کے دو گھنٹے تک اس سے گفتگو کرتے رہے۔ انھوں نے اپنے اس طریقے کے مطابق جس سے وہ لوگوں کے بارے میں جان کاری حاصل کرتے تھے، اس سے تقریباً ہر معاملے پر

گفتگو کی۔ اس غیر رسمی خط سے اس کی معاملہ فہمی کا اندازہ ہوتا تھا اور اس کی تجویز سے مطلوبہ نتائج حاصل کیے جا سکتے تھے۔ مگر چچا لیونفتم کے لیے یہ مسئلہ اب اہم نہیں رہا تھا۔ ان کی دلچسپی لیونا میں تھی۔ سب سے زیادہ انہیں جس بات نے متوجہ کیا تھا وہ اس کی تعلیم تھی۔ ابتدائی سکول کے بعد اس نے بس طبئری سکول میں ہی تعلیم حاصل کی تھی مزید یہ کہ وہ گھر پر اپنے ہی ایک تیز رفتار طریقے سے بغیر کسی استاد کے انگریزی سیکھ رہی تھی۔ اور پچھلے تین ماہ سے وہ شام کی کلاسوں میں ٹائپ سیکھ رہی تھی جو ایک نئی قسم کا کام تھا۔ جس کا مستقبل روشن تھا۔ جیسا کہ لوگ اس سے پہلے ٹیلی گراف اور اس سے پہلے دخانی انجن کے بارے میں کہا کرتے تھے۔

جب وہ ملاقات سے فارغ ہوئی تو چچا لیونفتم نے اسے ''میری ہم نام لیونا'' کے نام سے بلانا شروع کر دیا تھا۔ اور اس کے بعد وہ ہمیشہ اس کے لیے یہی نام استعمال کرتے رہے۔ لیونا کیزیانی کی تجویز کے مطابق اس نے قلم کی ایک جنبش سے اس تکلیف دہ شعبے کا خاتمہ کرنے اور مسائل کو طے کرنے کے لیے انھی لوگوں کے سپرد کرنے کا فیصلہ کر لیا جنھوں نے وہ مسائل پیدا کیے تھے۔ اس نے اسے ایک نئے عہدے پر تعینات کیا جس کا کوئی نام یا واضح ذمہ داریاں تو نہیں تھیں مگر درحقیقت وہ اس کے ذاتی معاون کا عہدہ تھا۔ اس سہ پہر شعبہ عمومی کی بے عزت تدفین کے بعد چچا لیونفتم نے فلورنتینو آریزا سے پوچھا کہ اس نے لیونا کیزیانی کو کہاں سے دریافت کیا' اور اس نے سچائی سے اس کا جواب دے دیا۔

''خود پھر واپس اسی ٹھیلہ گاڑی پر جاؤ۔ اور اس جیسی جو بھی لڑکی ملے اسے میرے پاس لے آؤ۔'' اس کے چچا نے کہا: ''اس جیسی دو یا تین اور لڑکیوں سے ہم تمھارے ڈوبتے جہاز کو بچا لیں گے۔''

فلورنتینو آریزا نے اس بات کو اپنے چچا کے مخصوص انداز کے مذاق سے تعبیر کیا مگر اگلے روز اسے علم ہوا کہ اس کو چھ ماہ قبل دی گئی بگھی واپس لے لی گئی ہے۔ اور وہ اس لیے کہ وہ ٹھیلے پر بیٹھ کر پھر سے چھپی ہوئی ذہانت کو تلاش کرتا رہے۔

دوسری جانب لیونا کیزیانی نے جلد ہی اپنی جھجک پر قابو پا لیا اور اس نے اپنی ان صلاحیتوں کا اظہار کرنا شروع کر دیا' جن کو اس نے اپنے ابتدائی تین سالوں کے دوران میں نہایت ہوشیاری سے پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ مزید تین سالوں میں اس نے تقریباً ہر شے کا انتظام سنبھال لیا تھا۔ اور اگلے چار سالوں میں وہ جنرل سیکرٹری بننے کے بالکل قریب پہنچ گئی مگر اس نے اس حد کو عبور کرنے سے انکار کر دیا کیوں کہ یہ فلورنتینو آریزا سے بس ایک درجہ ہی کم تھی۔ اب تک وہ اس سے احکامات لیتی آتی تھی اور وہ

اسی معمول کو جاری رکھنا چاہتی تھی' مگر اصل معاملات یوں تھے: فلورنٹینو آریزا کو خود بھی علم نہیں تھا کہ درحقیقت وہی اس سے احکامات وصول کرتا تھا بورڈ آف ڈائریکٹرز کی میٹنگ میں وہ اس کی تجاویز پر عمل کرنے کے سوا کچھ نہیں کرتا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ اپنے دشمنوں کی سازشوں کے باوجود ترقی کرتا رہا۔

لیونا کیزیانی کو خفیہ امور سے نپٹنے کا غیر معمولی سلیقہ آتا تھا اور اس کو ہمیشہ علم ہوتا تھا کہ اس کو کس طرح صحیح وقت پر کس صحیح جگہ ہونا چاہیے۔ وہ ایک سنجیدہ متانت کے ساتھ متحرک مگر خاموش رہتی' مگر جب کبھی ضروری ہوتا تو وہ دل میں درد لیے' بھرپور ضرب لگانے سے بھی نہ چوکتی۔ تاہم اس نے کبھی یہ سب کچھ اپنے لیے نہیں کیا۔ اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ وہ کسی بھی قیمت پر خواہ اس کے لیے خون ہی کیوں نہ کرنا پڑے اس زینے کو فلورنٹینو آریزا کے لیے صاف رکھے، جس پر چڑھ کر اس نے اس منزل تک پہنچنا ہے جس کو اس نے اپنی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ لگائے بغیر اپنے لیے حاصل کرنے کا سوچ رکھا تھا۔ وہ یقیناً کسی بھی صورت حال میں یہ کر سکتی تھی' کیوں کہ اس میں قوت کی شدید خواہش موجود تھی مگر سچی بات یہ تھی کہ اس کے لیے احسان مندی کے جذبات کی وجہ سے وہ جان بوجھ کر ایسا کرتی تھی۔ اس کا ارادہ اس قدر مضبوط تھا کہ بعض اوقات فلورنٹینو آریزا خود اس کے منصوبوں میں اپنا راستہ بھول جاتا اور ایک بد بخت موقع پر اس نے اس کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش بھی کی' یہ سوچتے ہوئے کہ وہ بھی اس کا راستہ روک رہی ہے۔ لیونا کیزیانی فوراً ہی اسے،اس کے مقام پر لے آتی۔

''دو غلطی مت کرو۔'' اس نے اس سے کہا: ''جب بھی تم چاہو میں ہر شے سے دستبردار ہو سکتی ہوں مگر اس بات پر دھیان سے غور کرو۔''

فلورنٹینو آریزا جس نے درحقیقت کبھی اس بارے میں سوچا بھی نہیں تھا،اس وقت پہلی بار اس پر غور کیا اور اس نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ حقیقت یہ ہے کہ مستقل بحرانوں کا شکار رہنے والی اس کمپنی کی ہلاکت آمیز جنگ میں ایک انتھک مہم جو کے طور پر اپنی ناکامیوں کے دوران میں' اور فرمینا دازا کے ہر لحظہ تیز یقینی ہوتے تصور کے دوران میں' جذبات سے عاری فلورنٹینو آریزا کو دلی اطمینان کا ایک لحہ بھی نصیب نہیں ہوا تھا کہ اسے غلاظت اور محبت میں لتھڑی' اور زندگی کے معرکے میں بھرپور انداز میں شریک اس مسحور کن اور آتش مزاج سیاہ فام عورت کا سامنا کرنا پڑا۔

کئی بار اپنی خود کلامیوں میں اسے اس بات پر افسوس ہوتا رہا کہ درحقیقت یہ وہ نہیں تھی جو اس ملاقات کی سہ پہر کو وہ اسے سمجھا تھا۔ اس کی خواہش تھی وہ اپنے اصولوں کو بلائے طاق رکھتے ہوئے اس

سے ہم بستری کر سکے چاہے اس کی قیمت اسے چمکتے ہوئے سونے کی ڈلیوں کی صورت میں ہی کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ لیونا کیزیانی اب بھی ویسی ہی عورت تھی جس کو اس نے اس سہ پہر ٹھیلے پر دیکھا تھا۔ اس کے وہی کسی تندخو غلام کے پہننے والے کپڑے تھے۔ وہی بے ترتیب پگڑی' اس کے بندے' اور ہڈیوں سے بنے ہوئے کنگن' اس کے ہار' اس کی ہر انگلی میں جھوٹے پتھروں کی انگوٹھیاں۔ یوں لگتا جیسے وہ گلیوں میں پھرنے والی شیرنی ہو۔ ان تمام سالوں نے اس کے سراپے کو کم ہی بدلا تھا اور جتنا کچھ بھی بدلا تھا اس نے اس کی شخصیت کو مزید بہتر بنا دیا تھا۔ وہ ایک شاندار پختہ کار عورت میں بدل گئی تھی۔ اس کا نسوانی حسن اب مزید اشتعال انگیز ہو گیا تھا اور اس کا دہکتا ہوا افریقی بدن اب مزید کستا جا رہا تھا۔ فلورنتینو آریزا نے ان دس سالوں میں اپنی ابتدائی غلطی کے سخت کفارے کے طور پر کبھی اس سے خواستگاری نہیں کی تھی اور لیونا نے بھی سوائے اس معاملے کے' زندگی کے ہر پہلو میں اس کی مدد کی تھی۔

اپنی ماں کی وفات کے بعد وہ اکثر دیر تک دفتر میں کام کرتا رہتا۔ ایک رات جب وہ کام سے فارغ ہو کر واپس جا رہا تھا تو اس نے لیونا کیزیانی کے دفتر میں روشنی جلتی دیکھی۔ اس نے بغیر دستک دیے دروازہ کھول دیا اور وہاں وہ موجود تھی۔ اپنے ڈیسک پر تنہا، کھوئی ہوئی' سنجیدہ نیا چشمہ لگائے ہوئے، جس سے اس کے چہرے پر ایک عالمانہ وقار پیدا ہو گیا تھا۔ ایک مسرت انگیز خوف کے احساس کے ساتھ فلورنتینو آریزا کو خیال آیا کہ وہ دونوں اس عمارت میں تنہا ہیں۔ دروازے کھڑکیاں ویران' شہر خوابیدہ' سیاہ سمندر پر چھائی دائمی رات اور اس جہاز کا ماتمی بھونپو جو اب ایک گھنٹے تک گودی میں داخل نہیں ہو گا۔ فلورنتینو آریزا دونوں ہاتھ اپنی چھتری پر رکھ کر جھک گیا۔ بالکل ویسے وہی جیسے اس دن اس نے چراغوں والی گلی میں اس کا راستہ روکا تھا۔ مگر اس بار اس نے ایسا اپنی کانپتی ٹانگوں کو سہارا دینے کے لیے کیا۔

''میرے دل کی شیرنی' مجھے کچھ بتا۔'' اس نے کہا۔ '' ہمارے درمیان یہ کھیل کب ختم ہو گا؟''

اس نے بغیر کسی حیرانی کے اپنا چشمہ اتارا' خود پر مکمل قابو رکھتے ہوئے اس کا آفتابی قہقہہ گونجا جس نے اسے خیرہ کر دیا۔ پہلی بار اس نے مخاطب کرنے کا شناسا انداز اپناتے ہوئے کہا۔

''اے فلورنتینو آریزا میں دس سال سے یہاں بیٹھی انتظار کر رہی ہوں کہ تم کب مجھ سے آ کر یہ کہو گے۔''

اب تک بہت دیر ہو چکی تھی' خچر بردار ٹھیلے کے وقت یہ ہو سکتا تھا۔ مگر اب ایسا امکان ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا تھا۔ سچی بات یہ تھی کہ اس کے لیے سارے اچھے برے گر آزمانے کے بعد' اس کے

لیےاس قدر رذلت اٹھانے کے بعد٬ زندگی کے دھارے میں وہ اس قدر آگے نکل چکی تھی کہ اب اس کا اس سے عمر میں بیس برس بڑا ہونا بھی بے معنی ہو گیا تھا: وہ اب اس کے لیے بہت زیادہ بڑی ہو چکی تھی۔ وہ اس سے اس قدر محبت کرتی تھی کہ اس کو دھوکا دینے کی بجائے اس نے اس سے محبت جاری رکھنے کو ترجیح دی٬ اگرچہ اس کو نہایت بے رحم انداز میں یہ بتانا پڑا۔

''نہیں۔'' اس نے اس سے کہا: ''مجھے یوں لگے گا جیسے میں اپنے اس بیٹے کے ساتھ بستر میں جا رہی ہوں جس کو میں نے کبھی جنم نہیں دیا۔''

فلورنٹینو آریزا بہت عرصے تک اس شبے میں مبتلا رہا کہ یہ حتمی فیصلہ نہیں ہے۔ اس کا یقین تھا کہ جب کوئی عورت نہ کہتی ہے تو درحقیقت وہ اپنا آخری فیصلہ کرنے کے لیے مزید انگیخت کیے جانے کا انتظار کر رہی ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ وہ اسی غلطی کو دہرانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا، گو کہ پیچھے ہٹنے کا فیصلہ اس کے لیے مشکل تھا مگر وہ ایک خاص وقار کے ساتھ بغیر کسی احتجاج کے اپنے مطالبے سے دستبردار ہو گیا۔ اس رات کے بعد ان دونوں کے درمیان چھایا کسی بھی قسم کا غبار بغیر کسی تلخی کے چھٹ گیا اور بالآخر فلورنٹینو آریزا نے یہ جان لیا کہ کسی عورت کے ساتھ ہم بستری کیے بغیر اس کا دوست ہونا ممکن ہے۔

لیونا کیزیانی وہ واحد انسان تھی جسے فلورنٹینو آریزا نے فرمینا داز، اسے اپنے عشق کے راز میں شریک کرنا چاہا۔ وہ چند لوگ جو اس بات کو جانتے تھے بہت سی وجوہات کی بنا پر اس کو بھولنا شروع ہو گئے تھے۔ ان میں سے تین تو ایسے تھے جو بغیر کسی شبے کے اب تک اپنی قبروں میں جا پہنچے تھے۔ اس کی ماں جس کی یادداشت اپنی موت سے بہت عرصہ پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ گالا پلیسیڈیا٬ اس لڑکی کی خدمت کرتے ہوئے، جسے وہ اپنے بیٹی کی طرح سمجھتی تھی، بوڑھی ہو کر مر گئی٬ اور نا قابل فراموش ایسکولسٹیکا جو اپنی عبادت کی کتاب میں اس کی زندگی کا پہلا محبت نامہ چھپا کر اسے دینے آتی تھی اور اتنے زیادہ سال گزرنے کے بعد اس کے زندہ رہنے کا امکان بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ لورینزو داز نے (کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے) جب وہ فرمینا داز کے سکول سے اخراج کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا٬ ہو سکتا ہے سسٹر فرانکا ڈی لالز کو اس بارے میں بتایا ہو مگر اس بات کا امکان بہت ہی کم تھا کہ اس نے بات کو اور آگے پھیلایا ہو۔ ان کے علاوہ ہلڈے برانڈا کے قصبے کے٬ بس وہ گیارہ ٹیلی گراف آپریٹر تھے٬ جنھوں نے ٹیلی گراموں کو مکمل نام اور پتوں کے ساتھ آگے پہنچایا تھا۔ ہلڈے برانڈا سانچیز بذات خود اور

دوسری بہت سی منہ زور عم زادیں۔ جس بات کا فلورنتینو آریزا کو علم نہیں تھا وہ یہ تھی کہ اسے ڈاکٹر جووینل اربینو کو بھی اس فہرست میں شامل کرنا چاہیے تھا۔ ابتدائی سالوں کے اپنے کئی دوروں کے دوران میں ہلڈے برانڈا سانچیز اس سے اس راز کا انکشاف کر چکی تھی' مگر اس نے یہ بات اس قدر لاپروائی سے اور ایسے بے محل موقع پر کہی تھی کہ ڈاکٹر کے ایک کان سے گذر کر دوسرے سے نکل جائے گی۔ اس نے ایسا سوچا تھا۔ مگر درحقیقت ڈاکٹر نے اسے قطعاً سنا ہی نہیں تھا۔ ہلڈے برانڈا نے فلورنتینو آریزا کا ذکر ان گمنام شاعروں میں سے ایک کے طور پر کیا تھا، جو شاعری کے میلے میں انعام جیت سکتا تھا۔ ڈاکٹر اربینو اس کو نہیں پہچان پایا۔ تب اس نے اسے بتایا کہ شادی سے پہلے وہ فرمینا داز کا واحد محبوب تھا۔ اس کو یہ بتانے کی ضرورت نہ تھی۔ تاہم اس میں اس کی کوئی بدنیتی شامل نہیں تھی۔ اس کو ہمدردی کا احساس پیدا کرنے والی ایک عارضی اور معصوم محبت سمجھتے ہوئے اس نے اس کے بارے میں بتایا۔ ڈاکٹر جووینل اربینو نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا: ''مجھے علم نہیں تھا کہ وہ شخص ایک شاعر تھا۔'' اور پھر اس نے اسے اپنی یادداشت سے خارج کر دیا۔ کیوں کہ اور دوسری بہت سی باتوں کے علاوہ، اس کے پیشے کی اخلاقیات نے اسے بھول جانے کا ہنر بھی سکھایا تھا۔

فلورنتینو آریزا نے محسوس کیا کہ اس کی ماں کے علاوہ اس محبت کے سارے رازدانوں کا تعلق فرمینا داز کی دنیا سے تھا۔ اپنی دنیا میں وہ اس کچل دینے والے بوجھ کے ساتھ تنہا تھا' جس میں بارہا اس نے کسی کو شریک کرنا چاہا مگر اب تک اسے کوئی ایسا نہیں ملا تھا جو اس قدر اعتماد کے قابل ہو۔ لیونا کیزیانی وہ واحد ہستی تھی جس پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ اسے صرف موقع کی ضرورت تھی۔ گرمیوں کی اس حدت انگیز سہ پہر کو وہ اسی بارے میں سوچ رہا تھا، جب ڈاکٹر جووینل اربینو آر سی سی کی عمودی سیڑھیوں پر' تین بجے دوپہر کی گرمی سے جاں بہ ہونے کے لیے ہر قدم پر رک رک کر چڑھتا ہوا فلورنتینو آریزا کے دفتر میں نمودار ہوا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور وہ سر سے پیر تک پسینے میں شرابور تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا: ''مجھے یقین ہے کوئی سائیکلون آنے والا ہے۔'' فلورنتینو آریزا نے بارہا اسے وہاں دیکھا تھا۔ وہ چچا لیو ہفتم سے ملنے وہاں آتا تھا۔ مگر اب سے پہلے اسے کبھی اس قدر واضح طور احساس نہیں تھا کہ اس کے اس بن بلائے مہمان کا اس کی زندگی سے کتنا تعلق ہے۔

یہ وہ وقت تھا جب وہ اپنا ہیٹ ہاتھ میں تھامے فنون لطیفہ سے متعلق اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے دردر چندہ اکٹھا کرتا پھر رہا تھا۔ یوں جیسے کوئی بھکاری ہو۔ ہمیشہ سے چچا لیو ہفتم اس کا قابل اعتماد

اور دل کھول کر چندہ دینے والا شخص رہا تھا مگر اس وقت اپنے ڈیسک کے پیچھے گھومنے والی کرسی پر بیٹھے اس نے اپنا روزانہ کا دس منٹ کا قیلولہ بس شروع ہی کیا تھا۔ فلورنٹینو آریزا کا دفتر چچا لیو ہفتم کے دفتر سے ملحق ہی تھا۔ اور ایک لحاظ سے انتظار گاہ کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا۔ اس نے ڈاکٹر جووینل اربینو سے اس کے دفتر میں انتظار کرنے کی درخواست کی۔

انھوں نے مختلف مواقع پر ایک دوسرے کو دیکھ رکھا تھا مگر کبھی یوں وہ ایک دوسرے کے اس طرح روبرو نہیں آئے تھے اور ایک بار پھر فلورنٹینو آریزا کو خود کو کمتر محسوس کرنے کا کراہت آمیز تجربہ ہونے لگا۔ وہ دس منٹ اسے ابد تک پھیلے محسوس ہو رہے تھے، جس دوران میں وہ تین بار اس امید پر اٹھا کہ شاید آج اس کے چچا جلدی اٹھ گئے ہوں اور اس نے سیاہ کافی کا ایک پورا تھرموس پی ڈالا۔ ڈاکٹر اربینو نے کافی کی ایک پیالی پینے سے بھی انکار کر دیا۔ اس نے کہا کافی زہر ہے اور وہ اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ کوئی اسے سن بھی رہا ہے یا نہیں ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ فلورنٹینو آریزا، اسے اس کی فطری امتیازی حیثیت برداشت نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس کے صحیح الفاظ کا چناؤ اور گفتگو کی روانی، کیمفر کی دھیمی دھیمی مہک اس کی ذات کی کشش اس کا آسان اور باوقار انداز، جس میں وہ انتہائی عامیانہ فقرے بھی کہتا تو وہ اس لیے اہم لگتے کہ اس کی زبان سے ادا ہوئے تھے۔ پھر اچانک ہی اس نے موضوع تبدیل کر دیا۔

''تمھیں موسیقی پسند ہے؟''

وہ ششدر رہ گیا۔ درحقیقت فلورنٹینو آریزا شہر میں ہونے والے ہر اوپیرا اور موسیقی کے پروگرام میں شریک ہوتا تھا مگر وہ اس بارے میں کسی تنقیدی اور عالمانہ گفتگو کرنے کی صلاحیت سے عاری تھا۔ وہ مقبول موسیقی کے لیے ایک خاص دلچسپی رکھتا تھا۔ خاص طور پر والز کی جذبات سے بھری دھنوں کے لیے، جن کی اس کے لڑکپن میں بنائی گئی دھنوں یا اس کے خفیہ اشعار سے مشابہت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ اگر ان کو ایک بار بھی سن لیتا تو پھر زمین و آسمان کی کسی قوت کے بس میں یہ نہیں تھا کہ وہ آنے والی راتوں میں ان کی لے کو اس کے ذہن سے محو کر سکے لیکن یہ کسی ایسے شخص کی جانب سے پوچھے گئے سنجیدہ سوال کا جو اس فن کے بارے میں خصوصی جانکاری رکھتا ہو، سنجیدہ جواب نہیں ہو سکتا تھا۔

''مجھے گارڈیل پسند ہے۔'' اس نے کہا۔

ڈاکٹر اربینو کو معاملے کا ادراک ہو گیا۔ ''میں سمجھا'' اس نے کہا وہ خاصا مقبول ہے اور پھر وہ ان بہت سارے منصوبوں کا ذکر کرنے لگ گیا، جنھیں ہمیشہ کی طرح سرکاری سرپرستی کے بغیر تکمیل تک

پہنچایا جاتا تھا۔اس نے گذشتہ صدی کی شاندار موسیقی کی نسبت آج کل مروج مایوس کن اور حقیر معیار کی طرف اس کی توجہ دلائی ۔ یہ بات درست تھی: وہ ایک سال تک کورٹو' کازلاس اور تھسیا تینوں پر مشتمل گروپ کوڈرامیٹک تھیٹر میں بلانے کے لیے چندے کی رسیدیں بھیجتا رہا تھا اور حکومت میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا جو ان کے بارے میں ذرا بھی جانتا ہو۔ جب کہ اسی ماہ رومن کیرالٹ کمپنی کے جو جاسوسی ڈرامے پیش کرتی تھی'اس کے پروگراموں کے لیے ہالوں میں ایک نشست بھی نہیں بچی تھی ۔ان ڈراموں میں ڈان مانولوڈی لا پریبا کی اوپیریٹا اور زازولے کمپنی' سانٹا نیلر' نا قابل بیان نقالوں' شعبدہ بازوں اور ان کمپنیوں کے فنکاروں کے لیے جو پلک جھپکنے میں سٹیج پر ہی کپڑے بدل لیتے تھے' بہت مقبولیت حاصل ہو رہی تھی ۔ ڈینس ڈی ایسے' جس کے بارے میں مشتہر کیا گیا تھا کہ فولیز برجر میں رقص کرتی رہی تھی' حتی کہ قابل نفرین ارسس کے لیے بھی، جو تنہا ایک بیل سے لڑتا تھا' لوگ بے اختیار کھنچے چلے آئے تھے ۔اب کوئی کسی سے کیا شکایت کرے اگر یورپی خود ہی ایک خون ریز جنگ کی روایت قائم کر رہے ہیں' جب کہ ہم نے نصف صدی پر پھیلی نو خانہ جنگیوں کے بعد امن سے رہنا شروع کر دیا ہے' جو اگر سچ کہا جائے تو ایک ہی جنگ تھی: ہمیشہ ایک ہی جنگ کا تسلسل ۔اس حیران کن گفتگو کے دوران میں فلورنٹینو آریزا نے جس بات پر سب سے زیادہ دھیان دیا وہ ''شعر میلہ'' کے دوبارہ اجرا کا امکان تھا ۔جو ڈاکٹر جووینل اربینو کے ماضی میں سوچے گئے،تمام منصوبوں میں سب سے مشہور اور دیرپا رہا تھا۔خود کو اس بات سے روکنے کے لیے اس کو اپنی زبان دانتوں تلے دبانا پڑی کہ وہ اس سالانہ مقابلے میں بھرپور طور پر شریک رہا تھا' جس کی شہرت باقی ملک میں ہی نہیں بل کہ کریبئن خطے کی دوسری قوموں میں بھی پھیل گئی تھی ۔

ابھی گفتگو کا آغاز ہی ہوا تھا' کہ گرم بھاپ جیسی ہوا یک لخت ٹھنڈی ہو گئی اور ہر طرف سے چلتی ہوئی ہواؤں نے مہیب دھماکوں سے دروازوں اور کھڑکیوں کو ہلا دیا۔دفتر کسی بھٹکے ہوئے تیرتے جہاز کی طرح ڈولنے لگا ۔یوں لگتا تھا جیسے ڈاکٹر جووینل اربینو نے اس طرف دھیان ہی نہیں دیا ۔اس نے جون میں اٹھنے والے جنوبی طوفان کے بارے میں ہلکا سا اشارہ کیا اور پھر یوں ہی اچانک اپنی بیوی کے بارے میں باتیں کرنے لگا ۔اس کے خیال میں وہ نہ صرف اس کے کاموں میں اس کی پرجوش شریک عمل تھی بل کہ یہ کہ وہ اس کے تمام منصوبوں کی روح رواں بھی تھی ۔اس نے کہا کہ اس کے بغیر میں کچھ نہ ہوتا ۔فلورنٹینو آریزا جذبات سے عاری انداز میں سر کو اثباتی انداز میں ہلکی سی جنبش دیتے ہوئے اس کی

باتیں سنتا رہا۔اس خوف سے کہ مبادا اس کی آواز اس کے جذبات کو آشکار نہ کر دے،اس نے کچھ کہنے کی جرات نہیں کی۔مزید دو تین فقرے ہی اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی تھے، کہ ڈاکٹر جووینل اربینو کے پاس اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اب بھی بہت سا وقت اپنی بیوی کی پرستش کے لیے موجود ہے۔تقریباً اتنی ہی جتنا کہ فلورنتینو آریزا خود اس سے کرتا تھا اور اس سچائی نے اسے دم بخود کر دیا۔مگر وہ ان باتوں پر اپنی خواہش کے مطابق اپنا ردعمل ظاہر نہیں کر سکا کیوں کہ پھر اس صورت میں اس کا دل وہی بدمست کھیل کھیلتا جو صرف دل ہی کھیل سکتے ہیں،اس پر یہ منکشف ہوا کہ وہ اور یہ شخص جس کو اس نے ہمیشہ اپنا ذاتی دشمن سمجھا تھا،ایک ہی مقدر کا شکار تھے اور ایک ہی مشترک جذبے کے حصے دار تھے۔وہ جانور تھے جنھیں ایک ہی ہل میں جوت دیا گیا تھا۔اور ان نا قابل اختتام ستائیس سالوں سے منتظر فلورنتینو آریزا نے اس تصور سے پیدا ہونے والے دکھ کی نا قابل برداشت ٹیس محسوس کی کہ اس کی خوشی کے لیے ایک روز اس شخص کو مرنا ہوگا۔طوفان بالآخر ختم گیا مگر ان پندرہ منٹوں میں اس کے شمال مغربی سمت میں چلنے والے جھکڑوں نے قرب و جوار کے دلدلی علاقوں میں شدید تباہی مچائی تھی اور تقریباً آدھے شہر کو شدید نقصان پہنچا دیا تھا۔ایک بار پھر چچا لیو ہفتم کی سخاوت سے شکر گزار ڈاکٹر جووینل اربینو موسم کے صاف ہونے کا انتظار کیے بغیر واپسی کے لیے چل پڑا۔بغیر کچھ سوچے اس نے اس چھتری کو قبول کر لیا جو فلورنتینو آریزا نے بگھی تک پہنچنے کے لیے اسے دی تھی۔اس نے اس بات کا برا نہیں منایا بل کہ اس کے برعکس: وہ یہ تصور کر کے خوش ہوتا رہا کہ جب فرمینا دازا کو علم ہوگا کہ اس چھتری کا مالک کون ہے تو اس کے ذہن میں کیسے کیسے خیالات آئیں گے۔وہ ملاقات کی الجھن میں ہی گرفتار تھا کہ لیونا کیزیانی اس کے دفتر میں داخل ہوئی اور اس کو لگا کہ یہ ایک بے مثال موقع ہے کہ وہ ادھر ادھر کی بے کار باتیں بند کرے اور اپنا حال دل اس کے سامنے کھول کر رکھ دے۔وہ اس پھوڑے کو دبا دے جو اسے کبھی سکون سے نہیں رہنے دے گا،اب یا کبھی نہیں۔اس نے گفتگو کا آغاز یوں کیا کہ وہ ڈاکٹر جووینل اربینو کو کیا سمجھتی ہے۔اس نے تقریباً سوچے بغیر جواب دیا۔"وہ ایسا شخص ہے جو کئی کام کرتا ہے۔شاید بہت زیادہ ہی۔لیکن مجھے یقین ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ دراصل اس کے ذہن میں کیا ہے۔"پھر اس نے اپنے لمبے، تیکھے سیاہ فام عورتوں والے دانتوں سے پنسل پر لگے مٹانے والے ربڑ کے ٹکڑے کرتے ہوئے کچھ سوچا اور پھر اس نے اس معاملے کو،جس کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا کندھے اچکاتے ہوئے یہ کہہ کر ختم کرنا چاہا۔

"شاید اس کے بہت سارے کام کرنے کی یہی وجہ ہو کہ اسے کچھ سوچنا ہی نہ پڑے۔"

فلورنتینو آریزا نے اس کو اپنی سوچوں میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''میرے لیے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اسے ایک روز مرنا ہے۔''

''ہر شخص کو مرنا ہے۔'' اس نے کہا۔

''ہاں'' اس نے کہا۔ ''مگر اس کے لیے یہ مقدر زیادہ شدید ہے۔''

اس کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔ اس نے ایک بار پھر اپنے کندھے اچکائے اور بغیر کچھ کہے دفتر سے باہر نکل گئی۔ تب فلورنتینو آریزا نے جانا کہ کسی ایک رات' آنے والے دنوں میں کبھی فرمینا داز ا کے ساتھ ایک مسرت انگیں بستر میں لیٹے' وہ اسے بتائے گا کہ اس نے اپنے عشق کا راز کسی کے سامنے عیاں نہیں کیا۔ اس ہستی کے سامنے بھی نہیں جسے یہ راز جاننے کا حق ہو چلا تھا' ہرگز نہیں۔ وہ کبھی اس کو افشا نہیں کرے گا۔ لیونا کیزیانی کے سامنے بھی نہیں۔ اس لیے نہیں کہ جس خزینے کو اپنی تقریباً نصف عمر تک اس نے نہایت احتیاط سے بند رکھا وہ کھولنا نہیں چاہتا تھا' بل کہ اس لیے کہ اسی لمحے اس نے یہ جانا کہ وہ اس کی کنجی کھو چکا ہے۔ تاہم اس سہ پہر کا یہی ایک پریشان کن واقعہ نہیں تھا۔ ایام شباب کی باتیں اب بھی اس کے ذہن میں تھیں۔ شعر میلہ کی واضح یادیں جس کی گونج ۱۵ اپریل کو پورے انٹیلز میں سنی جاتی تھی۔ وہ اس کے سرکردہ لوگوں میں سے ایک ہوتا۔ مگر ہمیشہ اپنے دوسرے تمام معاملات کی طرح اس میں بھی وہ خاموشی سے متحرک رہتا۔ افتتاحی مقابلے سے لے کر اب تک وہ کئی مشاعروں میں شریک ہو چکا تھا مگر اس کا کبھی بھی تعریفی ذکر تک نہیں ہوا تھا۔ اس کے لیے یہ بات اہم نہیں تھی۔ کیوں کہ وہ ان میں کسی انعام کے حصول کے لیے شریک نہیں ہوتا تھا بل کہ اس لیے کہ اس مقابلے میں اس کے لیے ایک اضافی دلچسپی کا سامان موجود تھا: پہلے سیشن میں فرمینا داز ا نے سربمہر لفافے کھول کر جیتنے والوں کے ناموں کا اعلان کیا تھا۔ اور بعد ازاں جیسے یہ طے پا گیا تھا کہ آنے والے سالوں میں بھی وہی یہ فریضہ سرانجام دیا کرے گی۔

تاریکی میں آرکسٹرا کی ایک نشست میں چھپے' اپنے کوٹ کے کالر میں اپنی آرزو سے مہکتے ہوئے کیمیلیا کو لگائے' فلورنتینو آریزا نے نیشنل تھیٹر کے سٹیج پر پہلے میلے کی رات فرمینا داز ا کو تین سربمہر لفافے کھولتے ہوئے دیکھا۔ اس نے خود سے پوچھا کہ اس کے دل کا کیا حال ہو گا جب وہ یہ جانے گی کہ اسے طلائی پھول کے انعام کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس کی تحریر کا انداز پہچان لے گی۔ پھر وہ ان سہ پہروں کو یاد کرے گی جب وہ اس چھوٹے سے پارک میں بادام کے درختوں تلے

بیٹھ کر کشیدہ کاری کر رہی ہوتی ۔اس کے خطوں میں مرجھائے ہوئے گارڈینیا کی مہک ہوتی اور صبح دم ہواؤں میں تاج دار دیوی کے والز کی بازگشت دستک دیتی ۔ایسا نہیں ہوا۔بل کہ اس سے بھی بُرا۔پوری قوم کے مشاعروں میں سب سے زیادہ مقبول انعام طلائی پھول ٗایک چینی تارک الوطن کو دے دیا گیا۔یہ اس طرح کا فیصلہ تھا جس کی مثال کبھی پہلے نہیں ملتی تھی ۔اس وجہ سے عوام میں اس مقابلے کی سنجیدگی کے بارے میں کافی لے دے ہوئی مگر یہ فیصلہ درست تھا اور تمام منصفین کے اس سانیٹ کے بہترین ہونے کے بارے میں رائے متفقہ تھی۔

کسی نے اس بات پر یقین نہیں کیا کہ اس کا مصنف وہی چینی تھا، جس نے یہ انعام وصول کیا۔اس صدی کے اختتام پر دونوں سمندروں کے درمیان ریل کی پٹڑی بچھانے کے دوران میں پاناما میں سخت تباہی مچانے والے ٗزرد بخار کے عذاب سے بھاگتے ہوئے بہت سے دوسرے چینیوں کی طرح وہ یہاں پہنچ گیا تھا۔یہ چینی پھر اپنی موت تک یہیں رہے۔یہ لوگ چینی انداز میں رہتے ٗ چینی انداز میں بچے جنتے اور ایک دوسرے سے اس قدر مشابہت رکھتے کہ کوئی بھی ان میں سے ایک دوسرے کو پہچان نہ سکتا تھا۔پہلے پہل ان کی تعداد دس سے زیادہ نہ تھی ۔ان میں سے کچھ اپنے بیوی بچوں اور کتوں کے ہمراہ رہتے تھے ۔مگر کچھ ہی سالوں میں بندرگاہ کے قریب گندے علاقوں میں چار تنگ گلیاں ان غیر متوقع چینیوں سے بھری پڑی تھیں ٗجو کسٹمز کے ریکارڈ میں کوئی ذرا سا نشان چھوڑے اس ملک میں داخل ہو چکے تھے ۔ان میں سے کچھ جو ابھی نوجوان تھے اس قدر جلدی سے پروقار بزرگوں میں بدل چکے تھے کہ کوئی شخص اس بات کی وضاحت نہیں کر سکتا تھا کہ انہیں اس قدر جلد بوڑھا ہونے کے لیے وقت کہاں سے مل گیا۔عام خیال میں وہ دو طرح کے لوگوں میں بٹے ہوئے تھے۔اچھے چینی اور برے چینی ۔برے چینی وہ تھے جو دریا کے ساتھ بنے ریستورانوں میں پائے جاتے ۔جہاں ہر کوئی اس طرح کھانا کھاتا جیسے وہ کوئی بادشاہ ہو جو ابھی چوہے کے گوشت اور سورج مکھی کی پلیٹ کے سامنے بیٹھے کھاتے کھاتے میز پر ہی دم دے دے گا اور جن کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ وہ سفید فاموں کی غلامی سے لے کر اور بہت سے دوسری قسم کے دھندوں میں ملوث تھے ۔اچھے چینی وہ تھے جو لانڈریوں میں کام کرتے اور ایک مقدس علم کے وارث تھے ۔وہ قمیصوں کو دھو کر اس طرح لوٹاتے کہ وہ نئی کی نسبت زیادہ اجلی دکھائی دیتیں اور ان کی کالر اور آستین یوں ہوتیں جیسے عشائے ربانی کی روٹی کو ابھی ابھی استری کیا ہو۔جس شخص نے اس روز خوب تیار ہوئے بہتر حریفوں کو اس شعر میلے میں شکست دی تھی ٗان اچھے چینیوں سے تعلق رکھتا تھا۔

جب حیران و پریشان فرینا دازا نے وہ نام پکارا تو کوئی بھی اسے نہ سمجھ سکا۔ صرف اسی لیے نہیں کہ یہ ایک عجیب سا نام تھا بل کہ کسی کو بھی اس بات کا کما حقہ علم نہیں تھا کہ چینیوں کو کیا کہا جاتا تھا۔ مگر اس بارے میں سوچنا بہت ضروری نہیں تھا' کیوں کہ سٹیج کے عقب سے وہ چینی نمودار ہو چکا تھا۔ اس مقدس مسکراہٹ کے ساتھ جو چینی اس وقت چہرے پر سجاتے ہیں جب وہ گھر جلدی لوٹ کر آتے ہیں۔ اس کو اپنی جیت کا اس قدر یقین تھا کہ وہ انعام وصول کرنے کے لیے بہار کی تقریبوں کے حوالے سے' زرد ریشمی عبا پہن کر آیا تھا۔ اس نے ۱۸ قیراط کا طلائی پھول وصول کیا اور اس فیصلے کے منصفانہ ہونے پر یقین نہ کرنے والوں کی طعن و تشنیع سے بھرپور فلک شگاف آوازوں میں اس کو چوم لیا۔ اس نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا اور کسی ولی کی طرح سٹیج کے وسط میں کھڑا انتظار کرتا رہا۔ جوں ہی ہال میں خاموشی ہوئی اس نے وہ کامیاب نظم پڑھی' جو کسی کو سمجھ نہ آئی۔ لیکن جب سیٹیوں اور آوازوں کا ایک دور ختم ہوا تو جذبات سے عاری فرینا دازا نے اپنی گلوگیر' گرفتہ اور اثر آفرین آواز میں اسے دوبارہ پڑھا اور پہلے ہی مصرعے کے بعد سب لوگ ایک تحیر کی گرفت میں آ گئے۔ یہ خالصتاً فرانسیسی فکر میں ادب برائے ادب کی روایت میں ایک مکمل سانیٹ تھا اور اس میں وجدان کی ایک ایسی کیفیت کا تموج نظر آتا تھا جو فنِ شاعری کے کسی استاد ہی کی کرشمہ سازی ہو سکتی تھی۔ اس کی واحد توضیح یہی پیش کی گئی کہ کسی عظیم شاعر نے ''شعر میلہ'' کی تضحیک کرنے کے لیے یہ مذاق کیا ہے اور جس میں اس نے اپنی موت تک اس راز کو چھپائے رکھنے کا عزم رکھنے والے اس چینی کو بھی اپنے ساتھ ملوث کیا ہے۔ ہمارے روایت پرست اخبار' کمرشل ڈیلی نے اپنے ایک عالمانہ مگر پراگندہ مضمون میں کریبئن میں چینیوں کے قدیم ثقافتی اثرات بیان کر کے ہمارے شہری وقار کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔ اسی بنا پر اس کا خیال تھا کہ چینیوں کو جائز طور پر شعر میلوں میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

مضمون نگار کو اس بات پر ذرا شک نہ تھا کہ یہ سانیٹ اسی چینی کی تخلیق تھا اور اس نے مضمون کے اس عنوان ''ہر چینی شاعر ہے'' سے براہ راست اس کا دفاع کیا۔ اگر واقعی کوئی ایسا منصوبہ بنایا گیا تھا تو اس کو ترتیب دینے والے اس راز کے ساتھ ہی اپنی قبروں میں گل سڑ گئے۔ جہاں تک اس چینی کا تعلق ہے تو وہ اپنی طبعی عمر گذار کر بغیر کسی اعتراف کے مر گیا اور اس کے کفن میں طلائی پھول لپیٹ کر اسے دفنا دیا گیا۔ مگر اس کے ساتھ وہ تلخی بھی اس کے ہمراہ تھی کہ وہ اپنی زندگی میں وہ واحد چیز حاصل نہ کر سکا جس کی اس نے خواہش کی تھی۔ ''یعنی اسے ایک شاعر کے طور پر تسلیم کیا جائے۔'' اس کی موت پر اخباروں نے

شعر میلے کے اس بھولے بسرے واقعہ کا دوبارہ ذکر کیا اور آرائشی حروف اور سنہرے نقش ونگار کے ساتھ اس سانیٹ کو دوبارہ شائع کیا اور شاعری کے محافظ فرشتوں نے معاملے کی وضاحت کرنے کے لیے اس موقع کو برمحل خیال کیا: نوجوان نسل کو یہ سانیٹ اس قدر بھونڈا لگا کہ ان میں سے کسی کو بھی اس بارے میں ذرا شک نہ رہا کہ درحقیقت یہ سانیٹ اس آنجہانی چینی کا ہی تخلیق کردہ تھا۔

فلورنتینو آریزا اس واقع کو ہمیشہ اس متمول اجنبی عورت کے ساتھ وابستہ کرتا تھا جو اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس نے تقریب کے آغاز میں اسے دیکھا تھا۔ مگر پھر وہ پیش بینی کے بے پناہ تجسس میں اسے فراموش کر بیٹھا۔ اس کی گھونگھوں کی اندرونی سطح کی سی سفید رنگت اور اس کی خوشگوار گہری نسوانی مہک نے اس کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اس کی بڑی بڑی بولتی ہوئی چھاتیاں تھیں جن پر اس نے ایک مصنوعی میگنولیا سجا رکھا تھا۔ اس نے اپنی پرشوق سیاہ آنکھوں کی طرح کی ایک سیاہ ویلوٹ کا ایک بہت تنگ لباس پہن رکھا تھا اور اس کی گردن کے پیچھے خانہ بدوشوں والی کنگھی سے بندھے بال اس سے بھی زیادہ سیاہ تھے۔ اس نے لٹکتے ہوئے آویزے ان کی مناسبت سے ایک ہار اور کئی انگلیوں میں جگمگاتے گلابوں کی طرح کی ایک جیسی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ اس کے دائیں رخسار پر پنسل سے ایک نشان حسن کھنچا ہوا تھا۔ آخری بار دیر تک بجتی تالیوں کی گونج میں اس نے ایک پرخلوص دکھ کے ساتھ آریزا کی طرف دیکھا۔

''یقین کرو میرا دل تمہاری طرف کھنچا چلا جا رہا ہے۔'' اس نے کہا۔

فلورنتینو آریزا حیران رہ گیا۔ اس تسلی کے لیے نہیں جس کا وہ واقعتاً مستحق تھا بلکہ اس بے پناہ تحیر کی وجہ سے کہ کوئی اس کے راز سے واقف ہے۔ اس لڑکی نے وضاحت کی: ''جب وہ لفافہ کھول رہے تھے تو تمہارے کوٹ کے کالر پر لگا پھول جس طرح لرزا تھا' اس نے مجھ پر تمہارا راز فاش کر دیا۔'' اس نے اپنے ہاتھ میں تھاما ویلوٹ کا میگنولیا اس کو دکھایا اور اپنا دل اس کے سامنے کھولتے ہوئے کہا۔

''اس لیے میں نے اپنا پھول اتار لیا تھا۔''

اس کی شکست سے دل گرفتہ اب وہ رودینے کو تھی کہ رات کے شکاریوں کی جبلتوں سے کام لیتے ہوئے فلورنتینو آریزا نے اس کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''چلو کسی جگہ چلتے ہیں جہاں ہم مل کر آہ وزاری کر سکیں۔''

وہ اس کے ساتھ اس کے گھر تک گیا اور چونکہ آدھی رات گذر چکی تھی اور گلی میں کوئی بھی نہیں

تھا' دروازے پر پہنچ کر اس نے اسے ترغیب دی کہ وہ اسے برانڈی پینے کے لیے گھر میں آنے کی دعوت دے۔ اس دوران میں وہ اخباری تراشوں کے مجموعے اور دس سال سے زیادہ عرصے کے پبلک واقعات کے بارے میں فوٹوگراف البم دیکھتے رہے۔ جن کے بارے میں اس نے بتایا کہ یہ اسی کی تھیں۔ اگرچہ یہ ایک پرانی چال تھی مگر اس بار یہ دھوکے سے مبرا معلوم ہو رہی تھی کیوں کہ جب وہ نیشنل تھیٹر سے چلے تھے وہ اپنی البموں کے بارے میں اس سے باتیں کرتی آئی تھی۔ وہ اندر چلے گئے۔ پہلی چیز جو فلورنٹینو آریزا کے مشاہدے میں آئی وہ یہ تھی کہ گھر کی واحد خواب گاہ کا دروازہ کھلا تھا اور یہ کہ پلنگ بہت بڑا آرام دہ اور پر تکلف تھا۔ اس پر ایک بروکیڈ کا لحاف پڑا تھا جس کے سرہانے والے تختے پر پیتل کے ورق لگے ہوئے تھے۔ وہ سخت الجھن میں تھا۔ اس نے اس بات کو محسوس کیا اور طعام گاہ سے گزر کر خواب گاہ کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر اس نے اسے پھولوں کے نقش ونگار والے صوفے پر بیٹھنے کی دعوت دی جہاں ایک بلی سو رہی تھی۔ اور اس نے کافی کی میز پر اپنے البم رکھ دیے۔ فلورنٹینو آریزا نے بغیر کسی جلدی کے البم کے صفحات پلٹنے شروع کیے۔ اس کا دھیان اس طرف نہیں تھا جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا۔ بل کہ یہ کہ اب اس کا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ اس نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس نے اسے کہا کہ اپنے دل کی تسلی کے لیے وہ جتنا چاہے رو لے اور اس میں کوئی شرم محسوس نہ کرے۔ کیوں کہ گریہ زاری سے بہتر کوئی چیز سکون نہیں دے سکتی۔ مگر اس سے پہلے' اس نے مشورہ دیا' کہ وہ اپنی انگیا ڈھیلی کر لے۔ پھر اس نے نہایت سرعت سے اس عمل میں اس کی مدد کرنا شروع کر دی۔ کیوں کہ اس کی انگیا اس کی پشت پر بہت سی الجھی ہوئی ڈوریوں کے ساتھ نہایت مضبوطی سے بندھی ہوئی تھی مگر اسے ان تمام ڈوریوں کو نہیں کھولنا پڑا۔ کیوں کہ جلدی ہی انگیا اپنے اندرونی دباؤ کے زور سے ایک دم کھل گئی اور اس کی فلک نما چھاتیاں آزادی سے سانس لینے لگیں۔

فلورنٹینو آریزا نے، جو بہت تسلی بخش حالات میں بھی کسی اناڑی جیسی بزدلی سے نجات حاصل نہیں کر سکا تھا' اپنی انگلیوں کی پوروں کو اس کی گردن پر پھیرنے کی جرات کر ڈالی اور وہ کسی بگڑے ہوئے بچے کی طرح درد سے ڈولتے ہوئے کراہنے لگی۔ پھر اس نے اسی نرمی کے ساتھ اسی مقام پر اس کا بوسہ لیا۔ مگر اس کے بعد وہ دوبارہ اسے چوم نہ سکا۔ کیوں کہ وہ اپنے بے پایاں مشتاق اور حدت آمیز بدن کے ساتھ اس کی جانب مڑی اور وہ ایک دوسرے سے ہم آغوش فرش پر لوٹنے لگے۔ صوفے پر لیٹی بلی ایک چیخ کے ساتھ جاگی اور ان کے اوپر سے پھلانگ گئی۔ وہ مبہم جو' بے آس کنواروں کی طرح ایک

دوسرے کا بدن ٹٹولتے ہوئے ہر ممکن جگہ پر پہنچنے لگے۔ اپنے پورے لباس میں پسینے میں بھیگے ہوئے اس تباہ کن ہم آغوشی سے زیادہ اس بلی کے خوفناک پنجوں سے بچتے ہوئے وہ پھٹی ہوئی البموں میں مستی سے لوٹتے رہے۔ یوں اگلی رات کے آغاز سے لے کر جب ابھی ان کے زخموں سے خون رسنا بند نہیں ہوا تھا کئی سالوں تک وہ ایک دوسرے سے یہ شہوت بھرا کھیل کھیلتے رہے۔

جب اس نے محسوس کیا کہ اسے، اس سے محبت ہونے لگی ہے تو وہ اپنے شباب کے جوبن پر تھی اور وہ اپنی تیسویں سالگرہ کے قریب تھا۔ اس کا نام سارہ نوریجہ تھا اور وہ اپنی جوانی میں پندرہ منٹ کی اس مسرت کا تجربہ کر چکی تھی جب اس نے ایک مقابلے میں غریبوں میں باہمی عشق کے موضوع پر اپنی شاعری کے ایک مجموعے پر انعام حاصل کیا تھا۔ اس کتاب کی کبھی اشاعت نہیں ہوئی تھی۔ وہ پبلک سکولوں میں معاشرتی آداب اور سوکس پڑھاتی تھی اور پرانے علاقے میں جہاں مختلف قماش کے لوگ رہتے تھے ایک فلیٹ میں رہتی تھی۔ اس کی گذر اوقات اپنی تنخواہ پر ہوتی تھی۔ اس کے کئی ایک عارضی عاشق رہے تھے مگر کسی کے ساتھ بھی اس کے شادی کے معاملات نہیں تھے کیوں کہ اس دور اور اس علاقے میں کسی مرد کے لیے اس عورت سے شادی کرنا جس کے ساتھ وہ پہلے ہم بستری کر چکا ہو انتہائی مشکل تھا۔ نہ ہی اپنے باقاعدہ منگیتر کے بعد اس نے ایسا کوئی خواب دیکھنے کی آرزو کی تھی جس کے ساتھ وہ اپنی اٹھارہ سالہ عمر کے بھر پور جنون کے ساتھ محبت کرتی رہی تھی اور جس نے شادی کی مقرر کردہ تاریخ سے ایک ہفتہ قبل منگنی توڑ دی تھی اور اسے رد کی ہوئی دلہنوں کے بے یقین حالات میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا تھا مگر اس چند روزہ اور بے رحم اولین تجربے کے بعد بھی اس میں تلخی نہیں آئی تھی بل کہ اس کا اس بات پر بھر پور ایمان ہو گیا تھا کہ شادی خدائی حکم یا قانون کے ساتھ یا اس کے بغیر بستر میں کسی مرد کو شریک کیے بغیر زندگی رہنے کے قابل نہیں تھی۔ فلورنٹینو آریزا کو اس میں جو بات سب سے زیادہ پسند تھی وہ یہ تھی کہ دورانِ وصل اپنی لذت کی انتہا کو چھونے کے لیے وہ بچوں والی چوسنیاں چوستی تھی۔ بالآخر مارکیٹ سے جس بھی رنگ، سائز، شکل کی بچوں کی چوسنی ملی انھوں نے خرید کر اسے ایک لڑی میں ڈال لیا اور سارہ نوریجہ نے اسے بستر کے سرہانے والے تختے پر لٹکا دیا تا کہ وہ بغیر دیکھے اپنی انتہائی ضرورت کے سمے انہیں حاصل کر سکے۔

اگرچہ وہ اتنی ہی آزاد تھی جتنا کہ وہ خود اور شاید اس تعلق کو لوگوں میں عیاں کرنے میں اس کو کوئی تامل نہ ہوتا، مگر شروع دن ہی سے فلورنٹینو آریزا اس کے ساتھ ایک خفیہ مہم کا سا برتاؤ کرتا آیا تھا۔

وہ تقریباً ہر بار رات گئے اس کے عقبی دروازے سے چپکے سے اندر سرک جاتا اور پو پھٹنے سے پہلے ہی ایڑھیوں کے بل چلتا ہوا کھسک جاتا۔ اسی کی طرح وہ بھی جانتا تھا کہ جس پر ہجوم اور منقسم عمارت میں وہ رہتی تھی' وہاں ہمسائے بظاہر جتنے بے خبر نظر آتے تھے اس سے کہیں زیادہ وہ باخبر ہوتے۔ گو کہ یہ ایک رسمی سی بات تھی' فلورنٹینو آریزا اپنی باقی تمام زندگی جتنی عورتوں کے ساتھ رہا اسی طرح رہا: اس نے اس کے ساتھ یا کسی بھی اور عورت کے ساتھ غیر ذمہ داری نہیں برتی' کسی کے اعتماد کو بھی ٹھیس نہیں پہنچائی۔ اس نے کبھی حد سے تجاوز نہیں کیا: صرف ایک بار اس نے اپنا نشان یا تحریری ثبوت چھوڑا تھا۔ جس کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ اسے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ درحقیقت اس نے ہمیشہ خود کو فرمینا دازا کا ابدی شوہر سمجھا تھا۔ ایک بے وفا مگر پکا شوہر۔ جو اس کو چھوڑ دینے کی ناخوش گواری پیدا کیے بغیر خود کو اس کی محکومی سے آزاد کرنے کے لیے لگاتار نبرد آزما رہا۔

اس قدر رازداری، غلط فہمیوں کے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتی تھی۔ ترانسیتو آریزا اس یقین کے ساتھ مر گئی کہ اس کا بیٹا، جس کا حمل محبت کے نتیجے میں ٹھہرا تھا' اور جو محبت کرنے کے لیے پھلا پھولا تھا' اپنی جوانی میں رونما ہونے والی بدنصیبی کی وجہ سے اب کبھی محبت نہیں کر سکے گا۔ مگر کچھ کم مہربان لوگ جو اس کے بہت قریب تھے' جو اس کی پراسرار شخصیت اور پراسرار تقریبوں اور عجیب لوشنوں سے اس کی دلچسپی سے باخبر تھے' انہیں یہ شبہ تھا کہ وہ محبت سے نہیں بل کہ صرف عورت سے محفوظ رہتا ہے۔ فلورنٹینو آریزا اس رائے سے باخبر تھا اور اس نے کبھی اسے غلط ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی' نہ ہی اس بات نے سارہ نوریجو کو کبھی پریشان کیا۔ ان بے شمار عورتوں کی طرح جنھوں نے اس سے محبت کی' اور ان عورتوں کی طرح بھی جنھوں نے اس سے محبت کیے بغیر اسے مسرت دی' اور مسرت حاصل کی' اس نے اسے اسی طرح قبول کر لیا جیسا کہ وہ تھا: 'ایک شخص جو گذر جائے گا'۔

بالآخر وہ کسی خاص وقت کی تخصیص کے بغیر اس کے گھر آنے لگا۔ خصوصاً اتوار کی صبحوں کو، جو سب سے پرسکون وقت خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے آنے پر وہ سب کچھ چھوڑ کر اس افسانوی بستر میں اپنا بدن اسے لذت سے ہمکنار کرنے کے لیے اس کے سپرد کر دیتی۔ اور اس میں لیٹ کر اس نے کبھی رسوم و قیود کو قریب نہیں پھٹکنے دیا۔ فلورنٹینو آریزا یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ کس طرح ایک عورت جس کا کوئی ماضی نہیں تھا' مردوں کے طور طریقوں کے بارے میں اتنا فہم رکھتی ہے۔ یا یہ کہ وہ کس طرح 'سنگ ماہی جیسا بدن اتنی نرمی اور سبک انداز سے متحرک کرتی ہے جیسے وہ زیر آب تیر رہی ہو۔ وہ یہ کہہ کر اپنا دفاع کرتی

کہ محبت' خواہ یہ اور کچھ بھی ہو ایک فطری صلاحیت ہے۔ وہ کہا کرتی: ''یا تو انسان کو پیدائشی طور پر اس کا علم ہوتا ہے یا پھر کبھی نہیں ہوتا۔'' فلورنٹینو آریزا ایک زوال پذیر حسد سے یہ سوچ کر پہلو بدلتا رہتا کہ شاید اس کا ماضی اس سے کہیں زیادہ بھرا ہوا ہے جتنا کہ بظاہر وہ عیاں کرتی ہے۔ مگر اسے اس کی ہر بات چپ چاپ برداشت کرنا پڑتی کیوں کہ اس نے باقی تمام عورتوں کی طرح، اسے یہی بتا رکھا تھا کہ وہی اس کی واحد عاشق تھی۔ بہت سی اور باتوں کی طرح جو وہ پسند نہیں کرتا تھا' اسے اس غضب ناک بلی کو بھی بستر میں اپنے ساتھ برداشت کرنا پڑتا' اگرچہ سارہ نوریجہ نے اس کے ناخن کاٹ دیئے تھے مبادا وہ مباشرت میں مشغول ان دونوں کو چیر پھاڑ کر نہ رکھ دے۔

تاہم بستر میں ایک دوسرے میں پیوست ہوئے جب وہ تھک جاتے تو وہ بعد از محبت عمل کو کسی شاعرانہ مسلک کے سپرد کرنا پسند کرتی۔ اس کی حیران کن یادداشت میں' اس کے زمانے کے جذباتی اشعار جو اپنے لکھے جانے کے فوراً بعد دو سینٹو میں فروخت ہونے لگتے' محفوظ تھے۔ وہ دیواروں پر وہ نظمیں بھی چسپاں کر لیتی جو اسے پسند تھیں تاکہ جب وہ چاہے انہیں بلند آواز میں پڑھ سکے۔ اس نے معاشرتی آداب اور سوکس کے نصابی حصے، شعروں کے انداز میں لکھ رکھے تھے مگر اس کے لیے اسے سرکاری اجازت نہ مل سکی تھی۔ اسے تقریر بازی کا شوق اس قدر زیادہ تھا کہ عین دورانِ مباشرت وہ چیختی ہوئی آواز میں شعرخوانی شروع کر دیتی اور آریزا کو اس کے منہ میں ایک چوسنی ٹھونس کر اسے خاموش کروانا پڑتا۔ ویسے ہی' جس طرح بچوں کو' جب وہ رونا بند نہ کریں' خاموش کرایا جاتا ہے۔

اپنے تعلق کی طویل مدت میں فلورنٹینو آریزا خود سے کئی بار یہ سوال کر چکا تھا کہ ان دونوں باتوں میں سے کون سی چیز محبت تھی: وہ ہنگامہ خیز بستر یا اتوار کی پرسکون سہ پہریں۔ سارہ نوریجہ نے اس سادہ سی دلیل سے اس کو ٹھنڈا کر دیا کہ ہر وہ عمل جو وہ بے لباس ہو کر کرتے تھے' محبت تھا۔ اس نے کہا کمر سے اوپر روحانی اور کمر سے نیچے جسمانی محبت ہوتی ہے۔ سارہ نوریجہ کا خیال تھا کہ یہ تعریف ایک منقسم محبت کے لیے موزوں ہو سکتی ہے۔ ان دونوں نے مل کر اسے لکھا اور اس یقین کے ساتھ کہ کسی بھی شریک مشاعرہ نے اس قدر رچی نظم پیش نہ کی ہوگی' پانچویں شعر میلہ کے لیے جمع کروا دیا' مگر وہ ایک بار پھر ہار گئی۔

جب فلورنٹینو آریزا اس کے ساتھ اس کے گھر تک گیا تو وہ سخت طیش کے عالم میں تھی۔ کچھ ناقابلِ توضیح وجوہات کی بنا پر اسے یقین تھا کہ فرمینا داز نے اس کے خلاف سازش کر کے اس نظم کو انعام

حاصل کرنے سے روکا تھا۔فلورنتینو آریزا نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔تقسیم انعامات کے وقت سے وہ ایک اداس موڈ میں تھا۔اس نے ایک طویل عرصے سے فرمینا دازا کو نہیں دیکھا تھا اور اس رات اس کا تاثر یہ تھا وہ ایک بنیادی تبدیلی سے گذر چکی ہے۔پہلی بار پہلی نظر میں ہی اسے دیکھ کر بتایا جا سکتا تھا کہ وہ ایک ماں ہے۔اس کے لیے یہ بات کسی حیرانی کا باعث نہیں تھی کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اس کا بیٹا پہلے ہی سکول میں زیرِ تعلیم ہے۔تاہم اس کے لیے اس کی ماں ہونے کی عمر کے تاثر کو یوں واضح ہونا اس پر اس رات پہلے کبھی عیاں نہیں ہوا تھا۔اس کی کمر کی جسامت' اور جب وہ چل رہی تھی تو اس کا سانس تھوڑا سا پھول رہا تھا اور وہ انعامات جیتنے والوں کے نام پکارتے ہوئے آواز میں وقفہ دے رہی تھی۔

جس دوران میں سارہ نوریجہ کھانے کے لیے کچھ بنا رہی تھی' وہ اپنی یادوں کا حساب رکھنے کی کوشش میں اس شعر میلے کے البموں کی ورق گردانی کرنے لگا۔اس نے رنگین اخباری تصاویر' بازاروں میں سوونیئر کے طور پر فروخت ہونے والے زرد پڑتے پوسٹ کارڈوں کو دیکھا۔مگر یہ سب اسے اس کی اپنی ہی زندگی کے فریب کا ایک آسیب زدہ جائزہ لگا۔اب تک اس نے جو کہانی سوچی تھی وہ یہ تھی کہ یہ دنیا تھی جو بدل رہی تھی۔اس کے رسوم و رواج اور طور طریقے بدل رہے تھے۔سوائے فرمینا دازا کے ہر شے بدل رہی تھی' مگر اس رات اس نے پہلی بار ہوش مندی کے ساتھ دیکھا کہ فرمینا دازا کی زندگی اس کی اپنی زندگی کس طرح گذر رہی ہے۔جب کہ اس نے سوائے انتظار کے اور کچھ نہیں کیا۔اس نے اس کے بارے میں کسی سے کبھی کوئی بات نہیں کی تھی۔کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ وہ اس بات سے قاصر ہے کہ وہ اس کا نام لے اور لوگ اس کے زرد پڑتے ہونٹ نہ دیکھ سکیں۔مگر اس رات جب بہت سی دوسری اتواروں کی الکس شاموں کی طرح' وہ البم دیکھ رہا تھا' سارہ نوریجہ نے لاپروائی سے وہ خون منجمد کرنے والی بات کہی۔

''وہ ایک رنڈی ہے۔''

اس نے یہ بات اس کے قریب سے گذرتے ہوئے کہی۔سیاہ تیندوے کے بھیس میں نقابی رقص میں محو فرمینا دازا کا تصور اس کے خیال میں ابھرا۔اسے فلورنتینو آریزا کے سامنے اس شخصیت کا نام لینے کی ضرورت نہیں تھی جس کے بارے میں اس نے یہ بات کہی تھی۔ایسے کسی انکشاف سے خوفزدہ ہو کر جو اس کی زندگی کی ساری بنیاد ہلا سکتا تھا' فلورنتینو آریزا نے فوراً ہی ایک محتاط مدافعانہ انداز اختیار کیا۔اس نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ گو وہ فرمینا دازا سے، بس دور ہی سے آشنا ہے اور یہ کہ ان کے

تعلقات کبھی رسمی کلمات سے آگے نہیں بڑھے اور یہ کہ اسے اس کی ذاتی زندگی سے کوئی واقفیت نہیں ہے
مگر اسے یقین تھا کہ وہ ایک قابل تعریف عورت ہے۔ جس کا ثبوت اس کا اپنا پس منظر بہت بلند نہ ہو
سکنے کے باوجود اس قدر بلند مرتبے پر محض اپنی خوبیوں کی بنا پر پہنچنا ہے۔

''اس وجہ سے کہ اس نے ایک ایسے شخص سے شادی کی جس سے وہ اس کی دولت کی وجہ سے
محبت نہیں کرتی سارہ نوریجہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔''اور یہ رنڈیوں کی سب سے ادنیٰ قسم ہے۔''
فلورنٹینو آریزا کی ماں نے بھی اسے یہی بات کہی تھی جب وہ اس کی بدنصیبی پر اسے تسلی دینے
کی کوشش کر رہی تھی۔ ذرا کم کھردرے انداز میں مگر اتنی ہی اخلاقی شدت کے ساتھ۔ اس کا پورا وجود لرز
کر رہ گیا۔ اس سے سارہ نوریجہ کی تلخ نوائی کا کوئی واضح جواب نہ بن پڑا تو اس نے موضوع بدلنے کی
کوشش کی مگر جب تک سارہ نوریجہ نے اپنی پوری بھڑاس نہ نکال لی' اس نے ایسا نہیں ہونے دیا:
جذبے کی ایسی چمک کے ساتھ، جس کی توجیہہ اسے خود بھی معلوم نہیں تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس سازش
کے پیچھے فرمینا دازا کا ہاتھ تھا۔ جس کی وجہ اسے انعام سے محروم ہونا پڑا۔ ایسا سوچنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں
تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے شناسا نہیں تھیں۔ وہ کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملیں تھیں۔ اور گو کہ وہ
ان کے رازوں میں شریک رہتی' اسے منصفین کے فیصلوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ سارہ نوریجہ نے
فیصلہ کن انداز میں کہا'' ''ہم عورتوں کو ان باتوں کا وجدان ہو جاتا ہے۔'' اور اس بات سے اس بحث کا
خاتمہ ہوا۔

اس لمحے کے بعد فلورنٹینو آریزا نے اسے مختلف نظر سے دیکھنا شروع کیا۔ وقت اس کے لیے
بھی گذر رہا تھا۔ اس کی بے پناہ جنسیت کسی اٹھان کے بغیر مرجھائے جا رہی تھی۔ اس کی سسکیوں نے اس
کے انداز و عمل کو سست کر دیا تھا اور اس کی آنکھوں کے پپوٹے قدیم تلخیوں سے سیاہ پڑتے جا رہے تھے۔
وہ گزرے کل کا پھول تھی۔ اس کے علاوہ اپنی شکست کے غصے میں اسے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کس قدر
برانڈی چڑھا چکی ہے۔ یہ اس کی رات نہیں تھی: جب وہ دوبارہ گرم کیے ہوئے چاول کھا رہے تھے تو اس
نے یہ تعین کرنے کی کوشش کی کہ ان دونوں نے اس شکست سے دوچار ہونے والی نظم میں کتنا حصہ ڈالا
تھا۔ انھوں نے اس شکست سے دوچار نظم کے لیے کتنا کچھ کیا تھا کہ اگر وہ جیت جاتے تو ہر ایک کے حصے
میں طلائی پھول کی کتنی پتیاں آتیں۔ یہ پہلا موقع نہیں تھا جب انھوں نے ان بازنطینی مقابلوں سے
مسرت حاصل کی ہو۔ مگر اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھائے ہوئے اس بار اپنے تازہ کھلے زخم کے

حوالے سے' کچھ بولنا چاہا اور وہ دونوں ایک گھٹیا درجے کی بحث میں الجھتے گئے اور جس نے ان دونوں کے دلوں میں پانچ سالہ منقسم محبت کے کینے کو زندہ کر دیا۔

بارہ بجنے سے دس منٹ پہلے سارہ نوریجا ایک کرسی پر چڑھ کر پنڈولم کلاک کو چابی دینے لگی۔ اس نے اس کا وقت ملایا شاید وہ بغیر کہا سے یہ بتایا چاہ رہی تھی کہ اب اس کے جانے کا وقت ہو گیا ہے ۔اس سے فلورنٹینو آریزا نے شدت سے اس بے محبت تعلق کو حتمی طور پر ختم کرنے کا سوچا اور وہ اس موقع کو تلاش کرنے لگا جب وہ ہمیشہ کی طرح ایسا کرنے میں پہل کاری کر سکے ۔اس بات کی آرزو کرتے ہوئے کہ سارہ نوریجا اسے اپنے بستر میں بلائے اور وہ اس کو انکار کر سکے۔اسے کہے کہ بس اب کھیل ختم ہو گیا ہے۔ جب وہ کلاک کو چابی دے چکی تو اس نے اسے اپنے ساتھ بیٹھنے کو کہا مگر وہ اس سے فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے ملاقاتیوں کی آرام دہ کرسی پر بیٹھ گئی ۔پھر فلورنٹینو آریزا نے برانڈی میں بھیگی اپنی شہادت کی انگلی اس کی طرف بڑھائی کہ وہ اس کو چوسے جیسا کہ وہ مباشرت کی تمہید میں ایسا کرنا پسند کرتی تھی ۔اس نے انکار دیا۔

''اس وقت نہیں ۔''اس نے کہا۔''مجھے کسی کا انتظار ہے۔''

فرمینا دازا سے رد کیے جانے کے بعد فلورنٹینو آریزا نے آخری فیصلے کا اختیار اپنے پاس رکھنے کا ڈھنگ سیکھ لیا تھا۔اگر صورت حال اتنی زیادہ تلخ نہ ہوتی تو وہ اس یقین کے ساتھ کہ وہ شام کو سارہ نوریجہ کے بدن سے ہمکنار ہوتے ہوئے گذارے گا'اس کو مائل کرنے کی کوشش کرتا رہتا کیوں کہ اس کا ایمان تھا کہ اگر ایک دفعہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ بستر میں چلی جائے تو جب بھی وہ مرد چاہے اور جب تک ہر بار اسے اس عورت کے جذبات ابھارنے کا سلیقہ آتا ہو'وہ اس کے ساتھ بستر میں جاتی رہے گی ۔اسی یقین کی بنا پر وہ ہر بات برداشت کرتا آیا تھا۔ وہ ہر بات سے اغماض برتتا آیا تھا۔حتیٰ کہ وہ محبت کے گھٹیا ترین معاملات کرتا رہا تھا تا کہ وہ کسی بھی عورت کو آخری فیصلے کا موقع نہ دے۔مگر اس رات اس نے اس قدر ذلت محسوس کی کہ اس نے ایک ہی گھونٹ میں برانڈی اپنے حلق میں انڈیلی'اپنے بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے اسے خدا حافظ کہے بغیر باہر نکل آیا۔اس کے بعد وہ کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملے۔

سارہ نوریجہ کے ساتھ اس کا تعلق اس کے طویل ترین اور پائیدار تعلقات میں سے ایک تھا۔ اگر چہ یہ ان پانچ سالوں میں واحد تعلق ہی نہیں تھا ۔جب اس نے محسوس کیا کہ وہ اس کے ساتھ خوشی تو

محسوس کرتا ہے' خاص طور پر جب وہ بستر میں ہوں' مگر وہ کبھی بھی فرمینا دازا کی جگہ نہیں لے سکے گی'تو ایک بار پھر وہ اپنی تنہا راتوں میں شکار کی تلاش میں پھرنے لگا اوراس نے معاملات یوں ترتیب دیئے کہ وہ اپنی توانائیوں اور وقت کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتا رہے۔ گوایک وقت میں سارہ نوریجہ نے اس کے زخموں کو مندمل کرنے کا معجزہ کر دکھایا تھا' کہ کم ازکم اب وہ فرمینا دازا کو دیکھے بغیر رہ سکتا تھا اور ایسا نہیں ہوتا تھا کہ دن میں کسی بھی وقت اسی کی یاد ہر کام روک دے اور وہ اپنے اندیشوں کی بے یقین پگڈنڈیوں پر اس کو ڈھونڈنے لگے'ان غیر حقیقی راستوں پر جس پر اس کے گزرنے کا امکان کم ہی ہوتا۔ اور بہت خلاف قیاس گلیوں میں' بغیر کسی وجہ کے مارا مارا پھرتا رہے اپنے سینے میں اس آرزو کو بسائے جو چاہے ایک لمحے ہی کے لیے کیوں نہ ہی' اسے دیکھے بغیر اسے چین سے بیٹھنے نہ دیتی۔ تاہم سارہ نوریجہ سے تعلق کے خاتمے نے اس چھپے ہوئے درد کو دوبارہ زندہ کر دیا اور ایک بار پھر اس نے ویسا ہی محسوس کیا جس طرح وہ ان لاختتم شاموں کو اس چھوٹے سے پارک میں مطالعہ کرتے ہوئے محسوس کرتا تھا' مگر اس بار اس میں ڈاکٹر جوینل اربینو کی فوری موت کی خواہش نے مزید اضافہ کر دیا تھا۔

وہ ایک عرصے سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ اس کا مقدر ہے کہ وہ ایک بیوہ کو مسرت پہنچائے گا اور وہ اس کے لیے خوشیوں کا باعث بنے گی اور اس بات پر اسے کوئی پریشانی نہ ہوتی تھی۔ اس کے برعکس وہ اس کے لیے تیار تھا۔ ایک تنہا شکاری کے طور پر اپنی مہمات کے دوران میں اس نے یہ جانا تھا کہ دنیا خوشیوں سے سرشار بیواؤں سے بھری پڑی ہے۔ اس نے انہیں اپنے شوہروں کی لاشوں پر دکھ سے پاگل ہوتے دیکھا تھا' جب وہ ان کے ساتھ ہی زندہ دفن ہونے کی فریاد کر رہی ہوتیں تاکہ انہیں ان کے بغیر مستقبل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مگر جونہی وہ اپنی نئی صورتحال سے سمجھوتہ کرتیں وہ دیکھتا کہ اپنی اس موت زدہ زندگی سے وہ ایک نئے دلولے کے ساتھ دوبارہ جنم لیتیں۔ شروع میں وہ اپنے بڑے بڑے خالی گھروں میں طفیلی مخلوق کی طرح زندگی بسر کرتیں' اپنے خادموں کی ہم راز اور اپنے تکیوں کی عاشق بن جاتیں' ان کے پاس اتنے سالوں کی بے کیف اسیری کے بعد کرنے کو کچھ بھی نہ رہا ہوتا۔ وہ اپنا بے پناہ فارغ وقت ان کاموں میں ضائع کرتی رہتیں جن کا انہیں پہلے موقع نہیں ملا ہوتا تھا۔ مردہ شخص کے کپڑوں کے بٹن ٹانکتے ہوئے' ان کی قمیصوں کے اکڑے کالروں اور آستینوں پر بار بار استری کرتی رہتیں تاکہ وہ ہمیشہ اپنی بہترین حالت میں رہیں۔ وہ ہمیشہ غسل خانے میں ان کا صابن رکھتیں ان کے بستر پر ان کے مونوگرام والے غلافوں میں تکیے رکھیں۔ میز پر ان کی نشست ہمیشہ برقرار رکھی جاتی' مبادا

کہیں وہ مرحوم بغیر بتائے اچانک واپس آ جائے ،جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں کیا کرتا تھا مگر عشائے ربانی میں تنہا شرکت کرتے ہوئے وہ اس بات سے باخبر ہونے لگتیں کہ اس تحفظ کے حصول کے لیے جو ایک دلہن کے بہت سے دیگر واہموں کی طرح ایک واہمہ سے زیادہ کچھ نہیں تھا اپنے خاندانی نام مل کہ اپنی ذاتی شناخت سے دستبردار ہونے کے بعد ایک بار پھر وہ تقدیر کی داشتہ بن گئی ہیں ۔صرف وہی جانتی تھیں کہ اس شخص سے محبت بانٹنا کس قدر تھکا دینے والا عمل تھا۔ جو شاید ان سے محبت کرتا تھا۔مگر جس کی آخری سانس تک انہیں کسی بچے کی طرح اس کی پرورش کرنا پڑتی ۔اسے دودھ پلاتے اس کے لتھڑے ہوئے جانگیے بدلتے ہوئے اور جب وہ ہر صبح زندگی کی حقیقتوں سے برد آزما ہونے کے لیے باہر نکلتا تو ایک مادرانہ چالاکی سے وہ اس کی دہشت کم کرتے ہوئے اسے رخصت کرتیں ۔اس کے باوجود جب وہ اسے گھر سے جاتا دیکھتیں اس شخص کو جسے انھوں نے خود دنیا تسخیر کرنے کی ترغیب دے کر بھیجا تھا وہ اس دہشت کا شکار ہو جاتیں کہ اب وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا ۔یہ ان کی زندگی تھی ۔محبت ،اگر اس کا کوئی وجود تھا تو وہ اس سے جدا تھی :ایک اور زندگی ۔

دوسری طرف اپنی تنہائی کی صحت بخش فراغت میں بیوائیں دریافت کرتیں کہ اپنے جسم کی ضرورتیں منصفانہ طور پر پوری کرنا ہی اصل زندگی ہے ۔صرف اس وقت کھایا جائے جب بھوک لگی ہو محبت کسی منافقت کے بغیر کی جائے ۔رسمی مباشرت سے بچنے کے لیے سونے کی اداکاری کرنے کے بجائے حسب خواہش سویا جائے ۔ایک پورے بستر پر سونے کا حق حاصل ہو جہاں کوئی دوسرا نصف چادر سانس لینے کے لیے نصف ہوا اور نصف شب پر دعویٰ نہ رکھتا ہو ۔اس وقت تک سویا جائے جب اس قدر سکون ان کے رگ وپے میں سرایت کر جائے کہ ان کے جسم اپنے ہی خوابوں کے تصور میں کھو جائیں اور جب وہ بیدار ہوں تو تنہا ہوں ۔اپنے شکار کی تلاش کی خفیہ مہمات میں صبح دم وہ انہیں سفید اور سیاہ لباس میں لپٹے اپنے مقدر کے نڈیدے پن کو اوڑھے عشائے ربانی میں سے نکلتے ہوئے دیکھتا ۔جو نہی وہ صبح کی روشنی میں اسے دیکھتیں وہ کسی چھوٹے سے پرندے کی طرح مختصر اور ہچکچاتے ہوئے قدموں کے ساتھ گلی کو پار کرنا شروع کر دیتیں کہ کہیں کسی مرد کے قریب گذرنے سے بھی ان کا وقار خاک میں نہ مل جائے ۔اس کے باوجود اسے یقین تھا کہ ایک دل گیر اور اداس بیوہ کسی بھی عورت کی نسبت مسرت کے زیادہ امکانات کے تصور میں زندہ رہ سکتی ہے ۔

بیوہ نذارت کے بعد اس کی زندگی میں بہت سی بیوائیں آئیں جن کے ساتھ اپنے تجربات

سے وہ یہ نتیجہ نکالنے میں کامیاب ہوا کہ اپنے اپنے شوہروں کی وفات کے بعد وہ کس قدر خوش وخرم تھیں ۔اب تک جو محض اس کا خواب تھا' ان کی وجہ سے ایک ممکنہ حقیقت میں بدل چکا تھا ۔جسے وہ حاصل کر سکتا تھا ۔کوئی وجہ نہیں تھی کہ فرمینا دازا انھی جیسی ایک بیوہ کیوں نہیں ہوگی ۔ جسے زندگی نے اس بات پر آمادہ کر لیا ہو کہ وہ اسے اسی طرح قبول کرے جیسا کہ وہ تھا ۔اپنے مردہ شوہر کی وجہ سے کسی قسم کے احساس گناہ کا شکار ہوئے بغیر' اس کے ساتھ دوسری بار مسرت حاصل کرنے ایک نئی لذت کو دریافت کرے ۔ایک محبت جس سے وہ ہر روز سیراب ہو' جو ہر نئے دن کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا ایک معجزہ بن جائے ۔ایک ایسی محبت جو صرف اسی کے ساتھ وابستہ تھی اور جسے موت نے تمام آفات سے محفوظ کر دیا تھا ۔

اگر اسے ذرا سا بھی شبہ ہوتا کہ ایک ایسے وقت میں جب اس نے ابھی زندگی کے ایسے آفاق سے شناسائی حاصل کرنا شروع کی تھی جہاں مسائل کے سوا ہر چیز کا تصور کیا جا سکتا تھا' فرمینا دازا ان پر فریب واہموں سے کتنی دور ہے تو شاید وہ اس بارے میں اس قدر پر جوش نہ رہتا ۔ان دنوں دولت مند ہونے کے بہت سے فوائد اور نقصانات تھے ۔مگر اس کے باوجود آدھی دنیا اسے حیات ابدی کے حصول کے لیے سب سے بہتر ذریعہ خیال کرتی تھی ۔فرمینا دازا نے اپنی بلوغت کی خیرہ کن چمک میں فلورنتینو آریزا کو مسترد کیا تھا جس کی قیمت اسے ترحم انگیز بحران کی صورت میں فوراً ہی ادا کرنی پڑی ۔مگر اس کو اپنے فیصلے کی صحت کے بارے میں کبھی کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا ۔اس وقت وہ اس کی وضاحت نہیں کر سکتی تھی کہ احساس کی کن مخفی لہروں پر سوار اس نے یہ ہوش مندانہ فیصلہ کیا تھا ۔مگر بہت سالوں بعد جب وہ اپنے بڑھاپے میں داخل ہو چکی تھی اس نے فلورنتینو آریزا کے بارے میں ایک اتفاقیہ گفتگو کے دوران میں نہ جانے اچانک کیسے اس راز کو جان لیا ۔ ہر شخص جانتا تھا کہ وہ اپنے نصف النہار پر پہنچ کر بہن جہاز راں کمپنی کا وارث تھا ۔ان سب نے اسے کئی بار دیکھا تھا اور یہاں تک کہ اس سے کچھ معاملات بھی کیے تھے ۔مگر کسے نہیں پتہ تھا کہ وہ کس طرح کا شخص ہے ۔اس سے فرمینا دازا نے اس لاشعوری احساس کو محسوس کیا جس کی وجہ سے وہ اس سے محبت کرنے سے باز رہی تھی ۔اس نے کہا: ''ایسا لگتا ہے کہ وہ شخص انسان نہیں محض ایک سایہ ہے ۔'' اور وہ ایسا ہی تھا' کسی ایسے شخص کا سایہ، جسے کبھی کسی نے نہیں جانا تھا مگر جس وقت وہ اس کے بالکل برعکس شخصیت کی اسیری کے خلاف مزاحمت کر رہی تھی تو اس نے خود کو احساس جرم کے عفریتی عذاب میں گرفتار محسوس کیا ۔یہ واحد جذبہ تھا جسے وہ برداشت نہ کر سکتی تھی ۔ جب اس نے خود پر اسے طاری ہوتا محسوس کیا تو اس نے خود کو ایسی مشکل صورت حال میں الجھا ہوا پایا' جس سے وہ کسی ایسے

شخص کی مدد کے بغیر نہیں نکل سکتی تھی جو اس کے ضمیر کو پر سکون کر دے۔ جب وہ ایک چھوٹی سی بچی تھی اس وقت سے جب اس سے کچن میں کوئی پلیٹ ٹوٹ جاتی ' جب کچھ گر جاتا ' جب اس کی اپنی انگلی دروازے میں آ کر دب جاتی ' وہ ہراساں ہو کر اپنے قریب ترین سیانے شخص کی طرف دیکھتی اور اس پر الزام دھر دیتی۔ ''یہ غلطی تمھاری تھی۔ '' اگرچہ حقیقت میں اس کو اس بات کی زیادہ پرواہ ہوتی کہ اس کا ذمہ دار کون تھا اور نہ اسے خود کو معصوم ثابت کرنے کی کوئی خواہش ہوتی: وہ الزام لگا کر مطمئن ہو جاتی۔

اس کا یہ جنون اس قدر ڈراؤنا تھا کہ ڈاکٹر جووینل اربینو کو جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ اس سے، اس کے گھر کو کس قدر زیادہ خطر لاحق ہے۔ اور جوں ہی ایسا ہونے کا خدشہ ہوتا۔ وہ فوراً ہی اپنی بیوی سے کہہ دیتا: ''پریشان مت ہو جان من ' یہ میری غلطی تھی۔'' اس لیے کہ وہ کسی اور بات سے اتنا خوفزدہ نہیں ہوتا تھا جتنا اپنی بیوی کے اچانک حتمی فیصلوں سے اور اسے یقین تھا کہ یہ ہمیشہ کسی احساس گناہ جنم لیتے تھے۔ تاہم فلورنتینو آریزا کو مسترد کرنے کی وجہ سے جو الجھن پیدا ہوئی تھی اس کی تلافی آمیز الفاظ سے نہیں ہو سکتی تھی۔ کئی مہینوں تک فرمینا دازا بالکونی کھول کر باہر کا نظارہ کرتی رہی اور وہ ہمیشہ اس چھوٹے سے ویران پارک میں اس تنہا سائے کو یاد کرتی: وہ اس درخت کو دیکھتی جو فلورنتینو آریزا کا لگتا تھا۔ اس چھپے ہوئے بنچ کو دیکھتی جہاں بظاہر پڑھتے ہوئے وہ اس کے خیالوں میں مگن ہوتا ' اس کے لیے دکھ جھیل رہا ہوتا اور وہ بار ہا کھڑکی بند کرتے ہوئے آہ بھرتی۔ ''بے چارہ۔'' جب اس قدر وقت گیا کہ ماضی کی تلافی ممکن نہ رہی تو وہ اس نامانوس انکشاف سے افسردہ ہونے لگی کہ وہ اس قدر رہٹیلا نہیں تھا جتنا وہ اسے سمجھتی آئی تھی اور وقتاً فوقتاً وہ اس خط کے آنے کی دیر رس آرزو کو محسوس کرتی جو پھر کبھی نہیں پہنچا۔ مگر جب اسے جووینل اربینو سے شادی کا فیصلہ کرنا تھا اسے اس سے بھی بڑے بحران کا سامنا کرنا پڑا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ اگر اس نے کسی ٹھوس وجہ کے بغیر فلورنتینو آریزا کو مسترد کر دیا تھا تو ڈاکٹر جووینل اربینو کو ترجیح دینے کے لیے بھی اس کے پاس کوئی ٹھوس وجوہات نہیں ہیں۔ درحقیقت وہ اس شخص سے اتنی ہی کم محبت کرتی تھی جتنی پہلے شخص سے ' مگر اس کے بارے میں وہ اس کی نسبت بہت کم جانتی تھی اور اس کے خطوط میں وہ وارفتگی نہ ہوتی جو پہلے شخص کے خطوں میں ہوتی اور نہ ہی اس نے محبت میں اپنے استقلال کے اثر آفریں ثبوت دیے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ ڈاکٹر جووینل اربینو کی خواستگاری محبت کے مفہوم میں تھی ہی نہیں ' اور اس کے بارے میں اس کے تجسس کی تسکین کے لیے یہی کہا جا سکتا تھا کہ ' اس طرح کا کیتھولک مجاہد ' جیسا کہ وہ تھا ' اسے دنیاوی نعمتوں کی پیش کش ہی کر سکتا ہے۔ تحفظ ' نظم و ضبط ' خوشی ' ایسی بہت سی اور

چیزیں جن کو اگر اکٹھا کر لیا جائے شاید محبت سے مشابہہ لگنے لگیں۔ محبت کے قریب قریب کوئی چیز بن جائیں۔ مگر وہ محبت کبھی نہیں تھی۔ اوران شکوک نے اس کی الجھن میں مزید اضافہ کر دیا' کیوں کہ اسے اس بات کا بھی یقین نہیں تھا کہ وہ زندہ رہنے کے لیے محبت کرنا ضروری خیال کرتی ہے۔

بہر کیف جو بات بنیادی طور پر ڈاکٹر جوینل اربینو کے خلاف جاتی تھی وہ اس کا عین اسی طرح کا شخص ہونا تھا جیسا لورینیز و دازا نے اپنی بیٹی کے بر کے لیے سوچ رکھا تھا۔ یہ بات بہت زیادہ قرین قیاس لگتی تھی کہ اس کا وہاں آنا اس کے باپ کے منصوبے کا حصہ تھا۔ ہوسکتا ہے حقیقت میں ایسا نہ ہو' مگر فرمینا دازا کو یقین تھا کہ اس کا دوسری بار بن بلائے طبی معائنے کے لیے اس کے گھر آنا ایسے ہی کسی منصوبے کا حصہ تھا۔ آخر میں' اپنی عم زاد ہلڈے برانڈا کے ساتھ اس کی گفتگو نے اسے مزید الجھا دیا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ جب ہلڈے برانڈ فلورنتینو آریزا سے ملنے ٹیلی گراف آفس جا رہی تھی تو اس کے ساتھ نہ جانے کی اسے کیا قیمت ادا کرنا پڑی۔ وہ یہ چاہتی تھی کہ وہ اسے دوبارہ ملے۔ اس کے سامنے اپنے شبہات پیش کرے۔ اس کے ساتھ تنہائی میں بات کرے، اس کو مزید جانے، یہ یقین کر سکے کہ اس کا یہ اضطراری فیصلہ اسے ایک مزید گھمبیر صورتحال میں نہیں دھکیل دے گا: باپ کے ساتھ شخصی جنگ میں اپنی شکست۔ مگر اپنی زندگی کے نازک ترین لمحے میں اس نے یہ فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنے خواستگار کی وجاہت' اس کی بے پناہ دولت' یا اس کی جوانی میں حاصل ہونے والی عظمت' یا اس کی دیگر بے شمار خوبیوں کو اہمیت نہیں دی بل کہ وہ اس تصور سے خوف زدہ ہوگئی تھی کہ کہیں اس کی اکیسویں سالگرہ کے قریب یہ موقع اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے اور اس وقت سے زیادہ وہ تقدیر سے نبرد آزما نہیں رہنا چاہتی تھی۔ اس کے پاس فیصلہ کرنے کے لیے یہ لمحہ کافی تھا، جس کی خدا اور انسان کے قوانین میں پہلے سے پیش بینی کی جا چکی تھی۔ ''صرف موت ہی ہمیں جدا کر سکتی ہے۔'' یوں اس کے تمام شبہات دور ہو گئے۔ اب وہ بغیر کسی تاسف کے دانشمندی پر مبنی یہ فیصلہ کر کے اپنی تکمیل کر سکتی تھی: بغیر کوئی آنسو بہائے' اس نے فلورنتینو آریزا کی یاد کو صاف کر ڈالا، اس نے اس کو مکمل طور پر فراموش کر دیا اور اس کی یادداشت میں، اس کے خیال نے جو جگہ گھیر رکھی تھی، وہ جگہ اس نے کھلتے ہوئے قرمزی پھولوں سے بھر دی۔ خود وہ جس احساس سے دوچار ہوئی، اس پر اس نے ایک پہلے سے زیادہ گہری آہ بھر کر بس یہی کہا: ''بے چارہ۔''

تاہم سب سے زیادہ ڈراؤنے شبہات اس وقت شروع ہوئے جب وہ ہنی مون سے واپس آئے۔ جوں ہی انھوں نے ٹرنک کھولے، فرنیچر علاحدہ کیا اور ان گیارہ الماریوں کو خالی کیا جو وہ

مارکیزڈی کیسالڈورد کے محل کا انتظام سنبھالنے کے لیے اپنے ہمراہ لائی تھی تو اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک غلط گھر میں آ گئی ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ ایک غلط مرد کے ساتھ یہاں آئی ہے ۔اس کو اس کیفیت سے نکلنے کے لیے چھ سال لگے ۔ یہ اس کی زندگی کے بدترین سال تھے اس دوران میں وہ اپنی ساس ڈونا بلانکا کی تلخی اور اپنی نند کے ذہنی کسالت کی وجہ سے شدید مایوسی کے عالم میں رہی اس کی نندیں' جو کسی کانونٹ کے کمرے میں گلنے سڑنے کے لیے اس لیے نہ جا سکیں کہ انھوں نے اپنے اندر ہی خانقاہ بنا رکھی تھی ۔

ڈاکٹر اربینو نے اپنے شجرہ نسب کی تعریف کرنا ترک کر دی اور اس کی درخواستوں پر دھیان دینا بند کر دیا ۔ اسے اعتماد تھا کہ خدا کی قدرت اور اس کی بیوی کی سمجھوتہ کرنے کی لامحدود صلاحیت سے تمام صورتحال بہتر ہو جائے گی ۔ اپنی ماں کی حالت خراب ہونے سے اسے دکھ ہوتا تھا ۔ کسی زمانے میں اس کا زندگی میں بھرپور مسرت آمیز انداز قنوطی ترین شخص میں بھی جینے کی امنگ بھر دیتا تھا ۔ یہ صحیح تھا: وہ ایک خوبصورت ذہین عورت' اس عقل سلیم سے بہرہ ور، جو اس کے اردگرد ہرگز عام نہیں تھی' چالیس سال تک اپنی سماجی جنت کی روح رواں رہی تھی ۔ بیوگی نے اس میں اس قدر تلخی بھر دی تھی کہ اب وہ پہلی سی عورت نہیں رہی تھی وہ بھدی' تلخ اور حیات دشمن ہو گئی تھی ۔اس کے زوال کی واحد ممکنہ توجیہہ اس کے دل میں وہ سخت رنجش تھی کہ اس کے شوہر نے جانتے ہوئے بھی سیاہ فام رزیلوں کے ایک انبوہ کے لیے اپنی جان قربان کر دی ۔ جب کہ اس کی واحد اور جائز قربانی اپنی بیوی کے لیے زندہ رہنا ہونی چاہیے تھی ۔
بہرکیف فرمینا دازا کی شادی کا خوشگوار عرصہ اس کے ہنی مون تک ہی محدود رہا اور وہ واحد شخص جو اس کی بالآخر بربادی کو روک سکتا تھا اپنی ماں کی قوت کے سامنے خوف سے مفلوج ہو جاتا تھا ۔فرمینا دازا نے اپنی نندوں اور نیم پاگل ساس کو نہیں بلکہ اپنے موت کے جال میں پھنس جانے کا ذمہ دار اسے گردانتی تھی ۔
بہت دیر بعد اسے یہ گمان ہوا کہ پیشہ وارانہ تحکم اور دنیاوی سحر کے عقب میں وہ شخص، جس سے اس نے شادی کی تھی' درحقیقت ایک گیا گذرا کمزور ارادے کا شخص تھا: ایک کمزور فرد جو محض اپنے بھاری بھرکم خاندانی ناموں کے سماجی مرتبے کی وجہ سے بہادر دکھائی دیتا تھا ۔

اس نے اپنے نومولود بیٹے میں پناہ تلاش کی ۔اس نے اس کو اپنے بدن سے علاحدہ ہوتے ہوئے اطمینان کی اس لہر کو محسوس کیا تھا جیسے وہ کسی ایسی شے سے آزاد ہو گئی ہے جس کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور وہ اس سے اپنے آپ سے دہشت زدہ ہو گئی' جب اسے یقین ہو گیا کہ اس کو اپنی کوکھ سے جنم

لینے والے اس بچھڑے سے ذرا بھی محبت نہیں ہے جسے ابھی دائی نے خون اور چکنائی میں لتھڑے ہوئے اور گردن کے گرد لپٹی ہوئی آنول کے ساتھ اسے دکھایا تھا۔ مگر اپنے محل کی تنہائی میں وہ اس سے واقف ہوتی گئی۔ پھر انھوں نے ایک دوسرے کو جاننا سیکھ لیا اور اس نے نہایت مسرت کے ساتھ اس بات کو دریافت کیا کہ کوئی اپنے بچوں سے محض اس لیے محبت نہیں کرتا کہ اس نے انھیں جنم دیا ہوتا ہے۔ بل کہ یہ اس رفاقت کی وجہ سے ہوتا ہے جو ان کی پرورش کے دوران میں ان کے بیچ پیدا ہوتی ہے۔ اپنی بد نصیبی کے اس گھر میں اسے ہر اس شے سے نفرت ہونے لگی جس کا تعلق اس سے نہیں تھا۔ وہ اپنی تنہائی' قبرستان کے باغ اور کھڑکیوں کے بغیر بے حد کشادہ کمروں میں اپنے برباد ہوئے وقت سے دلگیر رہتی۔ ان بے شمار راتوں میں اسے لگتا جیسے وہ اپنا ذہنی توازن کھو رہی ہو۔ جیسے اگلے دروازے پر پاگل خانے میں پڑی کوئی پاگل عورت چیخ رہی ہو۔ اسے ان کے اس طرز عمل سے بھی بیزاری ہوتی جب وہ ہر روز کھانے کی میز کو کڑھائی کیے ہوئے میز پوشوں' چاندی کے برتنوں اور ماتمی شمع دانوں سے سجاتے تاکہ اس کے گرد پانچ بھوت بیٹھ کر شان وشوکت سے کھانا کھا سکیں۔ اسے شام گئے کی تسبیح' کھانے کے مریضانہ آداب' اس کے چاندی کے برتنوں کو پکڑنے کے طریقوں پر مسلسل تنقید' جب وہ پر اسرار انداز میں لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئی چلتی تو اس کی چال پر تنقید' جیسے یہ گلیوں میں پھرنے والی کسی فاحشہ کی چال ہو' اس کا لباس پہننے کا انداز جیسے وہ کسی سرکس میں ملازم ہو اور یہاں تک کہ اس گنوار انداز' جس کے ساتھ وہ اپنے شوہر سے برتاؤ کرتی تھی اور جس انداز سے اپنی چھاتیوں کو نقاب سے ڈھکے بغیر وہ اپنے بیٹے کو دودھ پلاتی تھی' ان سب پر تنقید سے، اسے سخت نفرت تھی۔ اس نے جب پہلی بار انھیں شام کی چائے کی دعوت دی' جس کے ساتھ اس نے جدید انگریزی رواج کے مطابق چھوٹے چھوٹے شاہی کیک اور گل قند رکھے تو ڈونا بلانکا نے اعتراض کیا کہ اس نے اس کے گھر میں چاکلیٹ کے ساتھ قدیم پنیر اور گول چپاتیوں کے بجائے وہ اشیا رکھ دی ہیں، جیسے یہ پسینے کے ذریعے کسی کا بخار اتارنے کے لیے دوائیں ہوں۔ اس کے خواب تک اس کے معترض انداز سے نہیں بچ سکے۔ ایک صبح جب فرمینا دازا نے بتایا کہ اس نے خواب میں کسی برہنہ اجنبی کو دیکھا جو محل کے ملاقاتی کمروں میں سے چلتا ہوا مٹھیاں بھر بھر کر راکھ پھینکتا جا رہا تھا۔ ڈونا بلانکا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا: ''ایک مہذب عورت اس طرح کے خواب نہیں دیکھ سکتی۔''

کسی اور کے گھر میں ہونے کے احساس کے ساتھ ساتھ دو اور بڑی مصیبتیں بھی اس پر نازل

ہو گئیں۔ ایک تو بینگن سے وابستہ ہر قسم کی خوراک، جس کو ڈونا بلانکا نے اپنے مرحوم شوہر کے احترام میں بدلنے سے انکار کر دیا تھا اور جسے فرمینا دازا نے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اس وقت سے جب وہ ایک بچی تھی اس کا ذائقہ چکھنے سے پہلے ہی بینگن سے نفرت کرتی آئی تھی کیوں کہ اسے دیکھتے ہی اسے لگتا جیسے اس میں زہر کے رنگ بھرے ہوں مگر اس بار اسے تسلیم کرنا پڑا کہ اس کی زندگی میں کچھ بہتر تبدیلی رونما ہو چکی ہے کیوں کہ پانچ سال کی عمر میں جب اس نے اپنے باپ کو یہی بات کہی تھی تو چھ آدمیوں کے لیے بنی ہوئی پوری ہنڈیا اسے زبردستی کھانا پڑی تھی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے اب وہ مر جائے گی۔ پہلے تو یہ کہ اس نے اس سفوف بنے بینگن کی قے کر دی۔ دوسرا یہ کہ پھر اسے اپنی سزا کے علاج کے طور پر کیسٹر آئل کی ایک پوری پیالی پینی پڑی۔ اس کی یاد میں دونوں چیزیں ایک ہی قبض کشا کے طور پر ذائقے اور زہر کی دہشت کے یکساں احساس کے ساتھ گڈمڈ ہو گئی تھیں اور مارکیز ڈی کیسال ڈورو کے محل میں ان مکروہ ظہرانوں کے دوران میں اسے کسی اور طرف دیکھنا پڑتا تا کہ کہیں اسے ان کی نوازش کا کفارہ کیسٹر آئل سے ہونے والی یخ متلی سے ادا نہ کرنا پڑے۔

بربط اس کی دوسری بدقسمتی تھی۔ ایک روز اپنی بات کے مطلب سے پوری طرح باخبر ڈونا بلانکا نے کہا:

''میرا نہیں خیال کہ کوئی مہذب عورت ایسی ہو سکتی ہے جسے پیانو بجانا نہ آتا ہو۔'' یہ ایک ایسا حکم تھا جس سے اس کے بیٹے تک نے اختلاف کیا۔ اس کے بچپن کے بہترین سال پیانو کی تعلیم کی سخت بندش میں گذرے تھے اگر چہ بڑا ہو کر وہ اس سارے عمل کے لیے شکر گزاری محسوس کرتا تھا۔ وہ یہ تصور نہیں کر سکتا تھا اس کی بیوی کو اور جس طرح کی اس کی شخصیت تھی' پچیس سال کی عمر میں اس قسم کی سزا سے دوچار کیا جائے مگر وہ اپنی ماں سے بس ایک ہی رعایت لے سکا اور وہ بھی اس طفلانہ دلیل سے کہ یہ تو فرشتوں کا ساز ہے' اسے پیانو کی جگہ بربط سکھایا جائے اور یوں وہ آنا سے ایک عالی شان بربط منگوایا گیا جو کسی حد تک سونے کا سکھائی دیتا تھا اور شہر کے میوزیم میں یہ وا حد نوادر تھا جو محفوظ رہا' جب کہ باقی سب کچھ شعلوں کی نذر ہو گیا تھا۔ فرمینا دازا نے اس اسیری کے آگے ہتھیار ڈال دیے تا کہ وہ ایک آخری قربانی دے دے اور ممکنہ بربادی دور ہو جائے۔ وہ ایک استادوں کے استاد سے سبق لینے لگی جس کو وہ اس مقصد کے لیے موم پاکس شہر سے لائے تھے اور جو غیر متوقع طور پر دو ہفتے بعد ہی مر گیا اور پھر وہ بچوں کو سکھانے والی موسیقی کی درسگاہ کے بہترین استاد سے کئی سال تک موسیقی کی تعلیم لیتی رہی اور جہاں

کے گورکنوں کے سانس اس کی تاروں سے نکلنے والے سروں کا حلیہ بگاڑتے رہے۔

اپنی فرماں برداری پر وہ خود بھی حیران تھی۔ اگر چہ اس نے اپنی عمیق سوچوں میں خود سے کبھی اس کا اعتراف نہیں کیا تھا اور نہ ہی اپنے شوہر کے سامنے اس وقت کے دوران میں جو انھوں نے باہم اختلاط ہونے کے لیے وقف کر رکھا تھا' اپنی خاموش دلیلوں سے کبھی اس کا اظہار کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ جان سکتی' وہ اپنی نئی دنیا کے طے شدہ تعصبات کے حصار میں گرفتار ہو چکی تھی۔ شروع میں وہ اپنی سوچ کی آزادی برقرار رکھنے کے لیے اس رسمی ضرب المثل کا سہارا لیتی کہ" جب ہوا چل رہی ہو تو جہنم میں جائے پنکھا۔" مگر بعد ازاں احتیاط سے حاصل کیے ہوئے ان استحقاقات کے حسد میں' پریشانی اور لعن طعن سے خوفزدہ' وہ اس امید میں ذلت کی حد تک ہر بات کے لیے تیار رہنے لگی کہ کبھی تو خدا ڈوبا بلا نکا پر رحم کھائے گا جو اپنی دعاؤں میں لگا تار اس سے اپنی موت مانگتی رہتی تھی۔

ڈاکٹر اربینو نے ایک سادہ سی دلیل کے ساتھ اپنی اس کمزوری کا جواز مہیا کیا۔ یہ سوچے بغیر کہ آیا یہ چرچ سے متصادم تو نہیں۔ وہ اس بات کا اعتراف نہ کرتا کہ اپنی بیوی کے ساتھ اس کی مشکلات کی وجہ اس گھر کی مصفا فضا ہے' بل کہ وہ اس کا سیدھا سادہ سا الزام شادی کے ادارے کو ہی دیتا' ایک مضحکہ خیز ایجاد جو صرف خدا کی لامحدود کرم نوازی سے ہی قائم رہ سکتی ہے۔ یہ کسی طرح بھی سائنسی منطق کے بالکل خلاف تھا کہ وہ شخص جو ایک دوسرے کو بمشکل جانتے ہوں، جن کے درمیان کوئی تعلق نہ ہو' مختلف شخصیات کے مالک ہوں، جن کی پرورش مختلف ماحول میں ہوئی ہو' اور جن کی جنس بھی مختلف ہو۔ ایک دم ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کے لیے پابند ہو جائیں' ایک ہی بستر میں سوئیں اور دو ایسی مختلف تقدیروں میں حصہ دار بن جائیں جو شاید مخالف سمتوں میں جانے کے لیے مقسوم ہوں۔ وہ کہا کرتا "شادی کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ یہ ہر رات باہم اختلاط ہونے کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور اسے ہر صبح ناشتے سے پہلے دوبارہ تعمیر کرنا پڑتا ہے۔" اس میں بدترین پہلو یہ تھا کہ ایک ایسے شہر میں جو اب تک وائسرایوں (نوآبادکاروں) کی دوبارہ آمد کے خواب دیکھتا تھا وہ دو بالکل برعکس طبقات سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے درمیان محبت جیسا کوئی خلاف قیاس اور ناپائیدار تعلق ہی واحد ممکن تعلق ہو سکتا تھا' وہ بھی اگر ہوا اور ان کے معاملے میں' جب ان کی شادی ہوئی تو محبت نام کی کوئی بات موجود نہیں تھی اور جب وہ اسے ایجاد کرنے کے قریب تھے تو تقدیر نے اس کے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ انہیں حقیقت کے سامنے لا کھڑا کیا۔

یہ بربط سیکھنے والے زمانے میں ان کی زندگیوں کی صورت حال تھی وہ ان پرلطف اتفاقات سے بہت دور چلے گئے تھے جب کبھی اس کے غسل کرتے ہوئے وہ غسل خانہ میں داخل ہو جاتی ۔ جب روز کی جھک جھک اور زہریلے ہتھکنڈوں کے باوجود اس کے دل میں اب بھی اتنا پیار باقی تھا کہ وہ اسے اپنے جسم پر صابن لگانے کی درخواست کر دیتا۔قیام یورپ کے وقت کی رہی سہی محبت کے ساتھ وہ اسے صابن ملنا شروع کر دیتی اور پھر وہ دونوں اپنے آپ کو یادوں میں بھٹکنے کے لیے آزاد کر دیتے۔ چاہے بغیر پگھلتے ہوئے' کہے بغیر ایک دوسرے کی آرزو میں بے چین' بالآخر وہ فرش پر ہی مہکتے ہوئے صابن کے جھاگ میں لت پت ایک دوسرے سے ہم آغوش نیم جاں ہو جاتے ۔اس دوران میں لانڈری میں کام کرتی خادماؤں کی آوازیں ان کے کانوں سے ٹکراتیں :''ان کے ہاں مزید بچے اس لیے نہیں ہوتے کیوں کہ یہ ہم بستری بھی نہیں کرتے ۔''وقتاً فوقتاً جب کبھی وہ کسی بے لگام جشن طرب سے واپس گھر آتے تو بند ہوتے دروازے کے پیچھے سے ملتیں کرتی ہوئی یادوں کا ایک جھونکا انہیں بہا کر لے جاتا اور پھر ایک عظیم دھماکے سے ہر شے ویسی ہی ہو جاتی جیسی کہ یہ ہوا کرتی تھی اور پانچ منٹ تک وہ پھر ویسے ہی اپنے ہنی مون کے زمانے والے بے قابو عاشق بن جاتے۔

مگر کبھی کبھار کے ان واقعات کے علاوہ' سونے کے وقت ان دونوں میں سے ایک ہمیشہ دوسرے کی نسبت زیادہ تھکا ہوا ہوتا ۔ وہ غسل خانے میں بے کار وقت برباد کرتی رہتی ۔خوشبو دار کاغذ میں سگریٹ لپیٹتے ہوئے' تنہا کش لگاتے ہوئے' اپنی اس تسلی آمیز محبت میں دوبارہ گم ہوتے ہوئے جو وہ اس وقت کیا کرتی تھی جب وہ اپنے گھر میں آزاد تھی اور اپنے بدن کی مالک تھی ۔ ہمیشہ اس کے سر میں درد ہو جاتا یا گرمی بہت زیادہ ہوتی ۔ ہمیشہ وہ سوئے ہونے کی اداکاری کر رہی ہوتی یا اسے دوبارہ ماہواری آئی ہوتی ۔ ہمیشہ ماہواری' یہاں تک کہ ایک بار ڈاکٹر اربینو نے براہ راست اعتراف کیے بغیر' اپنے آپ کو ہلکا کرنے کے لیے کلاس میں یہ کہا کہ' شادی کے دس سال بعد عورتوں کو اکثر ہفتے میں تین بار ماہواری آتی ہے ۔'

بدقسمتی کبھی تنہا نہیں آتی ۔ان بدترین سالوں میں فرمینا دازا کو اس حقیقت کا سامنا کرنا پڑا، جسے جلد یا بدیر وقوع پذیر ہونا ہی تھی ۔ اس کے والد کے بے سروپا اور سدا کے پراسرار کاروبار کی اور جووینل اربینو سے اس کے سسر کی لاقانونیت کے بارے میں سارا کچا چٹھا بتانے کے لیے صوبے کے گورنر نے اپنے دفتر میں ڈاکٹر اربینو سے ملاقات کی ۔

اس نے اس کا خلاصہ ایک فقرے میں سموتے ہوئے کہا ''انسان یا خدا کا بنایا ہوا کوئی ایسا قانون نہیں ہے۔ جو اس شخص نے نہ توڑا ہو۔'' اس کے کچھ اہم ترین منصوبے اس کے داماد کی عزت و توقیر کے سائے میں کیے گئے تھے اور یہ یقین کرنا انتہائی مشکل تھا کہ اسے یا اس کی بیوی کو ان کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ اس کی بات کا احساس کرتے ہوئے کہ اسے صرف اپنی شہرت کا دفاع کرنا ہے کہ اب اس کے پاس صرف یہی کچھ رہ گیا' ڈاکٹر اربینو نے اپنی نیک نامی کا پورا وزن ڈالتے ہوئے اس معاملے میں مداخلت کی اور آئندہ ایسا نہ ہونے کا یقین دلانے پر وہ اس سکینڈل کو دبانے میں کامیاب ہو گیا۔ چناں چہ لورنیز و دازا نے پہلی دستیاب کشتی پر کبھی واپس نہ آنے کے لیے ملک چھوڑ دیا۔ وہ اپنے آبائی وطن واپس چلا گیا جیسے یہ اس کا کوئی ایسا دورہ ہو، جو اکثر لوگ یادِ ماضی سے نبٹنے کے لیے وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔ اس کی تہہ میں ایک سچائی پوشیدہ تھی: ایک طویل عرصے سے وہ اپنے وطن سے آنے والے جہازوں پر صرف اسی لیے سوار ہوتا رہا تھا کہ وہ اس قصبے میں ہونے والی بارشوں سے بھری گئی ٹینکیوں سے پانی کا ایک گلاس پی سکے' جہاں اس نے جنم لیا تھا، وہ رخصت ہو گیا۔ اس حال میں کہ کسی نے اسے گزند نہیں پہنچائی۔ اپنی معصومیت پر اصرار کرتے ہوئے' اپنے داماد کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہ وہ ایک سیاسی سازش کا شکار ہوا ہے۔ وہ اپنی بیٹی کے لیے گریہ زاری کرتا ہوا، جسے وہ اس کی شادی کے بعد سے پکارتا آیا تھا۔ اپنے نواسے کے لیے روتا ہوا' اس زمین کے لیے روتا ہوا جہاں وہ امیر اور آزاد ہوا تھا اور جہاں اپنے مشتبہ کاروبار کی بدولت اس نے وہ قوت حاصل کی تھی، جس سے اس نے اپنی بیٹی کو ایک شاندار خاتون میں بدل دیا تھا۔ وہ ایسے رخصت ہوا کہ وہ بیمار اور ضعیف ہو چکا تھا لیکن وہ اس کے فریب سے نقصان اٹھانے والوں کی خواہش کے برعکس کافی عرصے تک زندہ رہا۔ فرمینا دازا نے جب اس کی موت کی خبر سنی تو وہ سکون کی آہ کو نہ دبا سکی اور سوالوں سے بچنے کے لیے اس نے ماتمی لباس نہیں پہنا مگر کئی مہینوں تک وہ خود کو غسل خانے میں بند کر کے سگریٹ کے کش لیتے ہوئے' یہ جانے بغیر کہ کیوں' غصے اور غضب کی دبی دبی آواز میں روتی رہی اور یہ لیے تھا کہ وہ اپنے باپ کے لیے گریہ کناں تھی۔

ان کی صورت حال کا سب سے لغو پہلو یہ تھا وہ لوگوں کے درمیان پھر کبھی اتنے خوش دکھائی نہ دیے جتنا اپنے ان مصیبت بھرے دنوں میں دکھائی دیتے تھے کیوں کہ یہ وہ وقت تھا جب وہ ایک ایسے ماحول کی مخالفت پر فتح پا رہے تھے جو انھیں' جیسے کہ وہ تھے قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ ان سے مختلف تھے اور جدید تھے اور اس لیے ان کے روایتی نظام کے گناہ گار تھے' تاہم فرمینا دازا کے لیے یہ معاملہ

آسان ہی تھا۔اس جہاں کی زندگی، جس سے آشنا ہوئے بغیر وہ اس کی وجہ سے شدید بے یقینی صورتحال سے دوچار ہوگئی تھی، قدیمی تعلقات، پیش پا افتادہ سماجی تقریبات، طے شدہ جملوں، جن سے لوگ ایک دوسرے سے اس طرح برتاؤ کرتے تھے کہ بہ صورت دیگر کہیں وہ قتل عمد کے مرتکب نہ ہو جائیں، سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔اس بے وقعت قصباتی جنت میں کسی نامعلوم کا خوف ہمہ وقت لوگوں پر سوار رہتا۔وہ سادہ سے الفاظ میں یہ بات کہا کرتی: "سماجی زندگی میں مسئلہ یہ ہے کہ خوف پر کس طرح قابو پایا جائے اور ازدواجی زندگی کا مسئلہ یہ ہے کہ بوریت پر کس طرح قابو پایا جائے۔" اس پر یہ حقیقت اس وقت عیاں ہوئی، جب وہ اس وسیع سماجی کلب میں داخل ہوئی، جہاں بہت سے پھولوں کی ملی جلی مہک نے فضا کو لطیف بنا دیا تھا۔والز کی آب وتاب تھی۔جن میں ہنگاموں میں مشغول عرق ریز مرد اور کانپتی ہوئی عورتیں تھیں جنھوں نے جب اسے دیکھا تو انہیں سمجھ نہ آئی کہ وہ کون سے منتروں سے، اس خیرہ کن دہشت سے نجات حاصل کریں، جو کسی اور دنیا سے، ان کے جہاں میں داخل ہوگئی ہے۔وہ ابھی اکیس سال ہی کی تھی اور اس نے زیادہ دنیا نہیں دیکھی تھی مگر اس نے گرد و پیش ایک نظر ڈال کر اندازہ لگا لیا کہ اس کے مخالفین، اس سے نفرت کی بنا پر پیچ وتاب نہیں کھا رہے بلکہ اس کا خوف انھیں مفلوج کیے دے رہا ہے۔انھیں مزید دہشت زدہ کرنے کی بجائے اس کے دل میں ان کے لیے نرم گوشہ پیدا ہوگیا۔اس نے انھیں خود سے شناسا ہونے میں مدد دی۔وہ اس کے تصور سے مختلف نہیں تھیں، جس طرح اسے شہر اچھے یا برے نہیں لگتے تھے، مگر اس کے بارے میں اس کا اپنا ہی ایک تخلیق کردہ تصور ہوتا تھا۔مسلسل بارش، کمینے سوداگروں، اس کے بگھی بانوں کے ہومر کے سورماؤں جیسے سفلہ پن کے باوجود، وہ پیرس کو دنیا کے خوبصورت ترین شہر کے طور پر یاد رکھتی۔اس لیے نہیں کہ یہ حقیقت میں کیا تھا اور کیا نہیں تھا بلکہ اس لیے کہ اس کے ساتھ اس کے خوشی سے بھرپور سالوں کی یاد وابستہ تھی۔جہاں تک ڈاکٹر اربینو کا تعلق تھا وہ انھی ہتھیاروں سے اپنی عزت وتوقیر کا دفاع کرتا، جن سے اس کے خلاف حملہ کیا جاتا۔تاہم اس کے انداز زیادہ محتاط، ذہانت اور تدبر کے آئینہ دار ہوتے، اس کی شمولیت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا تھا: چاہے یہ شہری نمائشیں ہوں، خیراتی قرعہ اندازی ہو۔وطن پرستی کی تقریبات ہوں یا غبارے میں کیا گیا پہلا سفر، وہ ہر جگہ موجود ہوتے۔کسی کام کے آغاز ہی سے اس میں آگے آگے رہتے۔ان منحوس سالوں میں کوئی بھی یہ اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ دنیا میں کوئی ان سے زیادہ خوش ہوسکتا ہے یا ان کی ازدواجی زندگی سے زیادہ کوئی اور شادی اس قدر ہم آہنگی سے عبارت ہوسکتی ہے۔

فرمینا دازا کے باپ کے چھوڑے ہوئے گھر نے اس کے لیے اس خاندانی محل کے دم گھونٹ دینے والے ماحول سے ایک پناہ گاہ کا کام دیا۔ جوں ہی وہ دنیا کی نظروں سے دور ہو سکتی' وہ چپکے سے ایونجلو پارک میں چلی جاتی اور وہاں وہ کچھ نئی اور کچھ پرانی' سکول کے زمانے اور مصوری کی ہم سبق سہیلیوں سے جا کر ملتی' بے وفائی کی خواہش کا ایک معصوم متبادل۔ وہ ایک ایسی ماں کے طور پر وہاں پر سکون وقت گذارتی جس کے ارد گرد اس کی دوشیزگی کے زمانے کی یادوں نے ہالہ بنا رکھا ہو۔ اس نے مہکتے ہوئے کوے اڑا دیے۔ اور گلی سے بلیاں پکڑ کر انھیں گالا پلیسیڈیا کی حفاظت میں دے دیا، جو اس وقت تک بوڑھی ہو چکی تھی اور جس کے جوڑوں میں درد رہتا' مگر پھر بھی گھر کو دوبارہ زندگی سے معمور کرنے کی آرزومند رہتی۔ فرمینا دازا سلائی کا وہ کمرہ کھولتی، جہاں اس نے پہلی بار فلورنتینو آریزا کو دیکھا تھا۔ جہاں ڈاکٹر اربینو نے اس کی زبان دبا کر اس کے دل میں جھانکنے کی کوشش کی تھی اور یوں اس نے اس گھر کو ماضی کی خانقاہ میں بدل دیا۔ سرما کی ایک سہ پہر کو جب وہ شدید طوفان کی آمد کے آثار کی بنا پر بالکونی کی کھڑکی بند کرنے گئی تو اس نے اس چھوٹے سے پارک میں بادام کے درختوں تلے بنچ پر فلورنتینو آریزا کو بیٹھے ہوئے پایا۔ اس نے اپنے باپ کا اپنی جسامت کے مطابق موزوں کیا ہوا سوٹ پہن رکھا تھا اور اس کی گود میں کتاب کھلی ہوئی تھی مگر اس بار اس نے کئی اور موقعوں کی طرح حادثاتاً اسے نہیں دیکھا تھا بل کہ اس عمر میں وہ اس کی یاد میں زندہ تھا۔ وہ یہ سمجھ کر خوف زدہ ہو گئی کہ یہ منظر موت کا شگون ہے اور دکھ اس کے رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔ اس نے خود کو یہ بتانے کی ہمت کی کہ شاید وہ اس کے ساتھ زیادہ خوش رہ سکتی۔ تنہا' اس گھر میں جسے اس نے اتنی محبت کے ساتھ اس کے لیے نئے سرے سے بنایا ہے۔ جتنی محبت کے احساس کے ساتھ اس نے اپنے گھر کی اس کے لیے تزئین نو کی تھی اور اس سادہ سے مفروضے نے اسے دلگیر کر دیا۔ کیوں کہ اس موازنے، نے اس کے اندر اس انتہائی ناخوشی کے احساس کو جگا دیا' جس سے وہ دوچار ہو چکی تھی۔ پھر اس نے اپنی تمام قوت مجتمع کی اور اپنے شوہر کو مجبور کیا کہ وہ لیت و لعل سے کام لیے بغیر اس سے بات کرے' اس کا سامنا کرے' اس کے ساتھ محبت کرے' اور اپنی گم گشتہ جنت کے لیے اس کے ساتھ مل کر گریہ کناں ہو۔ یہاں تک کہ انھوں نے آخری مرغ کی اذان سنی اور محل کے جھالروں والے پردوں سے نور چھن چھن کر اندر آنے لگا اور سورج طلوع ہو گیا اور اس کے شوہر نے اس قدر گفتگو سے ہانپتے ہوئے کم خوابی کی تھکن سے نڈھال' اس قدر آہ و زاری سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ اپنے تسمے باندھے' بیلٹ کسی' اپنی مردانگی سے جو کچھ بچ گیا تھا، اسے ساتھ لیا اور اس سے کہا،

ہاں میری جان' ہم ہمیشہ کے لیے اس محبت کو دوبارہ تلاش کرنے جارہے ہیں جو ہم یورپ میں کھو آئے تھے۔ یہ اس قدر پکا فیصلہ تھا کہ اس نے اپنے منتظم عمومی' خزانہ بنک سے طے کرلیا کہ وہ اس کی خاندانی دولت کا حساب کردے۔ اس کی دولت شروع ہی سے ہر طرح کے کاروبار' سرمایہ کاری اور طویل المیعاد مقدس کھاتوں میں منتشر تھی اور اس بات کا صرف اسے ہی علم تھا کہ یہ اتنی زیادہ نہیں جتنا اس کے بارے میں داستان طرازی کی گئی ہے: بس اسی قدر زیادہ کہ کسی کو اس بارے میں سوچنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اس میں جو کچھ تھا اسے سونے میں بدلا گیا تھا اور تھوڑا تھوڑا کر کے انھیں غیر ملکی بنکوں میں جمع کرایا گیا تا کہ اس سخت جاں ملک میں اس کے یا اس بیوی کے نام کچھ بھی باقی نہ بچے۔ یہاں تک کہ مرنے کے لیے زمین کا کوئی ٹکڑا بھی۔

مگر جس بات پر یقین کرنے کا وہ فیصلہ کر چکی تھی اس کے برعکس' فلورنتیو آریزا ابھی بھی موجود تھا۔ جب وہ شہر کے گھوڑوں والی بگھی میں سوار اپنے شوہر اور بچے کے ساتھ فرانسیسی سمندری جہاز پر سوار ہونے کے لیے پہنچی تو وہ اسی پشتے پر موجود تھا جہاں پر جہاز لنگر انداز تھا اور اس نے انھیں اسی روپ میں دیکھا، جس طرح وہ سماجی تقریبات میں انھیں اکثر دیکھ چکا تھا: ہر لحاظ سے مکمل۔ وہ اپنے بیٹے کے ہمراہ جارہے تھے۔ جس انداز سے وہ پرورش پارہا تھا اس سے صاف طور پر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ بڑا ہو کر کیسا ہوگا: اور وہ موجود تھا۔ ڈاکٹر جووینل اربینو نے خوش گوار انداز میں اپنا ہیٹ لہراتے ہوئے کہا: ''ہم فلینڈرز فتح کرنے جارہے ہیں۔' فرمینا دازا نے سر کو جنبش دی' فلورنتیو آریزا اپنا ہیٹ اتار کر ہلکا سا جھکا اور اس نے وقت سے پہلے ہی گنجے پن سے اجڑے ہوئے فلورنتیو آریزا کو، بغیر کسی ہمدردی کے دیکھا۔ وہ وہاں بالکل ویسے ہی موجود تھا' جیسا کہ اس نے دیکھا: کسی ایسے شخص کا سایہ جس سے وہ کبھی نہیں ملی۔

فلورنتیو آریزا کے لیے بھی یہ عرصہ کوئی زیادہ خوش گوار نہیں تھا۔ اپنے کام کے علاوہ جو روز بروز کٹھن ہوتا جارہا تھا اور اس کی خفیہ عشق بازی جو کوفت میں بدلتی جارہی تھی اور اس کے گذرتے ہوئے سال، جن میں ایک مردہ سکوت چھایا ہوا تھا' ٹرانسیتو آریزا کی بیماری بھی اپنی آخری انتہا کو پہنچ رہی تھی۔ اس کا ذہن تقریباً تمام یادداشت سے عاری ہو چکا تھا۔ تقریباً خالی' اس حد تک کہ کبھی وہ اس کی جانب رخ کرتی۔ اسے اس آرام کرسی میں بیٹھے پڑھتے دیکھتی، جس پر وہ ہمیشہ بیٹھا کرتا تھا اور حیرانی کے عالم میں اس سے پوچھتی' ''بھئی تم کس کے بیٹے ہو؟'' وہ ہمیشہ دیانتداری سے اس کا جواب دیتا۔ مگر وہ فوراً ہی

اس کی بات کاٹ کر پوچھتی۔

''میرے بچے مجھے کچھ بتاؤ میں کون ہوں۔؟''

وہ اس قدر رفر پہ ہو چکی تھی کہ اب حرکت کرنے سے قاصر تھی اور وہ اس معمولی اشیا کی دکان میں اپنا پورا دن گذارتی 'جہاں اب کوئی شے بھی بکنے کے لیے باقی نہیں بچی تھی۔ پہلے مرغ کی اذان سے لے کر اگلی صبح تک سج دھج کر وہاں بیٹھی رہتی۔ وہ بہت کم سوتی تھی۔ وہ پھولوں کے ہار سر پر سجاتی 'ہونٹوں پر سرخی ملتی 'اپنے بازوؤں اور چہرے پر پاؤڈر لگاتی اور بالآخر پھر جو کوئی بھی اس کے قریب سے گذرتا اس سے پوچھتی: ''بتاؤ' اب میں کون ہوں؟'' ہمسائے جانتے تھے کہ وہ ہمیشہ ایک ہی جواب کی توقع رکھتی: ''تم چھوٹی سی روچی مارٹینی ہو۔'' بچوں کی کہانیوں کے ایک کردار سے چرائی ہوئی شناخت سے ہی اسے اطمینان ملتا۔ وہ اپنے اطراف میں ہلتی رہتی اور اپنے جسم پر لمبے گلابی پر باندھ لیتی۔ حتیٰ کہ یہ عمل ختم ہوتا اور وہ دوبارہ سے یہی کچھ کرنے لگتی۔ کاغذ کے پھولوں سے بنا تاج' آنکھوں کے پپوٹوں پر بنفشی رنگ' ہونٹوں پر سرخی' چہرے پر مردہ سفیدی' اور پھر دوبارہ سے ہر قریب سے گذرنے والے وہی سوال: ''بتاؤ اب میں کون ہوں۔'' جب وہ سارے قرب وجوار میں مذاق بن گئی۔ تو ایک رات فلورنٹینو آریزا نے اس قدیم معمولی اشیاء کی دکان کے کاؤنٹر اور سٹور کی تمام درازیں خالی کیں۔ گلی میں کھلنے والا دروازہ مستقلاً بند کر دیا اور اس جگہ کو ایسا ترتیب دیا جیسا وہ روچی مارٹینی کی خواب گاہ کو بیان کرتی تھی اور پھر دوبارہ اس نے کبھی یہ نہیں پوچھا کہ وہ کون تھی۔

چچا لیو ہفتم کی تجویز پر اس نے اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک بوڑھی عورت کو ملازم رکھا۔ مگر وہ بے چاری ہر وقت جاگنے کی بجائے سوئی سوئی سی رہتی اور بعض اوقات یوں گمان ہوتا جیسے وہ بھی یہ بھول گئی ہے کہ وہ کون تھی۔ چناں چہ فلورنٹینو آریزا دفتر سے فارغ ہونے کے بعد اس وقت تک گھر پر ہی رہتا جب تک وہ اپنی ماں کو سلانے میں کامیاب نہ ہو جاتا۔ اب وہ کمرشل کلب میں ڈومینو کھیلنے نہیں جاتا تھا اور ایک لمبے عرصے تک وہ ان عورتوں سے ملنے نہ گیا، جن سے اس دوران میں اس کی آشنائی رہی تھی۔ یوں بھی اولمپیا زولیٹا سے اعصاب شکن ملاقات کے بعد اس کے اندر ایک بہت گہری تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔

یہ ایسے تھا جیسے کڑکتی بجلی نے اسے خیرہ کر دیا ہو۔ فلورنٹینو آریزا نے ابھی چچا لیو ہفتم کو اکتوبر کے ان طوفانوں کے درمیان، جن کے بعد ہم بس لڑھکتے ہی رہ جاتے ہیں' گھر چھوڑا ہی تھا، جب اس نے اپنی بگھی سے ایک دبلی پتلی پھرتیلی سی لڑکی کو دیکھا۔ اس نے اپنے لباس کو آبِ رواں سے یوں

ڈھانپا ہوا تھا کہ یہ ایک عروسی چوغہ دکھائی دے رہا تھا۔اس نے اسے پریشانی کے عالم میں گلی میں ایک سمت سے دوسری سمت دوڑتے ہوئے دیکھا کیوں کہ تیز ہوا اس کی چھتری اس سے چھین کر سمندر کی طرف اڑائے لیے جارہی تھی ۔اس نے طوفان سے بچانے کے لیے اسے اپنی بگھی میں بٹھا لیا' اور غیر معمولی طور پر اس کی مدد کرتے ہوئے، اسے اس کے گھر تک پہچانے گیا جو ایک قدیم تبدیل شدہ جھگی تھی' جس کا سامنے کا حصہ سمندر کی طرف کھلتا تھا اور جس کا صحن جو گلی ہی سے نظر آرہا تھا' کبوتروں کے پنجروں سے بھرا پڑا تھا۔راستے میں اس نے بتایا کہ ابھی ایک سال نہیں ہوا جب اس کی شادی ایک ایسے شخص سے ہوئی جو مارکیٹ میں چھلے بیچتا تھا۔فلورنٹینو آریزا نے اسے کئی بار کمپنی کے جہازوں پر ہر قسم کی قابل فروخت اشیا کے کارٹن اتارتے ہوئے دیکھا تھا۔اس کے پاس تیلیوں سے بنے ایسے پنجروں میں بند' جنھیں مائیں دریائی کشتیوں پر اپنے شیر خوار بچوں کو لے جانے کے لیے استعمال کرتی ہیں' بہت سے کبوتر ہوتے ۔اولمپیا زولیٹا کسی بھڑ کی طرح دکھائی دیتی تھی ۔صرف اسی لیے نہیں کہ اس کے اٹھے ہوئے سرین اور بنجر' بے مایہ لاغر چھاتیاں تھیں بل کہ اس سے وابستہ ہر شے سے تانبے کی تاروں جیسے اس کے بال' اس کے جسم پر پڑی چھائیاں' اس کی گول' زندگی سے بھرپور آنکھیں' جن کا درمیانی فاصلہ معمول سے کہیں زیادہ تھا اور اس کی گنگناتی آواز، جسے وہ صرف ذہانت اور لبھانے والی باتوں کے لیے استعمال کرتی تھی ۔فلورنٹینو آریزا نے سوچا وہ اتنی دلکش نہیں جتنی بذلہ سنج ہے اور اس کو گھر چھوڑنے کے فوراً بعد ہی سے بھول گیا، جہاں وہ اپنے شوہر' اپنے باپ اور خاندان کے دوسرے افراد کے ہمراہ رہتی تھی ۔وہ اسے بھول گیا۔

کچھ دنوں بعد اس نے اس کے شوہر کو بندرگاہ پر دیکھا۔اس بار وہ فروخت کرنے کی اشیا اتارنے کے بجائے انھیں لا د رہا تھا اور جب جہاز نے لنگر اٹھائے تو فلورنٹینو آریزا نے واضح طور پر اپنے کانوں میں شیطان کی آواز سنی ۔اس سہ پہر چچا لیو ہفتم کو گھر چھوڑنے کے بعد وہ اولمپیا زولیٹا کے گھر کے سامنے سے یوں گزرا جیسے یہ محض اتفاق ہو اور اس نے اسے جنگلے پر کھڑے شور مچاتے کبوتروں کو دانہ ڈالتے ہوئے دیکھا۔اس نے اپنی بگھی سے اسے کو آواز دی ۔''ایک کبوتر کے کتنے پیسے؟''اس نے اسے پہچان لیا اور خوش طبعی سے اس کو جواب دیتے ہوئے کہا:''یہ بیچنے کے لیے نہیں ہیں ۔''اس نے پوچھا ''پھر مجھے کیا کرنا چاہیے کہ میں ایک کبوتر حاصل کرسکوں ۔؟''کبوتروں کو دانہ ڈالتے ہوئے اس نے جواب دیا ۔''جب تم اسے طوفان میں گھرا ہوا پاؤ تو اس کو واپس اس کے پنجرے تک لے جاؤ۔''چناں چہ

اس رات جب فلورنتینو آریزا گھر پہنچا تو اس کے پاس اولیمپیا زولیٹا کا دیا ہوا ممنونیت سے بھرا ہوا ایک تحفہ تھا: ایک پیغامبر کبوتر، جس کی ایک ٹانگ میں دھات کی انگوٹھی ڈالی ہوئی تھی۔

اگلی سہ پہر شام کے کھانے کے وقت جب کبوتر باز حسینہ نے اس پیغامبر کبوتر کو، ڈربے میں دیکھا تو سوچا کہ یہ بھاگ آیا ہے۔ مگر جب اس نے اٹھا کر اس کا معائنہ کیا تو اس کی انگوٹھی میں کاغذ کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا: یعنی اعلانِ محبت۔ یہ پہلا موقع تھا جب فلورنتینو آریزا نے اپنا کوئی ثبوت چھوڑا تھا' اور یہ آخری نہیں تھا۔ تاہم اس بار اس نے اتنی دوراندیشی ضرور کی کہ اس نے اپنے نام کے دستخط نہیں کیے تھے۔ اگلی سہ پہر بدھ کے روز وہ اپنے گھر میں داخل ہو رہا تھا کہ گلی کے ایک لڑکے نے ایک پنجرے میں بند وہی کبوتر اس کے حوالے کیا اور یہ رٹا رٹایا پیغام بھی سنایا کہ کبوتروں والی خاتون نے اسے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اور وہ کہتی ہے کہ آپ کو بتا دیا جائے کہ مہربانی کر کے اسے پنجرے میں بند رکھیں کیوں کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ دوبارہ اڑ جائے گا اور یہ آخری بار ہوگی کہ وہ اسے واپس بھیجے گی۔ اس کو بالکل سمجھ نہ آئی کہ وہ کس طرح اس کی تشریح کرے: یا تو کبوتر راستے میں ہی وہ پیغام کھو چکا تھا یا کبوتر والی معصوم بننے کی کوشش کر رہی تھی' یہ کہ اس نے اس لیے کبوتر واپس کر دیا ہے تاکہ وہ دوبارہ اسے، اس کے پاس بھیج سکے۔ تاہم اگر یہ صحیح تھا تو فطری طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ جوابی خط کے ہمراہ کبوتر کو واپس کرتی۔

ہفتے کی صبح کو بہت سوچ بچار کے بعد فلورنتینو آریزا نے کبوتر کو ایک اور بے نام خط کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ اس دفعہ اسے اگلے دن تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سہ پہر کو وہی لڑکا ایک اور پنجرے میں اسے واپس لے آیا۔ اس پیغام کے ساتھ کہ وہ اس دوبارہ اڑ جانے والے کبوتر کو واپس بھیجتی ہے اور یہ کہ پرسوں اس نے اسے مروت کی وجہ سے واپس کیا تھا اور اس بار وہ اسے رحم کھا کر واپس کر رہی ہے۔ مگر اب یہ بالکل سچ ہے کہ اگر یہ ایک بار پھر اڑ گیا تو وہ اسے واپس نہیں کرے گی۔ ترانسیتو آریزا بہت دیر تک کبوتر کے ساتھ کھیلتی رہی اس نے اسے پنجرے سے باہر نکال لیا' اسے اپنے بازوؤں میں جھلاتی رہی' بچوں کے گیت سنا کر اسے سلانے کی کوشش کرتی رہی اور پھر اچانک فلورنتینو آریزا نے محسوس کیا کہ اس کی ٹانگ میں بندھی انگوٹھی میں ایک چھوٹا سا کاغذ کا ٹکڑا تھا جس پر ایک سطر لکھی ہوئی تھی۔ ''میں بے نام خطوط قبول نہیں کرتی۔'' فلورنتینو آریزا نے پڑھا۔ اس کا دل خوشی سے پاگل ہو گیا جیسے اس کی پہلی مہم کامیاب ہوئی ہو اور اس رات وہ ایک پل بھی نہ سویا اور بے چینی سے بستر پر کروٹیں لیتا رہا۔ اگلے روز علی الصبح دفتر جانے سے پہلے اس نے ایک بار پھر کبوتر کو آزاد کر دیا۔ اس محبت نامے کے ساتھ، جس پر اس

نے واضح طور اپنے دستخط کیے تھے۔ اور اس نے اس انگوٹھی میں اپنے باغ کا سب سے تازہ' سب سے سرخ اور سب سے زیادہ مہکتا ہوا گلاب بھی ساتھ بھیجا۔ مگر یہ اتنا بھی آسان ثابت نہیں ہوا۔

تین مہینے کی جستجو کے بعد بھی وہ کبوتر باز حسینہ ابھی تک ایک ہی جواب بھیج رہی تھی۔ ''میں ایسی ویسی عورت نہیں ہوں۔'' مگر اس نے کبھی بھی اس کے پیغامات کی وصولی سے انکار نہیں کیا اور نہ ہی کبھی بظاہر اتفاقیہ دکھائی دینے والی ملاقاتوں کے لیے طے شدہ تاریخ سے وعدہ خلافی کی: وہ ایک مختلف شخص تھا۔ ایسا عاشق جس نے کبھی اپنا اصلی روپ سامنے نہیں آنے دیا۔ ایسا شخص جو حریصانہ حد تک محبت پانے کا آرزومند ہو مگر اس کے بدلے میں نہایت کنجوسی سے کام لے وہ شخص دیتا کچھ نہیں تھا مگر چاہتا ہر شے تھا۔ ایسا شخص جس نے اپنے دل کی راہ گذر پر کسی بھی گذرنے والا کا ہلکا سا نشان بھی باقی نہیں رہنے دیا تھا۔ گھات میں بیٹھا شکاری' اب یہی شخص وجد آفرین دستخط شدہ خطوط' شاندار تحائف لیے' اور نتائج کی پرواہ کیے بغیر اس گلی میں اس کبوتر باز حسینہ کے گھر جاتا رہا' یہاں تک کہ وہ ایسے موقعوں پر بھی' جب اس کا شوہر مارکیٹ کے لیے اپنے سفر پر نہیں نکلا ہوا تھا۔ اس کی جوانی کے دنوں کے بعد یہ واحد موقع تھا جب اس نے اپنے وجود کے آر پار محبت کو محسوس کیا۔

اپنی پہلی ملاقات کے چھ ماہ بعد' بالآخر وہ گودی میں رنگ روغن ہوتی ہوئی ایک دریائی کشتی کے کیبن میں ملے۔ یہ ایک شاندار سہ پہر تھی۔ مسرت سے لبریز اولمپیا زولیٹا کا انداز محبت کسی حیران کبوتر باز کی طرح تھا اور وہ اس سبک خرام سکون زدہ گھنٹوں میں برہنہ لیٹی رہی۔ یہ سکون اس کے لیے اتنا ہی لذت بخش تھا جتنا کہ خود وصال۔ کیبن ٹوٹا ہوا تھا۔ اس کے آدھے حصے پر رنگ ہو چکا تھا اور اس میں ایسی بو پھیلی ہوئی تھی جس نے اس خوش گوار سہ پہر کی یاد کے طور پر اس کے ساتھ جانا تھا۔ ایک اچانک خیال کے زیر اثر فلورنتینو آریزا نے دیوار سے لگے تختے کے قریب ہی پڑا سرخ رنگ کا ڈبہ کھولا' اپنی شہادت کی انگلی اس میں ڈبوئی اور اس کبوتر باز حسینہ کے درمیانی زیریں شکم پر یہ رنگ لگایا اور جنوب کی جانب لہو رنگ تیر بنا دیا۔ اور اس کے پیٹ پر یہ لکھ دیا: ''یہ پُوسی میری ہے۔'' اسی رات اولمپیا زولیٹا اس بدخط تحریر کو فراموش کیے جب اپنے شوہر کے سامنے بے لباس ہوئی تو وہ ایک لفظ بھی نہیں بولا' اس کی سانس اسی طرح ہموار رہی' کچھ بھی نہ بدلا۔ بس وہ غسل خانے میں اپنا استرا اٹھانے گیا اور جب ابھی وہ اپنا نائٹ گاؤن پہن ہی رہی تھی ایک ہی وار میں اس کا گلا کاٹ دیا۔

فلورنتینو آریزا کو کئی روز بعد اس وقت اس بات کا پتہ چلا جب وہ مفرور شوہر پکڑا گیا اور اس

نے صحافیوں کو اپنے جرم کے محرکات اور طریقہ واردات کے بارے میں بتایا۔ کئی سال تک اس کے اپنے دستخط شدہ خطوط کا خیال اسے دہشت زدہ کرتا رہا۔ وہ قاتل کی قید کے عرصے کا حساب رکھتا رہا' جو اس کی کمپنی سے معاملات کرنے کی وجہ سے اس کو جانتا تھا۔ مگر یہ گردن چیرنے والے کسی خنجر یا لوگوں میں کسی سکینڈل کے مشہور ہونے کا اتنا خوف نہیں تھا جتنا کہ اس بدقسمتی کا کہ اس طرح فرینا دازا کو اس کی بے وفائی کا علم ہو جائے گا۔

اپنے انتظار کے ان سالوں کے دوران میں ایک روز اس عورت کو جو ژانسیتو آریزا کی دیکھ بھال کرتی تھی' ایک بے موسم بارش کی بنا پر عام حالات کی نسبت زیادہ دیر تک مارکیٹ میں رکنا پڑا اور جب وہ واپس آئی تو اس نے اسے جھولنے والی کرسی پر بیٹھے ہوئے پایا۔ اس نے ہمیشہ کی طرح خود پر رنگ تھوپ کر سنگھار کیا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں زندگی سے اس قدر بھرپور تھیں اور اس کے چہرے پر ایسی شدید مسکراہٹ تھی کہ اس کی نگران کو دو گھنٹے تک یہ پتہ نہ چلا کہ وہ مر چکی ہے۔ اپنی موت سے تھوڑی ہی دیر پہلے اس نے قرب و جوار کے بچوں میں اپنے بستر کے نیچے دفن مرتبانوں میں سونے اور جواہرات کی شکل میں پڑی دولت کو تقسیم کر دیا تھا' یہ کہتے ہوئے کہ وہ انہیں مصری کی طرح کھا سکتے ہیں اور بھی کچھ بہت قیمتی اشیا تھیں مگر انھیں ڈھونڈ نکالنا ناممکن تھا۔

فلورنتینو آریزا نے سابق ''دست خدا مویشی باڑے'' میں جو ابھی تک 'ہیضہ قبرستان کے نام سے مشہور تھا' اس کی تدفین کا انتظام کیا اور اس نے اس کی قبر پر گلاب کی ایک قلم بو دی۔

شروع میں چند مرتبہ جب وہ قبرستان گیا تو اس پر انکشاف ہوا کہ اولمپیا زولیٹا بھی اس کے بالکل نزدیک دفن ہے۔ اس کی قبر پر کوئی سنگ مزار نہیں تھا لیکن اس کا نام اور تاریخ تہہ خانے کے تازہ سیمنٹ پر بدخط انداز سے لکھی ہوئی تھی اور اس نے خوف سے لرزتے ہوئے سوچا کہ یہ اس کے شوہر کا ایک خون آشام مذاق تھا۔ جب گلاب کھل اٹھے تو وہ لوگوں کی نظر بچا کر ایک پھول اس کی قبر پر رکھ دیتا اور بعد ازاں اس نے اپنی ماں کی قبر کے گلاب سے ایک قلم کاٹ کر اس کی قبر پر بھی بو دی۔ یہ دونوں اس قدر افراط سے پھیلنے پھولنے لگیں کہ فلورنتینو آریزا کو قینچی اور باغبانی کے دوسرے آلات لا کر انھیں مناسب حد میں رکھنا پڑا۔ مگر یہ اس کے بس سے باہر ثابت ہوا۔ کچھ سالوں بعد گلاب کے دونوں پودے جنگلی بوٹیوں کی طرح دوسری قبروں میں پھیل گئے اور پھر اس کے بعد سے وہ اجڑا ہوا ہیضے کا قبرستان ''گلابوں کا قبرستان'' کہلانے لگا۔ پھر ایک میئر نے جو ایک عمومی دانش سے بھی کم ادارک کا مالک تھا

ایک رات قبرستان سے تمام گلاب صاف کر دیے۔ اور اس کے مرکزی دروازے کی محراب پر یہ ریپبلکن نشان آویزاں کروادیا: آفاقی قبرستان۔

فلورنتیو آریزا کی ماں کی وفات نے ایک بار پھر اس کی جنونی مصروفیات اس پر مسلط کر دیں: دفتر میں اپنی مستقل داشتاؤں سے باری باری پابندی سے ملاقاتیں' کمرشل کلب میں دومینو کے کھیل' عاشقی کی وہی کتابیں اور ہر اتوار کو قبرستان جانا۔ یہ ایک ہی طرح کے معمول کی پابندی تھی، جس سے وہ نفرت کرتا اور خوف کھاتا تھا' مگر جس نے اسے زوال عمر کے ادراک سے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ تاہم دسمبر کی ایک اتوار کو جب قبرستان میں پھیلے گلاب کے پودوں نے پہلے ہی باغبانی کی قینچیوں کو شکست دے دی تھی' اس نے حال ہی میں تنصیب شدہ بجلی کی تاروں پر ابابیلوں کو دیکھا اور اچانک اسے احساس ہوا کہ اس کی ماں کی موت سے اب تک' اور اولمپیا زولیٹا کے قتل سے' اور اس دور دراز ماضی میں گم کسی اور دسمبر کی اس سہ پہر سے' جب فرمینا دازا نے اسے خط بھیجا تھا کہ ہاں وہ ہمیشہ اس سے محبت کرتی رہے گی' اب تک کتنا وقت گزر چکا تھا۔ اب تک وہ یوں زندگی گزارتا آیا تھا کہ جیسے وقت صرف دوسروں کے لیے گزرتا جائے گا' اس کے لیے نہیں۔ ابھی پچھلے ہفتے اسے گلی میں ایک ایسے جوڑے سے ملنے کا اتفاق ہوا، جن کی شادی اس کے لکھے گئے خطوں کی وجہ سے ممکن ہوئی تھی اور اس نے ان کے سب سے بڑے بیٹے کو نہیں پہچانا تھا جو اس کا روحانی بیٹا تھا۔ اس نے اپنی گھبراہٹ کو اپنے روایتی واویلا سے قابو پاتے ہوئے کہا: ''لعنت ہے میری بھی مت ماری گئی ہے یہ تو ابھی سے پورا مرد بن چکا ہے۔'' اور وہ اسی انداز میں رہا۔ اس وقت کے بعد بھی جب اس کے جسم میں ڈھلتی عمر کی علامات نمودار ہونے لگیں کیوں کہ اس کی آہنی جسمانی ساخت ہمیشہ ہی سے بیماروں کی سی رہی تھی۔ ترانسیتو آریزا کہا کرتی تھی: ''میرے بیٹے کو صرف ایک ہی بیماری ہوئی اور وہ تھی ہیضہ۔'' اس نے محبت کو ہیضے سے گڈمڈ کر دیا تھا۔ یقیناً یہ اس وقت کی بات ہے جب ابھی اس کی یادداشت محفوظ تھی۔ مگر کچھ بھی ہو وہ غلطی پر ہی تھی۔ وہ چھ بار رِستی ہوئی پیپ کا شکار ہو چکا تھا۔ اگرچہ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ ایسا چھ دفعہ نہیں ہوا تھا بل کہ ایک ہی بار ہوا۔ جو ہر بار کے ناکام علاج کے بعد دوبارہ ظاہر ہو جاتا تھا۔ ایک بار اس کا لمف کا غدود سوج گیا تھا' اور چھ بار اس کے چڑھوں پر سرخ لیس دار دانے نکل چکے تھے۔ مگر وہ یا کوئی بھی اور شخص انھیں بیماری نہیں سمجھتا تھا' یہ تو بس جنگ کے نتائج تھے۔ ابھی جب وہ چالیس برس کا ہوا تھا تو اسے اپنے جسم کے مختلف حصوں میں درد محسوس ہونے لگا۔ وہ ڈاکٹر کے پاس گیا۔ کئی ٹیسٹوں کے بعد ڈاکٹر نے اسے کہا یہ ڈھلتی عمر کی وجہ سے ہے۔ وہ

واپس آ گیا ذرا سا بھی حیران ہوئے بغیر کہ ان میں سے کسی بات کا اس سے کوئی تعلق بھی ہے یا نہیں کیوں کہ اس کے اپنے ماضی میں اس کا واحد حوالہ اس کا فرمینا دازا سے اس کا سریع الزوال عشق تھا۔ اور صرف وہی چیز جو اس سے متعلق ہو اس کی زندگی کے عرصے کے شمار سے کوئی تعلق رکھ سکتی تھی۔ چناں چہ اس سہ پہر جب اس نے بجلی کی تاروں پر مسافر ابابیلیں بیٹھی دیکھیں تو اس نے اپنے ماضی کا اپنی پہلی یاد سے جائزہ لینا شروع کیا۔ اس نے اپنی اتفاقیہ محبتوں ان بے شمار سازشوں جن سے وہ ترقی کے اس مقام تک پہنچنے کے لیے بچتا آیا تھا اور ان بے حساب واقعات کا جائزہ لیا جنھوں نے اس میں اس تلخ استقلال کو پیدا کر دیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو کسی بھی حالت میں فرمینا دازا اس کی ہوگی اور وہ فرمینا دازا کا ہوگا اور صرف تبھی اسے یہ احساس ہوا کہ اس کی زندگی گزر رہی تھی۔ اسے ایک جھرجھری آئی جس نے اس کا پورا وجود ہلا دیا اور اس کا دماغ خالی رہ گیا اور اسے باغبانی کے اوزار پھینک کر قبرستان کی دیوار کا سہارا لینا پڑا کہ کہیں ڈھلتی عمر کا پہلا گھونسا اسے زمین بوس نہ کر دے۔

''لعنت ہو'' اس نے ہیبت زدہ آواز میں کہا: ''یہ سب کچھ تیس سال پہلے ہوا تھا۔''

مگر یہ ہو چکا تھا۔ تیس سال جو یقیناً فرمینا دازا کے لیے بھی گزر گئے تھے مگر اس کی زندگی کے یہ سال بے حد خوش گوار اور جوش حیات سے لبریز گزرے تھے۔ کیسا لڈورڈ محل میں گزارے ہوئے خوفناک دن اب ماضی کی بے کار یاد بن گئے تھے۔ وہ لا منگا میں اپنے نئے گھر میں رہ رہی تھی۔ اپنی تقدیر کی مکمل مختار ایک ایسے شوہر کے ساتھ کہ اگر دوبارہ شریک حیات کے انتخاب کا موقع دیا جائے تو وہ دنیا کے تمام مردوں میں سے اسی کا انتخاب کرے۔ ایک بیٹا جو خاندانی روایت کے تسلسل کو تھامے میڈیکل سکول میں تھا اور ایک بیٹی کے ساتھ جو جب خود وہ اس کی عمر کی تھی اس قدر مشابہ تھی کہ بعض اوقات اسے اس تاثر کا گماں ہوتا کہ کہیں اس کی نقل تو دنیا میں نہیں آ گئی۔ اس بد بخت سفر کے بعد جب اس نے کبھی اس دائمی اضطراب کے خوف سے کبھی نہ واپس آنے کا سوچا تھا وہ تین بار یورپ یاترا کو جا چکی تھی۔

خدا بہر حال کسی کی دعائیں سن ہی لیتا ہے۔ پیرس میں دو سال قیام کے بعد جب ابھی فرمینا داز ا اور جووینل اربینو اس گم گشتہ محبت میں سے جو کچھ رہ گیا تھا، سے آشنا ہونا شروع کر ہی رہے تھے کہ نصف شب کو ایک ٹیلی گرام نے اس خبر کے ساتھ انھیں جگا دیا کہ ڈونا بلانکا ڈی اربینو شدید بیمار ہے اور تقریباً اس کے ساتھ ہی ایک اور ٹیلی گرام یہ خبر لایا کہ وہ مر چکی ہے۔ وہ فوراً واپس چلے گئے۔ فرمینا داز ا سیاہ چوغے میں ملبوس جہاز سے اتری۔ اس کا لباس اس کو مکمل طور پر ڈھانپنے کے باوجود اس کی حالت کو

چھپا نہیں پا رہا تھا۔ حقیقت میں وہ ایک بار پھر حاملہ ہو چکی تھی اور اس خبر نے ایک مقبول عام گیت کو جنم دیا۔ جو بدنیتی سے زیادہ شرارت پر مبنی تھا اور جس کو باقی پورے سال کورس کی صورت میں گایا جاتا رہا:
''تمھارا کیا خیال ہے وہ وہاں کیا کرتی ہے۔ ہماری زمین کی یہ حسینہ یہ ہماری دھرتی کی!' جب وہ پیرس سے واپس آتی ہے وہ بچہ پیدا کرنے کے لیے تیار ہوتی ہے۔''اس میں شامل فحش الفاظ کے باوجود اپنی عالی ظرفی ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹر جووینل اربینو کئی سالوں تک سوشل کلب میں رقص کے دوران میں اس کی فرمائش کرتا رہا۔

باوقار کیسالڈورو محل، جس کی موجودگی کے بارے میں کوئی دستاویز موجود نہیں تھی۔ ایک مقبول معاوضے کے عوض میونسپل کمیٹی کو فروخت کر دیا گیا اور پھر جب ایک ولندیزی محقق نے یہ ثابت کرنے کے لیے اس کی کھدائی شروع کر دی کہ کرسٹوفر کولمبس کی اصلی قبر دراصل اس محل میں موجود تھی۔ تو کہیں زیادہ قیمت پر اسے مرکزی حکومت کو دوبارہ بیچ دیا گیا۔ یہ اب تک پانچویں قبر تھی، جس کے بارے میں ایسا دعویٰ کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر اربینو کی بہنیں کسی منت کے بغیر سیلے سین کانونٹ میں گوشہ نشینی اختیار کر کے رہنے لگیں۔ فرمینا دازا اس وقت تک اپنے باپ کے پرانے گھر میں مقیم رہی۔ جب تک لامنگا میں ان کی ولا کی تعمیر مکمل نہیں ہو گئی۔ وہ مستحکم قدموں سے مکمل تیار اس پر حکمرانی کے لیے اس میں داخل ہوئی۔ اس کے ہمراہ ہنی مون کے زمانے سے لایا ہوا انگریزی فرنیچر تھا اور اس کے ساتھ بہت سا دوسرا سامان آرائش جو وہ اپنے اس محبت کو دوبارہ حاصل کرنے والے سفر کے دوران میں یہاں بھیجتے رہے تھے اور پہلے ہی دن سے اس نے اسے بدیسی جانوروں سے بھرنا شروع کر دیا تھا۔ جنھیں وہ خود تیز رفتار بحری کشتیوں پر سوار ہو کر اینٹیلہ سے خرید کر لاتی تھی۔ وہ اس شوہر کے ساتھ جسے اس نے دوبارہ فتح کر لیا تھا' اس گھر میں داخل ہوئی۔ اس کے بچے کے ساتھ، جس کی اس نے خوش اسلوبی سے پرورش کی تھی۔ اس بیٹی کے ساتھ جوان کی واپسی کے چار ماہ بعد پیدا ہوئی تھی اور جس کا نام بپتسمہ دیتے وقت انھوں نے اوفیلیا رکھا تھا۔ جہاں تک ڈاکٹر اربینو کا تعلق ہے وہ سمجھ چکا تھا کہ اب یہ ناممکن تھا کہ وہ فرمینا دازا کو مکمل طور پر اتنا ہی اپنے سحر میں گرفتار رکھے جتنا کہ ہنی مون کے زمانے میں تھا کیوں کہ محبت کا وہ حصہ، جس کا وہ آرزومند تھا اور اپنا بہترین وقت وہ اپنے بچوں کے لیے وقف کر چکی تھی۔ مگر جو کچھ بچ رہا تھا اس نے اسی کے ساتھ خوش رہنے کا ہنر سیکھ لیا تھا۔ وہ آہنگی جس کی وہ خواہش کرتے رہے تھے، اس وقت اپنی انتہا کو پہنچی جب انہیں قطعاً اس کی توقع نہیں تھی۔ ایک شاندار ضیافت کے دوران میں جب فرمینا دازا ایک نہایت ہی لذیذ

ڈش کو پہچان نہ سکی تھی اوراس نے اس کا ایک بڑا سا ٹکڑا لے کر کھانا شروع کیا۔ اس کو یہ اس قدر پسند آیا کہ اس نے اتنا ہی ایک اور ٹکڑا بھی لے لیا اور ابھی وہ اس بات کو کوس ہی رہی تھی کہ شہری آداب کے مطابق اب وہ تیسری بار خود سے ایسا نہیں کرسکتی جب تک کہ کوئی اسے اس کی دعوت نہ دے کہ اسے ایک واضح خوشی کے ساتھ اس بات کا پتہ چلا کہ وہ بینگن کی دو پلیٹیں کھا چکی ہے۔ اس نے بڑے وقار کے اپنی شکست تسلیم کی اور اس کے بعد سے بینگن اپنی تمام حالتوں میں لا منگا ولا میں اتنے ہی تواتر کے ساتھ پکنے لگا جیسا کہ کیسال ڈورمحل میں پکتا اور ہر کوئی اس سے اس قدر لطف اٹھانے لگا کہ ڈاکٹر جووینل اربینو اپنی ضعیف العمری کے فارغ وقت میں اس بات سے لطافت پیدا کیا کرتا کہ اس کی خواہش ہے کہ اس کی ایک اور بیٹی ہوتا کہ وہ گھر میں سب سے زیادہ محبوب لفظ سے اس کا نام رکھ سکے: بینگن اربینو۔ فرمینا دازا جانتی تھی کہ سماجی زندگی کی نسبت نجی زندگی زیادہ ناپائیدا اور غیر یقینی ہے۔ اس کے لیے بچوں اور بڑوں میں فرق واضح کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ مگر اپنے آخری تجزیے میں وہ بچوں کو ترجیح دیتی تھی کیوں کہ ان کی رائے زیادہ قابل یقین ہوتی۔ جب وہ اپنے تمام واہموں سے آزاد اپنی پختہ عمر میں داخل ہو رہی تھی اس پر یہ منکشف ہونے لگا کہ وہ اب بالکل ویسی نہیں رہی تھی جیسا کہ وہ اپنے بارے میں ایونجلز پارک میں جب وہ جوان تھی تصور کیا کرتی تھی۔ اس کے برعکس وہ ایسی ہستی بن چکی تھی، جس کا اعتراف وہ خود سے بھی نہیں کرنا چاہتی تھی: ایک شاندار خادمہ۔ سوسائٹی میں وہ سب سے محبوب عورت تھی۔ اس کا سب سے زیادہ پاس کیا جاتا اور اسی حساب سے، سب سے زیادہ اس سے خوف کھایا جاتا، مگر وہ کسی بھی اور شے میں اتنی زیادہ متقاضی اور کم معافی دینے والی نہیں تھی جتنی کہ اپنے گھریلو معاملات میں۔ اس میں ہمیشہ اسے یہ احساس رہتا جیسے اس کی یہ زندگی اس کے شوہر کی عطا کردہ ہے۔ وہ خوشیوں کی اس وسیع سلطنت کی مطلق العنان حاکم تھی جو اس کے شوہر نے تعمیر کی تھی اور جو اسی کے لیے تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ ہر شے سے زیادہ اس سے محبت کرتا ہے۔ دنیا میں کسی بھی ہستی سے زیادہ۔ مگر یہ سب وہ صرف اپنے لیے کرتا تھا۔ وہ اس کی مقدس خدمت گزاری میں تھی۔

اگر وہ کسی چیز سے پریشان تھی تو روزانہ کے کھانے کا ایک مستقل سلسلہ تھا۔ انہیں نہ صرف بروقت ہونا چاہئے تھا بلکہ انہیں ہر لحاظ سے مکمل بھی ہونا چاہیے تھا اور اس سے پوچھے بغیر انھیں وہی کچھ ہونا چاہیے تھا جو وہ کھانا چاہتا ہو۔ گھریلو رسومات کی بہت سی بے مصرف تقریبات کے دوران میں، وہ اس سے اس بارے پوچھ لیتی تو وہ اخبار پر سے نظریں تک اٹھائے بغیر جواب دیتا: ''کچھ بھی۔'' اپنے

خوش خلق انداز میں وہ بیچ بتا رہا ہوتا۔ کیوں کہ اس سے کم مطلق العنان شوہر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جب کھانے کا وقت آتا تو یہ کوئی بھی چیز نہیں ہو سکتی تھی بل کہ اسے وہی ہونا چاہیے تھا اور بغیر کسی خامی کے ہونا چاہیے تھا جو وہ چاہتا تھا: گوشت میں گوشت کا اور مچھلی میں مچھلی کا ذائقہ نہیں رہنا چاہیے تھا۔ اور پورک میں جلدی بیماری کا ذائقہ نہیں ہونا چاہیے تھا اور چوزے میں پروں کا ذائقہ نہیں آنا چاہیے تھا۔ یہاں تک کہ جب سفید مومصلی کا موسم نہ بھی ہوتا اس کو کسی بھی قیمت پر وہاں ہونا چاہیے تھا تاکہ وہ خود اپنے خوشبودار پیشاب کے بخارات سے لطف اندوز ہو سکے۔ اس نے اس پر کوئی الزام نہیں دھرا: وہ زندگی کو دوشی ٹھہراتی تھی۔ مگر وہ اس زندگی کا ایک کٹھور مگر خاص کردار تھا۔ محض کسی ذرا سے شابے کی بنا پر وہ یہ کہتے ہوئے اپنی پلیٹ پرے ہٹا دیتا کہ: ''یہ کھانا خلوص کے بغیر تیار کیا گیا ہے۔'' اس دوران میں وہ مستی کے عالم میں ہوتا۔ اس نے ایک بار چائے بغیر چکھے یہ کہتے ہوئے واپس کر دی: ''اس میں کھڑکی کا ذائقہ ہے۔'' وہ خود اور نوکر دونوں حیران تھے کیوں کہ انھوں نے کسی سے یہ نہیں سنا تھا کہ اس نے کبھی ابلی ہوئی کھڑکی پی ہو۔ مگر جب انھوں نے اس بات کو سمجھنے کے لیے چائے پی تو انہیں سمجھ آ گئی: اس میں واقعتاً کھڑکی کا ذائقہ تھا۔

وہ ایک مکمل شوہر تھا۔ وہ کبھی فرش پر پڑی کوئی چیز نہیں اٹھاتا تھا۔ اس نے کبھی بتی نہیں بجھائی اور اس نے کبھی دروازہ بند نہیں کیا۔ صبح کے اندھیرے میں جب اسے یہ پتہ چلتا کہ اس کے قمیص کا کوئی بٹن ٹوٹا ہوا ہے تو وہ اسے یہ کہتے ہوئے سنتی: ''ایک آدمی کی دو بیویاں ہونی چاہئیں ایک وہ جس سے وہ محبت کرے اور دوسری وہ جو اس کے بٹن لگائے۔'' ہر روز جب وہ کافی کا پہلا گھونٹ بھرتا یا سوپ کا پہلا چمچ منہ میں ڈالتا تو وہ ایک دل خراش چیخ نکالتا جواب کسی کو بھی خوف زدہ نہیں کرتی تھی اور پھر خود کو ہلکا کرنے کے لیے کہتا۔ ''جس روز میں اس گھر سے رخصت ہوا، تم جان لو گے کہ ایسا اس لیے ہوا کہ میں روزانہ اپنا منہ جلا جلا کر تھک گیا تھا۔'' وہ کہا کرتا کہ وہ اس طرح کے اشتہا انگیز اور غیر معمولی کھانے نہیں بناتے جیسے وہ ان دنوں میں تیار کرتے ہیں، جس روز وہ قبض کشا دوائی کھانے کی وجہ سے کچھ کھانے سے قاصر ہوتا ہے، اور اسے بیوی کی اس بے وفائی پر اتنا یقین تھا کہ وہ صرف اسی شرط پر کوئی قبض کشا دوائی کھانے پر تیار ہوتا کہ وہ بھی اس کے ساتھ وہی دوائی کھائے۔

اس کی اس کم فہمی سے اکتا کر، اس نے ایک بار اس سے سالگرہ کے ایک غیر معمولی تحفے کا مطالبہ کیا: یہ کہ ایک روز وہ گھر کے تمام امور کی دیکھ بھال کرے گا۔ اس نے تفریح سمجھ کر اسے قبول کر

لیا۔ بل کہ اس نے علی الصبح ہی انتظام سنبھال لیا۔ اس نے ایک شاندار ناشتے کا اہتمام کیا مگر بھول گیا کہ فرائی انڈے اسے پسند نہیں تھے اور یہ کہ وہ اس کی مخصوص کافی نہیں پیتی۔ پھر اس نے آٹھ مہمانوں کے لیے سالگرہ کا لنچ تیار کرنے کا فرمان جاری کیا اور گھر کو صاف ستھرا کرنے کی ہدایات دینے لگا اور اس نے ہر کام اس سے بہتر کرنے کی اس قدر جدوجہد کی کہ دوپہر سے پہلے بغیر کسی تردد کے اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ پہلے ہی لمحے اسے احساس ہو گیا کہ اسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ کون سی چیز کہاں پر ہے۔ خاص طور پر کچن میں اور نوکروں نے ہر شے کی تلاش میں اسی کو چھپتے رہنے دیا۔ اس لیے کہ وہ بھی اس کھیل میں شریک تھے۔ دس بجے تک لنچ کے سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا تھا کیوں کہ ابھی تک گھر کی صفائی ہی ختم نہیں ہوئی تھی۔ خواب گاہ کو ٹھیک نہیں کیا جا سکا تھا۔ غسل خانے کو مانجھا نہیں گیا تھا۔ وہ ٹائلٹ پیپر رکھنا' چادریں بدلنا اور کوچوان کو بچوں کو لانے کے لیے بھیجنا بھول گیا تھا اور اس نے نوکروں کی طے شدہ ذمہ داریوں کو بھی آپس میں گڈمڈ کر دیا۔ اس نے باورچی کو بستر ٹھیک کرنے پر اور خواب گاہ پر مامور خادماؤں کو کھانے پکانے پر لگا دیا۔ گیارہ بجے جب مہمان پہنچنے ہی والے تھے گھر میں اس قدر ہڑبونگ مچ چکی تھی کہ فرمینا دازا نے دوبارہ سے انتظام سنبھال لیا اور اپنے پسندیدہ فاتحانہ رویے کی ہنسی ہنسنے لگی۔ اس نے تلخی سے وہی دلیل پیش کی جو وہ ہمیشہ کیا کرتا تھا: "میرے لیے یہ باتیں اتنی بری ثابت نہیں ہوئیں جتنی' ہو سکتی ہیں۔ جو اگر تم بیماروں کا علاج کرنے کی کوشش کرو تم پر ہو سکتی ہیں۔" مگر یہ ایک مفید سبق ثابت ہوا اور یہ صرف اس کے لیے نہیں تھا۔ برسوں بعد وہ دونوں مختلف راستوں پر چلتے ہوئے ایک ہی نتیجے پر پہنچے تھے: اکٹھے رہنے یا محبت کیے جانے کا، اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ بھی نہیں۔ اور دنیا میں محبت سے زیادہ کوئی اور کام اتنا مشکل نہیں۔

اپنی بھرپور زندگی کے دنوں میں فرمینا دازا مختلف سماجی تقریبات کے موقعوں پر فلورنتینو آریزا کو دیکھتی۔ جوں جوں اس کا سماجی رتبہ بہتر ہوتا گیا' ویسے ہی ایسے مواقع زیادہ ہونے لگے۔ مگر اس نے اس سے اس قدر فطری انداز میں ملنا سیکھ لیا تھا کہ بعض اوقات تو وہ محض اضطراب کے عالم میں اسے رسمی سلام کرنا بھی بھول جاتی۔ وہ اکثر اس کے بارے میں سنا کرتی کیوں کہ کاروباری دنیا آر سی میں اس کا محتاط لیکن ناقابل شکست عروج' گفتگو کا ایک مستقل موضوع رہا کرتا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے آداب و اطوار پہلے سے بہتر ہو گئے ہیں۔ اس کا بودا پن دور ہو گیا تھا۔ عمر کی اس آہستہ خرامی کی طرح' وزن میں تھوڑے سے اضافے کے ساتھ وہ بھلا لگتا تھا اور اس نے جان لیا تھا کہ اپنے مطلق گنجے پن

کے ساتھ کس طرح پر وقار انداز میں پیش آئے۔اس کا غمگین لباس وہ واحد پہلو تھا' وقت اور فیشن جس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔اس کے زمانے کے حساب سے غیر مروج فراک کوٹ' اس کا عجوبہ روزگار ہیٹ' اپنی ماں کی معمولی اشیا سے لی ہوئی رسی نما شاعرانہ ٹائیاں اور اس کی منحوس چھتری۔فرمینا دازا اسے مختلف نظر سے دیکھنے کی عادی ہوتی گئی اور بالآخر اب اس میں اور اس مضمحل لڑکے میں کوئی تعلق نظر نہ آتا جو ایونجلو پارک میں زرد پتوں کے جھکڑ میں بیٹھا اس کے لیے آہیں بھرتا رہتا تھا۔بہر حال اس نے کبھی بھی اسے لاتعلقی سے نہیں دیکھا اور اس کے بارے میں کسی بھی اچھی خبر کو جان کر وہ خوش ہوتی تھی کیوں کہ اس طرح اس کا احساس جرم کم ہو جاتا تھا۔

تاہم جب وہ سوچنے لگی کہ وہ اس کی یادوں سے مکمل طور پر نکل چکا ہے' ایسے میں جب اسے اس کی بالکل توقع نہیں تھی، اس کی یاد ماضی کا ایک بھوت بن کر دوبارہ نمودار ہو گی۔اپنی ڈھلتی عمر کی پہلی ٹمٹماہٹ میں اس نے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ جب بھی بارش سے پہلے وہ بادلوں کی گرج سنتی اسے لگتا جیسے اس کی زندگی میں کوئی ناقابل علاج شے وقوع پذیر ہو چکی ہے۔یہ اس ناقابل علاج تنہائی کے رستے ہوئے زخم کے ساتھ وہ سنگدل' پابند وقت گرج تھی جو سیرا و لانو دا میں' اکتوبر کے مہینے میں ہر سہ پہر تین بجے سنائی دیتی تھی۔یہ ایسی یاد تھی جو گذرتے سالوں کے ساتھ ساتھ زیادہ روشن ہوتی جا رہی تھی۔اب جب کہ ماضی قریب ہی میں رونما ہونے والے واقعات، اس کی یاد میں دھندلے پڑ جاتے عم زاد ہلڈے برانڈا کے علاقے میں اپنے افسانوی سفر کی یادیں اسی طرح تازہ تھیں جیسی یہ ابھی کل ہی کی بات ہو۔ اسے یاد تھا۔پہاڑوں میں اس کی ایک سیدھی سر سبز گلی تھی۔اس کے خوش شگون پرندے' آسیب زدہ گھر' جہاں وہ جب بیدار ہوتی تو اپنے شاہانہ لباس کو پیڑا مو ریلز کے کبھی نہ ختم ہونے والے آنسوؤں میں بھیگا ہوا پاتی۔جو بہت سال اس بستر میں جہاں وہ سوتی تھی اپنے عشق میں گھل گھل کر مر گئی۔اسے امرودوں کا ذائقہ یاد آتا' جو بعد میں پھر کبھی ایسے نہیں رہے تھے۔خبردار کرنے والی گھن گرج جو اس قدر شدید ہوتی کہ اس کی زوردار بارش کی آواز آپس میں گڈمڈ ہو جاتیں۔سان جواں ڈیل سیزار کی زمردیں شامیں جب وہ اپنی پر جوش عم زادوں کے جھرمٹ میں باہر نکلتی اور ٹیلی گراف آفس کے قریب پہنچتے ہی اپنے دانت بھینچ لیتی مبادا اس کا دل اچھل کر حلق سے باہر نہ آ جائے۔اسے اپنے باپ کا گھر بیچنا پڑا کیوں کہ اس سے اپنے لڑکپن کا درد برداشت نہیں ہو پاتا تھا۔بالکونی سے اس چھوٹے سے بردبار باغیچے کا نظارہ' گرم راتوں میں گارڈینیا کی پیغمبرانہ مہک' فروری کی سہ پہر جب اس کی تقدیر کا فیصلہ ہوا۔ایک بوڑھی عورت کا

خوف ناک چہرہ' اور اس بات کے برعکس کہ وہ اپنی یادوں کا رخ کسی بھی جانب موڑ لے' وہ خود کو فلورنتینو آریزا کے روبرو پاتی۔ مگر ہمیشہ اس کے پاس اتنا سکون رہتا کہ وہ جان سکے کہ یہ محبت یا پچھتاوے کی یادیں نہیں تھیں۔ بل کہ ایک دکھ کا عکس تھا جو اس کے رخساروں کو آنسوؤں سے بھگو دیتا۔ بغیر محسوس کیے وہ جذبہ ترحم کے اسی جال کی دہشت میں گرفتار ہو گئی تھی' جو فلورنتینو آریزا کی' بہت سی مدافعت سے عاری کشتگان محبت کی بربادی کا باعث بنا تھا۔

وہ اپنے شوہر سے چمٹتی گئی اور یہ وہی وقت تھا جب اس کے شوہر کو اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی کیوں کہ وہ اس سے دس سال بڑا ہونے کی قباحت کا شکار تھا اور بڑھاپے کی دھند میں تنہا ٹھوکریں کھا رہا تھا اور اس سے بھی بڑا نقص یہ تھا کہ وہ ایک مرد ہوتے ہوئے بھی اس سے کمزور تھا۔ بالآخر وہ دونوں ایک دوسرے سے اتنی اچھی طرح واقف ہو گئے کہ جب ان کی ازدواجی زندگی کو تیس سال گذر گئے وہ دونوں علاحدہ ہونے کے باوجود ایک ہی وجود بن گئے اور وہ اس تواتر سے پریشان رہنے لگے' جس سے وہ چاہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے خیالات جان لیتے تھے۔ یا یہ مضحکہ خیز حادثہ ہوتا کہ لوگوں سے ملنے جلنے کے دوران میں وہ اس بات کو پہلے ہی سے جان جاتے جو دوسرا کہنے والا ہوتا۔ دونوں نے مل جل کر روزمرہ کی نافہمیوں اچانک نفرت' باہمی ناگواری اور ازدواجی سازش کی عظمت کی بے سروپا نمود پر قابو پا لیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب انھوں نے لذت سے بھرپور محبت کی۔ کسی جلدی یا کثرت کے بغیر۔ جب دونوں مشکل حالات پر اپنی ناقابل یقین کامیابیوں سے باخبر اور ان کے شکر گزار تھے۔ یقیناً زندگی انھیں دیگر فناپذیر آزمائشوں سے دوچار کرے گی۔ مگر اب یہ ان کے لیے اہمیت نہیں رکھتی تھیں: اب وہ دوسرے کنارے پر تھے۔

❖❖❖❖

O

نئی صدی کے جشن کے موقع پر سماجی تقریبات کے جدت آمیز پروگرام ترتیب دیے گئے ۔ڈاکٹر جووینل اربینو کی پرجوش تحریک کے نتیجے میں اس میں غبارے میں اولین سفر کا پروگرام بھی شامل تھا ۔آدھا شہر حیرت میں گرفتار آرسنل کے ساحل پر تافتہ سے بنے ہوئے اس عظیم الجثہ غبارے کی پرواز کو دیکھنے کے لیے جمع ہوا تھا۔اس کے ہمراہ پہلی ہوائی ڈاک تھی جسے شمال مشرق میں کوئی تیس فرسنگ کے فاصلے پر سان جوان ڈی لا سینگا پہنچانا تھا۔ڈاکٹر جووینل اربینو'اس کی بیوی'جو پیرس کے عالمی میلے میں اس پرواز کا ولولہ انگیز تجربہ کر چکے تھے'بید سے بنے ہوئے ٹوکرے میں سب سے پہلے سوار ہوئے ۔ان کے بعد پائلٹ اور دوسرے ممتاز مہمان اس پر سوار ہوئے ۔وہ اپنے صوبے کے گورنر کی جانب سے سان جوان ڈی لا سینگا کی بلدیہ کے حکام کے لیے ایک خط لے جا رہے تھے'جس میں ہمیشہ سند رہنے کے لیے یہ تحریر تھا کہ یہ پہلی ڈاک ہے جو ہوائی ذریعے سے پہنچائی گئی ہے ۔کمرشل ڈیلی کے ایک صحافی نے ڈاکٹر جووینل اربینو سے اس صورت میں کہ وہ اس مہم کے دوران میں ہلاک ہو جائے'اس سے اس کا آخری تبصرہ پوچھا ۔ڈاکٹر جووینل اربینو نے کچھ سوچے بغیر وہ جواب دیا'جس کا اس کو علم بھی نہیں تھا کہ بعد ازاں اس کا بے محل استعمال اس کے لیے اس قدر پریشانی کا باعث بنے گا۔

''میرے خیال میں''اس نے کہا:''ہمارے علاوہ'ہر ایک کے لیے انیسویں صدی گزر رہی ہے۔''

ان سب سادہ لوح عوام کے ہجوم میں گھرے ہوئے فلورنٹینو آریزا نے مسلسل بلند ہوتے شور و ہنگامے کے درمیان'اس شخص کی بات سے خود کو مکمل طور پر متفق محسوس کیا جو یہ کہہ رہا تھا' کہ یہ مہم ایک عورت اور خصوصاً فرمینا ڈازا کی عمر کی عورت کے لیے قطعاً موزوں نہیں ہے ۔مگر پھر بھی'یہ اتنی پرخطر نہیں تھی ۔یا کم از کم اتنی خطرناک نہیں تھی'جتنی مایوس کن ۔ایک لامکاں نیلگوں آسمان میں بہتا ہوا غبارہ'

بغیر کسی خاص واقعے کے محفوظ و مامون اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ وہ بہت مناسب اور نیچی پرواز پر سکون اور موافق ہوا میں اڑتے ہوئے پہلے برف پوش پہاڑوں اور پھر وسیع و عریض دلدلی علاقے سے گزر گئے۔

اور بلندی سے وہ نیچے اس قدیم اور پرشکوہ شہر کو دیکھ سکتے تھے، جس طرح کہ خدا انہیں ان کے اوپر سے دیکھتا تھا۔ یہ کارٹیکناڈی انڈیا کا شہر جو دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت شہر تھا، جس کے مکینوں نے تین صدیوں تک انگریزوں کے محاصروں اور بحری قزاقوں کی زیادتیوں سے نبرد آزما رہنے کے بعد محض ہیضے سے پھیلنے والی افراتفری کی بنا پر اسے خیرباد کہہ دیا تھا۔ انھوں نے دیکھا کہ اس کی دیواریں، گلیوں میں پھیلی جھاڑیاں، بنفشی پودوں سے برباد کی ہوئی قلعہ بندیاں، ماربل سے بنے محلات، اور سونے سے بنی قربان گاہیں اور اپنے آہنی لباسوں میں طاعون سے گلتے سڑتے وائسرائے، ہر شے اپنی قدیم حالت میں اسی طرح موجود تھی۔

وہ کتاکا میں دروجاس جھیل کنارے، آبادیوں پر سے گزرتے جہاں دیواروں پر بھڑکیلے رنگوں سے روغن کیا گیا تھا اور بہت سے مویشی باڑے جہاں بہت سی چھپکلیاں اور صحت افزا سیب لٹکتے نظر آ رہے تھے، بے پناہ شور وغل میں پر جوش، سینکڑوں ننگ دھڑنگ بچے پانی میں کودتے، گھروں کی چھتوں اور ان چھوٹی کشتیوں سے جنھیں وہ نہایت مہارت سے استعمال کرتے، باہر چھلانگیں لگاتے، وہ شاد مچھلی کی طرح، ان کپڑوں کی گٹھڑیوں، کھانسی کے شربت کی شیشیوں، اور اس شبراتی خوراک کو نکالنے کے لیے، غوطہ زن ہونے لگے جسے غبارے کی ٹوکری میں بیٹھی پروں والا ہیٹ پہنے خوبصورت خاتون ان کے لیے گرا رہی تھی۔

وہ کیلوں کے درختوں کے گھنے جھنڈ سے گزرے جہاں کا سکوت انھیں ہلاکت آفریں بخارات کی طرح خود سے قریب آتا ہوا محسوس ہوا اور فرمینا دازا کو یاد آیا کہ جب وہ تین برس کی تھی یا شاید چار برس کی، جب وہ اپنی ماں، جو اس وقت خود بھی ایک نوجوان دوشیزہ تھی، کا ہاتھ تھامے اس تاریک جنگل سے گزرتی تھی۔ دوسری عورتوں میں گھری ہوئی جو اس کی ماں کی طرح ہی تن زیب کے لباس میں ملبوس تھیں اور جنھوں نے باریک جالی والے ہیٹ پہنے اور چھتریاں اٹھا رکھی ہوتی تھیں۔ پائلٹ، جو دوربین سے جہان کو دیکھ رہا تھا، بولا: "یہ سب مردہ دکھائی دیتے ہیں۔" اس نے دوربین ڈاکٹر جووینل اربینو کو تھما دی، جس نے کاشت کردہ کھیتوں میں بیل گاڑیوں کو دیکھا، ریل کی پٹریوں کی حدیں بناتے ہوئے کنارے دیکھے، آبپاشی کے لیے بنائے گئے ویران نالے، اور جہاں کہیں بھی اس کی نظر گئی، اسے انسانی

لاشیں نظر آ ئیں کسی نے کہا ہیضہ اس عظیم دلدلی علاقے کے دیہات کو برباد کر رہا ہے ۔

ڈاکٹر اربینو دوربین سے نظریں ہٹائے بغیر بولا ۔

''ہوں' لگتا ہے یہ ہیضے کی بہت خاص قسم ہے کیونکہ ہر لاش اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ یہ گردن کی پشت سے اس ذلت کا شکار ہوئی ہے ۔''

کچھ دیر بعد جھاگ اڑاتے سمندر پر سے گزرتے ہوئے' بغیر کسی حادثے کے ایک وسیع' گرم ساحل پر اترے جس کی سطح پر شورے نے دراڑیں ڈال دی تھیں اور جو آگ کی طرح تپ رہی تھی ۔ وہاں پر موجود اہلکاروں نے عام چھتری سے زیادہ سورج کی دھوپ سے اپنے تحفظ کا کوئی انتظام نہیں کیا ہوا تھا ۔ پرائمری سکولوں پر لہراتے ہوئے پرچم اور سنہرے گتے کے بنے ہوئے تاج پہنے اور جھلسے ہوئے پھول لیے منتظر حسینائیں' اور خوش حال قصبے گالڑہ کے پیتل کے ساز بجانے والوں کا طائفہ جو اس وقت کریبئن ساحلوں پر بہترین طائفہ سمجھا جاتا تھا ۔ فرمینا دازا کی بس اتنی سی خواہش تھی کہ وہ اپنی جائے پیدائش کو دوبارہ دیکھ سکے' اپنی اولین یادوں کے بالمقابل آئے' مگر کسی کو بھی وہاں طاعون کے خطرے کی بنا پر جانے کی اجازت نہیں تھی ۔ ڈاکٹر جووینل اربینو نے وہ تاریخی خط ان کے حوالے کیا' جو اسی وقت دوسرے کاغذوں میں گڈمڈ ہو گیا اور پھر دوبارہ کبھی نہیں دستیاب ہو سکا اور وفد کے سارے اراکین نے ان بیزار کن تقریروں کے دوران میں اپنا دم گھٹتے ہوئے محسوس کیا ۔ پائلٹ غبارے کو دوبارہ اڑانے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور بالآخر انھیں خچروں پر بٹھا کر پوئیلو ویجو کی بندرگاہ پر لے جایا گیا' جہاں دلدل سمندر سے جا ملتی تھی ۔ فرمینا دازا کو یقین تھا کہ جب وہ بہت چھوٹی تھی تو وہ اپنی ماں کے ساتھ ایک بیل گاڑی پر سوار وہاں سے گذر چکی تھی ۔ وہ بڑی ہوئی تو اس نے یہی بات کئی بار اپنے باپ کو سنائی ۔ جو اس کو یہ کہتے کہتے مر گیا کہ شاید اسے یہ بات صحیح طور پر یاد نہیں ۔

''مجھے وہ سفر اچھی طرح یاد ہے اور جو کچھ تم کہہ رہی ہو وہ صحیح ہے ۔'' وہ اسے کہتا ۔ ''مگر یہ واقعہ تمھاری پیدائش سے کم از کم پانچ سال قبل کا ہے ۔''

غبارے والی مہم میں شامل افراد' تین روز بعد' ایک پوری رات طوفانوں میں گھرے رہنے کے بعد' نہایت خستہ حال' واپس اپنی بندرگاہ پہنچے' جہاں ان کا عظیم الشان استقبال کیا گیا ۔ ظاہر ہے' اس ہجوم میں گم' فلورنتینو آریزا بھی تھا ۔ جس نے فرمینا دازا کے چہرے پر دہشت کے اثرات کو محسوس کیا ۔ مگر اسی شام اس نے اسے سائیکلنگ کی ایک نمائش میں بھی دیکھا ، جس کا اہتمام اس کے شوہر نے ہی کیا تھا' اور وہاں

اس کے چہرے پر تھکن کا کوئی نشان نہیں تھا۔ وہاں اس نے ایک غیر معمولی قدیم بائیسکل پر سواری کی جو سرکس کی کسی چیز سے مشابہ تھی۔ اس کا اگلا پہیہ بہت اونچا تھا' جس کا سہارا تقریباً نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس نے سرخ رنگ کا ایک ڈھیلا پاجامہ پہن رکھا تھا' جس کا بوڑھی خواتین نے خوب تمسخر بنایا اور شرفا جس سے خوب پریشان ہوئے' مگر کوئی بھی اس کے کمال فن کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

ان بہت سے سالوں کے تسلسل میں' یہ' اور اسی طرح کے اور بہت سے لحاتی منظر' تقدیر کے کسی اشارے پر فلورنٹینو آریزا کی یادوں میں اچانک نمودار ہوتے' اور اس کے دل میں آرزو کی ایک لہر جگا کر یوں ہی غائب ہو جاتے۔ اس کی زندگی انھی یادوں سے عبارت تھی' اس لیے کہ اس نے وقت کے قہر کو اپنے جسم و جان میں اس طرح محسوس نہیں کیا تھا جس طرح وہ ان نامحسوس تغیرات کو ہر بار فرمینا دازا میں دریافت کر کے محسوس کرتا تھا' جب اسے اس کو دیکھنے کا اتفاق ہوتا۔

ایک رات وہ ایک پر وقار نو آبادیاتی ریستوران ڈان سانچو ان گیا اور اپنے پرانے دستور کے مطابق' جب وہ یہاں تنہا بیٹھ کر' یہاں کی کفایت شعارانہ خوراک سے اپنی بھوک مٹاتا تھا' اس کے سب سے علاحدہ کونے میں بیٹھ گیا۔ یکایک اس نے عقبی دیوار پر لگے قد آدم آئینے میں فرمینا دازا کی ایک جھلک دیکھی جس میں وہ اپنے شوہر اور دو اور جوڑوں کے ساتھ ایک ایسے زاویے پر بیٹھی تھی جس میں وہ اسے پورے جمال کے ساتھ منعکس ہوتے دیکھ سکتا تھا۔ وہ بے تکلفی سے بیٹھی اس قدر پر وقار اور متبسم انداز میں گفتگو کر رہی تھی جیسے پھلجھڑیاں بکھیر رہی ہو اور اس کا حسن ان شمعیں فانوسوں کی روشنی میں مزید شعلہ بار ہو رہا تھا۔

اپنا سانس تھامے فلورنٹینو آریزا اس کے پرمسرت لمحات میں اسے دیکھتا رہا۔ وہ کھانا کھا رہی تھی اس نے وائن کو برائے نام ہی چکھا۔ اس نے اسے خوش گپیاں کرتے دیکھا' اور تنہا اپنی میز پر بیٹھے اس نے اس کی زندگی کا ایک لمحہ اپنے اندر محسوس کیا اور ایک گھنٹے سے زیادہ وہ وہیں نظر سے اوجھل اس کی بھولی ہوئی شناسائی کی سرحد پر بیٹھا رہا۔ پھر اس نے وقت گزارنے کے لیے کافی کے چار مزید پیالے چڑھائے' حتیٰ کہ اس نے اسے باقی سارے لوگوں کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ اس کے اتنے قریب سے گزرے کہ اس نے خوشبوؤں کے غبار میں ڈوبے اس کے ساتھیوں میں سے اس کی مہک کو صاف پہچان لیا۔

اس رات سے لے کر تقریباً ایک سال تک فلورنٹینو آریزا نے ریستوران کے مالک کا پیچھا

نہیں چھوڑا' اس نے اس سے وہ آئینہ اس کے ہاتھوں فروخت کرنے کی استدعا کی' جس کے عوض وہ اسے منہ مانگی رقم' کسی بھی طرح کے دوسرے فوائد یا زندگی میں اس شے کی' جس کی اسے سب سے زیادہ تمنا ہوسکتی تھی' دینے کو تیار تھا۔ یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ کیوں کہ بوڑھا ڈان سانچو اس قصے پر یقین رکھتا تھا کہ یہ خوبصورت فریم' جسے وینس کے بڑھئی نے بنایا تھا' بے مثل جواہرات سے بنے ہوئے ایک ہی جیسے جڑواں فریموں میں سے ایک تھا۔ دوسرا فریم جو میری انتونی کی ملکیت تھا' غائب ہوگیا تھا اور اس کا کوئی نشان بھی پھر نہ ملا۔ آخر کار جب اس نے اس کی بات مان لی تو فلورنٹینو آریزا نے اس آئینے کو اپنے گھر میں آویزاں کر دیا۔ اس لیے نہیں کہ اس کا فریم نہایت عمدہ تھا بلکہ اس میں واقع اس مقام کی بنا پر' جہاں دو گھنٹے تک اس کی محبوبہ کے سراپے کا عکس موجزن رہا تھا۔

جب وہ فرمینا داز ا کو دیکھتا' ہر بار اپنے شوہر کا ہاتھ تھامے ہوتی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے مکمل طور پر ہم آہنگ' سیامی بلیوں کی سی سبک خرامی کے ساتھ چل رہے ہوتے۔ یہ ہم آہنگی صرف ایک بار بے ربط ہوئی تھی جب وہ اسے سلام کرنے کے لیے رکے تھے۔ ڈاکٹر جووینل اربینو نے نہ صرف بھرپور گرمجوشی کے ساتھ اس کے ساتھ ہاتھ ملایا تھا بلکہ اس کا کندھا بھی تھپتھپایا تھا۔ اس کے برعکس وہ اس کے ساتھ انتہائی تکلف اور اجنبی انداز میں پیش آئی اور کوئی ایسی ذرا سی بھی حرکت نہیں کی جس سے اسے ذرا سا بھی گمان ہو کہ وہ اسے اپنی شادی سے پہلے سے جانتی ہے۔ وہ دونوں مختلف دنیاؤں میں رہتے تھے۔ مگر وہ باہمی فاصلہ کم کرنے کے لیے جب بھی کوئی قدم اٹھاتا' وہ اپنا ہر قدم اس کی مخالف سمت میں اٹھاتی۔ بہت عرصہ بعد اسے یہ سوچنے کی جرات ہوسکی کہ اس کا لاتعلقی کا انداز دراصل اپنے خوف کو چھپانے کے لیے ایک ڈھال سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ مقامی شپ یارڈ میں تیار کردہ پہلے بحری جہاز کو نام دینے کی تقریب کے دوران میں اسے یہ خیال اچانک آیا اس تقریب میں فلورنٹینو آریزا کے لیے بھی آر۔ سی۔ سی کے اول نائب صدر کے طور پر چچا لیو ہفتم کی نمائندگی کرنے کا پہلا رسمی موقع تھا۔ یوں اس مطابقت نے تقریب کو خصوصی طور پر پروقار بنا دیا تھا اور شہر کی ہر نمایاں شخصیت اس تقریب میں موجود تھی۔ فلورنٹینو آریزا اپنے مرکزی سیلون میں' جس میں تازہ روغن اور تارکی بو ابھی باقی تھی' مہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف تھا۔ جب بندرگاہ میں تالیاں گونجنے لگیں اور بینڈ نے ایک فاتحانہ دھن چھیڑ دی۔ اس نے بمشکل اپنی کپکپاہٹ پر قابو پایا جو اتنی ہی قدیم تھی جتنا کہ وہ خود' جب اس نے اپنے خوابوں کی حسین عورت کو اپنے شوہر کا ہاتھ تھامے' شاندار پختہ عمر میں' کسی اور زمانے کی ملکہ کی طرح چلتے ہوئے' پریڈ

یونیفارم میں ملبوس اعزازی دستے کے قریب سے' کھڑکیوں سے ان پر نچھاور ہوتی کاغذی جھنڈیوں اور پھولوں کی پتیوں کی بارش تلے سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ دونوں ہاتھ ہلا کر اس تعظیم کا جواب دے رہے تھے مگر وہ اپنے اونچی ایڑھی کے جوتوں سے لے کر اپنے ناقوس نما ہیٹ تک سنہرے شاہانہ لباس میں ملبوس بے پناہ خیرہ کن اور اس پورے ہجوم میں سب سے اکیلی نظر آ رہی تھی۔

موسیقی اور آتش بازی کے ہنگامے میں گھرا ہوا' فلورنتینو آریزا اہل پر دیگر صوبائی حکام کے ساتھ موجود ان کا انتظار کر رہا تھا جہاز نے تین بار زوردار سیٹیاں بجائیں اور بندرگاہ بھاپ سے بھر گئی۔ جووینل اربینو نے اسی فطری انداز سے استقبالیہ قطار میں کھڑے لوگوں سے ہاتھ ملایا جو اسی کا خاصہ تھا، جس سے ہر کوئی یہی سمجھتا تھا کہ ڈاکٹر کو اس کے ساتھ ایک خاص لگاؤ ہے۔ قطار میں پہلا شخص یونیفارم میں ملبوس جہاز کا کپتان تھا' پھر آرچ بشپ' پھر گورنر اور میئر اپنی بیگمات کے ہمراہ اور پھر اینڈیز سے آیا ہوا نو وارد فوجی کمانڈر۔ افسروں کے بعد گہرے رنگ کے لباس میں ملبوس اتنے سارے ممتاز افراد میں تقریباً اوجھل محسوس ہوتا ہوا فلورنتینو آریزا کھڑا تھا۔ فوجی کمانڈر سے ہاتھ ملانے کے بعد فرمینا دازا فلورنتینو آریزا کے بڑھے ہوئے ہاتھ کے سامنے متذبذب دکھائی دینے لگی' کمانڈر نے ان کا تعارف کروانے سے پہلے اس سے پوچھا کہ آیا وہ ایک دوسرے سے شناسا نہیں ہیں۔ اس نے ہاں کہا نہ نہیں' مگر اس نے ایک رسمی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا ہاتھ فلورنتینو آریزا کی طرف بڑھا دیا۔ ماضی میں دو بار ایسا ہی ہو چکا تھا' اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا' اور فلورنتینو آریزا ہمیشہ اسے کردار کی اس استقامت کے ساتھ قبول کرتا آیا تھا جو صرف فرمینا دازا کے لائق تھی مگر اس سہ پہر اس نے خود فریبی کے لاانتہا کائنات میں گھرے ہوئے خود سے دریافت کیا کہ کہیں بے رحم لاتعلقی کا یہ انداز عشق کے صدمات کو چھپائے رکھنے کا کوئی حیلہ تو نہیں۔

محض اس خیال ہی نے اس میں جوانی کی آرزوؤں کو جگا دیا۔ ایک بار پھر اپنی ان آرزوؤں سے مغلوب' جنھیں وہ اس چھوٹے سے ایونجلز پارک میں محسوس کرتا تھا' اس نے فرمینا دازا کے ولا کے گرد منڈلانا شروع کر دیا۔ مگر اس بار اس کی خواہش بہت محتاط تھی' اس کے دل میں یہ خیال نہیں تھا کہ فرمینا دازا اسے دیکھے' بلکہ یہ کہ وہ خود اسے دیکھ سکے اور جان سکے کہ وہ ابھی دنیا میں موجود ہے۔ تاہم اس بار یہ مشکل تھا کہ اس کے آنے کا نوٹس نہ لیا جائے۔ لامنگا کا ضلع ایک نیم ویران جزیرے پر واقع تھا' جسے سبز پانی والی ایک نہر اس تاریخی شہر سے علاحدہ کرتی تھی۔ نہر کے اردگرد آلو بخارے کے جھنڈ تھے' جو نوآبادیاتی زمانے میں اتوار کے روز عشق منانے والے جوڑوں کے لیے آڑ کا کام دیتے آئے تھے۔

حالیہ وقتوں میں ہسپانویوں کے بنائے ہوئے پرانے سنگی پل کو توڑ دیا گیا تھا اور اس کی جگہ نئی خچر گاڑیوں کے لیے اینٹوں کا ایک پُل تعمیر کر کے اس کے کنارے سٹریٹ لیمپ لگائے گئے تھے۔ شروع میں لا منگا کے مکینوں کو اس غیر متوقع تکلیف دہ صورت حال کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے شہر کے پہلے بجلی گھر کے قریب واقع گھروں میں شور بڑھ رہا تھا' اور جس کا ارتعاش ایک مسلسل زلزلے کی طرح محسوس ہوتا تھا۔ ڈاکٹر جووینل اربینو بھی اپنی تمام تر عزت وتوقیر کے باوجود حکام کو اس بات پر راضی نہ کر سکا تھا کہ وہ اسے یہاں سے کسی ایسی جگہ منتقل کر دیں جہاں وہ کسی کے لیے پریشانی کا باعث نہ بن سکے۔ یہاں تک کہ مشیت ایزدی کے ساتھ اس کی طے شدہ سازش نے اس کی طرف سے اس معاملے میں مداخلت کی۔ ایک رات پلانٹ کا ایک بوائلر ایک خوفناک دھماکے سے پھٹ پڑا۔ وہ ان نئے مکانوں پر سے اڑتا ہوا' تقریباً آدھے شہر پر سے گزرتا ہوا سینٹ جولین دی ہاسپی ٹیلر کے سابقہ کانوینٹ کی گیلری پر جا گرا اور اسے تباہ کر دیا۔ یہ پرانی تباہ شدہ عمارت سال کے شروع میں ہی خالی کی گئی تھی' مگر بوائلر ان چار قیدیوں کی موت کا باعث بن گیا جو گذشتہ رات مقامی جیل سے فرار ہونے کے بعد اس گرجا میں چھپے ہوئے تھے۔

تاہم محبت کی حسین روایت میں رچی ہوئی یہ پرسکون مضافات' اس دولت مند آبادی کی ہمسائیگی میں آنے کے بعد اتنی مہربان نہیں رہی تھی۔ گرمیوں میں گلیاں گرد آلود رہتیں' سردیوں میں دلدل نما' اور پورا سال ویران رہتیں اور یہاں برگ پوش باغوں میں گھرے بکھرے ہوئے گھر تھے، جن میں پرانے رواج کی باہر نکلی ہوئی بالکونیوں کے بجائے چبوترے بنے ہوئے تھے ان پر پچی کاری کی گئی تھی ان کے بنانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ خفیہ عشق میں ملوث جوڑوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ اس زمانے میں یہ بھی فیشن پڑ گیا کہ سہ پہر کو لوگ کرائے پر حاصل کی ہوئی پرانی وکٹوریہ میں' جسے ایک گھوڑے سے کھینچے جانے والی گاڑی میں تبدیل کر دیا گیا تھا' باہر سیر کو نکلیں اور یہ تفریح ایک پہاڑ پر جا کر ختم ہوتی جہاں لائٹ ہاؤس کی نسبت اکتوبر کی شام کے دلسوز ملگجوں کو بہتر طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔ اور ساحل پر چوکس شارک مچھلیوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا جا سکتا تھا۔ جمعرات کے اس عظیم اور سفید سمندری جہاز کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ جو جب بندرگاہ کے قریب سے گزرتا تو اسے ہاتھ لگا کر چھوا جا سکتا تھا۔ دفتر میں ایک سخت دن گزارنے کے بعد فلورنٹینو آریزا ایک وکٹوریہ کرائے پر حاصل کرتا' مگر گرمیوں کے دستور کے مطابق چھت کو لپیٹنے کے بجائے وہ تاریکی میں اوجھل' نشست میں دھنس کر چھپ جاتا۔ وہ ہمیشہ اکیلا ہوتا اور وہ ڈرائیور سے غیر متوقع راستوں پر چلنے کے لیے کہتا تاکہ اس کے دل میں شبہات جنم نہ لینے لگیں۔ سچ تو یہ

تھا کہ اس سیر کے دوران میں اس کی دلچسپی کا واحد مرکز لوزیانہ کے کپاس کے کھیتوں میں گھرے ہوئے' علالت کی بے مقدر نقل کے انداز میں بنے ہوئے' کیلے اور آم کے درختوں کے جھنڈ میں گھرے نیم پوشیدہ گلابی ماربل سے بنا ہوا اس کے عشق کا مندر تھا۔ فرمینا دازا کے بچے پانچ بجے سے ذرا قبل سکول سے واپس آتے تھے۔ فلورنتینو آریزا انھیں ان کی ذاتی بگھی میں آتے ہوئے دیکھتا اور پھر وہ ڈاکٹر جووینل اربینو کو اس کے معمول کے مطابق گھر پر مریضوں کو دیکھنے جانے کے لیے نکلتے ہوئے دیکھتا' مگر ایک سال تک یوں نظر رکھنے اور اس قدر آرزومندی کے باوجود' وہ اس کی ایک جھلک بھی نہ دیکھ سکا۔

ایک سہ پہر' جون کی اولین طوفانی بارشوں کے باوجود جب وہ اپنی تنہا سواری کے لیے مصر سیر کے لیے نکلا تو گھوڑا پھسل کر کیچڑ میں جا گرا۔ فلورنتینو آریزا نے شدید دہشت میں دیکھا کہ وہ اس عالم میں فرمینا دازا کے ولا کے عین سامنے تھے۔ اس بات کا خیال کیے بغیر کہ اس کی اس قدر سراسیمگی اس کا راز فشا کر سکتی ہے' اس نے کوچوان سے التجا کی۔

''یہاں نہیں' خدا کے واسطے۔'' وہ چیخا' ''کہیں بھی' بس یہاں نہیں۔''

اس کی اس جلد بازی سے ششدر کوچوان نے گھوڑے کو جوتے بغیر اٹھانے کی کوشش کی اور یوں اس بگھی کا ایکسل ٹوٹ گیا' فلورنتینو آریزا نے اس تیز بارش میں بگھی سے باہر آنے کا سامان کیا اور اس وقت تک اپنی پریشانی برداشت کرتا رہا' جب تک کہ دوسری بگھی میں سوار رہ گیروں نے اسے گھر پہنچانے کی پیشکش نہ کر دی۔ جب وہ انتظار کر رہا تھا تو اربینو خاندان کی ایک خادمہ نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے اور وہ گھٹنوں تک کیچڑ میں پھنسا ہوا تھا' اس نے اسے ایک چھتری لا دی تا کہ وہ چبوترے پر آ کر اس صورتحال سے اپنا بچاؤ کر سکے۔ اپنی دیوانگی کی آخری انتہاؤں میں بھی وہ اس خوش قسمتی کا تصور نہیں کر سکتا تھا' مگر اس سہ پہر اس حال میں فرمینا دازا کی نظروں میں آنے کے بجائے وہ مر جانے کو ترجیح دیتا۔

جب جووینل اربینو اور اس کا خاندان پرانے شہر میں رہتے تھے' تو وہ ہر اتوار کو آٹھ بجے عشائے ربانی کی ادائیگی کے لیے پیدل جاتے تھے' جوان کے نزدیک مذہبی سے زیادہ ایک سیکولر تقریب ہوتی تھی۔ پھر جب وہ وہاں سے چلے گئے تب بھی انھوں نے کئی سال تک بگھی میں بیٹھ کر وہاں جانا جاری رکھا اور کبھی کبھار دوستوں کے ساتھ پام کے درختوں تلے پارک میں جاتے۔ لیکن جب لا منگا میں ایک اپنے ہی ساحل اور قبرستان والی مذہبی عبادت گاہ کی عمارتیں تعمیر ہوئیں' انھوں نے سوائے بہت مقدس

موقعوں کے کیتھڈرل جانا چھوڑ دیا تھا۔ان تغیرات سے بے خبر ٗہراتوار کو وہ کلیسائی کیفے کے چبوترے پر بیٹھا ان کے انتظار میں تینوں عبادتوں سے باہر نکلتے ہوئے لوگوں کو تکتا رہتا۔بعد ازاں اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ نئے چرچ جانے لگا' جہاں کچھ سال قبل ہی سے جانے کا رواج عام ہوا تھا اور وہاں اگست کے چار اتواروں پر اس نے عین آٹھ بجے ڈاکٹر جووینل کو اپنے بچوں کے ہمراہ دیکھا۔مگر فرمینا دازا اس کے ساتھ نہیں تھی۔ان میں سے ایک اتوار کو وہ چرچ سے ملحقہ قبرستان گیا جہاں لامنگا کے مکیں اپنے پرشکوہ مزار تعمیر کر رہے تھے۔ جب اس نے ان عظیم درختوں کے سائے میں سب سے بیش قیمت مزار کو دیکھا' تو ایک لمحے کے لیے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ یہ مکمل ہو چکا تھا' گوتھک طرز کے شیشے کی کھڑکیوں اور ماربل سے بنے الواح مزار کے ساتھ' جن پر سنہرے الفاظ میں سارے خاندان کے نام تحریر کیے گئے تھے۔ان میں ظاہر ہے ڈونا فرمینا دازا ڈی اربینو ڈی کا نام بھی تھا اور اس کے ساتھ اس کے شوہر کا نام اور ایک مشترکہ کتبہ تحریر تھا۔''اپنے رب کی حاضری میں اس وقت بھی اکٹھے۔''

باقی سارے سال کرسمس کی مذہبی تقریبات سمیت جس میں وہ اور اس کا شوہر سب سے نمایاں اور ممتاز رہتے تھے' وہ کسی بھی شہری یا سماجی تقریب میں نظر نہیں آئی۔مگر اوپیرا سیزن کی افتتاحی شب کو اس کی غیر حاضری کو سب سے نمایاں طور پر محسوس کیا گیا۔وقفے کے دوران میں فلورنٹینو آریزا کو ایک گروہ کی گفتگو سننے کا اتفاق ہوا' جو بلا شک وشبہ اس کا نام لیے بغیر اس کے بارے میں گفتگو میں مصروف تھا۔وہ کہہ رہے تھے کہ پچھلے جون کسی نے پانامہ کی طرف عازم سفر سمندری جہاز کنارڈ' پر اسے سوار ہوتے ہوئے دیکھا اور یہ کہ اس نے ایک گہرے رنگ کا نقاب اوڑھا ہوا تھا تاکہ وہ اس شرمناک بیماری کی تباہ کاریوں کو چھپا سکے جو اسے کھائے جا رہی تھی۔کسی نے پوچھا کہ اس قدر مقتدر عورت پر کونسی بیماری حملہ کرنے کی جرات کر سکتی ہے اور اسے یہ زہرناک جواب ملا۔

''ایسی ممتاز خاتون کو صرف تپ دق ہی لاحق ہو سکتی ہے۔''

فلورنٹینو آریزا جانتا تھا کہ اس کے ملک کے متمول افراد قلیل المیعاد بیماریوں میں مبتلا نہیں ہوتے تھے۔یا تو وہ اچانک ہی مر جاتے' تقریباً ہمیشہ ہی کسی اہم تعطیل کے دن، جس کا جشن اس ناگہانی موت کے سوگ میں منسوخ کر دیا جاتا' یا کسی طویل' اور مکروہ بیماری میں مبتلا ہو کر آہستہ آہستہ مرتے' جس کی تمام تر تفصیلات سے بالآخر ہر کوئی آگاہ ہو جاتا۔پانامہ میں تنہا رہنا' امرا کی زندگی کا تقریباً لازمی کفارہ بن گیا تھا۔وہ ایڈوینٹسٹ ہسپتال میں خدا کی مرضی کے سامنے سر جھکا دیتے' جو قبل از تاریخ سے ہوتی

ہوئی ڈارین کی بارشوں میں گم ایک وسیع' سفید گودام نما عمارت تھی ۔ جہاں بیمار اپنی اس تھوڑی سی بچی زندگی کی راہ کھو بیٹھنے اور جس کی ترپال سے ڈھکی کھڑکیوں والے تنہا کمروں میں کوئی بھی یقین کے ساتھ نہیں بتا سکتا تھا کہ یہاں پھیلی کاربالک ایسڈ کی بو صحت کی نشاندہی کرتی ہے یا موت کی ۔ جو یہاں سے صحت یاب ہو جاتے وہ بیش قیمت تحائف لیے واپس آ جاتے جنھیں وہ دل کھول کر لوگوں میں تقسیم کرتے ۔ ان کے چہروں پر یہ تکلیف دہ آرزہ بھی عیاں ہوتی کہ ان کے اب تک زندہ رہنے کی بداحتیاطی کو معاف کر دیا جائے ۔ کچھ یوں واپس آتے کہ ان کے پیٹ پر وحشیانہ ٹانکوں کی آڑھی ترچھی لکیریں ہوتیں' جیسے انھیں اٹھا کر انھیں یہ نشان دکھاتے ۔ وہ ان کا تقابل باقی لوگوں کے پیٹ سے کرتے ۔ خوشی سے ان کا دم نکلا جا رہا ہوتا' اور اپنی زندگی کے باقی ایام وہ انھی معصوم مناظر کے بارے میں لوگوں کو بتاتے رہتے جن کا انھیں کلوروفارم کے زیر اثر دیدار ہوا تھا ۔ اس کے برعکس' جو واپس نہ آتے تھے کسی نے ان کی بصری تمثیلوں کے بارے میں کچھ نہیں سنا ۔ جو تپ دق کے اس پویلین میں اس جلاوطنی میں اپنی بیماری کی پیچیدگیوں سے کہیں زیادہ بارش سے جنم لینے والی اداسی سے مر جاتے تھے ۔

فلورنٹینو آریزا نہیں جانتا تھا کہ اگر اس کو انتخاب کرنے پر اصرار کیا جائے تو وہ فرمینا دازا کے لیے کونسے انجام کا انتخاب کرے گا ۔ وہ کسی بھی اور بات کے بجائے حقیقت جاننا چاہتا تھا ۔ مگر یہ سب کچھ ناقابل برداشت ہونے' اور بے پناہ تلاش کے باوجود وہ سچائی جاننے میں کامیاب نہ ہو سکا ۔ اس کے لیے یہ ناقابل تصور تھا کہ کوئی اس روز سنی ہوئی کہانی جو اس کی تصدیق کے بارے میں اشارے کنائے میں بھی اسے کچھ نہ بتا سکے ۔ دریائی کشتیوں کی اس دنیا میں جو اس کی دنیا تھی' کوئی معمہ حل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا ۔ کوئی راز سنبھالا نہیں جا سکتا تھا ۔ مگر اس کے باوجود کسی نے بھی سیاہ نقاب میں ملبوس اس عورت کے بارے میں کچھ نہیں سنا تھا ۔ اس شہر میں جس میں ہر کسی کو ہر بات کا اس کے وقوع سے قبل ہی علم ہو جاتا تھا، اس بارے میں کچھ علم نہیں تھا ۔ مگر کسی کے پاس فرمینا داز اکے یوں غائب ہو جانے کی بھی کوئی توجیہہ نہیں تھی ۔ فلورنٹینو آریزا نے لا منگا میں اپنا گشت جاری رکھا ۔ وہ عبادت گاہ کے عظیم ہال میں' کسی احساس کے بغیر عشائے ربانی سنتا رہا' ان تمام شہری تقریبات میں شریک ہوتا رہا جو اگر وہ کسی اور ذہنی حالت میں ہوتا' تو کبھی بھی اس کے لیے دلچسپی کا باعث نہ ہوتیں مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا اسے اس روز سنی ہوئی کہانی پر یقین ہونے لگا ۔ ارینیو ہاؤس میں ماں کی غیر موجودگی کے علاوہ ہر شے معمول کے مطابق نظر آتی تھی ۔

جس دوران میں وہ اپنی تحقیقات جاری رکھے ہوئے تھا ۔ اسے بہت سی ایسی باتوں کا بھی علم

ہوا، جن سے وہ اس سے پہلے واقف نہیں تھا یا جن کے بارے میں اسے کبھی کوئی تجسس نہیں رہا تھا۔ ان میں لورینز ووازا کی اس کریبئن قصبے میں موت کی خبر بھی شامل تھی، جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ اسے یاد آیا وہ کئی سال کلیسائی کینفے میں شطرنج کے پر ہنگامہ معرکوں میں اسے دیکھتا آیا تھا۔ بول بول کراس کی آواز بیٹھ گئی تھی۔ جیسے جیسے وہ بدنصیب ضعیفی کے ریگ رواں میں دھنستا جا رہا تھا اس کا بدن روز بروز فربہ اور کھردرا ہوتا جا رہا تھا۔ گذشتہ صدی میں سونف کی شراب کے اس ناشتے کے بعد جس میں کسی حل پر ان کا اتفاق نہیں ہو سکا تھا انھوں نے کبھی ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی تھی اور فلورنتینو آریزا کو یقین تھا کہ گو اس نے اپنی زندگی کے واحد مقصد یعنی اپنی بیٹی کے لیے مثالی شوہر تلاش کرنے میں کامیابی حاصل کرلی تھی لورینز ووازا اسے اسی طرح عداوت کے جذبے کے ساتھ یاد رکھتا تھا جس طرح کا جذبہ وہ بھی اس کے لیے رکھتا تھا۔ مگر اس نے فرمینا دازا کی صحت کے بارے میں صحیح حقائق جاننے کے لیے اس قدر تہیہ کیا ہوا تھا کہ ایک روز وہ کلیسائی کینفے چلا گیا تا کہ وہ اس کے باپ کی زبانی ان حقائق کو جان سکے۔ یہ اس تاریخی ٹورنامنٹ کے دنوں کی بات ہے جب جرمیہ ڈی سینٹ ایمور تنہا بیالیس مخالفین سے شطرنج کی بساط پر نبرد آزما تھا۔ یہاں آ کر اسے علم ہوا کہ لورینز ووازا مر چکا تھا اور اس نے دل کی گہرائیوں سے اس بات کی خوشی کو محسوس کیا۔ اگرچہ اس خوشی کی قیمت' سچائی جانے بغیر رہنا تھی۔ بالآخر اس نے ہسپتال والی کہانی کو سچ مان لیا کہ وہ موت کے قریب پہنچ چکی ہے اور اس کا واحد نتیجہ اس نے اس پرانی کہاوت کی صورت میں نکالا: ''بیمار عورتیں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔'' اپنی دل شکستہ کیفیت کے دنوں میں اس نے خود کو اس بدشگونی کے سامنے سرنگوں پایا کہ جب فرمینا دازا کی موت واقع ہوگی تو وہ اسکو دیکھنے کے لیے موجود نہیں ہوگا۔

ایسا بہرحال نہیں ہوا۔ اس لیے کہ فرمینا دازا فلوریس ڈی ماریا کے قصبے سے نصف فرلانگ کے فاصلے پر واقع مویشی باڑے پر زندہ موجود تھی اور ٹھیک ٹھاک تھی۔ یہاں دنیا سے فراموش کی ہوئی وہ اپنی عم زاد ہلڈے برانڈا سانچیز کے ساتھ رہ رہی تھی۔ وہ کوئی سکینڈل بنائے بغیر اپنے خاوند کے ساتھ ایک باہمی معاہدے کے تحت' وہاں سے روانہ ہوگئی تھی۔ اتنے سالوں پر محیط اپنی مستحکم ازدواجی زندگی کے دوران میں وہ ایک واحد پریشان کن بحران کا شکار ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے یوں الجھ گئے تھے جیسے وہ ابھی اپنے لڑکپن میں ہی ہوں۔ یہ سب کچھ اچانک اس وقت رونما ہوا جب وہ اپنی پختہ عمروں میں پہنچ گئے تھے۔ جب وہ خود کو بدنصیبی کے خطرات سے محفوظ سمجھتے تھے' ان کے بچے بڑے ہو چکے تھے اور شستہ آداب کے مالک بن چکے تھے اور مستقبل ان کے لیے تیار تھا کہ وہ بغیر کسی تلخی کے بوڑھے ہوتا

بھی سیکھ جائیں گے۔ یہ ان دونوں کے لیے ایسی غیر متوقع صورت حال تھی کہ ان دونوں نے اسے آہ وزاری، چیخ پکار اور کسی کو بیچ میں ڈالے بغیر جیسا کہ کریبئن میں مروج تھا، یورپی اقوام کی دانائی سے کام لے کر اسے حل کرنا چاہا، اور اس بات کا تعین کرنے میں، کہ ان کا مزاج یہاں کے مطابق تھا یا وہاں کے، ان کے خیالات اس قدر مختلف تھے کہ دونوں ایک ایسی طفلانہ صورت حال میں لت پت ہو گئے، جس کا تعلق کہیں سے بھی نہیں تھا۔ بالآخر یہ جانے بغیر ہی کہ کیوں اور کس مقصد کے لیے، محض اپنے طیش کے عالم میں اس نے وہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور وہ احساس جرم کا مارا ہوا اسے اس کے فیصلے سے باز رکھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

حقیقت میں فرمینا دازا آدھی رات ہوئے شدید ترین رازداری میں اپنا چہرہ ایک سیاہ نقاب میں چھپائے وہاں سے روانہ ہوئی تھی مگر یہ پاناما جانے کے لیے کنارڈ بحری جہاز نہیں تھا بلکہ یہ سان جوان ڈی لا رسینیگا کے اس شہر کی طرف جانے والی معمول کی کشتی تھی جہاں وہ پیدا ہوئی تھی اور اپنی دوشیزگی کے ابتدائی ایام تک وہیں رہتی رہی تھی اور جوں جوں سال گزرتے جا رہے تھے، اس کی یاد اس کے لیے سوہان روح بنتی جا رہی تھی۔ اپنے خاوند کی مرضی اور روزمرہ کے رواج کے خلاف اس کے ہمراہ صرف ایک پندرہ سالہ لے پالک لڑکی تھی جس کی خاندان کی خادمہ کے طور پر پرورش کی گئی تھی۔ جہاز کے کپتان نے ہر بندرگاہ کے حکام کو اس کے سفر کے بارے میں آگاہ کر دیا گیا تھا۔ جب اس نے یہ غضبناک فیصلہ کیا تو اس نے اپنے بچوں کو بتایا کہ وہ تقریباً تین ماہ کے لیے خالہ ہلڈے برانڈا کے پاس تبدیلی آب و ہوا کے لیے جا رہی ہے، مگر اس نے دل میں کبھی واپس نہ آنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر جووینل اربینو کو اس کی شخصیت کی مضبوطی کا بخوبی اندازہ تھا، اور وہ اس قدر پریشان تھا کہ اس نے اس کا فیصلہ اس کے گناہوں کی سنگینی کے لیے خدا کی دی ہوئی سزا کے طور پر نہایت عاجزی سے تسلیم کر لیا۔ مگر ابھی کشتی کی روشنیاں نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوئیں تھیں کہ دونوں کو اپنی کمزوری پر پچھتاوا ہونے لگا۔

اگرچہ انھوں نے بچوں اور دیگر گھریلو معاملات کے بارے میں رسمی خط و کتابت جاری رکھی لیکن تقریباً دو سال گزرنے پر بھی وہ کوئی ایسا راستہ نہ ڈھونڈ سکے جو ان کی عزت نفس کے آڑے بغیر ان کے معاملات درست کر دے۔ دوسرے سال بچے اپنی تعطیلات گزارنے فلوریس ڈی میریا آ گئے اور فرمینا دازا نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ اس نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ اپنی نئی زندگی سے پوری طرح مطمئن ہے۔ کم از کم اپنے بیٹے کے خطوں سے ڈاکٹر اربینو نے یہی نتیجہ اخذ کیا۔ مزید برآں اس دوران میں

ریو ہاچہ کا آرچ بشپ اپنا جبہ اوڑھے، اپنے شاندار سفید خچر پر سوار، جس کے سامان آرائش میں سونے کا استعمال کیا گیا تھا، دیہات کے دورے پر وہاں آیا۔ اس کے پیچھے دور دراز علاقوں کے زائرین آ گئے۔ اکارڈین بجاتے ہوئے موسیقار، پھیری لگا کر کھانے پینے کی اشیا اور تعویذ بیچنے والے بھی آ گئے اور تین دنوں میں یہ مویشی باڑہ معذور اور نا امید لوگوں سے بھر گیا جو در حقیقت اس کے وعظ سے کچھ سیکھنے یا اس کے اجلاسوں میں شرکت کے لیے وہاں نہیں آئے تھے بل کہ اس خچر کی عنایات کے طلب گار تھے جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اپنے مالک کی پشت پر یہ وہی تھا جو کرامات دکھاتا تھا۔ ان دنوں سے جب وہ ایک عام مبلغ تھا، یہ بشپ اربینو ڈی لا کالے خاندان کے گھر اکثر آیا جایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ عوامی دعوتوں سے اغماض کر کے ہلڈے براندا کے مویشی باڑے پر ان کے ساتھ کھانا کھانے آ گیا۔ کھانے کے بعد، جس میں وہ عام موضوعات پر گفتگو کرتے رہے، وہ فرمینا دازا کو ایک طرف لے گیا اور اسے اپنے اعترافات سنانے کو کہا۔ اس نے شائستہ مگر مستحکم انداز میں اس قطعی دلیل کے ساتھ انکار کر دیا کہ ایسی کوئی بات ہی نہیں جس پر اسے احساس ندامت ہو۔ اگر چہ یہ اس کا مقصد نہیں تھا یا کم از کم اس کا سوچا سمجھا منصوبہ نہیں تھا، تاہم اسے یقین تھا کہ اس کا یہ جواب متعلقہ کانوں تک پہنچ جائے گا۔

ڈاکٹر جووینل اربینو بغیر کسی سنکی پن کے کہا کرتا تھا کہ یہ وہ نہیں تھا جسے اس کی زندگی کے ان دو تلخ سالوں کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ بل کہ یہ اس کی بیوی کی اس بری عادت کی وجہ سے ہوا، جس کے تحت وہ خود سمیت اپنے خاندان کے تمام افراد کے کپڑے سونگھتی تھی تا کہ وہ ان سے آنے والی بو اسے یہ بتا سکے کہ انہیں لانڈری میں دھلنے کے لیے دینا ہے یا نہیں، چاہے بظاہر یہ کپڑے صاف ہی کیوں نہ لگ رہے ہوں۔ جب وہ ایک لڑکی تھی، اس وقت سے وہ ایسا ہی کرتی آئی تھی، اور اس نے اس وقت تک اس بات کو غیر معمولی نہ سمجھا جب تک کہ اس کے شوہر نے سہاگ رات کے وقت اسے ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ دن میں کم از کم تین بار سگریٹ پینے کے لیے خود کو غسل خانے میں بند کر لیتی تھی، مگر اس بات نے کبھی اس کی توجہ حاصل نہیں کی کیوں کہ اس کے طبقے کی عورتوں کی یہ عادتیں تھیں کہ وہ گروپ کی صورت میں خود کو بند کر کے مردوں کے بارے میں باتیں کرتیں یا سگریٹ پیتیں۔ یا یہ کہ تقریباً دو لٹر برانڈی پی کر کسی مدہوش راج مستری کے احمقانہ انداز میں باہر نکل آتیں۔ مگر ہر قسم کے کپڑوں کی 'بو سونگھنا'، جس سے اس کا سابقہ پڑتا، ایک ایسی عادت تھی، جس کو وہ نہ صرف ناپسند کرتا تھا بل کہ اسے صحت کے لیے نقصان وہ بھی سمجھتا تھا۔ وہ اسے ایک مذاق کے طور پر لیتی، یہ اس کا وہ انداز تھا

جو وہ ایسی ہر شے کے ساتھ اپناتی جس پر بحث کرنے میں اسے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ وہ کہا کرتی کہ خدا نے اس کے چہرے پر وہ ذہین ناک محض سجاوٹ کے لیے نہیں لگائی تھی۔ ایک صبح جب وہ مارکیٹ میں تھی اس کے نوکروں نے سارے قرب وجوار کو اس کے تین سالہ بچے کی تلاش میں جو گھر میں کہیں نہیں مل رہا تھا، جگا دیا۔ وہ گھبرائی ہوئی گھر پہنچی کسی سٹیف کتے کی طرح ادھر ادھر مڑی اور بچے کو اس الماری میں سویا ہوا ڈھونڈ لیا جہاں کسی کا خیال بھی نہ گیا تھا کہ وہ وہاں جا کر چھپ سکتا ہے۔ جب اس کے ششدر خاوند نے اس سے پوچھا کہ اس نے کس طرح اسے ڈھونڈا تو اس نے جواب دیا: اس کے پاخانے کی بو سے۔

سچ تو یہ ہے کہ اس کی قوت شامہ نہ صرف اس کے کپڑے کی دھلائی کے سلسلے یا گمشدہ بچوں کی تلاش میں اس کی مدد کرتی تھی بلکہ یہ زندگی کے تمام معاملات خصوصاً اس کی سماجی زندگی میں بھی اس کی مدد کرتی تھی۔ جووینل اربینو اپنی ساری زندگی اس امر کا مشاہدہ کرتا آیا تھا۔ خاص طور پر شروع کے دنوں میں جب اسے اس ماحول میں ایسی نو دولتی عورت کے طور پر دیکھا جاتا تھا جو گزشتہ تین صدیوں سے اس تعصب کے شکار سماجی منظر نامے میں بالکل نووارد تھی، مگر اس کے باوجود اس نے تلوار کی دھار کی طرح تیز چٹانوں کے درمیان سے اپنا راستہ بنا لیا، کسی سے جھگڑا کیے بغیر، ایک ایسی تسخیر آشنا قوت کے ساتھ جو کسی ماورائی جبلت ہی کی دین ہو سکتی تھی۔ اسی خوفناک خصوصیت بدولت، ایک بدقسمت اتوار کو، عشائے ربانی سے ذرا پہلے، وہ اپنی بربادی کے اس لمحے سے گزری جب اس نے محض اپنی عادت کی بنا پر اپنے شوہر کے ان کپڑوں کو سونگھا، جو اس نے گزشتہ شام پہنے تھے اور اس کے وجود میں اس احساس کی پریشان کن لہر دوڑ گئی کہ وہ کسی اجنبی مرد کے ساتھ بستر میں سوتی رہی تھی۔

سب سے پہلے اس نے جیکٹ اور بنیان کو سونگھا۔ اس دوران میں وہ بٹن کے کاج سے گھڑی کی زنجیر اور جیبوں سے، پنسل ہولڈر، چمڑے کا کیس اور ریزگاری نکال کر ہر شے طاق پر رکھتی گئی۔ پھر اس نے پن، تو پاز کف لنکس اور طلائی کالر بٹن نکالتے ہوئے دوہرے بٹنے والی قمیص کو سونگھا، پھر اس نے گیارہ چابیوں والا گچھا اور گھونگھے کے دستے والا قلم چاقو نکالتے ہوئے اس کی پتلون کو سونگھا، اور سب سے آخر میں اس نے انڈرویئر، جرابیں اور کڑھے ہوئے مونوگرام والا رومال سونگھا۔ بلا شک وشبہ ان سب میں ایسی بو تھی جو اس سے پہلے، اپنی اکٹھے گذاری زندگی کے اتنے سارے سالوں میں کبھی نہیں تھی۔ ایک ایسی بو جس کی تشریح کرنا ناممکن تھا، کیوں کہ یہ پھولوں کی خوشبو تھی اور نہ ہی کسی مصنوعی عطر کی، بلکہ اس میں کوئی ایسی بات تھی جس کا تعلق کسی انسان ہی سے ہو سکتا تھا۔

اس نے اس موضوع پر کسی سے بات نہیں کی اور اس نے دیکھا کہ یہ بو ہر روز اس کے کپڑوں میں بسی نہیں ہوتی تھی' لیکن اب وہ اپنے شوہر کے کپڑے اس لیے نہیں سونگھتی تھی کہ انھیں دھلنے کے لیے دیا جائے یا نہیں بلکہ اب وہ ایسا ایک نا قابل برداشت تجسس کے زیر اثر کرتی تھی، جو اس کے وجود کو اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔

فرمینا دازا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس بو کا جواز اپنے شوہر کے معمولات میں کہاں تلاش کرے۔ اس کا تعلق اس کی صبح کی کلاس اور لنچ کے درمیان کی کسی مصروفیت سے نہیں ہو سکتا تھا' کیوں کہ اس کا خیال تھا' کہ کوئی بھی عورت جو اپنے صحیح ہوش وحواس میں ہو' دن کے اس وقت کی جلد بازی میں اس سے ہم وصال نہیں ہوگی' اور کہیں دور سے آنے والے ملاقاتی کی صورت میں تو بالکل نہیں' جب ابھی گھر کی صفائی باقی ہو' بستر ٹھیک کرنا ہو' لنچ تیار کرنا ہو' اور اس پر یہ پریشانی مستزاد کہ مبادا کوئی شخص سکول بھیجے گئے بچوں میں سے ایک پر کسی ایک پتھر مار کر اس کا سر زخمی کر دے' اور وہ جب دن کے گیارہ بجے گھر واپس آئے تو اسے بے ترتیب بستر میں برہنہ پائے' اور اس سے بھی زیادہ بری بات یہ کہ ایک ڈاکٹر اس پر سوار ہو۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ڈاکٹر جووینل اربینو رات کے وقت' مکمل تاریکی میں ہم جسم ہوتا تھا' اس کی آخری ترجیح یہ ہوتی تھی کہ یہ ناشتے سے پہلے ہو جائے' جب پرندوں نے ابھی چہچہانا شروع ہی کیا ہو۔ وہ کہا کرتا تھا' کہ دن میں وصل سے ہم کنار ہونا، مسرت سے زیادہ محض ایک کام ہے' کہ بندہ کپڑے اتارے اور پھر دوبارہ پہن لے۔ چناں چہ اس کے کپڑوں کی آلودگی اسی وقت کے دوران میں ہو سکتی تھی جب وہ گھر پر مریضوں کو دیکھنے جاتا تھا یا شطرنج اور فلموں کے لیے مختص اپنی راتوں میں سے کسی وقت کو چرا کر یہ فعل سرانجام دیتا تھا۔ اس آخری ممکنہ پہلو کو ثابت کرنا ذرا مشکل تھا۔ کیوں کہ اپنی بہت سی سہیلیوں کے برعکس، اس کا غرور اس بات کی اجازت نہ دیتا تھا کہ وہ اپنے شوہر کی جاسوسی کرے یا کسی اور سے اس کے لیے یہ کام کرنے کا کہے۔ گھروں میں جانے کا اس کا شیڈول' بے وفائی کے لیے موزوں ترین موقع تھا' اور اس پر نظر رکھنا سب سے زیادہ آسان بھی تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر جووینل اربینو ہر مریض کا تفصیلی ریکارڈ اپنے پاس رکھتا تھا' ان کی فیس کی ادائیگیوں سمیت' اس وقت سے لے کر جب وہ پہلی بار انھیں دیکھنے جاتا ' اس وقت تک کا حساب جب وہ صلیب کا آخری نشان بنا کر اور ان کی روحوں کی نجات کے لیے کچھ کلمات ادا کرتے ہوئے انھیں اگلے جہان میں ڈھکیل دیتا۔

آنے والے تین ہفتوں کے دوران میں' فرمینا دازا نے کچھ دنوں کے لیے ان کپڑوں میں

اس بو کو نہیں پایا۔ اور پھر جب وہ اس کی بالکل توقع نہیں کر رہی تھی' اس نے اسے دوبارہ پا لیا' پہلے سے کہیں زیادہ گہری۔ مسلسل کئی دنوں تک یہ بو اس کے کپڑوں میں بسی رہی ' اگرچہ ان دنوں میں ایک اتوار بھی شامل تھا جب ان کے ہاں ایک گھریلو تقریب تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے سے ایک لمحے کے لیے بھی علاحدہ نہیں ہوئے تھے۔ اپنے روزمرہ کے معمول اور یہاں تک کہ اپنی خواہشات کے برعکس' ایک سہ پہر کو اس نے خود کو اپنے شوہر کے دفتر میں پایا' جیسے وہ کوئی اور ہو' اور ایک ایسا کام کر رہی جو بصورت دیگر وہ کبھی نہ کرتی ' ایک دقیق محدب عدسے کی مدد سے وہ گزشتہ چند مہینوں کے دوران میں اس کے گھر پہ دیکھے جانے والے مریضوں کی باریک تفصیلات پر غور کرنے لگی۔

یہ پہلی مرتبہ تھا کہ وہ تنہا اس دفتر میں آئی تھی۔ جو چھڑ کے ہوئے کروسوٹ تیل کی بو سے لبریز تھا اور نامعلوم جانوروں کی کھالوں سے بنی جلدوں والی کتابوں' سکول کے زمانے کی دھندلی تصویروں' اعزازی اسناد اسطر لابوں اور سالہا سال سے اکٹھی کی ہوئی منقش چھریوں سے بھرا پڑا تھا۔ ایک خفیہ خانقاہ' جسے وہ اپنے خاوند کی ذاتی زندگی کا واحد حصہ سمجھتی تھی جہاں اس کی رسائی نہیں تھی۔ یہ جگہ محبت کا حصہ نہیں تھی۔ چناں چہ ان چند مواقع پر جب وہ گئی' اس کے ہمراہ گئی تھی اور یہ وقت ہمیشہ بہت مختصر ہوتا تھا' اس کا خیال تھا کہ اسے وہاں تنہا جانے کا حق نہیں ہے' اور اس غیر مہذب انداز میں ٹوہ لینے کا تو خیر بالکل سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ مگر وہ سچ جاننا چاہتی تھی اور اس جستجو کی اذیت میں اس اذیت کا خوف بھی شامل تھا، جس کا سامنا اسے سچ جاننے کے بعد کرنا تھا اور وہ اپنی فطری تمکنت' غفلت کے احساس سے بھی کہیں زیادہ ناقابل تسخیر لہر سے مغلوب ہو چکی تھی ' اپنے وقار کے احساس سے بھی زیادہ وہ اپنی اذیت کے جال میں الجھ چکی تھی۔

وہ کسی بھی نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ کیوں کہ مشترکہ دوستوں کے علاوہ اس کے شوہر کے مریض' اسی کی اپنی علاحدہ دنیا کا ہی حصہ تھے۔ ان لوگوں کی کوئی شناخت نہیں تھی' ان کی پہچان ان کے چہرے نہیں بلکہ ان کے درد تھے۔ یہ اپنی آنکھوں کے رنگ یا دل کے حیلوں سے نہیں بلکہ جگر کی جسامت' زبانوں پر بنی تہوں' پیشاب میں آتے ہوئے خون' اور اپنی سرسامی راتوں میں دوچار ہونے والے سمعی و بصری واہموں سے پہچانے جاتے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اس کے شوہر پر اعتقاد رکھتے تھے۔ جن کا ایمان تھا کہ وہ اس کی وجہ سے زندہ ہیں' جب کہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس کے لیے زندہ تھے اور جو آخر میں' مختصر ہوتے ہوئے اس فقرے میں سمٹ جاتے جو اس نے اپنے ہاتھ سے ان کی میڈیکل فائل کے

نچلے کنارے پر لکھا ہوتا: "دھیرج رکھو۔خدا دروازے پر کھڑا تمھارا منتظر ہے۔" فرینا دازا دو گھنٹے کی لاحاصل جستجو کے بعد، اس احساس کے ساتھ اس کے مطالعے کے کمرے سے باہر نکل آئی کہ وہ ایک غیر مہذب حرکت کا ارتکاب کر بیٹھی ہے۔

اپنے تصور کے سہارے اس نے اپنے شوہر میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ اکھڑا اکھڑا رہتا۔ وہ ہر وقت برہمی اور طنزیہ جملوں کے لیے تیار رہنے لگا تھا اور جب کبھی وہ گھر پر ہوتا تو چاہے کھانے کی میز ہو یا بستر، اس میں کوئی بھوک نہ ہوتی، وہ پہلے کی طرح کا پرسکون شخص نہ ہوتا، بل کہ یوں لگتا جیسے کسی شیر کو پنجرے میں بند کر دیا گیا ہو۔ اپنی شادی کے بعد سے پہلی مرتبہ اس نے ان مواقع کا حساب رکھنا شروع کر دیا جب وہ دیر سے گھر لوٹتا۔ وہ منٹوں تک کا حساب رکھتی۔ اس سے جھوٹ بولتی تا کہ وہ سچ جان سکے، مگر وہ پھر اس کی باتوں میں تضاوات محسوس کر کے خود کو دل گرفتہ محسوس کرتی۔ ایک رات اس منظر سے خوفزدہ، جس میں اس کا شوہر تاریکی میں کھڑا اسے نفرت کی نظروں سے دیکھ رہا تھا، وہ جلد بیدار ہو گئی۔ وہ اپنی جوانی میں بھی ایک ایسی ہی دہشت زدہ کیفیت سے دوچار ہو چکی تھی۔ جب اس نے فلورنتینو آریزا کو اپنے بستر کی پائنتی پر کھڑے دیکھا تھا، مگر وہ سایہ نفرت میں نہیں، بل کہ محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔ دوسرے یہ بھی کہ اس بار یہ محض خیال ہی نہیں تھا اس کا شوہر صبح کے دو بجے جاگ رہا تھا۔ اور بستر میں بیٹھ کر اسے محو خواب دیکھ رہا تھا۔ مگر جب اس نے اس سے یوں دیکھنے کی وجہ پوچھی تو اس نے اس بات کی نفی کرتے ہوئے کہا۔

"ضرور تم کوئی خواب دیکھ رہی تھیں۔"

اس شب کے بعد، اور اس دوران میں رونما ہونے والے ایسے ہی دوسرے واقعات کے بعد۔ جب فرینا دازا یہ بتانے پر قادر نہیں رہی تھی کہ حقیقت کہاں ختم ہوتی تھی اور واہمہ کہاں سے شروع ہوتا تھا، اسے یہ گہرا احساس ہونے لگا کہ وہ اپنے حواس کھوتی جا رہی ہے۔ بالآخر اس نے دیکھا کہ اس کے شوہر نے تثلیثی اتوار کے بعد آنے والی جمعرات کی عبادت سمیت حالیہ ہفتوں میں کسی بھی اتوار کو عشائے ربانی میں شرکت نہیں کی اور اس کے پاس اس سال کے اعتکاف کے لیے بھی وقت نہیں بچا تھا۔ جب اس نے اس کی روحانی صحت میں ان غیر معمولی تبدیلیوں کے بارے میں استفسار کیا تو، اس نے بات ٹال دی۔ یہ ایک فیصلہ کن اشارہ تھا۔ کیوں کہ آٹھ سال عمر سے جب اس نے پہلی بار عبادت میں شرکت کی تھی، اس نے ایسی کسی بھی اہم عبادت سے غیر حاضری نہیں کی تھی۔ یوں اس نے جان لیا کہ اس

کا شوہر نہ صرف مصیبت کی حالت میں رہ رہا تھا بل کہ اس نے اسے جاری رکھنے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا' کیوں کہ وہ اپنے کنفیسر کے پاس بھی مدد کے حصول کے لیے نہیں جا رہا تھا۔ اس نے کبھی یہ تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ کسی ایسی شے کی وجہ سے بھی اذیت کا شکار ہو سکتی ہے جو محبت کے بالکل برعکس ہوا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ مرنے سے اس کو بس ایک ہی بات باز رکھ سکتی ہے کہ وہ موذی سانپوں کے اس گھر کو جلا دے جو اس کی روح میں زہر گھول رہا تھا۔ اس کا شوہر قیلولے کے بعد اپنے روز کے معمول کے مطابق مطالعے میں محو تھا۔ اس نے اچانک اس کی مصروفیت میں مداخلت کی' اپنا چشمہ ماتھے پر دھکیلا' اور تلخی کے کسی ہلکے سے نشان کے بغیر اس سے وضاحت طلب کی۔

''ڈاکٹر۔''

وہ اس ناول میں کھویا ہوا تھا۔ جو ان دنوں ہر کوئی پڑھ رہا تھا اور وہ بغیر نظریں اٹھائے بولا۔

''اوئی۔''

اس نے اصرار کیا۔ ''میری طرف دیکھو۔''

اس نے ایسا ہی کیا۔ اپنے مطالعے کے چشمے کے شیشوں کی دھند سے اس نے اسے دیکھے بغیر دیکھا' مگر اسے اس کی آنکھوں سے نکلنے سے والی چنگاریوں کی جھلسن کو محسوس کرنے کے لیے انہیں اتارنے کی زحمت نہیں کرنی پڑی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''یہ تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔'' وہ بولی۔

اس نے اپنا چشمہ نیچے جمایا اور دوبارہ جرابوں کی رفوگری میں مصروف ہو گئی۔ ڈاکٹر اربینو نے جان لیا کہ اضطراب کا طولانی وقت گزر چکا ہے یہ لمحہ اس طرح وارد نہیں ہوا تھا جیسا کہ اس نے اس کی پیش بینی کی تھی۔ اپنے دل میں کسی زلزلے کے ارتعاش کے بجائے' یہ ایک پرسکون گھونسا تھا' اور یہ اطمینان کہ جس ہونی کو جلد یا بدیر ہونا ہی تھا' جلد ہی واقع ہو چکی ہے۔ بالآخر' مس باربرا لنچ کا بھوت اس کے گھر میں داخل ہو چکا تھا۔

ڈاکٹر جووینل اربینو' اس سے چار ماہ قبل' میزری کورڈیا ہسپتال کے کلینک میں ملا تھا' وہ اپنی باری کا انتظار کر رہی تھی' اور اس نے فوراً جان لیا کہ اسی لمحے اس کے مقدر میں کوئی نا قابل علاج واقعہ رونما ہو چکا ہے۔ وہ ایک سرو قد' شاندار' اور طویل استخوانی' مخلوط النسل عورت تھی اس کی جلد رنگ دار نرم تھی'

اس نے سرخ لباس جس پر سفید گول گول نکتے اور اسی کپڑے سے بنا ہوا، ایک بڑا سا ہیٹ پہن رکھا تھا' جس نے اس کے چہرے کو اس کی پلکوں تک ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کی جنسیت دوسرے انسانوں کی نسبت کہیں زیادہ نمایاں تھی۔ ڈاکٹر جووینل اربینو کلینک میں مریض نہیں دیکھتا تھا' مگر جب کبھی وہ وہاں سے گزرتا اور اس کے پاس وقت ہوتا' وہ اپنے نسبتاً اعلیٰ شاگردوں کو یہ بتانے کے لیے اندر چلا آتا کہ اچھی تشخیص سے بہتر کوئی دوا نہیں ہے۔ چناں چہ اس نے اس ناگہانی مخلوط النسل عورت کے درمیان کے وہاں موجود رہنے کا اہتمام کیا' اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ معمول سے ہٹی اس کی کوئی حرکت اس کے شاگردوں کی نظر میں نہ آئے اور اس کو صرف سرسری انداز میں دیکھتے ہوئے' اس نے اس کا نام اور پتہ نہایت توجہ سے ذہن نشین کر لیا۔ اس سہ پہر' اپنے آخری گھر کے مریض سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اپنی بگھی اس پتے کے قریب سے گزاری جو اس نے معائنہ کے کمرے میں بتایا تھا' وہ واقعی وہاں موجود تھی' اور ٹیرس پر بیٹھی خنکی سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

یہ ایک مخصوص اینٹیلین طرز کا گھر تھا۔ ٹن کی چھت تک پیلے رنگ میں رنگا ہوا' ترپال کی کھڑکیوں والا جس کی راہداری میں کارنیشن اور فرن کے گملے لٹک رہے تھے۔ یہ مالا کرینٹر کے شورزدہ دلدلی علاقے میں چوبی ڈھانچوں پر تعمیر کیا گیا تھا۔ چھجے سے لٹکتے ہوئے پنجرے میں ایک پرندہ گیت گا رہا تھا۔ گلی کے پار ایک پرائمری سکول تھا۔ اور وہاں سے چوپٹ باہر بھاگتے ہوئے بچوں کی وجہ سے، کوچوان کو اس کی باگیں زور سے کھینچنا پڑیں کہ کہیں گھوڑا گھبرا کر بے قابو نہ ہو جائے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی۔ یوں مس باربرا لنچ کو اتنا وقت مل گیا کہ وہ ڈاکٹر کو پہچان سکے۔ اس نے اس کی طرف یوں ہاتھ ہلایا جیسے وہ پرانے دوست ہوں۔ اس نے اسے کافی پینے کی دعوت دی' جسے اس نے نہایت خوشی سے قبول کر لیا۔ (حالاں کہ کافی پینا اس کا دستور نہیں تھا) اور نہایت مسرت سے اس کی اپنے ہی بارے میں گفتگو سنتا رہا' اس کی ذات ہی وہ واحد شے تھی، جو صبح سے اس کی دلچسپی کا مرکز بنی ہوئی تھی' اور جسے ایک لمحے کی مہلت کے بغیر آنے والے مہینوں میں اس کی دلچسپی کا مرکز بنے رہنا تھا۔

ایک دفعہ اپنی شادی کے کچھ ہی دنوں بعد' اس کی بیوی کی موجودگی کے دوران میں ایک دوست نے اسے بتایا تھا کہ جلد یا بدیر اسے کسی جنوں خیز عشق سے دوچار ہونا پڑے گا اور جس سے اس کی ازدواجی زندگی کا استحکام خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ وہ جو سمجھتا تھا کہ وہ خود کو جانتا ہے' جو اپنی اخلاقی اقدار کی قوت سے آشنا تھا' اس کی اس پیش گوئی پر ہنس دیا تھا اور اب یہ بات سچ ثابت ہو گئی تھی۔

مس باربرا لنچ 'دینیات کی ڈاکٹر' ریورنڈ جوناتھن بی لنچ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ مسٹر لنچ ایک سیاہ فام پروٹسٹنٹ منسٹر تھے' جوان غربت کے مارے شورزدہ دلدلی علاقوں میں خچر پر سوار' ان بہت سے خداؤں میں سے ایک خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے تھے جنھیں ڈاکٹر جووینل اربینو چھوٹے g سے لکھتا تھا تاکہ وہ انھیں اپنے خدا سے ممیز کرسکے۔ وہ لہجے میں ایک خاص کھردرے پن کے ساتھ شستہ ہسپانوی زبان بولتی تھی اور اس کی بار بار کی لغزشیں اس کی دلکشی میں اضافہ کررہی تھیں' دسمبر میں وہ اٹھائیس سال کی ہوجائے گی۔ زیادہ عرصہ نہیں ہوا جب اس نے ایک دوسرے منسٹر کو طلاق دی تھی' جو اس کے باپ ہی کا شاگرد تھا اور جس کے ساتھ اس نے دو سال تک ناخوش گوار ازدواجی زندگی گزاری تھی۔ اور اسے اب ایسی غلطی دہرانے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ اس نے کہا "مجھے اس پرندے سے زیادہ کوئی اور چیز پیاری نہیں ہے۔" لیکن ڈاکٹر جووینل اربینو اتنا سنجیدہ تھا کہ وہ اس میں کہے گئے پوشیدہ معنوں کے بارے میں سوچنے سے قاصر رہا۔ اس کے برعکس: اس نے حیرانی کے عالم میں خود سے سوال کیا' بہت سارے مواقع کا یوں اکٹھے ہونا' کہیں خدا کا بچھایا ہوا کوئی جال ہی نہ ہو' جس کی ہوسکتا ہے اسے بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑے' مگر اس نے اس خیال کو فوراً ہی اپنی کنفیوژن کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مذہبی لغویات سمجھ کر جھٹک دیا۔

یہ جانتے ہوئے کہ مریضوں کو اس بات سے زیادہ کسی اور بات سے خوشی نہیں ملتی کہ ان کی بیماریوں کے بارے میں بات کی جائے' اس نے رخصت ہوتے ہوئے یوں ہی اس صبح کے طبی معاملے کے بارے میں ہلکا سا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ اس قدر سرگرمی سے اپنے مرض کے بارے میں بتانے لگی کہ اس نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اگلے روز ٹھیک چار بجے وہاں آئے گا تاکہ زیادہ توجہ کے ساتھ اس کا معائنہ کرسکے۔ یہ سن کر وہ اندیشوں میں گھر گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس پائے کے ڈاکٹر کی فیس ادا کرنا اس کے بس سے کہیں باہر ہے۔ مگر اس نے اسے دلاسا دیا۔ "اس پیشے میں ہم کوشش کرتے ہیں کہ امرا غریبوں کے لیے ادائیگی کریں۔" پھر اس نے اپنی نوٹ بک میں لکھا۔ مس باربرا لنچ مالاکریزا سالٹ مارش' ہفتہ ۴ بجے سہ پہر مہینوں بعد فرمینا دازا نے اس یادداشت کو پڑھنا تھا' جس کے آگے تشخیص' علاج اور بیماری کے مختلف مدارج کی تفصیلات کا اضافہ کیا گیا تھا۔ اس نام نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی اور اچانک اس کے ذہن میں خیال آیا کہ یہ نیو اورلینز کی سے آنے والی بدکار آرٹسٹوں میں سے ایک ہے' مگر اس کے پتے نے اسے یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ وہ ضرور جمیکا سے آئی ہوگی' یقیناً ایک سیاہ فام عورت اور

دوسرے ہی لمحے اس نے اس کا خیال جھٹک دیا کیوں کہ اس کے خیال میں ایسی عورت اس کے شوہر کے ذوق کے مطابق نہیں ہو سکتی تھی۔

ڈاکٹر جووینل اربینو' ہفتہ کو طے شدہ وقت سے دس منٹ قبل ہی وہاں پہنچ گیا' جبکہ مس لنچ نے اس کے استقبال کے لیے اپنی تیاری ابھی مکمل نہیں کی تھی۔ پیرس کے زمانے کے بعد سے جب اس نے زبانی امتحان کے لیے جانا ہوتا تھا' اس نے کبھی اس قدر گھبراہٹ محسوس نہیں کی تھی۔ وہ اپنے کینوس کے بستر پر' ایک مہین زیر جامہ پہنے دراز تھی۔ مس لنچ کا حسن ہوش ربا لگ تھا۔ اس کی ہر شے بڑی اور شدت لیے ہوئے تھی۔ اس کی رجھاتی ہوئی نمکین رانیں' اس کی نیم آتشیں جلد' اس کی حیران چھاتیاں' اس کے بے عیب دانت اور شفاف مسوڑھے' اس کے پورے وجود سے ایک صحت مند بدن کی حرارت نکلتی تھی اور یہی وہ انسانی مہک تھی، جسے فرمینا دازا نے اپنے شوہر کے کپڑوں میں دریافت کیا تھا۔ وہ ایک ایسی تکلیف کی بنا پر کلینک آئی تھی' جس کو وہ بڑی ادا سے ''الجھی ہوئی آنتیں'' کہہ کر بیان کر رہی تھی اور ڈاکٹر اربینو کے خیال میں یہ ایک ایسی علامت تھی، جسے نظرانداز نہیں کرنا چاہیے چناں چہ اس نے توجہ سے زیادہ اشتیاق سے اس کے اندرونی اعضا کو چھو کر محسوس کیا' اور جب وہ یوں کر رہا تھا تو وہ یہ دریافت کر کے حیران رہ گیا کہ یہ شاندار وجود اندر سے بھی اسی قدر حسین ہے جتنا کہ باہر سے۔ پھر اس نے خود کو حسیاتی مسرتوں کے حوالے کر دیا' اب وہ کریبئن کی ساحلی پٹی کا ہی سب سے ستند طبیب نہیں تھا بلکہ اپنی جنون خیز جبلتوں کا مارا ہوا ایک بے بس انسان بن کر رہ گیا تھا۔ اپنے سخت پیشے میں صرف ایک بار پہلے اسی طرح کا واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا تھا' اور وہ اس کی زندگی کا سب سے زیادہ شرمناک دن تھا۔ کیوں کہ اس برہم مریضہ نے اس کا ہاتھ پرے دھکیل دیا' اٹھ کر بستر میں بیٹھ گئی اور اس سے کہا ''تم جو کچھ چاہتے ہو' وہ ممکن ہو سکتا ہے' مگر اس طرح نہیں' جس طرح تم کر رہے ہو۔'' اس کے برعکس مس لنچ نے خود کو اس کے ہاتھوں کے سپرد کر دیا' اور جب اسے یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر اب اپنی سائنس کے بارے میں نہیں سوچ رہا تو اس نے کہا۔

''میرا خیال تھا کہ تمھاری پیشہ ورانہ اخلاقیات اس بات کی اجازت نہیں دیتیں۔''

وہ پسینے سے یوں شرابور ہو گیا جیسے وہ ابھی ابھی کپڑوں سمیت کسی تالاب سے نکل کر آیا ہو۔ اس نے ایک تولیے سے اپنے ہاتھ اور چہرے کو خشک کیا۔

''ہمارا ضابطہ اخلاق یوں بنایا گیا ہے۔'' اس نے کہا: ''جیسے ہم ڈاکٹر لکڑی کے بنے ہوئے

ہوں۔''

''میرے اس خیال کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم ایسا کر نہیں سکتے۔''اس نے کہا۔''ذرا سوچو تو' ایک غریب سیاہ فام عورت کو یہ کیسا لگے گا کہ اتنا مشہور آدمی اسے اپنی توجہ کے لائق سمجھے۔''

''میرا ایک لمحہ بھی تمھارے خیال کے بغیر نہیں گذرا۔''اس نے کہا۔

یہ ترحم کا جذبہ پیدا کرتا ہوا' ایک لرزتا ہوا اعتراف تھا۔ مگر اس نے ایک ہنسی سے' جس سے پوری خواب گاہ جگمگا اٹھی' اسے کسی بھی پریشانی سے بچا لیا۔

''ڈاکٹر جب سے میں نے تمہیں ہسپتال میں دیکھا تھا میں جان گئی تھی۔''اس نے کہا۔''میں کالی ضرور ہوں' مگر بیوقوف نہیں۔''

یہ اتنا سہل' ہرگز نہیں تھا۔ مس لنچ چاہتی تھی کہ اس سماج میں اس کا وقار محفوظ رہے۔ وہ تحفظ اور محبت کی خواہاں تھی۔ اس نے ڈاکٹر اربینو کو پورا موقع دیا کہ وہ اسے رجھاتا رہے' مگر یوں کہ وہ اس کی خلوت میں حصہ دار نہ بنے' اس وقت بھی' جب وہ گھر میں تنہا ہوتی تھی۔ وہ اس بات سے آگے کی اجازت نہیں دیتی تھی' کہ وہ اسے چھونے یا سٹیتھوسکوپ سے معائنہ کرنے کی تقریب جاری رکھے' اخلاقیات سے ان تمام انحرافات سمیت جن کی وہ خواہش کرتا تھا' مگر اس کے کپڑے اتارے بغیر۔ جہاں تک اس کا تعلق تھا' جس لذت سے وہ آشنا ہو چکا تھا' اس کو چھوڑنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا' سو اس نے اپنی روزانہ کی یلغار جاری رکھی۔ عملی طور پر ڈاکٹر اربینو کے لیے یہ تقریباً ناممکن تھا کہ وہ مس لنچ کے ساتھ تعلقات کا تسلسل جاری رکھ سکے' مگر وہ اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ اب رک نہیں سکتا تھا' جس طرح بعد میں اس نے اتنا کمزور ہو جاتا تھا کہ وہ مزید اس کو جاری نہیں رکھ سکتا تھا یہ اس کی حد تھی۔

ریورنڈ لنچ کوئی باقاعدہ زندگی نہیں گزارتا تھا۔ اس لیے کہ وہ کسی بھی لمحے' اپنے خچر پر سوار دور دراز نکل جاتا تھا۔ اس کے ایک جانب انجیل کے پمفلٹ ہوتے اور دوسری جانب ضروریات کی چیزیں ہوتیں' اور اسی طرح وہ کسی ایسے وقت واپس آ جاتا جب اس کی بالکل توقع نہیں کی جا رہی ہوتی تھی۔ ایک دوسری مشکل گلی کے دوسری جانب سکول کا ہونا تھا کیوں کہ بچے اپنا سبق یاد کرتے ہوئے کھڑکیوں سے باہر دیکھتے تھے' اور ان میں سب سے واضح انھیں گلی کے پار یہی گھر نظر آتا تھا' جس کے گھر اور دروازے صبح چھ بجے سے مکمل طور پر کھلے ہوتے' وہ مس لنچ کو چھجے سے پنجرے کو لٹکائے ہوئے دیکھتے تاکہ وہ نغمہ خواں پرندہ دہرائے جانے والے اسباق سیکھ سکے' وہ اسے کھلے رنگوں کی پگڑی باندھے اور اپنی شاندار

کر یہہُن آواز میں ان کی آواز سے آواز ملا کر گاتے ہوئے گھر کے کام کاج میں مصروف چلتے پھرتے دیکھتے اور بعد میں وہ اسے پورچ میں بیٹھا دیکھتے جہاں وہ خود انگریزی میں شام کی مناجات گا رہی ہوتی۔

انھیں ایسے وقت کا انتخاب کرنا پڑا جب بچے وہاں نہ ہوں اور یوں صرف دو ہی ممکنات تھیں: لنچ کے لیے سہ پہر کی چھٹی کا وقت' بارہ بجے سے دو بجے کے درمیان' اور یہی وہ وقت تھا جب ڈاکٹر اپنا لنچ کرتا تھا۔ یا پھر کافی سہ پہر گزرنے کے بعد' جب بچے گھروں کو جا چکے ہوتے۔ یہ بہترین وقت تھا' اگرچہ اس وقت تک ڈاکٹر اپنا راؤنڈ مکمل کر چکا ہوتا اور اس کے پاس خاندان کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے گھر پہنچنے سے پہلے صرف چند منٹ ہی باقی بچتے تھے۔ تیسرا مسئلہ' جو اس کے لیے سب سے زیادہ سنگین تھا' اس کی اپنی صورت حال تھی۔ اس کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ وہاں اپنی بگھی کے بغیر جائے' جسے لوگوں کی اکثریت پہچانتی تھی' اور جسے ہمیشہ گھر کے باہر' اس کے آنے تک کھڑا رہنا ہوتا تھا۔ وہ اپنے کوچوان کو اس قصے میں شریک کر سکتا تھا جیسا کہ اس کے سماجی حلقے کے اکثر دوست کرتے تھے' مگر ایسا کرنا اس کی فطرت میں شامل نہیں تھا۔ درحقیقت' جب اس کا مس لنچ کے ہاں آتے رہنا کافی زیادہ ہو گیا تو اس کے وردی پوش خاندانی کوچوان نے خود یہ پوچھنے کی جسارت کر ڈالی کہ اس کے لیے یہ بہتر نہیں ہوگا کہ وہ کچھ دیر بعد اسے لینے وہاں آ جایا کرے' تا کہ بگھی اتنی زیادہ دیر تک دروازے کے باہر نہ کھڑی رہا کرے۔

ڈاکٹر اربینو نے' اپنے مزاج کے برعکس تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''جب سے میں تمہیں جانتا ہوں یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے تمھیں ایسی بات کہتے ہوئے سنا ہے جو تمہیں نہیں کہنا چاہیے تھی'' اس نے کہا۔ ''بہرحال' پھر بھی میں سمجھوں گا کہ یہ بات کبھی کہی ہی نہیں گئی۔''

اس کا کوئی حل نہیں تھا۔ ایسے شہر میں' اس صورت میں' کہ ڈاکٹر کی بگھی باہر کھڑی ہو' بیماری کو چھپائے رکھنا ناممکن تھا۔ بعض اوقات ڈاکٹر خود ہی پہل کاری کرتا اور' اگر فاصلہ کم ہوتا ہو تو وہ وہاں پیدل یا کسی بگھی پر کرایہ ادا کر کے چلا جاتا' تا کہ وہ بدباطن اور قبل از وقت اندیشوں کو پھیلنے سے روک سکے۔ ایسی کوششوں کا بہرحال کوئی زیادہ فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ چوں کہ اس کے نسخے فارمیسی میں پہنچ کر سچ کو افشا کر دیتے تھے' اس لیے ڈاکٹر اربینو ہمیشہ' صحیح ادویات کے ساتھ نقلی ادویات بھی لکھ دیتا تھا تا کہ وہ مریض کے اس حق کو محفوظ رکھ سکے' کہ وہ اپنی بیماری کے راز کے ساتھ پرسکون موت مر سکے۔ اس طرح وہ بہت سے صحیح طریقوں سے اپنی بگھی کے مس لنچ کے گھر کے باہر کھڑا رہنے کا جواز پیش کر سکتا تھا' مگر اسے بہت

زیادہ مدت کے لیے کھڑا رکھنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا' کم ازکم اتنی مدت کے لیے جس کا وہ آرزومند تھا' یعنی اپنی باقی تمام زندگی۔

دنیا اس کے لیے ایک جہنم بن گئی۔ ایک بار جب ابتدائی جنون کم ہوا' تو دونوں اس قصے میں درپیش خطرات کو محسوس کرنے لگے' اور ڈاکٹر جووینل اربینو تو کسی بھی صورت کسی سکینڈل کا سامنا کرنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ اپنے عشق کی مدہوشی میں ہر بات کا وعدہ کرلیتا مگر جب یہ کیفیت گزر جاتی' ہر شے کسی اور وقت کے لیے چھوڑ دی جاتی۔ دوسری طرف جوں جوں اس میں اس کے قرب کی خواہش بڑھتی گئی اس کے ساتھ ساتھ اسے کھودینے کا خوف بھی اس میں بڑھتا رہا۔ چناں چہ ان کی ملاقاتیں جلد بازی میں ہونے لگیں اور ان کے مسائل بڑھتے گئے۔ وہ کسی اور شے کے بارے میں نہیں سوچتا تھا۔ ایک ناقابل برداشت خواہش کے ساتھ وہ سہ پہروں کا انتظار کرتا۔ وہ اپنی دوسری ذمہ داریوں کو فراموش کرتا گیا۔ اس کے سوا اسے کچھ اور یاد نہیں رہا۔ مگر جوں ہی اس کی بگھی مالا کرینیزا کے شوررزدہ دلدلی علاقے میں داخل ہوتی' وہ خدا سے دعا کرتا کہ اس کی راہ میں کوئی ایسی ان دیکھی رکاوٹ حائل ہو جائے کہ وہ وہاں رکے بغیر گزر جائے۔ وہ ایسے اضطراب کی حالت میں اس کے گھر جاتا کہ بعض اوقات جب وہ موڑ مڑتا' تو محترم لنچ کے الجھے ہوئے سر کی ایک جھلک دیکھ کر خوش ہو جاتا' جو ٹیرس پر بیٹھا پڑھ رہا ہوتا۔ جب کہ اس کی بیٹی قرب وجوار کے بچوں کو لاؤنج میں بٹھا کر الہامی کتابوں کے بارے میں سوال جواب کے ذریعے تعلیم دے رہی ہوتی۔ پھر وہ اس اطمینان سے گھر چلا جاتا کہ وہ ایک بار پھر اپنے مقدر سے نبرد آزما نہیں ہے' مگر بعدازاں وہ خود کو اس خواہش کے جنون میں مبتلا پاتا کہ بس اب سہ پہر کے پانچ بج جائیں' ہر لمحہ' ہر منٹ' یہی وقت ٹھہرا رہے۔

چناں چہ جب اس کے گھر کے سامنے کھڑی بگھی لوگوں کی نظروں میں آنے لگی' ان کا عشق ناممکن ہوتا گیا اور تین مہینوں بعد تو بس یہ ایک مضحکہ خیز معاملہ بن کر رہ گیا۔ جوں ہی مس لنچ اپنے مضطرب عاشق کو داخل ہوتے دیکھتی' وہ کسی بات چیت میں وقت ضائع کیے بغیر خواب گاہ میں گھس جاتی۔ وہ یہ احتیاط کرتی کہ جن دنوں ڈاکٹر اربینو کی آمد متوقع ہوتی' وہ ایک پورا سکرٹ پہنتی۔ جو جمیکا سے لیا ہوا ایک سرخ پھولوں والا شکن دار' خوبصورت سکرٹ تھا۔ مگر اس کے نیچے وہ انڈرویر نہیں پہنتی تھی۔ کچھ بھی نہیں۔ اس خیال سے کہ یہ سہولت اس کے عاشق کے خوف کو کم کرنے میں مدد دے گی۔ مگر ہر وہ بات جو وہ اسے خوش کرنے کے لیے کرتی' وہ اسے برباد کر دیتا تھا۔ پھولے ہوئے سانس اور پسینے

میں شرابور وہ خواب گاہ میں گھسنے کی کوشش کرتا۔ ہر چیز کو فرش پر پھینک دیتا' اپنا عصا' میڈیکل بیگ' پاناما کی ہیٹ' اور وہ افراتفری میں اس سے ہم بستری کرتا' یوں کہ اس کی پینٹ اس کے گھٹنوں تک ڈھلکی ہوتی، اس کی جیکٹ کے بٹن بند ہوتے تا کہ وہ اس کی راہ میں حائل نہ ہو' اس کی گھڑی کی طلائی زنجیر اس کی بنیان سے بندھی ہوتی' اس نے جوتے پہنے ہوتے' ہر چیز ویسے ہی پہنی ہوتی' اور لذت کے حصول سے زیادہ وہ اس دھیان میں غرق ہوتا کہ جتنی جلد ہو سکے وہ یہاں سے نکل جائے۔ جب کہ وہ محض اپنی تنہائی کی سرنگ کے کنارے پر کھڑی ڈولتی رہ جاتی' اور اس دوران میں وہ دوبارہ اپنے بٹن بند کر رہا ہوتا' اس قدر تھکا ہارا' جیسے وہ موت و زیست کے کنارے پر کسی مکمل وصال کے تجربے سے گزر کر آیا ہو' جب کہ حقیقت میں اس نے محض اس جسمانی فعل کو مکمل کیا ہوتا جو عشق کی بازی گری کا محض ایک حصہ تھا۔ مگر اصل بات یہ ہے وہ اسے بروقت مکمل کر چکا ہوتا: بالکل اتنا ہی وقت جتنا کہ ایک معمول کے معائنے میں ٹیکا لگانے کے لیے درکار ہوتا۔ پھر وہ اپنی کمزوری پر شرمسار گھر لوٹ جاتا' موت کی خواہش کرتے ہوتے' اپنی اس کوتاہی پر خود کو ملامت کرتے ہوئے جو اسے فرمینا دازا سے یہ التجا کرنے سے روکتی تھی کہ وہ اس کی پینٹ اتارے اور اس کے کولہوں کو بھٹی میں ڈال کر جلا ڈالے۔

اس کی بھوک مٹنے لگی' اس کی عبادت ایمان سے خالی رہنے لگی' اپنے بستر میں وہ سستانے کی اداکاری کرتے ہوئے مطالعے میں مشغول رہتا' جبکہ اس کی بیوی سونے سے پہلے پورے گھر کا نظام درست کرنے میں مصروف ہوتی۔ کتاب پڑھنے کے دوران میں جوں ہی نیند کا کوئی جھونکا آتا' وہ مس لنچ کے ناگزیر چھال دار درختوں والے دلدلی علاقے' اور جنگل کے درمیان اداس راستے' سے اس کے بستر مرگ' میں پہنچ جاتا' اور پھر اس کے دماغ میں اگلی سہ پہر پانچ بجنے میں پانچ منٹ کے سوا کچھ نہ رہتا جب وہ بستر میں بیٹھی اس کی یوں منتظر ہوتی کہ اس کے بدن پر جمیکا سے لائے ہوئے اس جنونی سکرٹ اور اس کے نیچے سیاہ جھاڑیوں والے ابھار کے سوا اس کے تصور میں کچھ اور باقی نہ رہتا: ایک جہنمی چکر۔

پچھلے چند سالوں سے وہ اپنے ہی جسم کے بوجھ کے بارے میں باخبر رہنے لگا تھا۔ وہ ان علامات کو پہچانتا تھا۔ اس نے نصابی کتابوں میں ان کے بارے میں پڑھ رکھا تا۔ اس نے حقیقی زندگی میں ان کی سچائی کو دیکھا تھا۔ بوڑھے مریض جن کی موذی بیماریوں کی کوئی ہسٹری نہیں ہوتی تھی' وہ اچانک ایسی قطعی علامات کے ظہور کے بارے میں بتانے لگتے جو براہ راست نصابی کتب میں لکھی گئی حتمی علامات سے مماثل ہوتیں' اور اس کے باوجود داستانوی لگتیں۔ اس کے امراض اطفال کے پروفیسر نے

بچوں کے امراض کی مہارت کو سب سے ایمان دار مہارت کہا تھا۔ کیوں کہ بچے اسی وقت بیمار پڑتے ہیں' جب واقعی وہ بیمار ہوتے ہیں۔ اور وہ طبیب کے ساتھ روایتی الفاظ کے ذریعے اپنا مدعا ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہوتے' بل کہ ان کی بیماری کی ٹھوس علامات ہی اس مرض کو ظاہر کرتیں ہیں۔ ایک خاص عمر کے بعد بڑوں کو یا تو مرض کے بغیر ہی اس کی علامات کا سامنا کرنا پڑتا' یا اس سے بھی برا کہ انھیں کوئی موذی بیماری لاحق ہوتی مگر علامات معمولی بیماریوں کی ظاہر ہوتیں۔ وہ انھیں دوائیں دیتا تا کہ انھیں اتنا وقت مل جائے کہ وہ اپنی بیماری کے بارے میں زیادہ حساس نہ ہونا سیکھ سکیں' اور اپنے بڑھاپے کے ملبے میں ان کے ساتھ گزارا کر سکیں۔ ڈاکٹر اربینو نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اس کی عمر کا ایک طبیب جس کا یقین تھا کہ اس نے ہر شے دیکھ لی ہے' اس پریشان کن احساس پر قابو نہیں پا سکے گا کہ وہ بیمار ہے' جب کہ وہ بیمار نہیں تھا۔ یا جو بات اس سے بھی بری تھی کہ وہ محض اپنے علمی تعصب کی بنا پر یہ یقین کر لے کہ وہ بیمار نہیں تھا' جب کہ درحقیقت وہ واقعی بیمار ہو۔ چالیس سال کی عمر میں' کچھ سنجیدگی اور کچھ دل لگی کے ملے جلے انداز میں اس نے کلاس میں کہا تھا'' زندگی میں بس مجھے یہی چاہیے کہ کوئی ہو جو مجھے سمجھتا ہو۔'' لیکن جب اس نے خود کو مس لنچ کی بھول بھلیوں میں گم پایا تو اب یہ بات محض مذاق نہیں رہی تھی۔

اس نے محسوس کیا کہ اپنے بوڑھے مریضوں میں پائی جانے والی تمام حقیقی اور تصوراتی علامات اس کے جسم میں نمودار ہونا شروع ہو گئیں ہیں۔ اس کو اپنے جگر کی شکل اس قدر صراحت سے محسوس ہونے لگی کہ وہ اس کو بغیر چھوئے اس کا سائز بتا سکتا تھا۔ وہ اپنے گردوں میں ایسی آوازوں محسوس کرتا جیسے اونگھتی ہوئی بلی خرخر کر رہی ہو' وہ اپنے شانوں کی رنگا رنگ چمک دمک محسوس کرتا' اسے اپنی شریانوں میں دوڑتے لہو کی سنسناہٹ محسوس ہوتی کبھی یوں بھی ہوتا کہ جیسے پانی کے بغیر مچھلی تڑپتی ہے' وہ بھی صبح سویرے ہوا کی کمی محسوس کرتے ہوئے سانس میں وقت پیدا ہونے کی وجہ سے جاگ اٹھتا۔ اسے اپنے دل میں زائد سیال اکٹھا ہوتا محسوس ہوتا۔ اسے محسوس ہوتا جیسے ایک لمحے کے لیے اس کے دل کی دھڑکن رک گئی ہے۔ یوں' جیسے کسی سکول کا 'مارچنگ بینڈ' اپنے سر بدلنا شروع کر دے۔ ایک بار' دوبار' اور پھر چوں کہ خدا مہربان ہے' بالآخر اس نے خود کو صحت یاب ہوتے محسوس کیا۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ ان توجہ ہٹانے والی ادویات کی طرف رجوع کرتا' جو وہ اپنے مریضوں کو دیتا تھا' وہ دہشت سے پاگل ہونے لگا۔ یہ درست تھا' اس کو زندگی میں یہاں تک کہ اٹھاون برس کی عمر میں بھی یہی چاہیے تھا کہ کوئی' جو اسے سمجھ سکے۔ چناں چہ وہ فرمینا دازا کی طرف لوٹ آیا' ایسی ہستی جو اسے سب سے زیادہ پیار کرتی تھی' اور جس

سے وہ دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتا تھا' اور جس کے ساتھ اس نے ابھی اپنا ضمیر ہلکا کر دیا تھا۔

یہ اس وقت ہوا جب اس سہ پہر' اس نے اس کے مطالعے میں مداخلت کرتے ہوئے اپنی طرف دیکھنے کو کہا تھا۔ اور اس کے لیے یہ پہلا اشارہ تھا کہ اس کا جنسی سلسلہ آشکار ہو چکا ہے۔ مگر اس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کیسے ہوا' کیوں کہ اس کے لیے یہ تصور کرنا ناممکن تھا کہ فرمینا داز انے صرف اپنی قوت شامہ کی بدولت سچ تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ بہر حال یہ شہر کافی عرصے سے' رازوں کی امانت کے سلسلے میں مہربان نہیں رہا تھا۔ جب سے گھروں میں ٹیلیفون لگنے شروع ہوئے تھے' بہت سی ایسی شادیاں جو بظاہر مستحکم نظر آتی تھیں' ٹیلیفون پر کسی گمنام شخص کی طرف سے بتائی جانے والی کہانیوں کی بنا پر ٹوٹ گئیں تھیں۔ اور اس وجہ سے کئی سالوں تک بہت سے خوف زدہ خاندانوں نے یا تو اس سہولت کو ختم کر ادیا تھا یا سرے سے' ٹیلی فون لگوانے ہی سے انکار کر دیا تھا۔ ڈاکٹر اربینو جانتا تھا کہ اس کی بیوی میں اتنی عزت نفس موجود ہے کہ وہ کسی گمنام ٹیلی فون کال کی بنا پر ایسا یقین نہیں کرے گی اور یہ تو وہ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی اپنے نام سے اس بے وفائی کی کہانی بتانے کی جرات کر سکتا ہے۔ مگر اس کو ڈر تھا کہ اس معاملے میں کہیں پرانا طریقہ اس سلسلہ میں نہ آزمایا گیا ہو: دروازے کے نیچے سے کسی گمنام ہاتھ کا سرکایا ہوا رقعہ اس سلسلے میں اثر انداز ہو سکتا تھا۔ نہ صرف اس لیے کہ یہ بھیجنے والے اور وصول کرنے والے' دونوں کی گمنامی کی ضمانت دیتا تھا۔ بل کہ اس لیے کہ ایک زمانے سے مروج اس طریقے کو ایسا اعتبار حاصل تھا کہ اسے مشیتِ ایزدی کے کسی مافوق الفطرت منصوبے کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔

اس گھر میں حسد کا کبھی گزر تک نہیں ہوا تھا۔ اپنی تیس سال سے زیادہ پرسکون ازدواجی زندگی کے دوران میں وہ اکثر لوگوں میں فخر سے یہ کہتا آیا تھا' اور اب تلک یہ بات درست بھی تھی' کہ وہ ایسی سویڈش ماچس کی تیلیوں کی طرح ہے جو صرف اپنی ڈبی سے ہی جلتی ہیں۔ مگر اس کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اس کی بیوی' جو اس قدر فخر وقار اور مضبوط کردار والی عورت تھی' ایک ثابت شدہ بے وفائی پر کیسا ردعمل کرے گی۔ چناں چہ جب اس کے پوچھنے کے بعد اس نے اس کی طرف دیکھا' اس سے سوائے اس کے اور کچھ نہ بن پڑا کہ اس نے اپنی نظریں جھکا لیں تا کہ وہ اپنی پریشانی کو چھپا سکے اور اس وقت تک' جب تک وہ کچھ اور سوچنے کے قابل ہو سکے۔ وہ بظاہر یوں ہی ایلکا جزیرے کے خوبصورت اور چکر کھاتے ہوئے دریاؤں میں کھویا رہا' جہاں تک فرمینا داز ا کا تعلق ہے' اس نے بھی مزید ایک لفظ نہیں کہا۔ جب اس نے جرابوں کی مرمت مکمل کر لی' اس نے ہر شے کسی خاص ترتیب کے بغیر سینے پرونے

والی ٹوکری میں ڈالی' کچن میں رات کے کھانے کے لیے ہدایات دیں اور خواب گاہ میں چلی گئی۔

پھر وہ اس فیصلے پر پہنچا کہ وہ سہ پہر کو پانچ بجے مس لنچ کے گھر نہ جایا کرے۔ ایک دائمی محبت کے دعوے' ایک ایسا محفوظ گھر بنانے کا خواب جہاں صرف وہ تنہا رہے اور جہاں وہ بغیر کسی غیر متوقع مداخلت کے اس سے ملنے جا سکے۔ جب تک وہ رہیں' ان کے مسرت کے حصول میں کسی جلد بازی کی پرچھائیں تک نہ ہو۔ ہر وہ شے جس کا اس نے محبت کی دہکتی ہوئی حرارت میں اس سے وعدہ کیا تھا' اس کے بعد ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دی گئی۔ مس لنچ نے اس سے جو آخری شے وصول کی وہ زمرد کا بنا ہوا ایک جڑاؤ زیور تھا' یہ ایک چھوٹے سے ڈبے میں تھا، جسے فارمیسی کے کاغذ میں لپیٹا گیا تھا' تا کہ کوچوان خود ہی یہ سمجھ لے کہ یہ کوئی نہایت ضروری نسخہ ہے' جو اس نے بغیر کسی تبصرے' کسی پیغام اور بغیر کسی تحریر کے اس کے حوالے کر دیا۔ ڈاکٹر اربینو نے دوبارہ کبھی اسے نہیں دیکھا' کبھی اتفاقیہ بھی ان کا آمنا سامنا نہیں ہوا۔ اور صرف خدا ہی جانتا ہے کہ اس بہادرانہ فیصلے کے لیے اسے کتنے دکھ سے گزرنا پڑا اور بیت الخلا میں کتنی ہی دیر دروازے بند کر کے اسے کتنے غمگین آنسو بہانے پڑے' تا کہ وہ اپنی اس ذاتی تباہی سے جانبر ہو سکے۔ پانچ بجے اس سے ملنے کے لیے جانے کے بجائے' اس نے اپنے کنفیسر کے سامنے اپنی گہری پشیمانی کا اظہار کیا۔ اور آنے والے اتوار کو اس نے مذہبی اجتماع میں شرکت کی۔ اس کا دل ٹوٹ چکا تھا' مگر اس کی روح پرسکون تھی۔

اس رات' اپنے عشق سے دستبردار ہونے کے بعد' جب وہ سونے سے پہلے کپڑے اتار رہا تھا' اس نے فرمینا دازا کے سامنے اپنی صبح دم بے خوابی کا مسئلہ چھیڑا' اسے اپنے بدن میں اچانک کچوکے لگاتے درد' سہ پہر کو اپنی رونے کی خواہش' اور خفیہ محبت کی رمزیہ علامات جنھیں وہ بڑھاپے کی تکالیف سمجھتا رہا تھا کے بارے میں بتایا۔ وہ یہ سب کچھ کسی کو نہ بتاتا تو مر جاتا۔ اس کے لیے سچ بتانا ہی ضروری تھا۔ چناں چہ جو سکون اس نے محسوس کیا وہ محبت کی خانگی رسومات میں مقدس ہوتا گیا۔ اس نے پوری توجہ کے ساتھ اس کی باتیں سنیں' مگر اس کی طرف آنکھ اٹھا بھی نہیں دیکھا۔ وہ بغیر کچھ کہے اس کے اتارے ہوئے تمام کپڑے اٹھاتی رہی' انہیں چہرے پر ایسے کسی تاثر کی تبدیلی کے بغیر سونگھتی رہی، جس سے اس کا غصہ ظاہر ہوتا محسوس ہو۔ پھر اس نے انھیں لپیٹ کر میلے کپڑوں کی تھیلیوں والی ٹوکری میں پھینک دیا۔ اسے ان میں کوئی بو محسوس نہیں ہوئی۔ اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ کل کو بھی تو آنا تھا۔ خواب گاہ میں موجود جائے عبادت کے سامنے دعا کے لیے جھکنے سے پہلے اس نے اپنے مصائب کا ذکر ایک ایسی آہ سے کیا' جو اس

قدر غم انگیز تھی جیسے اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہو: ''مجھے لگتا ہے' میں مر رہا ہوں۔'' اس نے پلک جھپکے بغیر جواب دیا۔

''یہ تو بہت اچھا ہوگا۔'' اس نے کہا: 'اس طرح ہم دونوں کو کچھ سکون مل جائے گا۔''

برسوں پہلے' ایک مہلک بیماری کی تکلیف کے دوران میں اس نے ممکنہ موت کے بارے میں اس سے بات کی تھی' اور اس نے اس وقت بھی یہی بے رحم جواب دہرایا تھا۔ ڈاکٹر اربینو نے اس بات کو عورتوں کی فطری سنگ دِلی سے تعبیر کیا تھا' اور اسی کی وجہ سے یہ ممکن ہو سکا تھا کہ زمین سورج کے گرد اپنی گردش کو جاری رکھ سکے۔ اس وقت اس کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ اپنے خوف کو چھپانے کے لیے غصے کی ایک دیوار اپنے سامنے کھڑی کر لیتی ہے۔ اور یہ معاملہ سب سے زیادہ دہشت انگیز ہوتا تھا یعنی' اس کو کھو دینے کا خوف۔ اس کے برعکس اس رات' اس نے صدق دل سے اس کے مر جانے کی دعا مانگی' اور اس قطعیت نے اسے چونکا دیا۔ پھر اس نے اسے آہستہ آہستہ' تاریکی میں ہلکے ہلکے سانس لیتے ہوئے' تکیے میں دانت گاڑھے سنا مبادا وہ اس کی آواز سن لے۔ وہ گھبرا گیا۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ وہ جسم یا احساس کے کسی بھی زخم پر آسانی سے یہ نہیں کرتی تھی۔ وہ صرف طیش میں کراہتی تھی۔ خاص طور پر اگر اس کی وجوہات کسی جرم میں پنہاں ہوں۔ اور پھر جوں جوں وہ کراہتی رہی' اس کا غصہ بڑھتا جاتا' کیوں کہ آہ وزاری کرنے کی کمزوری اسے مزید مشتعل کر دیتی تھی۔ اس نے اسے تسلی دینے کی جسارت نہیں کی۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ یہ کسی ایسی شیرنی کو تسلی دینے کے مترادف تھا جس کے آر پار تیر گزر گیا ہو' اور اس کو یہ بتانے کی ہمت اس میں نہیں تھی کہ اس کے گریہ کی وجہ کا اس سہ پہر خاتمہ ہو گیا ہے۔ اس کو جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا ہے' ہمیشہ کے لیے' یہاں تک کہ وہ اس کی یادداشت سے بھی محو کر دی گئی ہے۔

کچھ وقت کے لیے اس پر تھکن غالب آ گئی۔ جب وہ جاگا تو اس نے اپنا دھیمی روشنی والا بیڈ سائیڈ لیمپ روشن کیا۔ اور وہ لیٹی ہوئی تھی' اس کی آنکھیں کھلی تھیں مگر اب وہ کراہ نہیں رہی تھی۔ اس کے سونے کے دوران میں وہ کسی قطعی تجربے سے گزر چکی تھی۔ وہ تلچھٹ جو اس کی زندگی کی تہہ میں سال ہا سال سے جمع ہوتی آئی تھی' حسد کے عذاب سے پیدا شدہ ہلچل سے سطح پر نمودار ہو گئی اور اس نے ایک لمحے میں اسے بوڑھا کر دیا تھا۔ اس کی اچانک دکھائی دینے والی جھریوں' پھیکے پڑتے ہونٹوں' راکھ میں ڈھلتے بالوں سے خوفزدہ' اس نے اسے یہ کہنے کی جسارت کی کہ وہ سونے کی کوشش کرے: دو بج چکے تھے۔ اس نے بغیر اس کی طرف دیکھے۔ اپنی آواز میں غصے کی ہلکی سی جھلک کے بغیر تقریباً نرمی سے اس سے پوچھا۔

''مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ وہ کون ہے؟''

اور پھر اس نے اسے ہر بات بتا دی۔ یوں محسوس کرتے ہوئے جیسے وہ اپنے کندھوں سے پورے جہان کا بوجھ اٹھائے پھر رہا تھا۔ کیوں کہ اسے یقین تھا کہ اسے پہلے سے علم ہے' اور اب وہ محض اس کی تصدیق کرنا چاہ رہی ہے۔ مگر یقیناً اسے پہلے سے ہر بات کا علم نہیں تھا۔ چناں چہ جب اس نے بات شروع کی تو اس نے دوبارہ سے رونا شروع کر دیا۔ اپنی پہلی دھیمی سسکیوں کے ساتھ نہیں مل کر بے شمار نمکین آنسوؤں کے ساتھ؛ جنھوں نے اس کے شب خوابی کے لباس کو جلا دیا اور اس کی زندگی کو شعلوں کی نذر کر دیا۔ کیوں کہ اس نے وہ کچھ نہیں کہا تھا جس کے سننے کا وہ اپنا کلیجہ حلق میں آنے سے روکے ہوئے' انتظار کر رہی تھی۔ جو ہر ایک مرد کو کرنا چاہیے تھا: یہ کہ وہ ہر بات کی تردید کر دے' اور اپنی زندگی کی قسم کھا کر یہ کہے کہ یہ صحیح نہیں تھا اور وہ اس جھوٹے الزام پر طیش میں آ جائے اور اس مریضانہ سماج پر لعن طعن کرے جو کسی کے بھی عزت و احترام کو پامال کرنے سے ذرا نہیں ہچکچاتا' اور اپنی بے وفائی کے ناقابل تردید شواہد کے سامنے بھی مت گھبرائے۔ پھر جب اس نے یہ بتایا کہ اس سہ پہر کو وہ اپنے کنفیسر کے ساتھ رہا تھا' اسے ڈر لگا کہ کہیں وہ غصے سے اندھی نہ ہو جائے۔ اکیڈمی میں گزارے اپنے وقت سے لے کر وہ اب تک اس بات پر یقین رکھتی تھی کہ چرچ سے متعلق مردوں اور عورتوں میں خدا کی طرف سے ودیعت کردہ کوئی خوبی موجود نہیں ہوتی۔ گھر کی ہم آہنگی میں یہ بات ہمیشہ رخنہ انداز ہوتی تھی اور جس کو وہ اب تک بغیر کسی حادثے کے نبھاتے آتے تھے۔ لیکن ڈاکٹر کا اپنے کنفیسر کو ایک ایسے راز میں شریک کرنا جو محض اس کا ہی نہیں اُس کا بھی تھا اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا۔

''تمھیں چاہیے تھا کہ تم بازار میں پھرتے کسی سپیرے کو بھی یہ بتا دیتے۔'' اس نے کہا۔ اس کے لیے اب ہر شے ختم ہو چکی تھی۔ اپنے شوہر کا کفارہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کی عزت اور وقار اب لوگوں کے لیے گپ شپ کا موضوع بن چکی ہے اور ذلت کے اس احساس نے اس میں اُس کی بے وفائی سے جنم لینے والی شرمندگی' غصہ اور ناانصافی کے کہیں زیادہ ناقابل برداشت غصے کے جذبات پیدا کیے اور ان سب پر مستزاد: لعنت ہو' ایک کالی عورت کے ساتھ! اس نے اس کی تصحیح کی۔ ایک مخلوط النسل عورت کے ساتھ۔ مگر اس وقت تک تصحیح کے لیے بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ ہر شے ختم کر چکی تھی۔

''اتنا ہی برا'' اس نے کہا'' اور اب میں سمجھی: یہ ایک کالی عورت کی بو تھی۔''

سوموار کو یہ واقعہ ہوا۔ جمعہ کو شام سات بجے عفرینا دازا' صرف ایک ٹرنک اور اپنی روحانی بیٹی

کی معیت میں ایک معمول کی کشتی پر سان جوان ڈی لا سینگا کے لیے روانہ ہوگئی۔ اس کا چہرہ ایک نقاب سے ڈھکا ہوا تھا' تاکہ وہ اور اس کا شوہر خود کو سوالات سے بچا سکیں۔ ڈاکٹر جووینل اربینو بندرگاہ پر نہیں تھا۔ یہ ایک باہمی معاہدہ تھا۔ جو تین دن کی تھکا دینے والی بحث کے بعد ان کے درمیان طے پایا تھا' اس کے مطابق انھوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ فلورلیس ڈی ماریا میں اپنی عم زاد ہلڈے برانڈا اسانچیز کے مویشی باڑے پر چلی جائے گی اور وہاں اس وقت تک رہے گی جب تک کہ وہ کسی حتمی فیصلے پر نہ پہنچ جائے۔ اس کی اپنی وجوہات جانے بغیر' بچوں نے اس کا یہ وہی سفر سمجھا جس کو وہ بڑے عرصے سے ملتوی کرتی آئی تھی' اور جس کے لیے وہ کافی دیر سے خود یہ چاہتے تھے وہ اس پر روانہ ہو ہی جائے۔ ڈاکٹر اربینو نے تمام معاملات کو یوں طے کیا کہ اس کے ناقابل اعتبار سماجی دائرے میں کوئی بھی شخص اپنے بد باطن شبہات کو پروان نہیں چڑھا سکا اور اس نے یہ سب کچھ اس قدر خوبی سے کیا کہ فلورنتینو آریزا کو اس کے غائب ہو جانے کا کوئی سراغ نہ لگا سکنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اس کے پاس کھوج لگانے کے وسائل نہیں تھے بل کہ درحقیقت اس کے شوہر نے ایسا کوئی سراغ چھوڑا ہی نہیں تھا۔ اس کے شوہر کو کوئی شک نہیں تھا کہ جوں ہی وہ اپنے غصے پر قابو پالے گی وہ واپس گھر آجائے گی۔ مگر وہ اس یقین کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئی تھی کہ اس کا غصہ کبھی بھی ختم نہیں ہوگا۔

تاہم' جلدی ہی اس نے یہ جان لیا کہ اس کا یہ مضبوط فیصلہ اتنا ناراضی کا نہیں جتنا کہ یادماضی کا نتیجہ تھا۔ اپنے ہنی مون کے بعد وہ کئی بار یورپ گئی تھی' اور صرف سمندر پر گزارے دس دنوں کے باوجود وہ کچھ وقت کے بعد ہی اس سفر کو خوش گوار بنا لیتی تھی۔ وہ اس دنیا سے واقف تھی۔ مگر وہ غبارے کی اڑان کے بعد کبھی سان جوان ڈی لا سینیگا نہیں گئی تھی۔ اس کے خیال میں چاہے دیر سے ہی سہی' عم زاد ہلڈے برانڈ کے گاؤں میں واپس آنے میں خود کو دوبارہ پالینے کا عنصر بھی شامل تھا۔ اس کا اپنی ازدواجی زندگی کی تباہی کے سلسلے میں ردعمل نہیں تھا: یہ خیال اس سے بھی پرانا تھا۔ سو اپنی اوائل عمری کے زمانے کے بسیروں میں دوبارہ گھومنے پھرنے کے محض خیال ہی نے اس کے زخموں پر پھاہا رکھنا شروع کر دیا۔

جب وہ سان جوان ڈی لا سینیگا میں اپنی روحانی بیٹی کے ساتھ کشتی سے اتری تو اس نے اپنے وجود کی تمام قوتوں کو مجتمع کرتے ہوئے قصبے کو پہچان لیا۔ حالاں کہ اس کے شواہد اس کے بالکل برعکس تھے۔ شہر کے سول اور ملٹری کمانڈر نے' جسے اس کی آمد کے بارے میں مطلع کر دیا گیا تھا' اسے سرکاری وکٹوریہ میں سیر کرنے کی دعوت دی: جب کہ سان پیڈ رو الجنڈ ے روانگی کے لیے ریل گاڑی

ابھی تیار کی جا رہی تھی ۔ جہاں وہ اس لیے جانا چاہتی تھی تا کہ وہ خود اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ سکے' جیسا کہ کہا جاتا تھا کہ جس بستر میں نجات دہندہ مرا وہ اتنا چھوٹا تھا جیسے کسی بچے کا ہو ۔فرمینا دازا نے دوبارہ سہ پہر دو بجے' اپنا نیم خوابیدہ قصبہ دیکھا ۔اس نے جھاگ آلود جوہڑوں کے ساتھ گلیوں کو دیکھا جو کسی ساحلی علاقے کی طرح لگ رہی تھیں' اور اس نے پرتگالیوں کے بنے ہوئے محلات دیکھے جن کی کھڑکیوں پر پیتل کے بیرونی شٹر بنے ہوئے تھے ۔ جہاں اس کی نوبیا ہتا ماں دولت مند گھرانوں کی لڑکیوں کو پیانو کی غم ناک موسیقی سکھایا کرتی تھی' اور اب بھی بڑے بڑے کمروں میں چھائی اداسی میں یہی کلاسیں دہرائی جا رہی تھیں ۔اس نے اس ویران پلازہ کو دیکھا جہاں اب سوڈیم نائٹریٹ کے جلتے ہوئے ڈھیر کی وجہ سے کوئی درخت باقی نہیں بچا تھا ۔چھتوں والی بگھیوں کی قطار دیکھی، جن کے گھوڑے کھڑے کھڑے سو رہے تھے ۔سان پیڈرو الجینڈرو جانے والی زرد ٹرین اور سب سے بڑے چرچ کے اگلے موڑ پر' سبز پتھروں کی محرابی راہداری والے وسیع اور حسین ترین گھر کو دیکھا اور یہاں کی عظیم خانقاہ کا دروازہ اور اس خواب گاہ کی کھڑکی دیکھی' جہاں کئی سالوں بعد ایلویرو نے پیدا ہونا تھا' اور جب اس کی یادداشت ایسی نہ رہی تھی کہ وہ اسے یاد رکھ سکے ۔اسے خالہ ایسکولستیکا کا خیال آیا' جس کی تلاش کی ناکام کوشش میں اس نے زمین و آسمان کا کونہ کونہ چھان مارا تھا اور اس کی یاد کے ساتھ ہی اس نے خود کو عالمانہ لباس میں ملبوس' اس چھوٹے سے پارک میں' اپنی نظموں کی کتابوں کے ساتھ بادام کے درختوں تلے بیٹھے فلورنتینو آریزا کے خیالوں میں گم ہوتے محسوس کیا ۔ایسا اس کے ساتھ کبھی کبھار اس وقت بھی ہوتا تھا' جب وہ اکیڈمی میں اپنے ناخوش گوار دنوں کو یاد کرتی تھی ۔اس کی بگھی گھومتی رہی مگر وہ اپنے پرانے خاندانی گھر کو نہ پہچان سکی ۔اس کے خیال میں جہاں اسے ہونا چاہیے تھا وہاں اب صرف ایک سوروں کا باڑہ تھا اور نکڑ پر قحبہ خانوں سے بھری ایک گلی تھی' جہاں سارے جہان سے آئی ہوئی طوائفیں اپنی راہداریوں میں بیٹھی قیلولہ کر رہی تھیں کہ شاید ان کے لیے کہیں سے کوئی خط آ جائے ۔اب یہ پہلے والا قصبہ نہیں رہا تھا۔

جب انھوں نے اپنا سفر شروع کیا تو فرمینا دازا نے اپنے چہرے کا زیریں نصف حصہ نقاب سے ڈھک لیا۔اس خوف سے نہیں کہ اس جگہ پر جہاں اب اسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا' وہ پہچان نہ لی جائے' بلکہ سورج کی گرمی میں پھولتی ان لاشوں کی وجہ سے جو ریل کی پٹڑی سے لے کر قبرستان تک ہر جگہ اسے نظر آ رہی تھیں ۔شہر کے سول اور ملٹری کمانڈر نے اسے بتایا: ''یہ ہیضے کی وجہ سے ہے ۔'' وہ جانتی

تھی کہ یہ اسی وجہ سے ہے ۔ کیوں کہ اس نے گرمی سے جھلستی ہوئی لاشوں کے منہ میں سفیدا بھار دیکھے تھے۔ مگر اس نے غور کیا کہ ان میں سے ایک کی گردن کے پیچھے وہی مہلک نشان تھا' جیسا کہ انھوں نے غبارے کے سفر کے دوران میں بھی دیکھا تھا۔

سان جوان ڈی لاسیینگا سے سان پیڈ رو الجیڈ رینو کے پرانے شجر زار تک کا فاصلہ صرف نو فرسنگ تھا' مگر اس زروڈرین نے یہ فاصلہ طے کرنے کے لیے پورا دن لیا۔ انجینئر روزانہ کے مسافروں کا دوست تھا' جو ہمیشہ اسے رکتے رہنے کے لیے کہتے رہتا کہ وہ کیلے کی کمپنی کے گالف کے میدانوں میں چہل قدمی کر کے اپنی ٹانگیں سیدھی کر سکیں' اور مرد پہاڑوں سے آنے والے صاف اور ٹھنڈے دریاؤں میں بے لباس نہاتے رہیں اور جب انھیں بھوک لگے تو وہ چراگاہوں میں گھومتی بھینسوں کا دودھ دوہ کر پی سکیں ۔ منزل پر پہنچ کر فرمینا دازا خوفزدہ ہو گئی اور اس کے پاس اتنا ہی وقت تھا کہ وہ املی کے داستانوی پیڑوں میں اس حیرانی کو محسوس کر سکے، جہاں نجات دہندہ نے مرتے وقت اپنا جھولنا لٹکایا ہوا تھا۔ اور اس نے خود دیکھا' جیسا کہ لوگ کہتے تھے کہ جس بستر پر وہ مرا تھا وہ نہ صرف اس جیسے شاندار آدمی کے لیے ہی نہیں بل کہ ایک سات ماہ کے بچے کے لیے بھی چھوٹا تھا۔ تاہم ایک اور زائر جو انتہائی بے خبر دکھائی دے رہا تھا' کہنے لگا کہ یہ ایک جھوٹی یادگار ہے ۔ اس لیے کہ سچ یہ تھا کہ ان کے بابائے قوم کو فرش پر مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا۔ جب سے وہ گھر سے چلی تھی فرمینا دازا نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا' اس سے اس قدر مایوس ہو چکی تھی کہ اس نے اپنے باقی سفر کے دوران میں ایسے سابقہ سفر کی کسی یاد سے کوئی خوشی حاصل نہ کی' جس کی اس نے خواہش کی تھی بل کہ اس کے بجائے اس نے اپنی یاد کے مقبروں سے گزرنے سے احتراز کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح وہ انھیں اب بھی محفوظ رکھ سکتی تھی اور خود کو اپنے خوابوں کے ٹوٹنے کی کیفیت سے بچا سکتی تھی ۔ اس نے اس بل کھاتے سفر میں' اپنی یاد کے سحر سے آزاد ہوتے ہوئے' اکارڈین کی آوازیں سنیں اس نے پالیوں سے آتی بلڑتے ہوئے مرغوں کی آوازیں سنیں' اس نے بندوقوں سے نکلتی گولیوں کی آوازیں سنیں' جس سے جنگ یا جشن' کوئی بھی معنی اخذ کیے جا سکتے تھے اور جب اس کو کوئی اور تدبیر سمجھ نہ آئی' جبکہ اس نے ایک قصبے میں سے ہو کر گذر رہا تھا' تو اس نے اپنا چہرہ نقاب سے ڈھک لیا' تاکہ وہ اسے اسی طرح یاد میں لا سکے' جیسا کہ یہ پہلے کبھی ہوتا تھا۔

ماضی سے اس قدر بچتے بچاتے' ایک رات وہ کزن ہلڈے برانڈا کے مویشی باڑے پر پہنچ ہی گئی اور جب اس نے دروازے پر بیٹھے بیٹھے اس کا انتظار کرتے ہوئے اسے دیکھا' تو وہ تقریباً اپنا ہوش

کھو بیٹھی ۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے وہ سچ کے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ رہی ہو ۔ وہ فربا اور بوڑھی ہو چکی تھی ۔ اپنے ان بدتمیز بچوں کے بوجھ سے دوہری ہوتی ہوئی جن کا باپ وہ شخص نہیں تھا، جس سے وہ اب بھی کسی امید کے بغیر محبت کرتی تھی' مل کہ ایک سپاہی تھا جو اپنی پنشن پر گزارا کرتا تھا' اور جس سے اس نے محض اپنے بغض کی وجہ سے شادی کی تھی اور جو اس سے ایک مضطرب محبت کرتا تھا ۔ مگر اس برباد جسم میں ابھی بھی وہ پرانی ہستی زندہ تھی ۔ گاؤں میں رہنے کے کچھ ہی دنوں بعد اور خوشگوار یادوں کی وجہ سے وہ جلد ہی اپنے ابتدائی صدمے سے باہر نکل آئی ۔ مگر اس نے سوائے اتوار کے دنوں میں عشائے ربانی میں شرکت کے لیے جانے کے علاوہ کبھی مویشی باڑے کو نہیں چھوڑا ۔ جس میں وہ اپنی پرانے وقتوں کی من موجی سازشی سہیلیوں کے پوتے پوتیوں کے ہمراہ شرکت کرتی ۔ عالی شان گھوڑوں پر سوار کاؤبوائے اور حسین' خوش لباس لڑکیاں جو ویسی ہی تھیں جیسی ان کی عمروں میں ان کی مائیں اور جو بیل گاڑیوں میں کھڑے ہو کر کورس گاتے ہوئے وادی کے آخری سرے پر واقع چرچ میں پہنچ جاتیں ۔ وہ فوریس ڈی ماریا کے قصبے سے گزری' جہاں وہ اپنے پہلے سفر کے دوران میں نہیں گئی تھی ۔ کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ وہ اسے پسند نہیں کرے گی مگر جب اس نے اسے دیکھا تو وہ اس سے مسحور ہو گئی ۔ اس کی' یا قصبے کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ بعد میں اسے کبھی اس طرح یاد نہیں کر سکی تھی جیسا کہ یہ حقیقت میں تھا' مگر صرف اس طرح جیسے کہ وہاں جانے سے پہلے اس نے اس کا تصور کیا تھا ۔

ڈاکٹر جووینل اربینو نے ریوہاچا کے بشپ سے رپورٹ ملنے کے بعد اس کے پاس آنے کا فیصلہ کیا' جس نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ اس کی بیوی کے وہاں اس قدر طویل عرصہ ٹھہرنے کی وجہ اس میں واپسی کی خواہش کا نہ ہونا نہیں ہے بل کہ اسے ایسا کوئی راستہ نہیں مل رہا، جس میں وہ اپنا غرور قائم رکھتے ہوئے ایسا کر سکے ۔ چناں چہ وہ ہلڈے برانڈا سے خط و کتابت کرنے کے بعد بغیر اطلاع دیے اس کے پاس آنے کے لیے روانہ ہو گیا ۔ اس نے واضح طور پر یہ لکھا تھا کہ اس کی بیوی اپنی یادوں میں گم ہے' وہ اب اپنے گھر کے سوا کسی اور شے کے بارے میں نہیں سوچتی ۔ صبح دن کے گیارہ بجے جب فرمینا دازا باورچی خانے میں بینگن کا سالن بنانے میں مصروف تھی کہ اس نے نوکروں کی چیخیں' گھوڑوں کے ہنہنانے' ہوائی فائرنگ کی آوازیں اور پھر صحن میں اس کے مضبوط قدموں کی چاپ سنی' جس کے بعد اس کی آواز آئی ۔

''بلائے جانے سے بہتر ہے کہ انسان خود ہی بروقت پہنچ جائے ۔''

اسے لگا جیسے وہ خوشی سے مر جائے گی ۔ بغیر کچھ سوچتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ صاف کیے'

اور جیسے خود سے سرگوشی کی: ''اے خدا تیرا شکر یہ تو کتنا مہربان ہے۔'' یہ سوچتے ہوئے کہ اس منحوس بینگن کے سالن کی وجہ سے' جو ہلڈے برانڈا نے یہ بتائے بغیر کہ لنچ پر کون آ رہا تھا' اسے پکانے کے لیے کہہ دیا تھا' وہ ابھی تک غسل بھی نہیں کر سکی تھی۔ یہ سوچتے ہوئے کہ وہ اتنی بوڑھی اور بدصورت لگ رہی ہے اور اس کا چہرہ سورج کی حدت سے اس قدر چھلا ہوا ہے کہ وہ جب اسے اس حال میں دیکھے گا تو اپنے یہاں آنے پر افسوس ہی کرے گا۔ لعنت ہو۔ مگر جس قدر بھی وہ اپنے ہاتھ خشک کر سکتی تھی' اس نے ایپرن سے انھیں صاف کیا' جس قدر بھی ممکن تھا' اپنے حلیے کو درست کیا' اپنے پاگل دل کو پرسکون رکھنے کے لیے اپنی فطری تمکنت کا سہارا لیے اپنی غزالی چال چلتے ہوئے اس شخص سے ملنے چلی گئی۔ اس کا سر اونچا تھا' اس کی آنکھیں چمک رہیں تھیں' اس کی ناک لڑائی کے لیے تیار' اور تقدیر کی ممنون کہ اب اسے واپس گھر جانے کا بے پناہ سکون میسر آ رہا تھا' وہ اتنی جھکی ہوئی نظر نہیں آ رہی تھی جیسا کہ اس نے سوچا تھا۔ کیوں کہ یہ تو طے تھا کہ وہ اس کے ساتھ واپس جانے پر خوش ہوگی' مگر اپنی ان تلخ تکالیف کا بدلہ' جنھوں نے اس کی زندگی ختم کر کے رکھ دی تھی' اس سے اپنی خاموشی سے لینے کے لیے وہ مکمل طور پر تلی ہوئی تھی۔

فرمینا دازا کے غائب ہونے کے تقریباً دو سال بعد' ایک ایسا ناممکن اتفاق ظہور میں آیا' جسے اگر تر انیستو آریزا ہوتی تو وہ اسے خدا کے کسی مذاق سے تعبیر کرتی۔ فلورنتینو آریزا کسی بھی اعتبار سے' متحرک فلموں کی ایجاد سے متاثر نہیں تھا' مگر لیونا کیزیانی اسے مجبور کر کے کیبریا کے شاندار افتتاح پر اپنے ہمراہ لے گئی۔ اس فلم کی شہرت کی بنیاد یہ تھی کہ شاعر گبریل ڈی انون زیو نے اس کے لیے مکالمے لکھے تھے۔ ڈون گلیلیو ڈیکو نٹے کا نیا اوپن ائر جہاں کچھ راتوں کو لوگ سکرین میں خاموش وصل کے نظاروں کی نسبت ستاروں کے شکوہ سے زیادہ لطف اندوز ہوتے تھے' منتخب لوگوں سے مکمل طور پر بھرا ہوا تھا۔ لیونا کیزیانی اپنا دل مٹھی میں تھامے فلم کی کہانی میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کے برعکس فلورنتینو آریزا' ڈرامے کی بے پناہ بوریت کی بنا پر نیند میں اپنا سر ہلا رہا تھا۔ اس کی پشت پر' ایک عورت کی آواز نے جیسے اس کی سوچوں کو پڑھ لیا ہو۔

''میرے خدا یہ تو دکھ سے بھی زیادہ طویل ہے۔''

اس نے بس یہی کچھ کہا۔ شاید وہ تاریکی میں اپنی آواز کی گونج سے جھجک گئی' کیوں کہ یہاں ابھی تک خاموش فلموں کو پیانو کی موسیقی کے ساتھ آراستہ کر کے پیش کرنے کا رواج عام نہیں ہوا تھا اور اس تاریک احاطے میں صرف پروجیکٹر کی بارش کی بوندوں جیسی رم جھم کرتی آواز ہی سنی جا سکی تھی۔

فلورنتینو آریزا کو انتہائی غیر معمولی حالات کے سوا کبھی خدا کا خیال نہیں آتا تھا' مگر اس بار اس نے اپنے دل کی گہرائیوں سے اس کا شکر یہ ادا کیا۔ اس لیے کہ چاہے یہ زمین کی پاتال سے آ رہی ہو' وہ بھرائی ہوئی اس آواز کو ایک لمحے میں پہچان سکتا تھا' جس کو وہ اس سہ پہر سے اپنی روح میں بسائے پھر رہا تھا' جب اس نے ایک ویران پارک میں گرتے ہوئے پتوں کے گرداب میں اسے یہ کہتے ہوئے سنا تھا ''اب تم چلے جاؤ' اور دوبارہ اس وقت تک نہ آنا جب تک میں تم سے نہ کہوں۔'' اس نے جان لیا کہ وہ اس کی پچھلی نشست پر اپنے ناگزیر شوہر کے ساتھ بیٹھی ہے۔ وہ اس کی گرم' ہموار سانسوں کو پہچان سکتا تھا۔ وہ محبت بھرے جذبے کے ساتھ اس کے صحت مند سانسوں سے مصفا کی ہوئی ہوا میں سانس لینے لگا۔ بعد از موت خوں خوار کیڑے مکوڑوں کی زد میں آنے والے اس کے تصور کے بجائے' جیسا کہ حالیہ وقتوں میں اپنی نا امیدی میں وہ کرتا آیا تھا اس نے اسے اس کی پیار اور خوشی میں مست عمر میں یاد کیا' جب رومن عبا کے نیچے اپنے پیٹ کے دائرے میں وہ اپنے پہلے بچے کے بیج لیے ہوئے تھی۔ سکرین پر رونما ہوتے ہوئے تاریخی تباہیوں کے بے پناہ مناظر سے قطعی لاتعلق اس کو یہ ضرورت نہ تھی کہ اس کا تصور کرنے کے لیے وہ اپنی گردن موڑ کر اسے دیکھے۔ وہ باداموں کی اس مہک سے جو اس کے وجود کے عمیق ترین گوشوں سے اس کی طرف لہراتی ہوئی آ رہی تھی' خوش ہونے لگا اور اسے یہ جاننے کی خواہش ہوئی کہ وہ اس بارے میں کیا سوچتی ہے' کہ عورتیں فلموں میں ہی محبت کرتی رہیں' تا کہ یہ اس سے کہیں کم درد کا باعث بنے جو حقیقی زندگی میں ہوتا ہے۔ فلم کے اختتام سے ذرا پہلے اس نے اس پر نشاط لہر کو محسوس کیا کہ وہ اتنے عرصے سے اس ہستی کے' جس سے وہ اس قدر محبت کرتا ہے' اس قدر قریب کبھی نہیں رہا ہے۔

جب روشنی ہوئی تو وہ باقی لوگوں کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگا۔ پھر وہ بغیر کسی عجلت کے کھڑا ہوا اپنی صدری کے بٹن جنھیں وہ ہمیشہ کسی بھی کھیل کے دوران میں کھول لیتا تھا بند کرتے ہوئے' جیسے کسی اور دھیان میں غرق ہو' مڑا اور چاروں نے خود کو ایک دوسرے کے اتنا قریب پایا کہ اگر ان میں سے کوئی ایک نہ بھی چاہتا پھر بھی ان کا آپس میں سلام دعا کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ پہلے جووینل اربینو نے لیونا کیزیانی کی خیریت دریافت کی جسے وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ پھر اس نے اپنی روایتی وضع داری سے فلورنتینو آریزا سے ہاتھ ملایا۔ فرمینا دازا ان دونوں کی طرف دیکھ کر خوش مزاجی سے مسکرائی' محض خوش وضعی' لیکن کسی بھی صورت یہ ایسی ہستی کی مسکراہٹ تھی جو ان سے اکثر مل چکی ہو' جو جانتی ہو کہ وہ کون ہیں اور اس لیے ان سے تعارف کی ضرورت نہیں ہے لیونا کیزیانی نے مخلوط النسل عورتوں والی تمکنت کے ساتھ اس کا جواب دیا۔ مگر

فلورنتینو آریزا کو سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کرے۔ وہ اس پر نظر پڑتے ہی حیران وششدر رہ گیا تھا۔

وہ کوئی اور ہستی تھی۔ اس کے چہرے پر ان دنوں مروج مہلک بیماری کا یا کسی بھی اور بیماری کا کوئی نشان نہیں تھا۔ اس کے جسم میں اس کے بہتر دنوں والی نزاکت اور تناسب ویسے ہی محفوظ تھا۔ مگر یہ بات صاف ظاہر تھی کہ گزشتہ دو سال اس پر اس قدر بھاری رہے ہیں جیسے وہ دس مصیبت بھرے سال گزار کر آئی ہو۔ اس کے مختصر بال رخسار پر ایک خم کے ساتھ نہایت موزوں لگ رہے تھے۔ مگر اس میں اس شہد کا نہیں ایلومینیم کا رنگ نمایاں تھا اور اپنے دادیوں جیسے چشمے کے پیچھے اس کی حسین آرپار ہو جانے والی آنکھوں سے زندگی کا آدھا نور غائب ہو چکا تھا۔ فلورنتینو آریزا نے اسے تھیٹر سے جانے والے لوگوں کے ہجوم میں اپنے شوہر کا ہاتھ تھامے دور جاتے ہوئے دیکھا اور وہ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اس نے ایک سماجی تقریب میں کسی غریب عورت کا سا نقاب اور گھریلو استعمال کی جوتیاں پہنی ہوئی تھیں۔ مگر جس بات کا اس پر سب سے گہرا اثر ہوا وہ یہ تھی کہ بیرونی دروازے سے نکلنے کے لیے وہ صحیح اندازہ نہیں لگا سکی اور قریب تھا کہ وہ دروازے کی سیڑھیوں پر ٹھوکر کھا کر گر جاتی۔

فلورنتینو آریزا زوال عمر کے ساتھ ڈگمگاتے ہوئے قدموں کے بارے میں بہت حساس رہا تھا۔ اس وقت بھی جب وہ نوجوان تھا، پارک میں بیٹھے ہوئے اپنی شاعری کی کتاب بند کر کے وہ بوڑھے جوڑوں کو دیکھتا رہتا تھا جو گلی عبور کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہوتے اور یہ زندگی کے ایسے سبق تھے جنھوں نے اسے اپنی عمر کے زوال کے قوانین دریافت کرنے میں مدد دی۔ ڈاکٹر جووینل اربینو کی زندگی کے ایسے مرحلے پر، اس رات فلم کے موقع پر، لوگ جیسے اپنے خزاں رسیدہ شباب میں دمک رہے تھے اور وہ اپنے اولیں سفید بالوں کے ساتھ زیادہ پر وقار نظر آ رہے تھے خاص طور پر نوجوان عورتوں کی نظروں میں، وہ زیادہ بذلہ سنج اور رجھانے والے لگ رہے تھے۔ جب کہ ان کی پژمردہ بیویوں نے ان کے بازوؤں کو اس قدر مضبوطی سے جکڑا ہوا تھا کہ کہیں وہ اپنے ہی سایوں پر نہ لڑھک جائیں۔ تاہم کچھ سالوں بعد، یہ شوہر بغیر خبردار کیے، اپنے جسم اور روح کی ذلت آمیز زوال عمر کی چٹان سے دھڑام سے گر جاتے، جب کہ اس وقت تک ان کی بیویوں کے قدم زیادہ مضبوطی سے جم چکے ہوتے، اور پھر وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کی یوں راہنمائی کرتے لگتیں جیسے وہ خیراتی نابینا ہوں، انھیں سرگوشیوں میں بتاتیں تاکہ ان کا مردانہ غرور زخمی نہ ہو، کہ وہ احتیاط کریں، کہ وہاں دو نہیں تین سیڑھیاں ہیں، یہ کہ گلی کے عین وسط میں ایک غلیظ پانی کا گڑھا ہے، یہ کہ سڑک کے کنارے جو شے نظر آ رہی ہے وہ ایک مردہ بھکاری ہے۔ اور وہ

بڑی مشکل سے انہیں گلی پار کروانے میں مدد دیتیں جیسے یہ آخری عمر کے دریاؤں کی آخری گھاٹی ہو فلورنٹینو آریزا نے خود کو اس آئینے میں اتنی بار دیکھا تھا کہ وہ اتنا موت سے خوفزدہ نہیں تھا جتنا اس ذلت آمیز عمر تک پہنچنے سے تھا' جب اسے کسی عورت کے بازو کے سہارے چلنا ہو گا۔ وہ جانتا تھا کہ اس دن صرف اس دن ہی اسے فرمینا دازا کے لیے اپنی امید سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

اس ملاقات نے اس کی نیند اڑا دی تھی۔ لیونا کیزیانی کے ساتھ بگھی میں بیٹھنے کے بجائے وہ اس کے ساتھ پرانے شہر میں پیدل گھومنے لگا۔ جہاں ان کے قدموں کی آوازیوں گونجتی جیسے گول پتھروں پر گھوڑے کے سموں کی آوازیں۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے کھلی بالکنیوں سے آوارہ آوازوں کی کچھ سرگوشیاں باہر نکل آتیں، خواب گاہوں کے رازونیاز' ان تنگ خوابیدہ گلیوں میں محبت کی سسکیوں کی آوازیں' جو خیالی آوازوں اور یاسمین کی گرم مہک میں گھل مل کر زیادہ اثر انگیز ہوتی جا رہی تھیں۔ ایک بار پھر فلورنٹینو آریزا نے اپنی تمام قوت مجتمع کر کے خود کو اس بات سے روکا کہ وہ لیونا کیزیانی کو فرمینا دازا کے لیے اپنی دبی ہوئی محبت کے بارے میں نہ بتا دے۔ وہ نپے تلے قدموں کے ساتھ چلتے رہے' ایک دوسرے سے یوں پیار کرتے ہوئے جیسے وہ ایسے پرانے آشنا ہوں جنھیں کسی بات کی جلدی نہ ہو' وہ کیبریا کے پرکشش مناظر میں کھوئی ہوئی تھی جبکہ وہ اپنی ہی بدبختی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کسٹم ہاؤس کے پلازہ کی ایک بالکونی پر کوئی شخص گا رہا تھا اور اس کی آواز باز گشت کا ایک سلسلہ بن کے پورے علاقے میں گونج رہی تھی۔ "جب میں سمندر کی بے پناہ لہروں پر تیر رہا تھا۔" سینٹس آف سٹون سٹریٹ پر' جب اسے اس کے گھر کے دروازے پر خدا حافظ کہہ دینا چاہیے تھا' اس نے لیونا کیزیانی سے درخواست کی کہ وہ اسے برانڈی پینے کے لیے اندر بلائے۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ تقریباً ایک جیسے حالات میں اس نے اس سے ایسی درخواست کی تھی۔ پہلی بار بیس سال پہلے' اس نے اس سے کہا تھا' "اگر اس وقت تم اندر آئے تو تمھیں ہمیشہ کے لیے یہیں رہنا پڑے گا۔" وہ اندر نہیں گیا تھا۔ مگر اب وہ ایسا کر لے گا' چاہے اسے بعد میں اپنا وعدہ توڑنا ہی کیوں نہ پڑے مگر لیونا کیزیانی نے اس سے کوئی وعدہ لیے بغیر اسے اندر آنے کی دعوت دے دی۔

اور یوں اس نے خود کو اس مقام پر پایا' جب اس کو اس کی بالکل توقع نہیں تھی۔ ایسی محبت کی درگاہ پر جو جنم لینے سے پہلے ہی بجھ چکی تھی، اس کے ماں باپ مر چکے تھے' اس کا واحد بھائی کراکاؤ میں اپنے مقدر سے نبرد آزما تھا' اور وہ اپنے قدیم' خاندانی گھر میں تنہا رہتی تھی۔ برسوں پہلے' جب اس نے اسے اپنا عاشق بنانے کی امید ابھی ترک نہیں کی تھی' اس کے والدین کی اجازت سے فلورنٹینو آریزا اتوار کے روز

اسے ملنے آتا اور کبھی کبھی رات گئے تک وہاں بیٹھا رہتا۔ اور اس نے اس گھر میں اس قدر راشیا لا کر دی تھیں کہ وہ اسے اپنا ہی گھر سمجھنے لگا تھا۔ مگر فلم سے واپسی پر اس رات وہاں آنے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ ڈرائنگ روم سے اس کی یادیں مٹا دی گئی ہیں اور وہ فرنیچر اٹھا دیا گیا تھا۔ دیوراوں پر نئی تصاویر آویزاں تھیں اور اس نے سوچا کہ اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ وہ کبھی وہاں نہیں رہا تھا' وہاں کتنی ہی بے رحم تبدیلیاں کر دی گئی تھیں، بلا بھی اسے نہیں پہچان رہا تھا۔ فراموشی کی اس سفا کی پر خوف زدہ ہوتے ہوئے اس نے کہا: "اب اسے بھی میرے بارے میں کچھ یاد نہیں۔" اس نے برانڈی انڈیلتے ہوئے' اس کو جواب دیا کہ: "اگر وہ اس بات پر پریشان ہے تو اطمینان رکھے اس لیے کہ بلے کسی کو بھی یاد نہیں رکھتے۔"

صوفے پر پشت لگائے' ایک دوسرے کے قریب بیٹھے' وہ دونوں اپنے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ اس وقت سے پہلے کے بارے میں' جب اس سہ پہر' خدا جانے کتنا عرصہ پہلے' وہ اس خچر بردار ٹھیلے پر ایک دوسرے سے ملے تھے۔ ان کی زندگیاں ملحقہ دفتروں میں گذری تھیں اور اس وقت تک انھوں نے کبھی روزمرہ کے کام کے علاوہ کوئی بات نہیں کی تھی۔ باتیں کرتے ہوئے فلورنتینو آریزا نے اپنا ہاتھ اس کی رانوں پر رکھا اور پھر تجربہ کار عشق باز کی طرح نرمی سے اسے ان پر پھیرنے لگا۔ اس نے اسے نہیں روکا' مگر اس نے اس پر کسی مثبت ردعمل کا اظہار بھی نہیں کیا۔ یہاں تک کہ وہ اخلاقاً بھی بالکل نہیں لرزی۔ صرف اس وقت ہی جب اس نے مزید آگے جانے کی کوشش کی' اس نے اس کے سیاحت کرتے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ اور اس کی ہتھیلی کو چوما۔

"ہوش کرو۔" اس نے کہا "بہت عرصہ پہلے میں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ تم وہ شخص نہیں ہو' جس کی مجھے تلاش ہے۔"

جب ابھی وہ بالکل نوجوان تھی' ایک مضبوط آزمودہ کار شخص نے' جس کا چہرہ اس نے کبھی نہیں دیکھا' اسے اچانک پکڑ لیا' اسے ساحل پر لے جا کر پٹخا' اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے ساتھ ایک جنون خیز وصل میں مشغول ہو گیا۔ ان چٹانوں پر لیٹے ہوئے' جب کہ اس کا بدن جگہ جگہ خراشوں اور زخموں سے بھرا پڑا تھا۔ اس نے چاہا تھا کہ یہ شخص ہمیشہ اس کے پاس ٹھہرا رہے' تاکہ وہ اس کے بازوؤں میں لذت عشق کی سرشاری میں جان دے دے۔ اس نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا' اس نے اس کی آواز نہیں سنی تھی' لیکن اسے یقین تھا کہ وہ ہزاروں آدمیوں کے ہجوم میں بھی اس کے قد، اس کی جسمانی صورت اور اس کے انداز عشق کی بنا پر اس کو پہچان لے گی۔ اس وقت کے بعد سے' جو کوئی بھی

اس کی باتیں سن رہا ہوتا' اس سے وہ کہتی: ''اگر تم کسی ایسے لمبے' مضبوط مرد کے بارے میں سنو' جس نے کسی اکتوبر کی پندرہ تاریخ کو رات کو ساڑھے گیارہ بجے' غرقاب انسانوں کے ساحل پر ایک کالی لڑکی کے ساتھ زبردستی مباشرت کی ہو تو اسے میرا پتہ بتا دینا۔'' یہ کہنا اس کی عادت بن چکی تھی۔ اور اس نے اتنی بار یہ بات بار دہرائی تھی کہ اب اس کو کوئی امید بھی نہیں رہی تھی۔ فلورنٹینو آریزا اس بات کو اتنی بار سن چکا تھا جتنا وہ رات کو روانہ ہونے والی کسی کشتی کے بارے میں سنتا رہتا تھا۔ صبح کے دو بجے تک وہ برانڈی کے تین گلاس پی چکے تھے اور اس نے اس بات کو واقعتاً جان لیا تھا' کہ وہ خود وہ شخص نہیں تھا جس کی وہ منتظر ہے' اور یہ جان کر وہ خوش تھا۔

''جیوشیرنی'' اس نے کہا۔ ''ہم نے موذی کو ہلاک کر دیا ہے۔''

اس رات صرف یہی ایک معاملہ نہیں تھا جو اپنے انجام کو پہنچا' تپ دق کے مارے مریضوں کی پناہ گاہ کے بارے میں بولے گئے جھوٹ نے اس کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں' کیوں کہ اس بات نے اس ناقابل تصور خیال کو جنم دیا تھا کہ فرمینا دازا ایک فانی ہستی تھی اور اس بنا پر ممکن ہے کہ وہ اپنے شوہر سے پہلے ہی مر جائے۔ مگر جب اس نے فلم تھیٹر کے دروازے پر غلط قدم اٹھاتے دیکھا' تو اس کی اپنی سوچ نے اسے ایک اور کھائی کی طرف دھکیل دیا۔ یہ اچانک احساس کہ اسے کہیں فرمینا دازا سے پہلے موت نہ آ جائے۔ اور حقیقت پر مبنی ہونے کی بنا پر یہ ایک نہایت ڈراؤنا اندیشہ تھا۔ کسی خوش بختی کی امید لیے' سالہا سال کا بے حرکت انتظار' اس کے پیچھے تھا' مگر افق پر اسے تصوراتی امراض کے بے انت گہرے سمندر' بے خواب راتوں میں قطرہ قطرہ پیشاب آنے اور جھٹپٹے کے سمے ہر روز مرنے کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس نے سوچا کہ دن کی ساری ساعتیں' جو کبھی اس کی رفیق اور اس کے منصوبوں کی مددگار ہوتی تھیں' اس کے خلاف سازش شروع کرنے والی تھیں۔ کچھ سال پہلے' وہ ایک خطرناک خفیہ ملاقات کے لیے گیا تھا' اس کا دل اس دہشت سے بھرا ہوا تھا کہ جانے' کس لمحے کیا ہو جائے۔ اس نے دیکھا کہ دروازہ کھلا تھا' اور اس کے قبضوں پر تھوڑی دیر قبل تیل ملا گیا تھا' تاکہ وہ بے آواز اندر آ سکے' مگر آخری لمحے اسے اس خوف کی بنا پر پچھتاوا ہونے لگا' اس خوف کا' کہ کہیں وہ اس بستر میں مر کر' ایک نفیس شادی شدہ عورت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے کا باعث نہ بن جائے۔ چناں چہ اب یہ سوچنا بر محل تھا' کہ وہ روئے زمین پر جس عورت سے سب سے زیادہ محبت کرتا تھا' جس کا اس نے ایک صدی سے دوسری صدی تک دکھ کی ایک آہ بھرے بغیر انتظار کیا تھا' ہو سکتا ہے کہ اس عورت کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ اس کا بازو تھام کر

خمیدہ اور سنگین خاک کے تودوں اور لہلہاتی ہوئی خشخاش کی کیاریوں سے بھری گلی سے' موت کے دوسرے کنارے تک اسے اپنی حفاظت میں پہنچا سکے۔

سچ تو یہ ہے کہ اپنے زمانے کے مروجہ معیار کے مطابق فلورنٹینو آریزا بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ چھیاسٹھ سال کا ہو چکا تھا اور اس کے خیال میں اس نے یہ سارے سال بہت بھرپور طریقے سے گذارے تھے' یہ سب محبت کے سال تھے مگر اس زمانے میں کوئی بھی شخص' اس عمر میں جوان دکھائی دینے کی مضحکہ خیز جرات نہیں کرتا تھا اور کوئی بھی خجالت کے احساس کے بغیر اس بات کا اعتراف کرنے کی جسارت نہیں کرتا تھا کہ وہ پچھلی صدی میں ایک بار دھتکارے جانے پر اب ابھی چھپ چھپ کر آنسو بہاتا ہے۔ جوان رہنے کے لیے یہ وقت بڑا غلط تھا۔ ہر عمر کے لیے لباس کا ایک مخصوص انداز رائج تھا۔ لیکن بڑھاپے کے لباس کا رواج لڑکپن کے فوراً بعد ہی شروع ہو جاتا تھا' اور پھر مرتے دم تک یہی جاری رہتا۔ عمر سے زیادہ یہ سماجی وقار کا معاملہ تھا۔ نوجوان لوگ اپنے داداؤں کی طرح لباس پہنتے اور وہ وقت سے پہلے چشمہ پہن کر خود مزید باوقار بنانے کی کوشش کرتے۔ تیس سال کی عمر کے بعد چلتے وقت ایک چھڑی ہاتھ میں رکھنے کو بہت پسند کیا جاتا۔ جہاں تک عورتوں کا تعلق تھا' ان کی بس دو ہی عمریں ہوتی تھیں۔ ایک عمر تو شادی کی تھی' جو بائیس سال سے زیادہ نہ ہوتی اور جو پیچھے رہ جاتیں' ان کی دائمی ناکتخدا رہنے کی عمر۔ باقی' شادی شدہ عورتیں' مائیں' بیوائیں' نانیاں' ایک علاحدہ مخلوق تھیں جو اپنی عمر کا شمار اپنے گزارے ہوئے سالوں سے نہیں' بل کہ مرنے سے پہلے اپنے لیے بچنے والے باقی وقت کے حساب سے کرتی تھیں۔

اس کے برعکس' فلورنٹینو آریزا زوالِ عمر کے ڈھیر سے ڈھیر سے قریب آتے پھندوں سے' پوری جاں فشانی سے نبرد آزما رہا۔ اگرچہ اسے معلوم تھا' کہ اس کے ساتھ وابستہ مقدر یہ تھا کہ اسے اسی وقت سے بوڑھا دکھائی دینا تھا' جبکہ ابھی وہ ایک لڑکا ہی تھا۔ شروع میں تو یہ ضرورت کے تحت تھا۔ جن کپڑوں کو اس کا باپ پھینک دینے کا ارادہ کر لیتا' ٹرانسیتو آریزا انہیں پھاڑا کر اس کے لیے دوبارہ سی دیتی۔ یوں جب وہ پرائمری سکول جاتا تو اس نے ایسے فراک کوٹ پہنے ہوتے کہ جب وہ بیٹھتا تو وہ زمین پر گھسٹ رہے ہوتے اور اس نے ایسے عالمانہ ہیٹ پہنے ہوتے جنھیں چھوٹا کرنے کے لیے ان کے اندر روئی بھری جاتی' مگر وہ پھر بھی کانوں پر ڈھلکے رہتے۔ چوں کہ وہ دور کی نظر کے لیے پانچ سال کی عمر ہی سے چشمہ استعمال کرتا تھا' اور اس کے اپنی ماں جیسے گھوڑے کے بالوں کی طرح کے کھردرے اور کھڑے ہوئے بال تھے' اس کے سراپے سے کچھ بھی واضح نہ ہوتا تھا۔ یہ تو خوش قسمتی تھی کہ حکومت کے اس قدر عدم

استحکام اور اوپر تلے کی خانہ جنگیوں کے بعد اکادمیوں کے معیار اس قدر نیچے تلے نہیں رہے تھے جیسے کہ پہلے ہوا کرتے تھے' اور پبلک سکولوں میں سماجی پیشوں اور مختلف پس منظر رکھنے والے طلبا کا ملا جلا ہجوم رہنا شروع ہو گیا تھا۔ مورچہ بندیوں سے چھوٹے چھوٹے بچے سکول میں آتے' جن سے بارود کی بو آ رہی ہوتی۔ جنھوں نے بے نتیجہ جنگوں میں بندوق کی نوک پر پکڑے جانے والے افسروں کی وردیاں اور ان کے تمغے پہنے ہوتے اور جنھوں نے اپنی کمروں سے' سرعام ان کے باقاعدہ ہتھیار لگائے ہوتے۔ کھیل کے میدان میں جھگڑا ہونے پر وہ ایک دوسرے پر گولیاں چلا دیتے۔ اگر انھیں امتحانوں میں اچھے نمبر نہ ملتے تو وہ اساتذہ کو دھمکیاں دیتے' اور ان میں سے ایک نے' جو لاسال اکیڈمی میں تیسرے سال کا طالب علم اور ملیشیا کا ریٹائرڈ کرنل تھا' کمیونٹی کے پریفیکٹ نوجوان ایریٹا کو گولی مار کر ہلاک کر دیا' کیوں کہ اس نے سوال جواب کے طریقے سے تعلیم دینے والی کلاس کے دوران میں یہ کہہ دیا تھا کہ خدا مکمل طور پر قدامت پرست پارٹی کا رکن ہے۔

اس کے برعکس' تباہ شدہ عظیم خاندانوں کے بچے قدیم شہزادوں کی طرح ملبوس ہو کر' جبکہ کچھ بہت غریب بچے ننگے پاؤں سکول آتے۔ ان ساری انوکھی چیزوں میں فلورنٹینو آریزا بلا شبہ سب سے بڑا عجوبہ تھا' مگر اس قدر نہیں کہ وہ لوگوں کی غیر معمولی توجہ کا باعث بنتا۔ اس نے سب سے زیادہ استہزا آمیز بات اس وقت سنی تھی جب گلی میں کوئی اس پر چیخا تھا: ''جب تم بدصورت بھی ہو اور غریب بھی' تو تم بس اس سے زیادہ کی خواہش ہی کر سکتے ہو۔'' بہرصورت' ضرورت کے تحت اس پر مسلط کیا ہوا یہ شاہانہ لباس اس وقت سے لے کر اس کی باقی تمام زندگی تک' ایسا لباس بن گیا جو اس کی پیچیدہ فطرت اور سنجیدہ شخصیت کے لیے عین موزوں تھا۔ جب اسے آر۔ سی۔ سی میں پہلے اہم منصب پر ترقی دی گئی' اس نے اسی انداز کے کپڑے سلوانے کا آرڈر دیا' جیسے اس کا باپ پہنتا تھا' جسے یاد کرتے ہوئے وہ کہتا تھا کہ وہ ایک بوڑھا آدمی تھا جو عیسیٰ کی قابل رشک' تینتیس سال کی عمر میں مر گیا۔ چناں چہ فلورنٹینو آریزا ہمیشہ اپنی عمر سے بڑا ہی لگتا تھا۔ منہ پھٹ بریگیڈا زولیٹا جس کے ساتھ اس کا ایک مختصر مدت کا معاشقہ چلا تھا' میلی سچائیوں کو دلکش انداز میں بیان کیا کرتی تھی۔ اس نے اسے کہا تھا کہ اسے وہ اس وقت زیادہ اچھا لگتا ہے جب وہ لباس کے بغیر ہوتا ہے' کیوں کہ برہنہ ہو کر وہ اپنی عمر سے بیس سال کم کا دکھائی دیتا تھا۔ تاہم اسے کبھی سمجھ نہ آیا کہ وہ اس کا کیا علاج کرے۔ پہلی بات تو یہ کہ اس کی ذاتی پسندیدگی اسے اس بات کی اجازت نہ دیتی تھی کہ وہ کسی اور طرز کا لباس پہنے۔ دوسرے یہ کہ بیس سال کی عمر میں کوئی نہیں جانتا کہ ایک کم عمر کی طرح

کا لباس کس طرح پہنا جائے' جب تک کہ وہ الماری سے اپنی نیکریں اور سیلر ہیٹ دوبارہ نہ نکال لے۔ یوں بھی وہ اپنے وجود میں زوال عمر کی لہر کے اشاروں سے بچ نہیں سکا تھا۔ چناں چہ یہ عین متوقع تھا کہ جب اس نے فلم تھیٹر کے دروازے پر فرمینا دازا کولڑکھڑاتے دیکھا تو وہ اضطراب کے اس طوفان سے ہل کر رہ گیا کہ 'موت' کتیا کی اولاد محبت کی اس تند و تیز لڑائی میں اس پر ایک فیصلہ کن فتح پا لے گی۔

اس وقت تک اس کا سب سے عظیم معرکہ گنجے پن کے خلاف اس کی جد و جہد رہا تھا' جو اس نے اپنی پوری جان فشانی سے لڑا' مگر بغیر کسی کامیابی کے اسے ہار دیا۔ جس لمحے اس نے پہلی بار اپنے بالوں کو کنگھے میں الجھے ہوئے دیکھا' اس نے جان لیا کہ ایسا جہنم اس کا مقدر بن چکا ہے' جس کا وہ لوگ تصور کر ہی نہیں سکتے' جو اس عذاب سے نہ گزرے ہوں۔ وہ سال ہا سال اس کے خلاف جد و جہد کرتا رہا۔ اس نے اپنی پامال ہوتی چندیا کے ایک ایک انچ کی حفاظت کے لیے' کوئی ایسا روغنی مرکب یا لوشن ایسا نہ چھوڑا تھا جو اس نے استعمال نہ کیا ہو' کوئی ایسا اعتقاد نہ تھا جس پر وہ اعتبار نہ لایا ہو' کوئی ایسی قربانی نہیں تھی جو اس نے برداشت نہ کی ہو' اس نے تمام زرعی معلومات حفظ کر لی تھیں' کیوں کہ اس نے سنا تھا کہ بالوں کی نشو نما اور فصل کی کٹائی کے جدول میں براہ راست تعلق تھا۔ اس نے مطلق گنجے حجام کو ترک کر دیا جو ساری عمر اس کے بال کاٹتا رہا تھا۔ اس کے بجائے اس نے اس غیر ملکی نو وارد کے پاس جانا شروع کر دیا جو صرف چاند کی تاریخوں میں بال کاٹتا تھا۔ نئے حجام نے درحقیقت یہ بتانا شروع کیا تھا کہ اس کا ہاتھ نہایت زرخیز ہے۔ جب یہ انکشاف ہوا کہ مبتدیوں کے ساتھ زنا بالجبر کے معاملات میں وہ اینٹیلیز کی کئی پولیس ایجنسیوں کو مطلوب ہے تو وہ اس کو زنجیروں میں جکڑ کر وہاں سے لے گئے۔

اس وقت تک کریبئن کے تمام اخبارات میں چھپنے والے گنجے پن کے بارے میں ہر اشتہار کو اس نے کاٹ کر رکھا ہوا تھا' ایسے اشتہار جس میں وہ ایک ہی آدمی کی دو تصویریں شائع کرتے تھے۔ علاج سے سے پہلے' علاج کے بعد' پہلی تصویر میں وہ شخص تربوز کی طرح گنجا ہوتا جب کہ دوسری تصویر میں اس کے سر پر کسی شیر کے بالوں سے بھی زیادہ بال ہوتے۔ چھ سالوں میں اس نے ان میں سے ایک سو بہتر نسخے آزما لیے تھے' اس کے علاوہ وہ ان سے وابستہ وہ ترکیبیں بھی آزما چکا تھا جو بوتلوں کے لیبلوں پر درج ہوتیں تھیں۔ اس کا نتیجہ خارش' کھوپڑی کے اندر بدبودار ا یگزیما جسے ان دنوں طبی دنیا میں رنگ ورم بوریلیا کہا جاتا تھا' کے سوا کچھ نہ نکلا۔ تاریکی میں اس سے فاسفورس کی چمک خارج ہوتی تھی۔ آخری کوشش کے طور پر اس نے ان جڑی بوٹیوں کی طرف' جنھیں انڈین پھیری لگا کر مارکیٹ میں بیچتے تھے'

تمام جادوئی ادویات اور منشی آرکیڈ میں بکنے والے تمام عرقیات کی طرف رجوع کیا۔ مگر جس وقت تک اسے احساس ہوا کہ یہ سب دھوکا ہے، وہ پہلے ہی کسی سرمنڈے راہب کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ ۱۹۰۰ء میں جب ملک میں ہزار دنوں کی خونریز خانہ جنگی جاری تھی، ایک اطالوی جو انسانی بالوں کی مروجہ وگیں تیار کرتا تھا، شہر میں آیا۔ وگوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، مگر کچھ گنجے ایسے تھے جو اس ترغیب میں نہ آئے۔ فلورنتینو ان میں سے پہلا شخص تھا۔ اس نے ایک ایسی وگ کو استعمال کیا جو اس کے اپنے بالوں کے اس قدر مشابہ تھی کہ اسے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں یہ اس کے بدلتے موڈ کا ساتھ نہ دینے لگے۔ مگر وہ کسی مردہ شخص کے بالوں کو اپنے سر پر لگانے کے تصور سے سمجھوتہ نہ کر سکا۔ اس کے لیے واحد تسلی کی وجہ یہ تھی کہ اس بڑھتے ہوئے گنجے پن کی وجہ سے وہ اپنے بالوں کو سفید ہوتے نہیں دیکھ سکے گا۔ ایک روز دریائی گودی پر ایک زندہ دل شرابی نے جب اسے دفتر سے باہر نکلتے دیکھا تو معمول سے بڑھ کر گرمجوشی سے اسے گلے لگا لیا، اور پھر اس نے فلورنتینو آریزا کا ہیٹ اتار کر جہازوں پر مال لادنے والے حمالوں کی طرح کا ایک تمسخرانہ قہقہہ لگایا اور اس کے سر پر ایک زوردار بوسہ دے کر چلایا: ''گنجا مجوبہ۔''

اس رات جب اس کی عمر اکتالیس برس تھی، اور اس کی کنپٹیوں اور گردن کی پشت پر محض چند لٹکتے ہوئے بال رہ گئے تھے، اس نے پورے خلوص کے ساتھ اپنے دائمی گنجے پن کے مقدر کو گلے لگا لیا۔ ہر صبح، غسل سے پہلے وہ نہ صرف اپنی ٹھوڑی کو، بل کہ اپنی کھوپڑی کو بھی جھاگ لگاتا۔ جہاں کچھ ٹھونٹھ دوبارہ ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہوں اور حجام کے استرے سے وہ ہر شے یوں ہموار کر دیتا جیسے یہ کسی بچے کے چوتڑ ہوں۔ اس وقت سے پہلے وہ دفتر میں بھی اپنا ہیٹ نہیں اتارتا تھا۔ کیوں کہ اس کا گنجا پن ایک برہنگی کا احساس پیدا کرتا تھا، جسے وہ انتہائی غیر مہذب خیال کرتا تھا۔ لیکن جب اس نے دل کی گہرائی سے اپنے گنجے پن کو قبول کر لیا تو وہ انھیں ان مردانہ خصوصیات سے تعبیر کرنے لگا جنھیں اب سے پہلے وہ گنجوں کے واہمے سمجھ کر ملامت کرتا رہا تھا۔ بعد ازاں اس نے بال بنانے کے نئے رواج میں پناہ ڈھونڈی، وہ اپنے دائیں طرف کے لمبے بالوں کو پوری کھوپڑی پر سے گزار کر دوسری طرف لے جاتا، اور اس طریقے کو اس نے پھر کبھی ترک نہیں کیا مگر اس کے باوجود اس نے اسی ماتمی انداز میں اپنا ہیٹ پہننا جاری رکھا۔

دوسری جانب اس کے دانتوں کا ضیاع کسی فطری آفت کا نہیں بل کہ ایک چلتے پھرتے خانہ بدوش دندان ساز کے غلط کام کا نتیجہ تھا جس نے اپنے انتہائی جارحانہ طریقوں سے ایک سادہ انفیکشن کے علاج کا فیصلہ کیا۔ ڈرل کے خوف کی بنا پر، مستقل دانت کے درد کے باوجود فلورنتینو آریزا کسی دانتوں

کے ڈاکٹر کے پاس جانے سے باز رہا تھا یہاں تک کہ درد نا قابل برداشت ہوتا گیا۔ ایک رات اپنے ساتھ والے کمرے سے نا قابل تسلی کراہیں سن کر اس کی ماں پریشان ہوگئی کیوں کہ یہ ان کراہوں سے مشابہ تھیں جنھیں گزرے ایک زمانہ بیت گیا تھا اور جو تقریباً یادداشت کی دھند میں گم ہو چکی تھیں مگر جب اس نے یہ دیکھنے کے لیے کہ محبت کس جگہ اسے زخمی کر رہی ہے اس کا منہ کھولا تو اس نے دیکھا کہ اس کے دانتوں میں پیپ پڑ چکی ہے۔

انکل لیو ہفتم نے اسے ساق پوش اور لمبے موزوں میں ملبوس سیاہ فام قوی ہیکل ڈاکٹر فرانسس ایڈونے کے پاس بھیج دیا جو دریائی کشتیوں پر دانتوں کے علاج کے تمام سامان کے ساتھ سفر کرتا تھا اور یہ سامان اس نے ایک حمال کے تھیلے میں رکھوایا ہوتا تھا۔ وہ دریا کے کنارے کے قصبات میں دہشت کا چلتا پھرتا بیوپاری معلوم ہوتا تھا۔ اس کے منہ میں ایک نظر ڈالتے ہی اس نے فیصلہ کر لیا کہ فلورنتینو آریزا کو ہمیشہ کے لیے اس مصیبت سے نجات دلانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ اس کے صحت مند دانتوں سمیت تمام دانت اور داڑھیں نکال دی جائیں۔ گنجے پن کے برعکس، سوائے بے ہوش کیے بغیر اس خوں زیری سے فطری خوف کے علاوہ اس انتہائی طریق علاج نے اس کے لیے کوئی تشویش پیدا نہیں کی۔ نہ ہی مصنوعی دانتوں کے خیال نے اسے پریشان کیا۔ ایک تو اس لیے کہ اس کے بچپن کی ایک پر شوق یاد کارنیوال کا وہ جادوگر تھا جو اپنے بالائی اور زیریں جبڑے کے سارے دانت نکال کر میز پر رکھ دیتا تھا تا کہ وہ آپس میں گفتگو کرتے رہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ دانتوں کے درد کے اس عذاب سے نجات پا لے گا جس میں وہ اپنے لڑکپن سے مبتلا رہا تھا۔ یہ عذاب اتنا ہی شدید تھا، جتنا کہ عشق کا عذاب۔ گنجے پن کے برعکس، یہ اسے بڑھاپے کا کوئی خفیہ حملہ نہیں لگا۔ کیوں کہ اسے یقین تھا کہ گندھک ملی ربڑ کی تُرش بو کے باوجود اس کا سراپا مسکراتے ہوئے مزید جاذب نظر ہو جائے گا۔ چناں چہ اس نے بغیر کسی مزاحمت کے خود کو ڈاکٹر ایڈونے کی دہکتی ہوئی چمٹیوں کے حوالے کر دیا اور کسی مال بردار خچر کی طرح، خوشی اور رنج کے احساس سے بالاتر ہو کر، منطقی استدلال کے تحت، اپنے رو بہ صحت ہونے کو برداشت کرنے لگا۔

چچا لیو ہفتم نے آپریشن کی تمام تفصیلات میں یوں دلچسپی لی جیسے یہ خود اس کے اپنے جسم پر ہو رہا ہو۔ مصنوعی دانتوں میں اس کی یہ انوکھی دلچسپی مگدالینا کے کنارے، اس کے ایک سفر کے دوران میں پیدا ہوئی تھی، جو بیلی کینٹو کے ملائم انداز گائیکی کے ساتھ اس کے جنوں خیز عشق کا نتیجہ تھی۔ ایک رات جب پورا چاند نکلا ہوا تھا، گمارا کی بندرگاہ کے داخلی راستے پر، اس کی ایک جرمن مرد کے ساتھ شرط لگی کہ وہ

کپتان کے جنگلے سے گانا گا کر جنگل کی تمام مخلوق کو جگا سکتا ہے۔ وہ تقریباً شرط ہار ہی گیا۔ دریا کی تاریکی میں دلدل سے سارسوں کے پھڑ پھڑاتے پروں کی آوازیں، گھڑیالوں کی بھد بھد کرتی آوازیں، خشکی پر لپکنے کی کوشش کرتی، شاد مچھلیوں کا شور سنائی دے سکتا تھا۔ مگر آخری لمحوں میں، جب یہ ڈر ہونے لگا تھا کہ اس کے گیت کی قوت سے گلوکار کی شریانیں پھٹ جائیں گی، اس کے منہ سے اس کے مصنوعی دانت اس کے سب سے گہرے سانس کے ساتھ نیچے دریا میں گر گئے۔

کشتی کو ٹیزف کی بندرگاہ پر تین روز تک انتظار کرنا پڑا جس دوران میں ہنگامی طور پر اس کے لیے دانتوں کے ایک اور سیٹ کا انتظام کیا گیا۔ یہ اس کے لیے بالکل فٹ تھا۔ مگر واپسی پر اپنے دریائی سفر کے دوران میں، کپتان کو یہ بتانے کی کوشش کرتے ہوئے کہ اس نے اپنے پہلے دانت کس طرح کھوئے، چچا لیو بارہویں نے اپنے پھیپھڑوں کو جنگل کی شعلہ بار ہوا سے بھر لیا، جتنا اونچا سر وہ گا سکتا تھا، گایا، اپنی پوری سانس تک اسے ٹھہرائے رکھا تاکہ وہ دھوپ سینکتے اور بغیر پلک جھپکائے گزرتی ہوئی کشتیوں کو تکتے ہوئے گھڑیالوں کو خوفزدہ کر سکے، اور یوں مصنوعی دانتوں کا نیا سیٹ بھی لہروں میں ڈوب گیا۔ اس کے بعد سے، وہ ہر جگہ، گھر میں مختلف جگہوں پر، اپنے ڈیسک کی دراز میں اور کمپنی کی تین کشتیوں میں ہر ایک پر، مصنوعی دانتوں کا ایک فالتو سیٹ رکھنے لگا۔ مزید برآں، جب بھی اس نے باہر کہیں کھانے پر جانا ہوتا تب بھی وہ مصنوعی دانتوں کا ایک سیٹ اپنی جیب میں رکھ کر لے جاتا کیوں کہ ایک بار ایک پکنک کے دوران میں ہڈی چبانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے دانت تڑوا بیٹھا تھا۔ اس خوف سے کہ کہیں اس کے بھتیجے کو بھی کہیں ایسی ہی ناخوش گوار حیرانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے، چچا لیو بارہویں نے ڈاکٹر ایڈونے کو شروع ہی سے اس کے لیے دو سیٹ تیار کرنے کو کہا۔ ایک تو ذرا سستے میٹریل کا ہو جسے وہ روزانہ کے استعمال کے لیے رکھے اور دوسرا جس سے اس کی شخصیت میں حقیقت پسندی کا تاثر ابھرے۔ یروشلم میں حضرت عیسیٰ کی فتح مند آمد کی یاد منانے والے ایسٹر سے پہلے والے پام سنڈے کو جب، چھٹی کے دن کی گھنٹیاں بج رہی تھیں، فلورنٹینو آریزا ایک نئی شناخت کے ساتھ اپنی گلی میں واپس آ گیا اس کی بھرپور مسکراہٹ سے یہ تاثر مل رہا تھا کہ دنیا میں کوئی اور شخص اس کی جگہ لے چکا ہے۔

یہ وہ وقت تھا جب اس کی ماں کی وفات ہوئی تھی، اور فلورنٹینو آریزا گھر میں بالکل تنہا رہ گیا تھا۔ اس کے عشق بازی کے انداز کے لیے یہ ایک موزوں ترین جگہ تھی۔ اس حقیقت کے باوجود کہ یہاں بے تحاشا کھڑکیاں تھیں، جن کی وجہ سے اس گلی کا نام بھی یہی پڑ گیا تھا، اور جس کی بنا پر بار بار یہ خیال آتا

تھا کہ شاید پردے کے پیچھے سے بہت ساری آنکھیں انھیں دیکھ رہی ہیں۔ یہ انتہائی برمحل جگہ تھی۔ مگر یہ گھر فرمینا دازا' اور صرف اور صرف فرمینا دازا کی مسرت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔ چناں چہ فلورنتینو آریزا نے اپنے زرخیز ترین دنوں میں بھی، اس گھر کو دوسری عشق بازیوں سے آلودہ کرنے کے بجائے ان بہت سارے مواقع کو چھوڑ دینے کو ترجیح دی۔ اس کی خوش قسمتی کہ آر۔ سی۔ سی میں عملاً سب سے زیادہ مفید چوکیدار کی اعانت سے رات کو' اتوار کو' یا چھٹی کے روز دفتر کو استعمال کرنے کی ہنگامی صورت میسر بھی تھی۔

ایک بار' جب وہ اول نائب صدر تھا' وہ اپنی اتوار کی لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ ہنگامی وصل میں معروف تھا، یوں کہ وہ ڈیسک پر بیٹھا ہوا تھا جب کہ وہ اس پر آسن مارے ہوئے تھی کہ' دروازہ بغیر کسی اطلاع کے کھل گیا۔ چچا لیو ہفتم نے اندر جھانکا' جیسے وہ کسی غلط دفتر میں داخل ہو گئے ہوں' اور انھوں نے اپنے چشمے میں سے اپنے خوف زدہ بھتیجے کو دیکھا '' مجھ پر لعنت ہو'' اس کے چچا نے بغیر ذرہ بھر حیرانگی سے کہا۔ '' تم بالکل اپنے باپ کی طرح کرتے ہو۔'' اور دروازے بند کرنے سے پہلے' اس نے دور کہیں دیکھتے ہوئے کہا:'

'' اور تم' سینوریٹا' آزادی سے اپنا شغل جاری رکھو' میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں تمھارا چہرہ نہیں دیکھا۔''

اس معاملے کو پھر کبھی نہیں چھیڑا گیا۔ مگر اگلے ہفتے فلورنتینو آریزا کے دفتر میں کام کرنا ناممکن ہو گیا۔ سوموار کو الیکٹریشن اس کے کمرے میں چھت پر گھومنے والا پنکھا لگانے گھس آئے۔ پھر قفل ساز پہلے سے بتائے بغیر یوں شور مچاتے آئے جیسے کسی محاذ جنگ پر جا رہے ہوں۔ انھوں نے دروازے میں ایسا تالا لگایا جسے اندر سے بند کیا جا سکتا تھا۔ ترکھانوں نے بغیر وجہ بتائے وہاں کی پیمائشیں شروع کر دیں' پردہ سازکریٹوں کے کپڑے لے کر آئے تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ یہ دیواروں کے رنگ سے مناسبت رکھتے ہیں یا نہیں۔ اور اگلے ہفتے بے ہنگم پھولوں والے پرنٹ کے کپڑے سے ڈھکا ہوا ڈبل کوچ کھڑکی کے راستے اندر داخل کیا گیا۔ یہ اتنا بڑا تھا کہ دروازے کے راستے اندر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ ایک ایسی جلد بازی سے' ایسے عجیب وغریب اوقات میں کام کرتے رہے' جو ظاہر ہے غیر ارادی نہ تھے۔ اور وہ اس کے تمام احتجاج پر ایک ہی جواب دیتے۔ '' ہیڈ آفس سے یہی حکم ہے۔'' فلورنتینو آریزا کبھی بھی یہ نہیں جان سکا کہ مداخلت کا یہ انداز اس کے چچا کی طرف سے مہربانی کا اشارہ تھا' یا انتہائی ذاتی سطح پر اس کو اپنے غلط رویے کا اعتراف کرنے کے لیے مجبور کرنا تھا۔ سچ اس پر کبھی واضح نہیں ہوا' اور وہ یہ تھا کہ چچا لیو ہفتم اپنے بھتیجے کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔ کیوں کہ اس نے بھی اپنے بھتیجے کے بارے میں افواہیں سن رکھیں تھیں کہ

اس کی عادتیں عام آدمیوں سے مختلف ہیں اور اس کی اسی بری شہرت سے اس کے لیے ایسی رکاوٹ پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے اسے اپنا جانشین نامزد کرنے میں اس کو سخت پریشانی میں مبتلا کیا ہوا تھا۔

اپنے بھائی کے برعکس لیو ہفتم لوریزا نے سات سال کے عرصے کی مستحکم ازدواجی زندگی بسر کی تھی اور وہ اس بات پر فخر کرتا تھا کہ وہ کبھی اتوار کو کام نہیں آیا۔ اس کے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ وہ انھیں اپنی سلطنت میں اپنے وارثوں کے طور پر تیار کرنا چاہتا تھا' مگر اتفاقات کے ایک ایسے سلسلے کی وجہ سے جو آج کل اکثر ناولوں میں پائے جاتے ہیں' مگر حقیقی زندگی میں ان پر کوئی یقین نہیں کرتا' جب بھی وہ کسی اعلیٰ منصب پر پہنچے' یکے بعد دیگرے مرتے گئے۔ اس کی بیٹی کو جہاز رانی کے بارے میں ذرا بھی علم نہیں تھا' اور وہ ایک پچاس میٹر بلند کھڑکی سے ہڈسن پر کشتیوں کو دیکھتے دیکھتے گر کر اگلے جہان سدھار گئی۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اس کہانی کو سچ سمجھتے تھے کہ اپنے منحوس سراپے اور بھوتوں جیسی چھتری والا فلورنتینو آریزا کسی طرح ان تمام اتفاقات کا باعث تھا۔

جب ڈاکٹر کی ہدایات نے اس کے چچا کو ریٹائرمنٹ پر مجبور کر دیا تو' فلورنتینو آریزا نے کمال عنایت سے معاملات وصل کی کچھ اتواروں کو قربان کرنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے چچا کی دیہاتی آرام گاہ میں' شہر کی اولین خودکار گاڑی میں اس کے ساتھ جاتا۔ اس گاڑی کے ڈھیلے ہینڈل کا دھکا اس قدر سخت ہوتا تھا کہ اس کے پہلے ڈرائیور کا جوڑ اتر چکا تھا۔ وہ اس قدیم شجر زار میں بیٹھے' گھنٹوں آپس میں گفتگو کرتے' ان کے چبوتروں پر ضنائی پودوں کی مہک آ رہی ہوتی۔ ہر شے سے بے نیاز' سمندر کی طرف پشت کیے' بوڑھا اپنے جھولے میں بیٹھا ہوتا' جس پر ریشمی دھاگے سے اس کا نام کڑھا ہوتا۔ اور یہاں سے سہ پہر کو پہاڑی سلسلے کی برف پوش چوٹیاں نظر آ رہی ہوتیں۔ فلورنتینو آریزا اور اس کے چچا کے لیے یہ بات ہمیشہ سے مشکل رہی تھی کہ وہ دریائی جہاز رانی کے سوا کسی اور موضوع پر گفتگو کریں اور ان سست رو سہ پہروں میں بھی جب موت ہمیشہ ایک نظر نہ آنے والے مہمان کی طرح اردگرد پھر رہی ہوتی، ان کا یہی معمول تھا۔

چچا لیو ہفتم ہمیشہ اس فکر میں غلطاں رہتا کہ کہیں دریائی جہاز رانی کی باگ دوڑ اندرونی علاقوں میں رہنے والے ان کاروباری لوگوں کے ہاتھ میں نہ چلی جائے جن کے یورپی کارپوریشنوں کے ساتھ روابط ہوتے تھے۔ ''یہ ہمیشہ ساحلی علاقوں کے لوگوں کا کاروبار رہا ہے۔'' وہ کہا کرتا۔ ''اگر اندرونی علاقوں کے رہنے والوں نے اس کا انتظام سنبھال لیا' تو یہ واپس اسے جرمنوں کے سپرد کر دیں گے۔'' اس کی یہ فکر اس کے سیاسی اعتقاد کے ساتھ وابستہ تھی' جسے چاہے یہ بے محل ہی کیوں نہ ہو' وہ اکثر دھراتا رہتا تھا۔

’’میری عمر تقریباً سو سال کی ہو چکی ہے۔ میں نے ہر شے کو بدلتے دیکھا ہے۔ یہاں تک کہ آسمان میں ستاروں کی جگہوں کو بھی، مگر میں نے اس ملک میں کسی شے کو بدلتے نہیں دیکھا ہے۔‘‘ وہ کہا کرتا۔ ’’یہاں نئے آئین بنائے جاتے ہیں، نئے قوانین بنتے ہیں، ہر تین ماہ بعد نئی جنگیں ہوتی ہیں، لیکن ہم پھر بھی نوآبادیاتی عہد میں ہی رہ رہے ہیں۔‘‘

اپنے میسن بھائیوں کو، جو ان تمام برائیوں کی وجہ وفاقیت کی ناکامی کو گردانتے تھے، وہ ہمیشہ یہی جواب دیتا: ’’ہزار دنوں کی جنگ، تیس سال پہلے چھہترویں جنگ میں ہار دی گئی تھی۔‘‘ فلورنتینو آریزا جس کی سیاست میں مطلق کوئی دلچسپی نہیں تھی، اکثر ہونے والی ایسی گفتگوؤں کو یوں سنا کرتا جیسے وہ سمندر کی آوازوں کو سن رہا ہو۔ لیکن جب کمپنی کی پالیسی زیر بحث آتی تو وہ اس میں پر جوش انداز میں حصہ لیتا اپنے چچا کی رائے کے برعکس، اس کا خیال تھا کہ جہاز رانی میں آئے روز کے مسائل کا، جن کی وجہ سے ہمیشہ تباہی آتی رہتی تھی، کا صرف ایک ہی علاج تھا کہ اس اجارہ داری کو رضاکارانہ طور پر ترک کر دیا جائے، جسے قومی کانگریس نے ننانوے سال اور ایک دن کے لیے کریبئن جہاز کمپنی کو دے رکھی تھی۔ اس کا چچا احتجاج کرتا: ’’میری ہم نام لیونا نے اپنے بے کار نراجیت پسند نظریات کے ساتھ ان خیالات کو تمہارے دماغ میں بھر دیا ہے۔‘‘ مگر یہ صرف آدھا سچ تھا۔ فلورنتینو آریزا کی سوچ کی بنیاد جرمن کموڈور جوہان بی البیر کے تجربات پر تھی، جس کی شریفانہ ذہانت کو اس کی حد سے زیادہ ذاتی عروج کو خواہش لے ڈوبی۔ تاہم اس کے چچا کا خیال تھا کہ البیر کی ناکامی کی وجہ مراعات نہیں بل کہ وہ بہت سی ذمہ داریاں تھیں جن کے اس نے ٹھیکے لے لیے تھے۔ اور تقریباً اس پورے ملک جغرافیے کی ذمہ داری سنبھالنے کے مترادف تھے۔ وہ جہاز رانی کے بندوبست کی ذمہ داری، بندرگاہ کی تنصیبات، خشکی تک پہنچنے کے راستوں اور مواصلات کے ذرائع کی ذمہ داری، سنبھال چکا تھا۔ اس کے علاوہ، چچا کہا کرتا کہ صدر سائمن بولیوار کی مخالفت بھی کوئی مذاق نہیں تھی۔

اس کے بہت سے کاروباری رفقا ان اختلافات کو یوں لیتے تھے جیسے یہ ازدواجی زندگی کی دلیل بازیاں ہوں، جن میں دونوں فریق درست ہوتے ہیں۔ بڈھے کی ہٹ دھرمی انھیں فطری محسوس ہوتی۔ گو کہ یہ کہنا آسان نہیں تھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس میں پہلے کی سی پیش بینی کی صلاحیت نہیں رہی تھی بل کہ یہ کہ اجارہ داری سے دستبرداری اس کے لیے ایسا ہی تھا جیسے وہ ایک ایسی تاریخی جنگ میں اپنی فتوحات کو ضائع کر دے، جس میں وہ اور اس کے بھائی بغیر کسی مدد کے، ماضی کے تاریخی دور میں، ساری دنیا کے

طاقت ور مخالفین کے ساتھ برسرپیکار رہے تھے۔ اسی وجہ سے کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی۔ اس نے اپنے حقوق پر اپنی گرفت اس قدر مضبوط رکھی ہوئی تھی کہ کوئی بھی قانونی طور پر اس کی معیاد گزرنے سے قبل انھیں نہیں چھیڑ سکتا تھا۔ مگر پھر اچانک ہی' جب اس شجر زار میں سوچ بچار میں ڈوبی ان سہ پہروں میں' فلورنٹینو آریزا پہلے ہی اپنی ہار مان چکا تھا' چچا تھا' چچا لیو ہفتم نے اپنے صد سالہ استحقاق سے دستبردار ہونے سے اتفاق کرلیا' مگر اس کے لیے اس نے شرط یہ رکھی کہ یہ واقعہ اس کی موت سے قبل پیش نہ آئے۔

یہ اس کا آخری عمل تھا۔ اس کے بعد اس نے پھر کبھی کاروبار کے بارے میں گفتگو نہیں کی۔ یہاں تک کہ اس نے کسی کو یہ اجازت بھی نہیں دی کہ کوئی اس سے مشورہ مانگے۔ اس کے شاندار شاہانہ سر سے بالوں کا ایک گچھا بھی کم نہیں ہوا اور نہ ہی اس کے حواس کی چستی میں ذرہ برابر بھی کمی آئی' مگر وہ ہر ممکن کوشش کرتا کہ کوئی بھی ایسا شخص اس سے ملنے نہ آئے جو اس کے لیے رحم کے جذبات رکھتا ہو۔ اس نے اپنے دن اس جھولتی ہوئی وی آنا کی کرسی ہلکے ہلکے جھولتے ہوئے' اپنے میٹریس پر بیٹھے ہوئے' مسلسل گرتی ہوئی برف میں سوچوں میں گم گزار دیے۔ اس کی کرسی کے ساتھ ایک میز رکھی ہوتی' جس پر اس کے نوکر ہر وقت سیاہ کافی کا کپ ہر وقت تیار رکھتے' اس کے ساتھ ہی پانی میں ملے ہوئے بورک ایسڈ کا ایک گلاس دھرا ہوتا جس میں مصنوعی دانتوں کے دو جبڑے رکھے ہوتے۔ جنھیں اب وہ ملاقاتیوں سے ملنے کے علاوہ کبھی استعمال نہیں کرتا تھا۔ وہ بہت کم دوستوں سے ملتا تھا۔ اور وہ صرف اس قدیم زمانے کی باتیں کرتا تھا' جو دریائی جہاز رانی سے پہلے کا تھا۔ مگر اس کے لیے گفتگو کا ایک نیا موضوع اب بھی باقی رہ گیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ فلورنٹینو اریزا شادی کرلے۔

اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار کئی بار اس کے سامنے کیا' اور ہمیشہ ایک ہی انداز میں کیا:

''اگر میں پچاس برس چھوٹا ہوتا۔'' وہ کہا کرتا: ''تو میں اپنی ہم نام لیونا سے شادی کرلیتا۔ میرے خیال میں اس سے بہتر بیوی کا تصور ممکن نہیں۔''

فلورنٹینو آریزا اتنے سالوں پر پھیلی اپنی تپسیا' کو ان دیکھے حالات میں' غارت ہونے کے تصور سے ہی کانپ اٹھتا۔ فرمینا ڈازا کے حصول میں ناکامی کی نسبت وہ ہر شے سے دستبردار ہونے' اس سے کنارہ کشی اختیار کرنے' مرجانے کو ترجیح دیتا۔ خوش قسمتی سے چچا لیو ہفتم نے اصرار نہیں کیا۔ جب وہ بانوے برس کا ہوگیا تو اس نے اپنے بھتیجے کو اپنا واحد جانشین مقرر کردیا اور کمپنی کے معاملات سے ریٹائر ہوگیا۔ کوئی چھ ماہ بعد' فلورنٹینو آریزا کو متفقہ فیصلے سے کمپنی کا جنرل مینیجر اور بورڈ آف ڈائریکٹرز کا

صدر منتخب کرلیا گیا۔ جس روز اس نے اس عہدے کو سنبھالا اُس کے جشن کی ضیافت میں شیمپئن کے جام پر ریٹائر ہونے والے بوڑھے شیر نے جھولتی ہوئی کرسی سے نہ اٹھ سکنے کی معذرت کرتے ہوئے' ایک مختصر اور فی البدیہہ تقریر کی' جو نوحہ خوانی کا انداز لیے ہوئے تھی۔ اس نے کہا کہ اس کی زندگی کا آغاز اور خاتمہ دو الوہی واقعات سے ہوا تھا۔ پہلا یہ کہ جب نجات دہندہ خود اپنی موت کے بدنصیب سفر کی طرف گامزن تھا' تو وہ اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا کر ٹرباکو کے قصبے کی طرف لے کر گیا تھا۔ دوسرا یہ کہ تقدیر کی پیدا کردہ تمام رکاوٹوں کے باوجود' وہ ایک ایسا جانشین ڈھونڈنے میں کامیاب رہا ہے جو صحیح معنوں میں اس کمپنی کے لائق تھا۔ آخر میں' اس ڈرامائی کیفیت کو کم کرتے ہوئے اس نے کہا:

''اس زندگی سے وابستہ اس واحد حسرت کو میں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا' کہ میں بہت سارے جنازوں پر خوانی کے باوجود اپنے جنازے پر ایسا نہیں کرسکوں گا۔''

اس بات کا کیا ذکر کہ تقریب کے اختتام کے لیے اس نے گیا کوموپوسینی کے ۱۹۰۰ کے مشہور اوپیرا ٹوسکا کے کچھ حصے گائے۔ اس کی آواز اب بھی مستحکم تھی۔ فلورنتینو آریزا کا دل بھر آیا۔ مگر اس کا اظہار صرف آواز کی اس ہلکی سی کپکپاہٹ میں ہوا جب وہ اپنے شکریے کا اظہار کررہا تھا۔ تمام زندگی اس نے جس طرح سوچا اور عمل کیا تھا' اسی طرح اس نے اپنی شدید قوت ارادی کے بل بوتے پر ان بلندیوں کو حاصل کرلیا تھا' تاکہ وہ اس لمحے تک زندہ رہے اور صحت مند رہے جب وہ فرمینا دازا کی پرچھائیں میں اپنے مقدر سے باریاب ہوگا۔

تاہم یہ صرف اسی کی یاد نہ تھی جو اس پارٹی میں اس کی ہم راہ تھی جو اس رات لیونو کیزیانی نے اس کے اعزاز میں دی تھی۔ ان سب کی یادیں اس کے ساتھ تھیں: جو قبروں میں سوئے ہوئے' ان گلابوں کے درمیان جو اس نے ان پر لگائے تھے' اس کے بارے میں سوچ رہیں تھیں' اور وہ بھی جو آج بھی ان تکیوں پر اپنا سر رکھے ہوئے تھیں، جہاں ان کے شوہر محو خواب ہوتے اور چاندنی میں جن کے شوہروں کی بھنویں سنہری ہو جاتیں۔ اس ایک سے محروم' وہ ایک ہی وقت میں ان سب کے ساتھ سونا چاہتا تھا' اور ہر بار جب وہ خوف زدہ ہوتا' تو وہ ایسا ہی چاہتا تھا۔ اسی لیے کمپنی کے سخت ترین حالات اور بدترین لمحوں میں بھی' اس نے اتنے سارے برسوں پر پھیلی اپنی بے شمار عاشقوں سے کوئی نہ کوئی تعلق' چاہے وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو' ضرور برقرار رکھا تھا۔ وہ ہمیشہ ان کی زندگیوں کے بارے میں معلومات رکھتا تھا۔

اور اسی لیے اس رات اس نے روزالبا کو یاد کیا' وہ پہلی عورت جس نے اس کے کنوار پن کو

پامال کر دیا تھا اور جس کی یاد اب بھی اس کے لیے پہلے دن کی طرح درد انگیز تھی۔ اسے صرف اپنی آنکھیں بند کرنا ہوتیں' اور وہ اپنے آب رواں لباس میں ملبوس' لمبی ریشمی بیلوں اور جھالروں والے ہیٹ کے ساتھ کشتی کے عرشے پر اپنے بچے کو جھولنا جھلاتی ہوئی اس کے سامنے آجاتی۔ اپنی گزری زندگی کے اس عرصے میں' اس نے بارہا' بغیر یہ جانے کہ کہاں اور بغیر اس کا آخری نام جانے اور یہ جانے بغیر بھی کہ کیا وہ اسی کو تلاش کر رہا ہے' گھنے درختوں کے کنج میں اس کو پالینے کے یقین کے ساتھ وہ اس کی تلاش میں نکلنا چاہا۔ ہر بار آخری وقت پر' کسی حقیقی مشکل یا اس کی اپنی خواہش کی بے موقع کمی کے باعث' عین روانگی کے وقت وہ اسے ملتوی کر دیتا: ہر بار اس وجہ کا تعلق کسی نہ کسی طرح فرمینا دازا سے ہوتا۔

اس نے بیوہ نذارت کو یاد کیا' وہ واحد عورت' جس کے ساتھ' اپنی ماں کے دریچوں والے گھر میں' وہ ممنوع لذت کے گناہ کا مرتکب ہوا تھا۔ اگرچہ یہ وہ خود نہیں' بل کہ ترانسیتو آریزا تھی جس نے اسے اندر جانے کے لیے کہا تھا۔ وہ باقیوں کی نسبت خود کو اس کے زیادہ قریب سمجھتا تھا۔ کیوں کہ بستر میں اپنی سست روی کے باوجود وہ واحد عورت تھی جس کے جسم سے اس قدر محبت بھری نرمی منعکس ہو رہی تھی جو فرمینا دازا کا مداوا کر سکتی تھی۔ مگر اس میں کسی آوارہ بلی کی سی عادتیں تھیں جو اس کی نرمی سے کہیں زیادہ منہ زور تھیں' اور اس کا یہی مطلب تھا کہ بے وفائی' ان دونوں کا مقدر ٹھہرائی جا چکی ہے۔ اس کے باوجود' اپنے مقولے کے مطابق کہ: ''بے اعتبار مگر بے وفا نہیں'' انھوں نے تقریباً تیس سال تک ایک دوسرے سے گاہے بگاہے عشق بازی کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ صرف وہی تھی جس کے لیے فلورنتینو آریزا نے کوئی ذمہ داری اٹھائی۔ جب اس نے سنا کہ وہ مر چکی ہے اور اسے ایک مفلس کے طور پر دفنایا جا رہا ہے تو اس نے اپنے خرچ پر اس کی تدفین کا انتظام کیا اور اس کے جنازے پر گریہ کرنے والا وہ واحد شخص تھا۔

اس نے ان دوسری بیوہ عورتوں کو یاد کیا جن سے اس نے محبت کی تھی۔ اس نے پروڈنسیا پٹرے کو یاد کیا۔ جو اس کی اب تک زندہ محبوباؤں میں سے سب سے زیادہ عمر کی تھی۔ ہر کوئی اسے دو کی بیوہ' کہتا تھا کیوں کہ وہ اپنے دو شوہروں کو گزار چکی تھی اور دوسری پروڈنسیا اریلینو کی عشق باز بیوہ' جو اس کے کپڑوں کے بٹن ادھیڑ ڈالتی تھی' تا کہ وہ اس وقت تک اس کے گھر ٹھہرا رہے جب تک کہ وہ انھیں دوبارہ سی نہ دے۔ اور جوزیفا' زونیگا کی بیوہ' جو اس کے عشق میں دیوانی تھی' جو اس بات کے لیے تیار رہتی کہ وہ اس کے سوتے ہوئے، باغبانی کی قینچی سے اس کا آلہ تناسل کاٹ دے تا کہ اگر وہ اس کا نہ بن سکا' تو کسی اور کا بننے کے لائق بھی نہ رہے۔

اس نے "مجلا الفارو کو یاد کیا۔اس سے اس نے سب سے زیادہ لحاتی اور شدید محبت کی تھی' وہ موسیقی کے سکول میں چھ مہینے کے لیے تاروالے ساز سکھانے آئی تھی' اور وہ اپنے گھر کی چھت پر اس کے ساتھ چاند راتیں' اس دن کی طرح عالم برہنگی میں گزارتی جس دن وہ پیدا ہوئی تھی ۔اس دوران میں وہ بڑے وائلن پر موسیقی کی خوبصورت ترین عشقیہ دھنیں بجاتی جس کی آواز اس کی سنہری رانوں کے اندر انسانی محسوس ہونے لگتی ۔پہلی چاند رات سے ہی' وہ دونوں ہی اپنے کچے عشق کی شدت میں اپنے دل ریزہ ریزہ کر بیٹھے ۔مگر "مجلا الفارو" اس کشتی پر' جس پر بے خبری کا جھنڈا لہرا رہا تھا' اپنی نرم جنسیت اور گناہ گار وائلن کے ساتھ جیسے آئی تھی' ویسے ہی چلے گئی ۔اس کا جو کچھ باقی رہا' وہ چاندنی سے ڈھکی چھتوں پر افق پر کسی اداس فاختہ کی طرح سفید رومال کا پھڑ پھڑاتا ہوا الوادعیہ تھا' جیسے وہ ''شعر میلے'' کا کوئی شعر ہو۔اس کے ساتھ ہی فلورنٹینو آریزا نے اس راز کو جانا جس کا تجربہ غیر محسوس انداز میں وہ پہلے بھی کئی بار کر چکا تھا: یہ کہ کوئی بھی کسی کو فریب دیے بغیر ایک ہی وقت میں بہت سے لوگوں کے ساتھ عشق کر سکتا ہے' ہر ایک کے ساتھ ایک سا دکھ محسوس کر سکتا ہے ۔پشتے پر اکٹھے ہوئے ہجوم کے درمیان تنہا' اس نے اپنے آپ سے' غصے کی ایک لہر کے ساتھ کہا ''میرے دل میں کسی رنڈی کے چکلے کی نسبت زیادہ کمرے ہیں ۔'' اس نے جدائی کے دکھ میں ڈھیروں آنسو بہائے' مگر جیسے ہی جہاز دور افق میں گم ہو گیا' فرمینا دارازا کی یاد نے ایک بار پھر اس کے سارے خلا کو بھر دیا۔

اس نے آندریا وارون کو یاد کیا' جس کے گھر کے باہر اس نے گزشتہ ہفتہ گزارا تھا۔اس کے غسل خانے میں جلتی نارنجی روشنی' یہ خبردار کر رہی ہوتی کہ اب وہ اندر داخل نہیں ہو سکتا: کوئی اس سے پہلے پہنچ چکا ہے ۔کوئی بھی: مرد یا عورت' کیوں کہ جب محبت کی نادانیوں کی بات ہوتی تو آندریا وارون اس کی تفصیلات کی پرواہ نہیں کرتی تھی ۔اس کی فہرست میں شامل تمام عورتوں میں وہ واحد عورت تھی جو اپنے جسم سے اپنی روزی کماتی تھی ۔مگر وہ یہ سب کسی کے توسط کے بغیر اور اپنی لذت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کرتی تھی ۔اپنے وقتوں میں' اس نے وہ افسانوی دن گزارے تھے جب وہ ایک خفیہ پراسرار داشتہ کی حیثیت سے جانی جاتی تھی ۔''ہماری خاتون' جو سب کے لیے ہے ۔'' وہ گورزوں اور ایڈمرلوں کو پاگل کر دیتی' وہ جنگ اور الم کے ان سورماؤں کا تماشا دیکھتی جو اس کے خیال میں ایسے عالی مرتبت نہیں تھے جیسا کہ وہ خود کو سمجھتے تھے' اور ان کا بھی جو واقعتاً ایسے تھے ۔وہ اس کے کندھوں پر سر رکھ کر روتے تھے ۔تاہم یہ صحیح تھا' کہ صدر رافیل ریزے نے شہر میں اپنی مصروفیات کے دوران میں' جلدی میں کی گئی نصف گھنٹے

کی ایک ملاقات کے بعد' وزارت خزانہ میں اس کی اعلیٰ خدمات کے صلے میں اس کے لیے تا حیات پنشن مقرر کر دی تھی۔ حالاں کہ اس نے اپنی زندگی میں ایک دن بھی یہاں کام نہیں کیا تھا۔ جہاں جہاں تک اس کے بدن کی پہنچ ممکن ہوتی' وہ اپنی لذت کے تحفے بانٹتی رہتی اور اگر چہ اس کے غیر شائستہ انداز کا ہر کسی کو علم تھا' کوئی بھی اس کے خلاف قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا تھا' کیوں کہ اس کے نامور شرکائے لذت یہ جانتے ہوئے کہ کسی سکینڈل کی صورت اس سے کہیں زیادہ نقصان انھیں خود کو پہنچ سکتا تھا' اس کے لیے وہ ویسا ہی تحفظ فراہم کرتے تھے جیسا کہ وہ اپنے لیے انتظام کرتے۔ اس کی خاطر فلورنٹینو آریزا نے وصل کے لیے کبھی ادائیگی نہ کرنے کا مقدس اصول قربان کر دیا' اور اس نے کبھی معاوضے کے بغیر ایسا نہ کرنے کا' چاہے یہ اپنا شوہر ہی کیوں نہ ہو' اپنا اصول پس پشت ڈال دیا۔ انھوں نے ایک پیسو کی علامتی ادائیگی کو طے کر لیا' جو وہ وصول نہیں کرتی تھی اور نہ ہی وہ اس کو اس کی ادائیگی کرتا تھا۔ جس کو وہ پہلے ایک گلے میں ڈال دیتے' اور اس وقت تک نہ نکالتے جب تک کہ ان کی تعداد اتنی نہ ہو جاتی جس سے وہ منشی آرکیڈ میں سمندر پار سے آئی ہوئی کسی دلکش چیز کو خریدنے کے قابل نہ ہو جاتے۔ یہ وہی تھی جس نے اسے اپنے قبض کے مسائل سے نبٹنے کے لیے استعمال ہونے والے اینیما کو ایک خاص نفس پرستی عطا کی' جس نے اسے اس بات پر قائل کیا کہ وہ اسے اس کے ساتھ ہی لیا کرے گی اور وہ اپنی جنونی سہ پہروں کے دوران میں اکٹھے انہیں لیتے' اور یوں اپنے عشق میں مزید عشق پیدا کرنے کی سعی کر رہے ہوتے۔

وہ اسے اپنی خوش بختی کی علامت سمجھتا تھا کہ اپنے اتنے بہت سارے معاملات عشق میں' صرف ایک ہی عورت تھی جس نے اسے تلخی کے ذائقے سے آشنا کروایا اور یہ سارہ نورنجہ تھی۔ جس کے آخری دن مسیحی دارالامان میں گزرے' جہاں وہ اپنی ضعیفی کے دوران میں ایسی لغو باتیں کیا کرتی کہ وہ اسے علاحدہ رکھنے پر مجبور ہو گئے کہ کہیں وہ باقی پاگل عورتوں کو جنونی نہ بنا دے۔ تاہم' جب اس نے آر سی کی مکمل ذمہ داری سنبھال لی' تو اب اس کے پاس اتنا وقت یا ایسی خواہش نہیں رہ گئی تھی کہ وہ فرمینا دازا کی جگہ بھرنے کی کوشش کرتا رہے: وہ جانتا تھا کہ کوئی اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ آہستہ آہستہ اس نے یہ معمول بنا لیا کہ وہ انھیں کے پاس جاتا جن سے اس کے تعلقات پہلے سے استوار ہوتے۔ ان کے ساتھ وہ اس وقت تک مباشرت کے لیے جاتا رہتا جب تک وہ اسے لبھاتی رہتیں' جب تک ان کے پاس جانا اس کے لیے ممکن رہتا اور جب تک وہ زندہ رہتیں۔ اس پینٹی کوسٹ اتوار کو' جب جووینل اربینو مرا' اس کے پاس اب ایک ہی لڑکی رہ گئی تھی' صرف ایک' جو ابھی چودہ سال کی ہوئی تھی اور اس کے پاس ہر وہ

بات تھی جو اس وقت تک اسے عشق میں دیوانہ بنانے کے لیے کسی اور کے پاس نہیں تھی۔

اس کا نام امریکا ویکونا تھا۔ وہ دو سال پہلے ماہی گیری کے لیے مشہور پورٹو پاڈرے کے قصبے سے یہاں پہنچی تھی۔ اس کے خاندان نے فلورنتینو آریزا کو اپنا رشتے دار بتایا تھا اور اسے اس کا سرپرست تفویض کیا تھا۔ انھوں نے اسے ایک سرکاری وظیفے پر ثانوی تعلیم کے حصول کے لیے وہاں بھیجا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا بستر بند تھا۔ اور اس کا ٹرنک اس قدر چھوٹا تھا جیسے کسی گڑیا کا ہو اور جس لمحے وہ اپنے اونچے سفید جوتوں اور سنہری چٹیا کے ساتھ کشتی سے نیچے اتری فلورنتینو آریزا کو اسی لمحے اس پر ہیبت پیش اندیشگی کا احساس ہو چکا تھا کہ وہ دونوں آنے والے اتواروں کی کئی سہ پہریں اکٹھے گذاریں گے۔ وہ ابھی تک ہر اعتبار سے ایک بچی تھی جس کے دانتوں پر لیز لگے تھے مگر اس نے اسی وقت جان لیا تھا کہ وہ کس طرح کی عورت بننے جا رہی ہے اور اس نے اس سال آہستہ آہستہ ہفتہ کو سرکس اور اتواروں کو پارک میں آئس کریم کھلاتے بچگانہ شاموں میں اس کی اسی انداز میں تربیت کی۔ اس نے اس کا اعتماد حاصل کر لیا اس کی محبت جیتی اور کسی مہربان دادا کی طرح عیاری سے اس کا ہاتھ تھامے اسے اپنے خفیہ مقتل کی طرف لے گیا۔ امریکا ویکونا کے لیے جیسے یکا یک سب کچھ ہو گیا ہو: جیسے اس کے لیے بہشت کے دروازے کھل گئے ہوں۔ جیسے وہ ایک دم کھل کر پھول بن گئی' وہ خوشیوں کے اطراف میں تیرنے لگی اور اس کا پڑھنے میں بھی دھیان بڑھنے لگا۔ وہ ہمیشہ اپنی کلاس میں اول رہتی تا کہ کہیں اسے ہفتہ وار تعطیل پر باہر جانے کی رعایت سے محروم نہ کر دیا جائے۔ اس کے لیے اپنے بڑھاپے کی گھاٹی سب سے محفوظ گزرگاہ تھی محتاط محبتوں کے اتنے سارے سالوں کے بعد' اس معصومیت کی سبک مسرت میں شفا بخش گمراہی کا عنصر شامل تھا۔

ان کا ہر بات میں پورا اتفاق تھا۔ وہ اپنی حیثیت کے مطابق برتاؤ کرتی' اس لڑکی کی حیثیت سے جو ایک قابل احترام بوڑھے کی راہ نمائی میں زندگی کے بارے میں سیکھنا چاہتی تھی اور اس نے اس طرح کا برتاؤ اختیار کیا جس سے وہ ساری عمر خوفزدہ رہا تھا۔ یعنی ایک بوڑھے عاشق کا کردار۔ اس نے اس مشابہت کے باوجود جو محض اتفاقیہ تھی' اور جس کی وجہ محض ان کی عمروں کا ایک سا ہونا' ان کی سکول کی یونیفارم' ان کی چٹیا' ان کے بے باک چال' یہاں تک کہ ان کے منہ زور اور تلون انداز پر ہی نہیں تھی' اس میں نوجوان فرمینا دازا کو ڈھونڈنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ مزید کہ فرمینا دازا کے خلا کو بھرنے کا خیال' جو اس کی محبت کی داستانوں میں پر اثر تحریک رہتی تھی' اس کے دماغ سے مکمل طور پر محو ہو چکا تھا۔ وہ اس کو ویسے ہی پسند کرتا تھا جیسی کہ وہ تھی' اور اس سے اپنی مسرتوں کے ہیجان انگیز ملگجوں میں اس کے وصل کے

لیے آتا۔ وہ واحد عورت تھی جس کے لیے وہ کسی حادثاتی حمل سے بچاؤ کے لیے غیر معمولی تدابیر اختیار کرتا تھا۔تقریباً نصف درجن ایسی ملاقاتوں کے بعد' ان دونوں کے لیے اتوار کی سہ پہروں کے سوا کوئی اور خواب باقی نہیں رہ گیا تھا۔

چوں کہ وہ واحد شخص تھا جسے اس کو بورڈنگ سکول سے باہر لے جانے کی اجازت تھی' وہ آر سی کے چھ سلنڈروں والے ہڈسن میں اسے بورڈنگ سے لے جاتا' اور کبھی جب دھوپ زیادہ نہ ہوتی تو وہ اس کی چھت کو نیچے کر لیتے اور ساحل کے ساتھ ساتھ ڈرائیو کرتے۔ اس نے اپنا غمگین ہیٹ پہنا ہوتا' اور وہ ہنسی سے بے حال' دونوں ہاتھوں سے اپنا سکول یونیفارم والا سیلر ہیٹ سنبھال رہی ہوتی کہ کہیں ہوا اسے اڑا کر نہ لے جائے۔ کسی نے اسے کہا تھا کہ وہ اپنے سرپرست کے ساتھ ضرورت سے زیادہ وقت نہ گزارا کرے' کوئی ایسی چیز نہ کھایا کرے جو اس نے چکھی ہو' اپنا چہرہ اس کے چہرے کے بہت قریب نہ رکھے اس لیے کہ بڑھاپا متعدی بیماریوں کی طرح ہوتا ہے مگر وہ اس کی پرواہ نہیں کرتی تھی۔ وہ دونوں اس بات سے بے پرواہ تھے کہ لوگ ان کے بارے میں کیا سوچ سکتے ہیں' اس لیے کہ ان کی خاندانی رشتہ داری کا ہر کسی کو علم تھا اور مزید یہ کہ ان کی عمروں کا انتہائی فرق انھیں شک وشبے سے بالاتر کر دیتا تھا۔

اس پینٹی کوسٹ اتوار کو وہ ابھی لذت وصل سے سرشار ہوئے ہی تھے کہ چار بجے گھنٹیاں بجنا شروع ہو گئیں۔ فلورنٹینو آریزا نے مشکل سے اپنے دل کی جنونی دھڑکنوں پر قابو پایا۔ اس کی جوانی کے دنوں میں' گھنٹیاں بجانے کی رسم کے خرچ کو جنازے کی مد میں شامل کر لیا جاتا' اور صرف کوئی کنگال ہی اس رسم سے محروم رہتا تھا۔ مگر ہماری آخری جنگ کے بعد' اس صدی کے اواخر میں' قدامت پسند حکمرانوں نے نوآبادیاتی دور کے رسوم ورواج کو مزید مستحکم کیا اور جنازے کی رسومات کو اس قدر گراں کر دیا کہ صرف امیر ترین لوگ ہی اس کی ادائیگی کے متحمل ہو سکتے تھے۔ جب آرچ بشپ دانتے ڈی لیونا مرا تھا' پورے صوبے پر نو دن اور نو راتوں تک مسلسل گھنٹیاں بجتی رہی تھیں اور لوگ اس سے قدر زیادہ تنگ ہوئے کہ اس کے جانشین نے گھنٹیاں بجانے کو' صرف ان لوگوں کے جنازے کی رسومات کے لیے مخصوص کر دیا جو اپنی زندگی میں بہت محترم اور نامور رہے ہوں۔ اس لیے جب اس پینٹی کوسٹ اتوار کو سہ پہر چار بجے فلورنٹینو آریزا نے کیتھڈرل کی گھنٹیاں سنیں' اسے یوں لگا جیسے اس کی گمشدہ جوانی کا کوئی بھوت اس سے ملنے آیا ہے۔ اس کو یہ اندازہ بالکل نہیں تھا کہ یہ وہ گھنٹیاں تھیں جن کو سننے کے لیے وہ اتنے برسوں سے منتظر تھا' اس اتوار سے' جب اس نے چھ ماہ کی حاملہ فرمینا دازا کو عشائے ربانی سے

واپس جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

''لعنت ہو۔'' اس نے تاریکی میں کہا۔ ''یقیناً یہ کوئی بہت بڑی مچھلی ہوگی جس کے لیے انھوں نے کیتھڈرل کی گھنٹیاں بجائی ہیں۔'' مکمل برہنہ امریکا ویکونا' جیسے ابھی بیدار ہوئی ہو۔

''یہ عشائے ربانی کے لیے ہوگی'' اس نے کہا۔

فلورنٹینو آریزا کسی بھی اعتبار سے چرچ سے متعلقہ معاملات کا ماہر نہیں تھا اور جب سے اس نے اس جرمن کے ساتھ مذہبی سماع میں وائلن بجایا تھا وہ کبھی عشائے ربانی کے لیے بھی وہاں نہیں گیا تھا۔ اس جرمن نے اسے ٹیلی گراف کی سائنس بھی سکھائی تھی' اس جرمن کا پھر کیا بنا' اس کے بارے میں قطعی طور وہ اب تک کچھ بھی جان نہیں پایا تھا مگر وہ پورے یقین سے اس بات کو جانتا تھا کہ یہ گھنٹیاں عشائے ربانی کے لیے نہیں بج رہی ہیں۔ اس صبح کریبئن مہاجرین کا ایک وفد اس کے گھر یہ بتانے آیا تھا کہ جرمیہ ڈی سینٹ ایمور اپنے فوٹوگرافی کے سٹوڈیو میں مردہ پایا گیا ہے۔ اگرچہ فلورنٹینو آریزا اس کا قریبی دوست نہیں تھا' وہ ان بہت سارے مہاجروں کے کافی قریب تھا جو اپنی اجتماعی تقریبات خصوصاً اپنے جنازوں میں اسے مدعو کرتے تھے' مگر اسے یقین تھا کہ یہ گھنٹیاں جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کے لیے نہیں بج رہیں ہیں' جو ایک متشدد ملحد تھا اور ایک پکا رزاجیت پسند تھا' اور مزید یہ کہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی کا خاتمہ کیا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے کہا: ''کم از کم کسی گورنر کے لیے ہی اس طرح گھنٹیاں بج سکتی ہیں۔''

امریکا ویکونا' جس کا زرد جسم ادھورے کھچے ہوئے پردوں سے چھن کر آتی ہوئی روشنی میں جھلملا رہا تھا' ایسی عمر میں نہ تھی کہ وہ موت کے بارے میں سوچتی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد انھوں نے وصل کیا تھا اور وہ قیلولہ کے بعد اکٹھے لیٹے ہوئے تھے' وہ دونوں برہنہ تھے اور چھت پر پنکھے کی زوں زوں سنائی دے رہی تھی۔ اس کے اوپر ٹین کی گرم چھت پر جھکڑ کے چلنے کی آوازیں آ رہی تھی جیسے اس پر اولے پڑ رہے ہوں۔ فلورنٹینو آریزا اس سے اسی طرح محبت کرتا تھا جس طرح اپنی طویل زندگی میں اس نے بہت سی دوسری عورتوں کے ساتھ محبت کی تھی' مگر اس کے ساتھ اس کی محبت میں دوسری عورتوں کی نسبت زیادہ اذیت شامل تھی' کیوں کہ اسے یقین تھا کہ جب تک وہ اپنی ثانوی تعلیم مکمل کرے گی' وہ مر چکا ہوگا۔

کمرہ کسی جہاز کے کیبن کی طرح تھا۔ اس کی دیواریں چوبی تختوں کی بنی ہوئی تھیں جن پر کئی تہوں میں روغن کیا ہوا تھا' یہ ایسی تھیں جس طرح کسی کشتی کی دیواریں ہوتی ہیں۔ مگر سہ پہر چار بجے بستر

کے اوپر لٹکتے ہوئے بجلی کے پنکھے کے باوجود دھاتی چھت کے حرارت منعکس کرنے کی وجہ سے گرمی کی شدت دریائی کشتی کے کیبن کی نسبت زیادہ شدید ہوتی تھی۔ یہ خشکی پر کیبن کی طرز کا ویسا باقاعدہ بیڈروم نہیں تھا۔ اسے فلورنتینو آریزا نے آر۔ سی۔ سی میں اپنے دفتر کے عقب میں بنوایا تھا۔ اس کا اس کے سوا کوئی اور مقصد نہیں تھا کہ اس بڑھے کے معاملات عشق کے لیے کوئی چھوٹی سی اچھی پناہ گاہ میسر آسکے۔ عام دنوں میں حمالوں کی چیخ وپکار اور دریائی بندرگاہ سے آنے والی کرینوں کے شور اور گودی سے جہازوں سے آنے والی دھونکنی کی وجہ سے سونا انتہائی مشکل تھا۔ لڑکی کے لیے بہر حال یہ اتوار کی جنت تھی۔

انھوں نے پینٹی کوسٹ سے لے کر صبح کی دعا سے پانچ منٹ پہلے تک' جب اسے واپس سکول پہنچنا تھا' اکٹھے رہنے کا طے کیا ہوا تھا' مگر گھنٹیوں کے بجنے سے فلورنتینو آریزا کو یاد آیا کہ اس نے جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کے جنازے میں شامل ہونے کا وعدہ کیا ہوا تھا' اور اس نے انتہائی عجلت میں کپڑے پہننا شروع کر دیے۔ پھر سب سے پہلے اس نے اس کی واحد چٹیا بنائی' جسے اس سے پہلے اس نے خود ہی بکھیر دیا تھا' پھر اس نے اسے میز پر بٹھا کر اس کے اسکول کے جوتوں پر تسموں کا پھول باندھا' یہ ایسا کام تھا جو وہ خود کبھی اچھے طریقے سے نہ کر سکی تھی۔ وہ بغیر کسی عناد کے اس کی مدد کرتا تھا' اور وہ اسے خود اپنی ہی مدد کرنے میں مدد کرتی' جیسے یہ کوئی فرض ہو: اپنی اولین ملاقاتوں کے بعد' وہ دونوں اپنی عمروں کا احساس کھو بیٹھے تھے' اور وہ دونوں ایک دوسرے سے ایک ایسے شوہر اور بیوی کی سی شناسائی کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے جنھوں نے اس زندگی میں اس قدر راز چھپا رکھے تھے کہ ان کے لیے ایک دوسرے سے کہنے کے لیے مشکل ہی سے کوئی بات بچی تھی۔

تعطیل کی وجہ سے دفاتر بند تھے اور ان میں اندھیرا تھا۔ اور یہاں گودی پر صرف ایک جہاز کھڑا تھا' جس کے بوائلر بند تھے۔ حبس زدہ موسم سال کی اولین بارشوں کی پیش آگاہی کر رہا تھا' مگر بندرگاہ کی شفاف ہوا اور اتوار کا سکوت کسی زیادہ مہربان مہینے کی علامت لگ رہے تھے۔ دنیا' اس سایہ دار کیبن سے پرے زیادہ بے رحم تھی' اور بجتی ہوئی گھنٹیاں زیادہ اداسی کا باعث تھیں' چاہے کسی کو یہ علم نہ بھی ہو کہ یہ کس کے لیے بج رہی تھیں۔ فلورنتینو آریزا اور لڑکی نیچے شورزدہ صحن میں اترے' جسے ہسپانوی سیاہ فاموں کے لیے بندرگاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے' اور جہاں ابھی تک غلاموں کی تجارت کے زمانے کے اوزان اور زنگ آلود سلاخوں کی نشانیاں موجود تھیں۔ مال خانے کے چھجے کے نیچے گاڑی ان کی منتظر تھی' اور انھوں نے اس وقت تک سٹیرنگ پر سر رکھ کر سوتے ہوئے ڈرائیور کو نہیں جگایا جب تک وہ اپنی

نشستوں پر بیٹھ نہیں گئے۔ جنگلے کی تاروں سے بند مال خانے کے عقب سے گاڑی دوسری طرف گھوم گئی' لاس انیماس خلیج کی پرانی منڈی کے علاقے کو عبور کیا' جہاں نیم برہنہ جوان لڑکے کھیل رہے تھے' اور یہاں سے جلتی ہوئی دھول کے مرغولوں کے ساتھ دریائی گودی کے علاقے سے باہر نکل گئی۔ فلورنتینو آریزا کو یقین تھا کہ جنازے کے اعزار جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کے لیے نہیں ہو سکتے تھے' مگر مستقل گھنٹیوں نے اس میں شبہات پیدا کر دیے۔ اس نے ڈرائیور کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کے کان میں چیختے ہوئے پوچھا کہ یہ گھنٹیاں کس کے لیے بج رہی تھیں۔

''یہ بکرے کی سی داڑھی والے ڈاکٹر کے لیے ہیں۔'' ڈرائیور نے کہا۔ ''کیا نام ہے اس کا؟''

فلورنتینو آریزا کو یہ جاننے کے لیے کہ وہ کون تھا' زیادہ تحیر میں مبتلا نہیں ہونا پڑا۔ اس کے باوجود' جب ڈرائیور نے اسے بتایا کہ اس کی موت کسی طرح واقع ہوئی تھی تو اس کی فوری امید ڈوب گئی' کیوں کہ اس کو اپنے سننے پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ مرنے کا انداز اس کی شخصیت سے میل نہیں کھاتا تھا۔ اور اس موت پر اس شخص کی موت کا شائبہ تک نہیں گزرتا تھا جس کے بارے میں وہ سوچ رہا تھا۔

اگرچہ یہ سب لغو لگ رہا تھا: مگر یہ وہی تھا' شہر کا سب سے پرانا اور سب سے زیادہ ماہر ڈاکٹر' اور دوسرے بہت سے اعزازات کی بنا پر اس کا نمایاں ترین شہری' اکیاسی برس کی عمر میں آم کے ایک درخت پر ایک طوطا پکڑنے کی کوشش کرتے ہوئے گر کر' اپنی ریڑھ کی ہڈی کے ٹوٹنے کی وجہ سے مر گیا۔

فرمینا دازا کی شادی کے بعد سے' فلورنتینو آریزا نے جو کچھ بھی کیا تھا' اس کی بنیاد اسی واقعہ کی امید پر تھی' مگر اب جبکہ یہ واقعہ رونما ہو چکا تھا' اس نے فتح مندی کے اس ولولے کو محسوس نہیں کیا' جس کا تصور وہ اکثر اپنی بے خوابی کے دوران میں کیا کرتا تھا۔ اس کے برعکس' وہ دہشت کا شکار ہو گیا: ایک تصوراتی احساس' کہ یہ وہ خود بھی ہو سکتا تھا جس کے لیے یہ گھنٹیاں بجائی جا رہی ہیں۔ پتھریلی گلیوں پر اچھلتی ہوئی گاڑی پر' اس کے ہمراہ بیٹھی ہوئی' امریکا ویکونا اس کو زرد پڑتا دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی' اور اس نے اس سے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے۔ فلورنتینو آریزا نے اپنے برف ہوتے ہوئے ہاتھ سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''او میری پیاری' اس نے آہ بھری۔ ''تمہیں یہ بتانے کے لیے مجھے مزید پچاس برس لگیں گے۔''

اس نے جرمیہ ڈی سینٹ ایمور کے جنازے کو فراموش کر دیا' اس نے عجلت میں لڑکی سے اگلے ہفتے کو اسے لینے کے لیے آنے کا عاجلانہ وعدہ کرتے ہوئے اسے سکول کے دروازے پر چھوڑا' اور ڈرائیور سے کہا کہ وہ اسے ڈاکٹر جووینل اربینو کے گھر لے چلے۔ وہاں اردگرد کی گلیوں میں گاڑیوں

اور کرائے کے تانگوں کا شور بپا تھا اور گھر کے باہر تجسس بھرے لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ ڈاکٹر لیسی ڈس اولی ویلا کے مہمان، جنھیں جشن کے عین عروج پر یہ بری خبر ملی تھی، بھاگم دوڑ کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے تھے۔ ہجوم کی وجہ سے گھر میں داخل ہونا آسان نہ تھا، مگر پنجوں کے بل چلتا ہوا، دروازہ روکے ہوئے لوگوں کے سروں پر سے جھانکتا ہوا، وہ کسی نہ کسی طرح مرکزی خواب گاہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گیا اور وہاں اس نے جڑواں بستر پر پڑے ڈاکٹر جووینل اربینو کو دیکھا، بالکل ویسے ہی، جیسے اس نے اس سمے سے جب اس نے پہلی بار اس کے بارے میں سنا تھا، اس کو یوں موت کی ذلت میں لوٹتے ہوئے دیکھنا چاہا تھا۔ ترکھان نے ابھی اس کے کفن کے لیے اس کی پیمائش مکمل کی تھی۔ اور اس کے ایک جانب، ابھی تک کسی نوبیاہتا دادی اماں کے سے لباس میں، جو اس نے اس پارٹی کے لیے پہنا تھا، اپنے آپ میں کھوئی ہوئی، اداس فرمینا دازا موجود تھی۔

فلورنتینو آریزا نے اپنی جوانی کے دنوں سے، جب اس نے خود کو مکمل اپنے طور پر اپنے اس بے حال عشق کے لیے وقف کر دیا تھا، اس واقعے کو اس کی آخری تفصیل تک تصور کیا تھا۔ اس کی خاطر اس نے اپنے طریقوں کی زیادہ پرواہ کیے بغیر، دولت اور شہرت حاصل کی تھی۔ اس کی خاطر اس نے اپنی صحت اور شباہت کی اتنی شدت کے ساتھ احتیاط برتی تھی کہ جو اس کے زمانے کے مردوں کے لیے مردانگی کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی، اور اس نے اس دن کا اس طرح انتظار کیا تھا جو اس دنیا میں کوئی اور کسی شے یا کسی بھی شخص کے لیے اس طرح انتظار نہیں کر سکتا تھا: ایک لمحے کے لیے بھی ہمت ہارے بغیر۔ اس حقیقت نے، کہ بالآخر موت اس کی جانب سے اس معاملے میں دخل انداز ہو گئی تھی، اسے اس حوصلے سے بھر دیا جس کی اسے فرمینا دازا کی بیوگی کی پہلی رات، اس کے سامنے اپنی دائمی وفاداری اور ابدی محبت کا دعویٰ دہرانے کے لیے ضرورت تھی۔

اسے اپنے ضمیر کے کچوکوں سے انکار نہیں تھا، کہ یہ ایک فکر سے عاری غیر مناسب عمل تھا، جس میں وہ اس خوف کی وجہ سے فوری طور پر کود پڑا تھا کہ کہیں یہ موقع دوبارہ اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ وہ کسی کم بے رحم انداز کو بھی اپنا سکتا تھا، کچھ ایسے انداز، جن کا اس نے اکثر تصور کیا تھا مگر تقدیر نے اس کے لیے کوئی اختیار باقی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اس دکھ بھرے احساس کے ساتھ اس ماتم کناں گھر سے روانہ ہوا کہ وہ اس کو ایک ایسی پریشان صورت حال میں چھوڑ کر جا رہا ہے، جس میں وہ خود بھی تھا، مگر وہ اسے روکنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ یہ وحشت انگیز رات ازل سے ان کے

مقدروں میں لکھ دی گئی تھی۔

اگلے دو ہفتے وہ ایک رات کے لیے بھی نہ سو سکا۔ وہ مایوسی کے عالم میں خود سے سوال کرتا کہ اس کے بغیر فرمینا دازا کہاں ہوگی' زندگی کے ان سالوں میں جو اس کے لیے باقی رہ گئے ہیں' اضطراب کے اس بوجھ کے ساتھ جو اس نے اس کے ہاتھوں میں تھما دیا ہے' وہ کیا سوچ رہی ہوگی' کیا کر رہی ہوگی' اس کو شدید قبض رہنے لگی جس سے اس کا پیٹ کسی ڈھول کی طرح پھول گیا اور اسے ناخوشگوار علاج کا سہارا لینا پڑا۔ بڑھاپے کی وہ شکایات' جنھیں اپنے لڑکپن سے واقف ہونے کی بنا پر وہ اپنے ہم عمروں کی نسبت زیادہ بہتر طریقے سے برداشت کرتا آیا تھا' بیک وقت اس پر حملہ آور ہوگئیں۔ بدھ کے روز' وہ ایک ہفتہ گھر گزارنے کے بعد دفتر میں داخل ہوا۔ لیونا کیزیانی اسے اس قدر زرد اور کمزور دیکھ کر دہشت زدہ گئی۔ مگر اس نے اسے تسلی دی: یہ بے خوابی تھی۔ ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر اسے اپنے دل کے لہو رنگ زخموں سے اگلتے سچ کو روکنے کے لیے زبان کو دانتوں تلے دبانا پڑا۔ مسلسل ہوتی بارش میں اسے سوچنے کا ایک بھی روشن لمحہ نہیں ملا۔

اس نے ایک اور غیر حقیقی ہفتہ گزارا۔ جس دوران میں وہ کسی شے پر توجہ مرکوز کرنے کے قابل نہ رہا تھا۔ بہت کم کھاتے ہوئے' اور اس سے بھی کم سوتے ہوئے' کسی ایسے خفیہ ستاروں کی جستجو میں جو اسے نجات کی راہ دکھائیں' اس کا وقت گزرتا رہا مگر جمعے کے روز وہ ایک بے وجہ سکون سے دوچار ہوگیا' جسے اس نے ایک ایسے سکون کے طور پر تعبیر کیا کہ اب کوئی نئی بات نہیں ہوگی' یہ کہ اس نے اپنی زندگی میں جو کچھ بھی کیا' وہ اکارت گیا' یہ کہ وہ اب مزید یہ سفر جاری نہیں رکھ سکتا' ہر شے ختم ہوگئی ہے۔ پھر بھی سوموار کو' جب وہ دریچوں والی گلی میں اپنے گھر واپس آیا' اس نے اپنی ڈیوڑھی کے کیچڑ میں ایک خط کو تیرتے ہوئے پایا۔ اور اس کے گیلے لفافے پر اس نے اس مغرورانہ انداز تحریر کو پہچان لیا' جو زندگی کے بہت سے تغیرات کے باوجود تبدیل نہیں ہوا تھا' اور اس نے یہاں تک سوچا کہ وہ اس میں سے رات کے مرجھائے ہوئے گارڈینیا کی خوشبو بھی پہچان سکتا ہے۔ کیوں کہ ابتدائی صدمے کے بعد اس کے دل نے اسے ہر بات بتا دی تھی۔ یہ وہ خط تھا' جس کا وہ ایک لمحے کے توقف کے بغیر' نصف صدی سے زیادہ عرصے سے انتظار کر رہا تھا۔

O

فرینا دازا اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس کے اندھے غیض و غضب کے نتیجے میں لکھے ہوئے خط کو فلورنٹینو آریزا محبت نامہ خیال کرے گا۔ یہ خط اس کے تمام تر غصے' سخت ترین الفاظ' انتہائی اذیت پہنچانے والے نامناسب ترین الزامات سے بھرپور تھا' اور اس کے باوجود یہ خط اسے اس کے توہین آمیز عمل کے جواب میں بہت کم معلوم ہو رہا تھا۔ اپنی تلخ آسیب زدگی سے نکلنے میں یہ اس کا آخری قدم تھا' جس کے ذریعے وہ اپنی نئی صورت حال سے مقابلہ کرنے کا جتن کر رہی تھی۔ وہ ایک بار خود کو پانا چاہ رہی تھی۔ وہ اس سارے کی بازیافت چاہتی تھی' جو نصف صدی کی غلامی میں اسے ترک کرنا پڑا تھا' جس نے بلاشبہ اسے خوش تو رکھا تھا' مگر جس کی وجہ سے اب جب کہ اس کا شوہر مر گیا تھا' اس کے پاس اپنی شناخت کے نشانات بھی باقی نہیں رہے تھے۔ وہ ایک ایسے گھر میں کسی سائے کی طرح تھی جو ایک ہی رات میں بہت بڑا اور تنہا لگنے لگا تھا' جس میں وہ بلا مقصد پھرتی رہتی' اور اپنے عذاب میں خود سے پوچھتی کہ ان میں سے کون زیادہ بے جان ہے: وہ شخص جو مر چکا ہے یا وہ عورت جسے وہ پیچھے چھوڑ گیا ہے۔

وہ اپنے شوہر کے خلاف بے پناہ عداوت کے جذبات سے نجات نہیں پا سکتی تھی' جو عین بیچ منجدھار کے اسے تنہا چھوڑ گیا تھا۔ اس کی ہر شے اس کے لیے گریہ کا سامان تھی۔ تکیے کے نیچے رکھے اس کے پاجامے' اس کے سلیپر جو ہر وقت کسی اپاہج کی طرح اسے تکتے رہتے' آئینے میں اس کے اس سے کی شبیہ جب وہ کپڑے اتار رہا ہوتا اور اس وقت وہ بستر کے پاس بیٹھی بالوں میں کنگھی کر رہی ہوتی' اور اس کی جلد کی بو' جس نے اس کی موت کے کافی عرصے بعد تک اس کے بدن پر طاری رہنا تھا۔ وہ کوئی بھی کام کرتے کرتے رک جاتی اور پیشانی پر ہاتھ مارتی' کیوں کہ اسے اچانک یاد آتا کہ وہ اسے کچھ بتانا بھول گئی ہے۔ ہر لمحے اس کے ذہن میں بے شمار ایسے چھوٹے چھوٹے سوالات اٹھتے جس کا صرف وہی اسے جواب دے سکتا تھا۔ ایک بار اس نے اسے ایک ایسی بات بتائی تھی، جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی

تھی: جن کی کوئی ٹانگ کاٹ دی جائے تو وہ اپنی اس ٹانگ میں جس کا اب وجود بھی نہیں رہا' درد' مروڑ' کھجلی وغیرہ محسوس کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں بھی اب اسے ایسا ہی محسوس ہوتا تھا' اسے اس کی موجودگی کا احساس ہوتا' جبکہ وہ اب وہاں موجود نہیں تھا۔

جب وہ اپنی بیوگی کی پہلی صبح بیدار ہوئی' تو اس نے اپنی آنکھیں کھولے بغیر بستر میں کسی ایسی حالت کی تلاش میں کروٹ بدلی' جس میں وہ مزید سو سکے' اور یہی وہ لمحہ تھا جس میں وہ اس کے لیے مر گیا۔ کیوں کہ صرف اسی سے اس پر یہ آشکار ہوا کہ اتنے برسوں میں پہلی بار اس نے رات گھر سے باہر گذاری ہے۔ دوسری جگہ جہاں اسے اس کیفیت کا احساس ہوا وہ کھانے کی میز تھی۔ اس لیے نہیں کہ اس نے وہاں خود کو تنہا محسوس کیا' جو کہ درحقیقت وہ تھی' بل کہ اس کے اس عجیب خیال کی بنا پر کہ وہ کسی ایسی ہستی کے ساتھ کھانا کھا رہی ہے جو اب موجود نہیں ہے۔ جب تک اس کی بیٹی اوفلیلیا نیو اورلینز سے اپنے خاوند اور تین لڑکیوں کے ساتھ وہاں نہ آ گئی اس نے دوبارہ میز پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھایا۔ مگر معمول کے برعکس' اس نے برآمدے میں ایک مختصر اور ضرورت کے مطابق میز لگوا دیا۔ اس وقت تک وہ باقاعدہ کھانا نہیں کھاتی تھی۔ اسے جب بھی بھوک لگتی' وہ کچن میں چلی جاتی' اور اپنا کانٹا برتنوں میں ڈال کر پلیٹ میں ڈالے بغیر' تھوڑی تھوڑی ہر شے کھا لیتی۔ اس دوران میں وہ سٹوو کے سامنے کھڑی خادماؤں سے گفتگو میں مصروف رہتی۔ ان کے ساتھ وہ خود کو بہت بہتر محسوس کرتی تھی اور ان کی آپس میں خوب گزرتی تھی۔ اس کے باوجود' اپنی تمام کوشش کے باوجود' وہ اپنے مردہ شوہر کی موجودگی کے احساس سے نجات نہیں پا سکی تھی۔ وہ کہیں بھی جاتی' کہیں بھی مڑتی' کچھ بھی کر رہی ہوتی' اس کا کسی ایسی شے سے سامنا ہو جاتا جو اس کے ذہن میں اس کی یاد جگا دیتی۔ اگرچہ اس کا غم منانا مہذب اور صحیح ہی معلوم ہوتا تھا' وہ اس بات کی ہر ممکن کوشش کرنا چاہتی تھی کہ وہ دکھ میں لوٹتی نہ رہے۔ اور یوں اس نے یہ انتہائی فیصلہ کیا کہ اس گھر کو ہر اس شے سے خالی کر دیا جائے جو اسے اس کے مرحوم شوہر کی یاد دلائے۔ اس کے نزدیک اس کے بغیر زندگی کا یہی واحد راستہ تھا۔

یہ تطہیر کی مہم تھی۔ اس کا بیٹا اس کی لائبریری کی کتابیں لینے پر رضامند ہو گیا تاکہ وہ اس کے دفتر کو اپنے سلائی کے کمرے میں تبدیل کر سکے' جو اپنی شادی کے بعد وہ کبھی بھی ترتیب نہ دے سکی تھی۔ اس کی بیٹی نے کچھ فرنیچر اور بے شمار دوسری اشیا لے جانا تھیں جو اس کے نزدیک نیو اورلینز میں قدیم اشیا کی نیلامی کے لیے نہایت مناسب تھیں۔ اگرچہ فرمینا دازا اس بات سے زیادہ خوش نہیں تھی کہ جن اشیا کو

اس نے اپنے ہنی مون کے دوران میں خریدا تھا' وہ اب آثار قدیمہ کی دکانوں کے لیے ماضی کی باقیات بن کر رہ گئی ہیں' مگر پھر بھی اس تمام عمل سے اس نے سکھ کا سانس لیا۔ نوکر' ہمسائے اور اس دوران میں اس سے ملنے کے لیے آنے والی سہیلیاں گم صم حیرانی سے یہ دیکھتی رہیں کہ اس نے مکان کے عقبی وسیع حصے میں ایک الاؤ جلا رکھا تھا' جس میں وہ ہر اس شے کو نذر آتش کرتی رہتی جو اسے اس کے شوہر کی یاد دلاتی: گذشتہ صدی سے شہر میں دکھائی دینے والے مہنگے اور نفیس ترین کپڑے' بہترین جوتے' ہیٹ جو اس کی تصویروں سے زیادہ اس سے مشابہت رکھتے تھے' قیلولہ کی وہ جھولتی ہوئی کرسی جس سے آخری سے وہ مرنے کے لیے اٹھ کر گیا تھا' بے شمار اشیا جو اس کی زندگی سے ایسے وابستہ ہو گئیں تھیں کہ اب اس کی شناخت ہی کا ایک حصہ لگتی تھیں۔ اس نے یہ سب کچھ شک کی کسی پر چھائیں کے بغیر کیا۔ اس پورے یقین کے ساتھ کہ اس کا شوہر اس کی بھرپور تائید کرتا' اور یہ تائید محض صفائی کے نکتہ نظر سے ہی نہ ہوتی۔ اس لیے کہ اس نے اکثر اس سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اسے دیودار کے بے ڈھنگا تابوت میں دفن کرنے بجائے جلا دیا جائے۔ اس کا مذہب بہر حال اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اس نے اس مسئلے پر آرچ بشپ سے بات چھیڑنے کی جرات کی تھی' مگر اس نے ایک مطلق انکار کی صورت میں اس کا جواب دیا تھا۔ یہ محض ایک وہم تھا۔ کیوں کہ ہمارے قبرستانوں میں چرچ نذر آتش کیے جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہاں تک کہ کیتھولک کے علاوہ دوسرے مذہب کے پیروکاروں کا بھی اس کی اجازت نہیں ہے اور اگر کوئی ایسی جگہ تعمیر ہو جاتی' تو جوونیل اربینو کے سوا کسی کو اس کا فائدہ نہ ہوتا۔ فرمینا دازا اپنے شوہر کی دہشت سے غافل نہیں تھی اور پہلے چند گھنٹوں کی پریشانی میں بھی وہ اپنے خاوند کی تشفی کے لیے تر کھان کو یہ ہدایت کرنا نہ بھولی کہ وہ تابوت میں ایک درز ضرور رکھ چھوڑے جہاں سے کچھ روشنی اندر جا سکے۔

بہر طور' نذر آتش کیے جانے کی یہ قربانی بے کار گئی۔ جلد ہی فرمینا دازا کو احساس ہو گیا کہ گزرتے وقت کی طرح آگ بھی اس کے شوہر کی یاد کو مدھم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ اس سے بھی زیادہ برا! اس کے کپڑوں کو راکھ کر دینے کے بعد' اسے اس کی نہ صرف وہ باتیں یاد آتی رہیں جن سے وہ پیار کرتی تھی بلکہ وہ بھی جن سے وہ سخت آزردہ رہتی تھی: صبح دم اس کی بیداری کے سے اس کے کیے جانے والے شور کی آوازیں۔ اس یاد نے اسے اپنے دکھوں کی دلدل سے نکلنے میں مدد دی۔ اس کے علاوہ اس نے یہ مصمم ارادہ کیا کہ وہ اپنے شوہر کو اس طرح یاد کرتے ہوئے' جیسے وہ مرا نہیں ہے' اپنی زندگی گزارتی رہے گی۔ وہ جانتی تھی کہ مسلسل ہر صبح بیدار ہونا اس کے لیے جاں گسل رہے گا' مگر وقت کے

ساتھ ساتھ اس میں کمی آتی رہے گی۔

تیسرے ہفتے کے اختتام پر اُسے امید کی پہلی کرن دکھائی دینے لگی، مگر جوں جوں یہ بڑی اور زیادہ روشن ہونے لگی اُسے یہ احساس ہونے لگا کہ اس کی زندگی پر ایک مہیب سایہ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی اسے سکون نہیں لینے دے گا۔ یہ اس قابلِ رحم شخص کا سایہ نہیں تھا جس نے ایونجلز پارک میں اس کے دماغ پر بسیرا کر لیا تھا، اور جسے اپنی ڈھلتی عمر کے ساتھ ساتھ اس نے ایک خاص دردمندی کے ساتھ یاد رکھا تھا، بلکہ یہ جلاد کے سے فراک کوٹ پہنے اور اپنی چھاتی پر اپنا ہیٹ لٹکائے شخص کا قابلِ نفریں سایہ تھا، جس کی بے سوچی سمجھی ڈھٹائی نے اسے اس حد تک پریشان کر دیا تھا کہ اس کے لیے، اس کے بارے میں نہ سوچنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اپنی اٹھارہ سال کی عمر سے جب سے اس نے اسے مسترد کیا تھا، اسے یقین تھا کہ اس نے اس کے دل میں نفرت کے ایسے بیج بو دیے ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ قد آور ہوتے جائیں گے۔ اس کی نفرت کا تصور ہمیشہ اس کے دل میں رہا۔ اسے اپنے گرد و پیش کی فضا سے اندازہ ہو جاتا کہ یہ سایہ اس کے قریب آ رہا ہے، اور محض اس کی ایک جھلک اسے پریشان اور خوف زدہ کر دیتی تھی۔ اس لیے وہ کبھی بھی اس سے برتاؤ کرنے کے فطری انداز کو نہ اپنا سکی۔ اس رات جب اس نے اس کے لیے اپنی محبت کا دوبارہ اظہار کیا، ایسے سمے جب اس کا گھر اس کے مرے ہوئے شوہر کے لیے لائے گئے پھولوں سے ابھی تک مہک رہا تھا، اس کی یہ بے ادبی اسے اس کے منتقمانہ منصوبوں کا پہلا قدم لگی لگی، خدا جانے اس کے منحوس ذہن میں کیا تھا۔

اس کی متواتر یاد نے اس کے غصے کو مزید بھڑکا دیا۔ اس کی سوچوں میں گم، جنازے کے اگلے روز، جب وہ بیدار ہوئی، تو وہ اپنی قوتِ ارادی کے ایک سادہ عمل سے اس کو اپنے سوچ سے محو کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ مگر غصہ اس پر پھر بھی غالب آتا رہا اور جلدی ہی اسے احساس ہو گیا کہ اس کو فراموش کر دینے کی خواہش ہی اس کی یاد کو تازہ رکھنے کی سب سے بڑی ترغیب بن گئی تھی۔ یادِ ماضی سے مغلوب، اس نے پہلی بار اس غیر حقیقی محبت کے خیال جیسے دنوں کو یاد کرنے کی جرات کر ڈالی۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اس وقت وہ چھوٹا سا پارک کیسا ہوتا تھا، وہ خستہ حال بادام کے درخت، اور وہ بنچ جہاں بیٹھ کر اس نے اس سے محبت کی تھی۔ اب ان میں سے کوئی بھی چیز ویسی حالت میں نہیں رہی تھی، ہر شے بدل چکی تھی۔ زرد پتوں کے فرش والے درخت ہٹا لیے گئے تھے اور سر کٹے ہیرو کے مجسمے کی جگہ کسی اور کا مجسمہ لگا دیا گیا تھا، جس نے وردی پہنی ہوئی تھی مگر اس کے جواز کے لیے اس کے ساتھ کسی نام یا تاریخ کا

اندراج نہیں تھا، اور وہ ایک شاندار اساس پر ایستادہ تھا، صوبائی حکومت کے ہاتھوں مکمل طور پر کھنڈرات میں بدل چکا تھا۔ اس کے لیے یہ آسان نہیں تھا کہ وہ اس فلورنتینو آریزا کا تصور کر سکے جیسا کہ وہ ان دنوں تھا، اور اس بات کا گمان کرنا تو بہت ہی مشکل تھا کہ یہ وہی کم گو بارش کی زد میں غیر محفوظ لڑکا، اس خستہ حال کرم خوردہ بوڑھے کے روپ میں اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا، بغیر اس بات کی پرواہ کیے کہ وہ کس حالت میں ہے اور اس کے دکھ کا ذرا سا بھی احترام کیے بغیر اس کی روح کو ایک شعلہ بار اہانت سے یوں جھلسا گیا تھا کہ اس کے لیے سانس لینا محال ہو گیا تھا۔

کزن ہلڈے برانڈا سانچیز فرمینا دازا کے فلورز ڈی ماریا کے مویشی باڑے سے واپسی کے کچھ ہی مدت بعد، جہاں وہ مس لنچ کی لائی گئی بدبختی سے سنبھلنے کے لیے گئی تھی، اس کے پاس آئی تھی۔ بوڑھی فربہ اور مطمئن، وہ اپنے بڑے بیٹے کی معیت میں وہاں آئی تھی۔ اس کا جوان بیٹا اپنے باپ کی طرح فوج میں کرنل تھا۔ مگر سان جوان ڈی لاسیئنگا میں کیلے کے فارم میں کارکنوں کے قتل عام کے دوران میں اس کے قابل نفرت برتاؤ کی بنا پر اس سے قطع تعلق کر لیا گیا تھا۔ دونوں کزنیں اکثر ایک دوسرے سے ملنے آتی رہتیں اور اپنے ماضی کو کریدتے، اس وقت کو یاد کرتے، جب وہ پہلی بار ملیں تھیں، بیشتر وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزارتیں۔ آخری بار جب ہلڈے برانڈا آئی، تو وہ پہلے سے کہیں زیادہ ماضی میں گم رہتی تھی اور اپنے بڑھاپے کے بوجھ سے دوہری ہوئے جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ اپنی یادوں کی کاٹ اور شدت میں اضافہ کے لیے وہ اپنے قدیم خواتین کے فیشن کے انداز میں ملبوس اپنے پورٹریٹ کی کاپی اپنے ہمراہ لے آئی تھی، جو اس بلجیئن فوٹو گرافر نے اس سہ پہر کو کھینچی تھی جب نوجوان جووینل اربینو نے خود سر فرمینا دازا کو شکست سے دوچار کیا تھا۔ اس کی تصویر کی کاپی اس سے گم ہو چکی تھی جب کہ ہلڈے برانڈا کی کاپی مدھم ہو کر تقریباً مٹ چکی تھی۔ مگر معدوم ہوئے سحر کی دھند سے پرے وہ دونوں اب بھی خود کو پہچان سکتی تھیں: نوجوان اور خوبصورت، جو اب وہ کبھی دوبارہ نہیں ہو سکیں گی۔ فلورنتینو آریزا کے بارے میں بات نہ کرنا ہلڈے برانڈا کے لیے ناممکن تھا۔ کیوں کہ وہ ہمیشہ اس کے مقدر کو اپنی قسمت سے بندھا ہوا تصور کرتی تھی۔ وہ اسے یاد کرتی جیسے وہ اس دن کو یاد کر رہی ہو جب اس نے اسے پہلا ٹیلی گرام بھیجا تھا اور وہ اپنے دل سے اس اداس پنچھی کی یاد کو کبھی نہ مٹا سکی تھی فراموشی جس کا مقدر بن چکی تھی۔ جہاں تک فرمینا دازا کا تعلق تھا، وہ اس سے ہم کلام ہوئے بغیر اس سے کئی بار ملی تھی اور یہ بات اس کے لیے ناقابل تصور تھی کہ کبھی وہ اس کی پہلی محبت رہ چکا تھا۔ اس کے بارے میں وہ

ہمیشہ مختلف خبریں سنتی رہتی تھی۔ جیسا کہ اسے شہر کی کسی بھی اہم شخصیت کے بارے میں جلد یا بدیر خبریں ملتی ہی رہتی تھیں۔ کہا جاتا تھا کہ اس نے اپنی معمول سے ہٹی ہوئی عادات کی بنا پر شادی نہیں کی تھی مگر وہ اس بات پر تو کوئی توجہ نہیں دیتی تھی۔ کچھ تو اس لیے کہ وہ کبھی بھی افواہوں پر کان نہیں دھرتی تھی اور کچھ اس لیے بھی کہ ایسی باتیں بہرطور ایسے لوگوں کے بارے میں بھی کہی جاتی تھی، جن کی ذات شک و شبے سے بالاتر ہوتی تھی۔ دوسری جانب اسے فلورنٹینو آریزا کا وہی پراسرار ملبوس اور نایاب لوشنوں کا مستقل مزاجی سے استعمال نہائت عجیب لگتا۔ اور یہ کہ زندگی میں اس قدر رشاندار اور معزز مقام حاصل کرنے کے باجود اس کی شخصیت ابھی بھی کسی معمے سے کم نہیں تھی۔ اس کے لیے یہ یقین کرنا ناممکن تھا کہ یہ وہی شخص تھا' اور وہ ہمیشہ حیران ہوتی جب ہلڈے براندا آہ بھر کر کہتی "بیچارہ' اس نے کتنا دکھ جھیلا ہوگا"۔ اس لیے کہ وہ بغیر کسی دکھ کے احساس کے' ایک عرصے سے اسے دیکھتی آئی تھی: ایک سایہ جو اب مٹ چکا تھا۔

پھر بھی اس رات فلورزڈی ماریا سے اپنی واپسی کے فوراً بعد' جب سینما میں اس کی اس سے ملاقات ہوئی تھی' تو اس کا دل ایک عجیب واردات سے دوچار ہوا تھا۔ وہ اس بات سے حیران نہیں ہوئی تھی کہ وہ کسی عورت کے ساتھ تھا' اور وہ بھی کسی کالی عورت کے ساتھ۔ جس بات سے وہ حیران ہوئی وہ اس کا انتہائی متوازن رویہ تھا اور یہ کہ اس نے کس قدر رخود اعتمادی کا برتاؤ کیا تھا۔ اسے یہ خیال نہ آسکا کہ شاید یہ وہ نہیں' بلکہ وہ خود اپنی نجی زندگی میں مس لنچ کی تکلیف دہ اور پرشور آمد کے بعد سے بدل چکی تھی۔ اس کے بعد آنے والے اگلے بیس برس سے زائد عرصے تک وہ اسے ہمدردی کی نگاہ سے دیکھتی آئی تھی۔ اس کے شوہر کے لیے اہتمام کی گئی شب بیداری کے موقع پر اس کی وہاں موجودگی اسے نہ صرف موزوں لگی بلکہ اس نے اسے اس عناد کے فطری خاتمے سے تعبیر کیا' معاف کرنے اور بھول جانے کا عمل۔ یہی وجہ تھی کہ جب اس نے اس ڈرامائی انداز میں اپنی اس محبت کو دہرایا تو وہ ششدر رہ گئی۔ ایسی محبت' جس کا اب اس کے لیے کوئی وجود نہیں تھا' عمر کے ایک ایسے حصے میں' جب وہ اور فلورنٹینو آریزا زندگی سے مزید کسی شے کے طلب گار نہیں ہوسکتے تھے۔

اپنے خاوند کی علامتی چتا جلانے کے باوجود بھی' اس کے اولین صدمے کا فانی عنصر ویسے ہی برقرار رہا۔ اور جوں جوں اسے یہ احساس ہوتا کہ وہ اس پر قابو پانے میں ناکام رہی ہے' ویسے ہی اس میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔ بلکہ اس سے بھی بر: اس کے ذہن کی وہ جگہیں' جنھیں اس نے اپنے مرحوم شوہر کی یادوں کو تازہ رکھنے کے لیے محفوظ کیا ہوا تھا' آہستہ آہستہ' مگر نہایت بے رحمی سے افیون کی ان فصلوں سے

بھرتی جارہی تھیں جہاں اس نے فلورنتینو آریزا کی یادوں کو دفن کر رکھا تھا۔ چنانچہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے بارے میں سوچتی رہتی' اور اس کے بارے جتنا وہ سوچتی' اتنا ہی اس کا غصہ بڑھتا رہتا' اور جتنا اس کا غصہ بڑھتا' اتنا ہی وہ اس کے بارے میں زیادہ سوچنا شروع کر دیتی' یہاں تک کہ یہ سب کچھ اس قدر نا قابل برداشت ہو گیا کہ اس کا دماغ اس کا متحمل ہونے سے قاصر ہو گیا۔ پھر وہ اپنے مرحوم شوہر کی میز پر بیٹھی' اور فلورنتینو آریزا کو تین نامعقول صفحات پر مشتمل خط تحریر کیا۔ توہین آمیز کلمات اور گھٹیا اشتعال انگیزی سے بھرپور اس خط نے اسے یہ تسلی دی کہ اس نے اپنی طویل زندگی میں سب سے کمینہ ترین فعل سرانجام دے دیا ہے۔

فلورنتینو آریزا بھی یہ عرصہ شدید ذہنی کرب میں گذار رہا تھا۔ جس رات اس نے فرمینا دازا کے سامنے اپنی محبت کو دہرایا تھا' وہ سہ پہر میں آنے والے آبی طوفان سے تباہ شدہ گلیوں میں بلامقصد پھرتے ہوئے' دہشت میں گرفتار خود سے سوال کرتا رہا کہ وہ خوف کی اس باقی بچی دھند کا کیا کرے گا جس پر اس نے ابھی فتح پائی تھی اور جس کے حملوں کے خلاف وہ نصف صدی سے زیادہ عرصے تک مزاحمت کرتا آیا تھا۔ شدید بارشوں کی وجہ سے شہر میں ہنگامی حالت کا نفاذ تھا۔ کچھ گھروں میں مختصر لباسوں میں ملبوس مرد اور عورتیں خدا کی طرف سے نازل کردہ اس سیلاب سے چیزوں کو بچانے میں مصروف تھے اور فلورنتینو آریزا سوچ رہا تھا کہ ہر کسی پر آنے والی اس مصیبت کا تعلق کسی نہ کسی طرح اس کے اپنے دکھ سے ضرور تھا۔ مگر اس وقت ہوا پرسکون تھی اور کریبئین آسمان پر چمکنے والے تارے اپنے اپنے مقام پر خاموش تھے۔ دوسری آوازوں کے یکا یک سکوت میں' فلورنتینو آریزا نے اس شخص کی آواز کو پہچانا' جسے اس نے اور لیونا کیزیانی نے اسی وقت اور اسی مقام پر برسوں پہلے گاتے ہوئے سنا تھا: ''میں آنسوؤں میں بھیگا ہوا' پل سے واپس آیا۔'' یہ ایسا گیت تھا' جو اس رات' صرف اسی کے لیے' کسی نہ کسی طرح موت سے کسی تعلق جیسا لگ رہا تھا۔

اس نے پہلی بار اس قدر شدت سے ترانسیتو آریزا کی ضرورت کو محسوس کیا۔ اسے اس کاغذ کے پھولوں سے سجے مصنوعی ملکہ کے سر والی' ترانسیتو آریزا کے دانائی سے بھرے الفاظ کی ضرورت تھی۔ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ جب بھی اس نے خود کو کسی تباہی کے کنارے پایا' اس نے کسی عورت کی مدد کی ضرورت کو محسوس کیا۔ چناں چہ وہ ان کی تلاش میں جو اس کی پہنچ میں ہوں' سکول کے پاس سے گزرا' اور اس نے امریکا ویکونا کے کمرے کی طویل کھڑکیوں کی قطار میں روشنی کو دیکھا۔ اس

نے بڑی مشکل سے خودکو اس بڑھاپے کی دیوانگی سے روکا جس کے تحت وہ صبح کے دو بجے' اپنے کپڑوں میں لپٹی اور ابھی تک طفلانہ جذبوں میں گندھی ہوئی امریکا و یکونا کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔

شہر کے دوسرے سرے پر لیونا کیزیانی تھی ۔ تنہا اور آزاد اور بلاشبہ وہ اسے وہ ہمدردی مہیا کرنے کے لیے تیار ہوتی جس کی اسے صبح کے دو بجے' تین بجے' یا کسی بھی وقت کیسے بھی حالات میں ضرورت ہوسکتی تھی ۔ یہ پہلا وقت نہیں تھا جب اس نے اپنی بے خواب راتوں کے صحرا میں اس کے در پر دستک نہ دی ہو' مگر وہ جانتا تھا کہ وہ بہت ذہین تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے' اور اس کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس کی گود میں سر رکھ کر روتا اور اسے اس کی وجہ نہ بتاتا ۔ اس ویران شہر میں عالم خواب میں چلتے ہوئے' انھی سوچوں میں گم' اس کے ذہن میں خیال ابھرا' کہ اس کے لیے اس سے بہتر اور کوئی صورت نہیں تھی کہ' وہ اپنے سے عمر میں کچھ کم' دو آدمیوں کی بیوہ' پروڈنشیا پئرے کے پاس چلا جائے ۔ وہ گزشتہ صدی میں پہلی بار ملے تھے اور ان کے اب نہ ملنے کی وجہ صرف یہی تھی کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اب اسے اس موجودہ' نیم نابینا اور انتہائی خستگی کی حالت میں دیکھے ۔ جوں ہی فلورنتینو آریزا کو اس کا خیال آیا' وہ دریچوں والی گلی میں لوٹا' پورٹ کی دو بوتلیں اور اچار کا ایک جار تھیلے میں ڈالا' اور اس سے ملنے چلا گیا ۔ یہ جانے بغیر کہ آیا وہ ابھی تک اپنے پرانے مکان میں ہی ہے' اکیلی ہے' یا یہ کہ وہ ابھی تک زندہ بھی ہے یا نہیں ۔

پروڈنشیا پئرے' اس کے دروازے پر ناخن کھرچنے کے اشارے کو بھولی نہیں تھی ۔ اس وقت سے جبکہ وہ جوان نہ ہونے کے باوجود خود کو جوان سمجھتے تھے' وہ اپنی شناخت کے لیے اس اشارے کو استعمال کرتا تھا ۔ اور وہ بغیر کوئی سوال کیے دروازہ کھول دیتی تھی ۔ گلی اندھیری تھی' وہ سیاہ سوٹ' ہیٹ اور کندھے پر چھتری ڈالے' بہ مشکل نظر آ رہا تھا ۔ اس کی آنکھیں اس قدر کمزور ہو چکی تھیں کہ وہ اسے صرف پوری روشنی میں دیکھ سکتی تھی' مگر اس نے اس کے چشمے کے دھاتی فریم پر پڑتی سٹریٹ لیمپ کی مدھم روشنی میں اسے پہچان لیا ۔ وہ کسی ایسے قاتل کی طرح لگ رہا تھا جس کے ہاتھوں پر ابھی خون کے دھبے تازہ تھے ۔

''ایک بے چارے یتیم کے لیے پناہ!'' اس نے کہا ۔

کوئی بات کرنے کے لیے' اس وقت صرف یہی بات اس کے دماغ میں آتی تھی ۔ وہ حیران تھا کہ' اس وقت سے جب وہ اسے آخری بار ملا تھا' وہ کس قدر ضعیف ہو چکی تھی' اور وہ جانتا تھا کہ وہ بھی اسے اسی نظر سے دیکھ رہی تھی ۔ مگر اس نے یہ سوچتے ہوئے خود کو تسلی دی' کہ ابھی ذرا سی دیر میں' جب وہ

دونوں اس ابتدائی صدمے سے گزر جائیں گے وہ ان باتوں پر کم سے کم دھیان دیں گے جو زندگی کے تھپیڑوں نے ان پر روا رکھے ہوئے تھے اور وہ دونوں ایک دوسرے کو ویسے ہی جوان دکھائی دینے لگیں جیسا اس وقت جب وہ پہلی بار ایک دوسرے سے ملے تھے۔

''ایسے لگ رہا ہے جیسے تم کسی جنازے پر جا رہے ہو۔'' اس نے کہا۔

یہ سچ تھا۔ سارے شہر کی طرح وہ بھی گیارہ بجے سے کھڑکی سے لگی' آرچ بشپ ڈی لیونا کی موت کے بعد سے یہاں کے طویل ترین اور بے انتہا اہتمام والے جنازے کو دیکھتی رہی تھی۔ اسے توپ خانے کی زمین دہلا دینے والی چنگھاڑتی آوازوں' مارچ کرتے ہوئے دستوں کی کرخت آوازوں' تمام چرچوں میں گذشتہ روز سے بنا کسی وقفے کے بجتی ہوئی گھنٹیوں کے ساتھ ساتھ ماتمی گیتوں کی افراتفری نے قیلولے سے جگا دیا تھا۔ اپنی بالکونی سے اس نے وردی میں ملبوس گھڑسوار دستے' مذہبی گروہوں' سکولوں' غیر مرئی افسروں کو سوار کیے ہوئے لمبی سیاہ لیموزین کاروں' سروں کو پروں سے سجائے گھوڑوں اور ان کی سنہری آرائش والی گھوڑا گاڑی' ایک تاریخی توپ پر بندوق بردار کی جگہ پرچم میں لپٹے زرد کفن اور قطار کے آخر میں پھولوں کی تروتازہ چادریں لیے ہوئے قدیم وکٹوریاؤں کو دیکھا۔ جوں ہی یہ سب کچھ ذرا دن ڈھلے پروڈنشیا پٹر کی بالکونی کے قریب سے گزر گیا' سیلاب آ گیا اور یہ سارا ماتمی جلوس بری طرح تتر بتر ہو گیا۔

''مرنے کا یہ کیسا مضحکہ خیز انداز ہے۔'' اس نے کہا۔

''موت کو تضحیک کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔'' اس نے کہا' اور پھر افسردگی میں مزید اضافہ کیا: ''خاص طور پر جب یہ ہماری عمروں میں واقع ہو۔''

وہ کھلے سمندر کی طرف رخ کیے ٹیرس پر بیٹھے' آدھے آسمان پر پھیلے حلقہ دار چاند افق کے کنارے کشتیوں کی رنگین روشنیوں' طوفان کے بعد کی ہلکی اور خوشبودار ہوا کا تکلف لے رہے تھے۔ وہ پورٹ کے ساتھ روٹی کے ان ٹکڑوں پر' جو پروڈنشیا پٹر نے کچن سے کاٹ کر لائی تھی' اچار لگا کر کھا رہے تھے۔ اس کے بغیر کسی اولاد کے بیوہ ہو چکنے کے بعد انھوں نے بہت سی ایسی راتیں پہلے بھی اکٹھے گزاری تھیں۔ فلورنتیو آریزا اسے اس وقت ملا تھا جب وہ کسی بھی شخص سے جو اس کے ساتھ وقت گزارنا چاہے اس شخص کو اس وقت کا عوضانہ ہی کیوں نہ ادا کیا گیا ہو' باہیں فراخ کرنے کے لیے تیار رہتی تھی اور ان دونوں نے اپنے تعلق کو مضبوطی سے استوار کر لیا تھا' جو بظاہر اس کے امکانات نہ ہونے کے باوجود زیادہ سنجیدہ اور

دیر پا ثابت ہوا تھا۔

اگر چہ پروڈنشیا پٹرے نے کبھی اس بات کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا تھا' تاہم وہ کسی بھی قیمت پر اس سے شادی کے لیے تیار ہو سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی' کہ اس کے لیے اس کی بخیلی اور وقت سے پہلے اس میں بڑھاپے کے آثار نمودار ہونے کی وجہ سے اس کی ظاہری حالت کے ہونق پن یا پاگل پن کی حد تک نظم و ضبط' یا ہر شے مانگنے کی شدید خواہش اور اس کے صلے میں کچھ نہ دینے کی عادت سے سمجھوتہ کرنا آسان نہیں ہوگا۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود' کسی شخص کی قربت اس سے بہتر نہیں تھی کیوں کہ دنیا میں کوئی اور شخص، محبت کا اس قدر ضرورت مند نہیں تھا' لیکن کوئی شخص اس کی طرح پر فریب بھی نہیں تھا۔ چناں چہ ان کی محبت کبھی اس کے اپنے مقرر کردہ مقام سے آگے نہیں گئی: یہ وہ مقام تھا جہاں تک اس کے فرینا دا زا کے لیے آزاد رہنے کے اس کے مصمم ارادے میں مداخلت نہیں ہوتی تھی۔ پھر بھی' یہ تعلق کئی برسوں تک برقرار رہا' یہاں تک کہ اس کے بعد بھی جب اس نے پروڈنشیا پٹرے کی شادی ایک ایسے سیلز مین سے کروا دی جو تین ماہ گھر پر گزارتا اور اس سے اگلے تین ماہ سفر کرتا' اور جس سے اس کے ہاں ایک بیٹی اور چار بیٹے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک کے بارے میں وہ حلفاً کہتی تھی کہ وہ فلورنتینو آریزا کا بیٹا ہے۔

وہ وقت سے بے پرواہ باتیں کرتے رہے۔ ان دونوں کو اپنی جوانی کی بے خواب راتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ گزارنے کی عادت تھی' اور اس بڑھاپے کی بے خوابیوں میں ان کے پاس کھونے کے لیے بہت کم رہ گیا تھا۔ اگر چہ فلورنتینو آریزا نے کبھی بھی وائن کے دو سے زیادہ گلاس نہیں پیے تھے۔ مگر اس بار تیسرا گلاس چڑھانے کے بعد بھی اس کی بے چینی برقرار تھی۔ وہ پسینے میں شرابور تھا' اور دو آدمیوں کی بیوہ نے اسے کہا کہ وہ اپنی جیکٹ' بنیان' پتلون اور اپنی جو چیز چاہے اتار دے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا' اس لیے کہ بہر حال وہ ایک دوسرے سے لباس میں ہونے کے بجائے برہنگی میں زیادہ شناسا تھے۔ اس نے کہا کہ وہ اسی صورت میں ایسا کرے گا اگر وہ بھی ایسا ہی کرے مگر اس نے انکار کر دیا: کچھ عرصہ قبل اس نے اپنی الماری کے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا تھا' اور اس نے اچانک محسوس کیا کہ اس میں اب اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ فلورنتینو آریزا سمیت کسی کو بھی یہ اجازت دے کہ وہ اسے برہنہ دیکھے۔

فلورنتینو آریزا' جس کا اضطراب پورٹ کے چار گلاس کے بعد بھی کم نہیں ہوا تھا' اسی موضوع پر تفصیل سے گفتگو کرتا رہا: ماضی کی خوش گوار یادیں' اس لیے کہ وہ ماضی کے اس خفیہ راستے کو تلاش کرنے کی بری طرح کوشش کر رہا تھا جو اسے سکون سے ہم کنار کر سکے۔ وہ اس وقت یہی چاہتا تھا کہ اپنے دل

میں چھپی ہر بات کہہ دے۔ جب اس نے افق پر صبح کی پہلی کرن نمودار ہوتے دیکھی‘اس نے بالواسطہ انداز میں اپنی بات کہنے کی کوشش کی۔اس نے بظاہر عام سے انداز میں‘اس سے پوچھا۔''اگر کوئی اس وقت تمھیں‘ جیسی کہ تم ہو بیوگی کی اس عمر میں شادی کا پیغام دے تو تم کیا کروگی؟''اس نے ایک بڑھیا کی بل پڑتی ہوئی ہنسی کے ساتھ قہقہہ لگایا اور جواباً پوچھا‘

''کیا تم اربینو کی بیوہ کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟''

فلورنٹینو آریزا یہ بھول جاتا تھا کہ اسے کب کسی عورت کے پاس نہیں ہونا چاہیے تھا اور پروڈنشیا پٹرے کسی بھی اور کی نسبت ہمیشہ سوالوں کی بجائے ان میں چھپے ہوئے معانی جاننے کی کوشش کرتی تھی۔اس کی انتہائی صحیح معاملہ فہمی سے دہشت زدہ‘اس نے مدافعانہ انداز میں کہا:''میں تمہارے بارے میں بات کر رہا ہوں۔''وہ دوبارہ ہنسنے لگی:''جاؤ اور اپنی ماں سے مسخری کرو‘ خدا اس پر رحمت کرے''پھر وہ اسے اکسانے لگی کہ وہ جو کہنا چاہتا تھا‘ کہہ ڈالے۔کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ وہ یا کوئی بھی اور شخص‘اتنے سالوں سے نہ ملنے کے بعد‘صبح کے تین بجے‘صرف پورٹ پینے اور اچار لگی روٹی کھانے کے لیے اسے جگانے نہیں آسکتا تھا اس نے کہا:

''تم ایسا صرف اسی وقت کرتے ہو جب تم کسی کے ساتھ مل کر رونا چاہتے ہو؟''

فلورنٹینو آریزا نے پسپائی اختیار کی:''مگر اس بار تمھارا اندازہ درست نہیں ہے:''اس نے کہا:

''آج رات میرے یہاں آنے کی وجہ کا تعلق گیت گانے سے ہے۔''

''آؤ پھر گاتے ہیں۔''اس نے کہا۔

اور اس نے اپنی خوبصورت آواز میں اس وقت کا مشہور گیت گانا شروع کر دیا:''راموناؔ‘میں تمھارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔''رات گزر چکی تھی۔اس نے اس عورت کے ساتھ ممنوعہ کھیل کھیلنے کی جسارت نہیں کی تھی جس نے بارہا یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ چاند کے تاریک پہلو سے بھی واقف ہے۔وہ باہر نکلا اور ایک دوسرے شہر میں داخل ہو گیا۔وہ شہر جو جون کے آخر میں رہ جانے والے ڈاھلیا کے پھولوں کی خوشبو سے معطر تھا‘اور اپنی جوانی کی اس گلی پر نکل آیا‘جہاں پانچ بجے کی عشائے ربانی کے بعد سایہ دار کھڑکیوں کی قطار دکھائی دے رہی تھی‘مگر اس بار دوسرے نہیں بل کہ وہ خود تھا جو گلی پار کر رہا تھا‘ تا کہ وہ ان آنسوؤں کو نہ دیکھ سکیں جنھیں اب وہ روک نہیں سکتا تھا۔یہ نصف شب کے آنسو نہیں تھے‘جیسا کہ اس نے سوچا تھا‘بل کہ یہ دوسرے آنسو تھے جنھیں وہ اکیاون برس‘نو مہینوں اور چار روز سے اپنے حلق

میں لٹکتا رہا تھا۔

پتہ ہی نہ چلا کہ کتنا وقت گزر گیا اور جب وہ ایک بڑی سی کھڑکی سے آنے والی روشنی سے بیدار ہوا' تو اسے بالکل یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کہاں پر تھا۔ باغ میں خادماؤں کے ساتھ کھیلتی ہوئی امریکا ویکونا کی آواز، اسے حقیقت کی دنیا میں لے آئی: وہ اپنی ماں کے بستر میں لیٹا ہوا تھا۔ اس نے اس کی خواب گاہ کو اس حالت میں رکھا ہوا تھا' اور وہ ان موقعوں جب وہ اپنی تنہائی سے گھبرا جاتا' تو اپنی تنہائی کم کرنے کے لیے اس بستر میں آ کر سوتا تھا۔ بستر کے سامنے ڈان سانچو کے ہوٹل کا بڑا سا آئینہ لٹک رہا ہوتا' اور جب وہ بیدار ہوتا تو' اس کی گہرائیوں میں سے اسے فرمینا دازا کا عکس منعکس ہوتا نظر آتا۔ وہ جانتا تھا کہ آج ہفتہ ہے' کیوں کہ اس دن اس کا ڈرائیور امریکا ویکونا کو بورڈنگ سے گھر لے کر آتا تھا۔ اسے یہ احساس بھی نہ ہوا تھا کہ وہ کب اور کہاں سو رہا ہے؟ فرمینا دازا کے غضب ناک چہرے نے اس خواب کو منتشر کر دیا کہ اسے نیند نہیں آ رہی۔ اس فکر میں غلطاں کہ اس کا اگلا قدم اب کیا ہوگا' اس نے غسل کیا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنا بہترین لباس پہنا' خوشبو لگائی اور اپنی سفید مونچھوں کی نوکوں پر تیل لگایا۔ وہ خواب گاہ سے نکلا اور دوسری منزل کے دیوان خانے سے یونیفارم میں ملبوس اس بچی کو اس وقار سے گیند پکڑتے دیکھا جو پہلے ہفتے کے کئی دنوں میں اس پر کپکپی طاری کر دیتی تھی۔ مگر اس بار اس نے اسے ذرا بھی مضطرب نہیں کیا۔ اس نے اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا' اور اگر چہ یہ ضروری نہیں تھا' مگر گاڑی میں سوار ہونے سے قبل اس نے اسے کہا: ''ہم آج اپنے پرانے معمولات نہیں دہرائیں گے۔'' وہ اسے امریکن آئس کریم شاپ پر لے گیا' جو اس وقت چھت سے لٹکتے ہوئے پنکھوں کے لمبے پروں کے نیچے بیٹھے ہوئے اپنے بچوں کے ساتھ آئس کریم کھلاتے ہوئے والدین سے بھرا ہوا تھا۔ امریکا ویکونا نے مختلف رنگوں کی آئس کریم کی تہوں والے ایک بڑے گلاس کا آرڈر دیا۔ یہ اس کی پسندیدہ ڈش تھی اور اپنے سحر انگیز تاثر کی بنا پر ان دنوں بہت مقبول تھی۔

فلورنتینو آریزا کچھ کہے بغیر اس لڑکی پر نظریں جمائے سیاہ کافی پیتا رہا' اس دوران میں وہ گلاس کی تہہ تک پہنچ جانے والے ہینڈل والے چمچ سے آئس کریم کھاتی رہی۔ اس پر نظریں جمائے' اس نے بغیر کسی پیشگی اطلاع کے اس سے کہا۔

''میں شادی کرنے والا ہوں۔'' اس نے بے یقینی کی ایک چمک کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانکا' اس کے ہاتھ میں چمچ ہوا میں معلق ہو گیا۔ مگر پھر اس نے خود کو سنبھال لیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ غلط ہے بوڑھے شادی نہیں کرتے۔''

اس سہ پہر اس نے مسلسل بارش ہوتی ہوئی سہ پہر کو' جب کہ ابھی دعا کی گھنٹیاں ہی بج رہی تھیں' اسے اس کے سکول چھوڑا۔ اس سے پہلے وہ دونوں پارک میں پتلیوں کا تماشا دیکھ چکے تھے' ساحل پر تلی ہوئی مچھلی کا لنچ کر چکے تھے اور شہر میں حال ہی میں آنے والی ایک سرکس کے پنجروں میں بند جانوروں کو دیکھ چکے تھے' باہر دکانوں سے بہت سے کھلونے خرید کر سکول لے آئے تھے' اور گاڑی کی چھت کے نیچے کئی بار شہر کے گرد چکر لگا چکے تھے تا کہ وہ اس خیال کو اپنا لے کہ اب وہ اس کا عاشق نہیں بل کہ سرپرست تھا۔ اتوار کے روز اس نے اس کے لیے گاڑی بھجوادی تا کہ اگر وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ گھومنا چاہے تو گھوم لے۔ وہ اس سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں کہ گذشتہ ہفتے سے اسے ان دونوں کی عمروں کے فرق کا احساس شدت سے ہونے لگا تھا۔ اس رات اس نے فرمینا دازا کو معذرت کا خط لکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا واحد مقصد اس بات کا اظہار کرنا تھا کہ اس نے ابھی اپنا ارادہ ترک نہیں کیا۔ مگر پھر اس نے اسے اگلے روز تک کے لیے ملتوی کردیا۔ سوموار کے روز اس اضطراب کے ٹھیک تین ہفتوں بعد' وہ بارش میں بھیگا ہوا اپنے گھر میں داخل ہوا' اور وہاں اس نے اس کا خط پڑا ہوا دیکھا۔

اس وقت رات کے آٹھ بجے تھے دونوں خادمائیں بستر پر دراز تھیں اور انھوں نے دالان کی روشنی جلا دی تھی جہاں سے فلورنتینو آریزا کی خواب گاہ کی طرف راستہ جاتا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے لیے رات کا سادہ اور نرم کھانا میز پر رکھا ہوا تھا' مگر وہ ذرا سی بھوک جو ان دنوں کے بے قاعدہ کھانا کے بعد اسے محسوس ہوئی تھی' خط ملنے کے جذباتی ہیجان میں غائب ہو چکی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں اس قدر رعشہ تھا کہ اس کے لیے خواب گاہ کی بتی جلانا مشکل ہو گیا۔ اس نے بارش میں بھیگا ہوا خط میز پر رکھا' میز پر رکھا لیمپ روشن کیا' اور اس مصنوعی اطمینان سے' جسے اس نے خود کو پرسکون بنانے کا طریقہ بنا لیا تھا' اپنی گیلی جیکٹ اتاری اور اسے کرسی کی پشت پر رکھ دیا۔ اپنی صدری اتاری، اسے احتیاط سے تہہ کیا اور اسے جیکٹ کے اوپر رکھ دیا' اپنی سیاہ ریشمی رسی نما ٹائی اور سیلولائیڈ کا لر اتارا' جس کا رواج اب دنیا میں کہیں بھی نہیں رہ گیا تھا۔ اس نے نیچے تک اپنی قمیص کے بٹن کھولے' اور اپنے بیلٹ کو ڈھیلا کیا تا کہ وہ آرام سے سانس لے سکے۔ آخر میں اس نے اپنا ہیٹ اتارا اور اسے کھڑکی کے پاس سوکھنے کے لیے رکھ دیا۔ پھر اس پر کپکپی طاری ہو گئی کیوں کہ اسے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ خط کہاں رکھ بیٹھا ہے اور جب اسے یہ بستر پر پڑا مل گیا تو اس کی بے چینی گھبراہٹ میں بدل گئی کیوں کہ اسے یہ یاد نہیں رہا تھا کہ اسی نے اس

کو بستر پر رکھا تھا۔ اسے کھولنے سے پہلے اس بات کا دھیان رکھتے ہوئے کہ جس سیاہی سے اس کا نام لکھا ہوا ہے وہ پھیلنے نہ پائے اس نے لفافے کو رومال سے خشک کیا اور ایسا کرتا ہوئے اسے خیال آیا کہ اب یہ راز محض دو بندوں کے درمیان نہیں رہ گیا تھا بلکہ اس میں کم از کم کوئی تیسرا شخص بھی شامل ہو گیا ہے، کیوں کہ جس کسی نے بھی یہ خط یہاں پہنچایا ہو گا اس نے یہ ضرور سوچا ہو گا کہ اپنے شوہر کی وفات کے صرف تین ہفتوں بعد بیوہ اربینو کسی ایسے شخص کو خط لکھ رہی ہے، جس کا اس کی دنیا سے کوئی علاقہ نہیں اور اسے اس قدر عجلت تھی کہ اس نے معمول کی ڈاک کو استعمال نہیں کیا اور وہ اسے اس قدر مخفی رکھنا چاہتی ہے کہ اس نے بجائے اس کو کسی کے حوالے کرنے کے دروازے کے نیچے سے اس طرح کھسکا دینے کا حکم دیا تھا جیسے یہ کوئی گمنام خط ہو۔ اسے لفافہ پھاڑنا نہیں پڑا کیوں کہ پانی نے گوند کو تحلیل کر دیا تھا۔ مگر خط خشک تھا۔ بغیر کسی القابات کے آپس میں جڑے ہوئے لفظوں سے تین صفحات پر مشتمل تھا جن پر اس نے اپنے شادی شدہ نام کے ابتدائی حروف سے دستخط کیے ہوئے تھے۔

وہ بستر پر بیٹھا اور نہایت سرعت سے ایک بار پورا خط پڑھ لیا۔ وہ اس کے مافیہ کے بجائے اس کے لہجے پر زیادہ غور کر رہا تھا اور دوسرے صفحے پر پہنچنے سے قبل وہ جان گیا کہ درحقیقت یہ وہ توہین آمیز خط ہے جس کی اسے توقع تھی۔ اس نے اسے رکھ کر اس کی تہوں کو کھولا۔ لیمپ سے آتی روشنی میں اس نے اپنے جوتے اور گیلی جرابیں اتاریں دروازے کے قریب والے سوئچ سے روشنی کو بجھا دیا اور آخر میں اس نے اپنا چرمی کمبل اوڑھا اور اپنی پتلون اور قمیص اتارے بغیر لیٹ گیا۔ اس نے اپنا سر دو بڑے تکیوں پر رکھ لیا جنھیں پڑھنے کے دوران میں وہ عقبی سہارے کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ اب اس نے اسے دوبارہ پڑھا اس کے ہر ہر لفظ پر غور کرتے ہوئے کہ کہیں اس خط میں پنہاں لکھنے والے کا مقصد اس سے مخفی نہ رہ جائے اور پھر اس نے اسے مزید چار بار پڑھا یہاں تک کہ وہ اس میں لکھے ہوئے لفظوں سے اس قدر بھر گیا کہ یہ سارے لفظ اسے اپنے معانی کھوتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ بالآخر اس نے اسے لفافے کے بغیر اپنے نائٹ ٹیبل کی دراز میں رکھا سر کے پیچھے اپنے ہاتھ رکھے اور پشت کے بل لیٹ گیا اور چار گھنٹوں تک اس نے پلک تک نہیں جھپکائی۔ وہ بہ مشکل سانس لے پا رہا تھا اور جب اس نے آئینے میں اس جگہ دیکھا جہاں فرمینا دازا کا عکس تھا تو وہ کسی مردہ شخص سے زیادہ مردہ دکھائی دے رہا تھا۔ عین نصف شب وہ اٹھ کر کچن میں گیا اور خام تیل کی طرح گاڑھی کافی کا ایک تھرموس تیار کر کے اسے کمرے میں لے آیا۔ اس نے اپنے مصنوعی دانت اتار کر بورک ایسڈ کے سلوشن میں رکھے جو

اس کے لیے نائٹ ٹیبل پر ہمیشہ تیار پڑا ہوتا تھا اور پھر اس نے کسی لیٹے ہوئے مار بل کے مجسمے کا سا روپ اختیار کر لیا، جس کی حالت وہ کبھی کبھار کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے ہی بدلتا تھا، یہاں تک کہ چھ بجے خادمہ تازہ کافی کا تھرموس لیے اندر داخل ہوئی۔

فلورنتینو آریزا نے اس وقت تک سوچ لیا تھا کہ اس کا اگلا قدم کیا ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس توہین سے اسے کوئی دکھ نہیں ہوا، اور فرمینا دازا کی شخصیت اور معاملے کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس میں لگائے بہت سے نامناسب الزامات کی وضاحت کرنے میں بھی دلچسپی نہیں رکھتا تھا کہ اس سے معاملہ بگڑنے کا احتمال تھا۔ اسے صرف اس بات سے دلچسپی تھی کہ صرف اس خط کی وجہ سے اسے ایک موقع ملا ہے، جس کا جواب دینا اس کا ایک حق بن گیا ہے۔ بل کہ اس سے بھی زیادہ: یہ خط بذات خود ردعمل کا متقاضی تھا۔ چناں چہ زندگی اب اس مقام پر آ گئی تھی جہاں وہ چاہتا تھا۔ اب باقی ہر شے اس پر منحصر تھی اور اس بات کو وہ جانتا تھا کہ نصف صدی سے زیادہ عرصے پر پھیلی اس کی نجی جہنم اسے ابھی مزید جان لیوا مصائب سے دوچار کرے گی، جنھیں اب وہ پہلے سے زیادہ خوش وخروش، زیادہ دکھ اور زیادہ محبت سے نپٹنے کے لیے تیار تھا، کیوں کہ اب یہ سب آخری مصائب ہوں گے۔

جب وہ فرمینا دازا کا خط ملنے کے پانچ روز بعد اپنے دفتر گیا تو اس نے محسوس کیا جیسے وہ ٹائپ رائٹروں کے شور میں کسی اچانک اور غیر معمولی عدم موجودگی میں تیر رہا تھا جن کا شور بارش کی طرح، اب خاموشی کی نسبت، کم محسوس ہوتا تھا۔ جب آواز دوبارہ آنا شروع ہوئی، فلورنتینو آریزا لیونا کیزیانی کے دفتر میں گیا اور اسے اپنے ذاتی ٹائپ رائٹر پر کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا، جو اس کی انگلیوں کی پوروں سے یوں ٹکراتا تھا جیسے وہ خود کوئی انسان ہو۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا جائزہ لیا جا رہا ہے اور اس نے اپنی مسکراہٹ کے ساتھ دروازے کی جانب دیکھا لیکن اس نے پیراگراف ختم کرنے تک ٹائپ کرنا بند نہیں کیا۔

''میرے دل کی شیرنی، مجھے بتاؤ'' فلورنتینو آریزا نے پوچھا ''تمھیں کیسا لگے اگر تمھارے پاس کوئی ٹائپ شدہ عشقیہ خط آئے؟''

وہ جواب تک کسی بھی بات پر حیران نہیں ہوئی، اس بار واقعتاً حیران ہو گئی۔

''میرے خدایا'' وہ چلائی۔ ''مجھے تو کبھی اس کا خیال بھی نہیں آیا۔''

اس کے علاوہ کوئی اور جواب اس کے ذہن میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اس لمحے تک فلورنتینو آریزا کو بھی اس کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ اس نے کوئی پرواہ کیے بغیر یہ تجربہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ دفتر میں

استعمال ہونے والا ایک ٹائپ رائٹر گھر لے آیا۔ اس کے ایک ماتحت نے خوش مزاجی سے اس پر فقرہ کسا ''کسی بڈھے کو نئی چالیں سکھانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔'' لیونا جو ہر نئی بات کے بارے میں پر جوش ہوتی تھی' اس نے اس کے گھر پر آ کر ٹائپنگ سکھانے کی پیش کش کی۔ مگر وہ اس وقت سے تربیت کے مروجہ تکنیکی انداز کے خلاف ہو چکا تھا جب لوٹا ریونگٹ نے اسے نوٹس پڑھ کر وائلن بجانے کی تربیت دینا چاہی تھی اور اسے خبر دار کیا تھا کہ اسے اس کی ابتدا میں اکم از کم ایک سال لگے گا' مزید پانچ سال ایک پیشہ ور آرکسٹرا میں شامل ہونے کے لیے' اور پوری زندگی بہتر انداز میں بجانے کے لیے ہر روز چھ گھنٹے کی مشقت جاری رکھنی پڑے گی۔ مگر اس کے باوجود اس نے اپنی ماں کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ اسے ایک نابینا سے وائلن خرید دے' اور لوٹا ریونگٹ سے پانچ بنیادی سبق حاصل کرنے کے بعد' ایک سال سے بھی کم عرصے میں' اس نے کیتھڈرل کے ساع خانے میں اسے بجانے اور ہواؤں کے رخ کے مطابق مفلسوں کے قبرستان سے فرینا داز اکے لیے سیرینا د بجانے کی جرات کی ڈالی تھی۔ اگر بیس برس کی عمر میں وہ ایسا کر سکتا تھا' اسے کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی کہ وائلن کی طرح کی ہی ایک مشکل چیز' ٹائپ رائٹر جیسے ایک انگلی والے آلے کے ساتھ' وہ چھہتر برس کی عمر میں ایسا کیوں نہیں کر سکتا۔

اس کا خیال درست تھا۔ اسے کی بورڈ پر حروف کی جگہ سمجھنے میں تین دن لگے' مزید چھ دن ٹائپ کرنے کے دوران میں سوچنے کی مشق کرنے میں' اور اگلے تین دنوں وہ کاغذوں کا تقریباً ایک رم پھاڑ کر پھینکنے کے بعد غلطیوں سے پاک ایک خط لکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اسے ایک احترام والا القاب 'سینوارڈ' دیا اور اس پر اپنے نام کے ابتدائی حروف سے دستخط کیے' جس طرح کہ اپنے وہ ایام شباب کے خوشبو میں لپٹے ہوئے خطوط پر کیا کرتا تھا۔ اس نے حال ہی میں ہونے والی کسی بیوہ کے لیے ماتمی نقوش والے لفافے میں' اس کی پشت پر اپنا ایڈریس لکھے بغیر عام ڈاک کے ذریعے اسے بھیج دیا۔

یہ چھ صفحات پر مشتمل خط تھا۔ اور یہ اس کے پہلے لکھے گئے تمام خطوط سے مختلف تھا۔ اس میں اس کے ابتدائے عشق کے زمانے والا لہجہ' انداز یا پر جوش فضا نہیں تھی' اور اس میں اس کا استدلال اس قدر نپا تلا اور منطقی تھا کہ اس کے سامنے گارڈینیا کی خوشبو پھیکی پڑتی محسوس ہوتی تھی۔ ایک خاص سطح پر یہ ان کاروباری خطوط کے بہت قریب تھا۔ جنھیں وہ آج تک لکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ ایک ٹائپ شدہ ذاتی خط کو تقریباً توہین آمیز سمجھا جا سکتا تھا۔ مگر اس وقت تک ٹائپ رائٹر ایک دفتری شے تھی جس کا ابھی کوئی اپنا ضابطہ اخلاق وضع نہیں ہوا تھا اور اخلاقیات کی کتابوں میں اس کے گھریلو استعمال کی پیش بینی

نہیں کی گئی تھی۔ یہ ایک جرات مندانہ جدیدیت لگتی تھی۔کم ازکم فرمینا دازا نے ایسا ہی سمجھا' کیوں کہ اس نے فلورنتینو آریزا کے نام اپنے دوسرے خط میں اس سے اپنی تحریر کے پڑھے جانے میں کسی دشواری کے پیش آنے پر معذرت چاہی تھی' کیوں کہ اس کے پاس اپنے سٹیل کے قلم کے علاوہ کوئی اور جدید ذرائع دستیاب نہیں تھے۔

فلورنتینو آریزا نے اس کے بھیجے ہوئے خوف ناک خط کا ذکر تک نہیں کیا۔ بل کہ اس نے شروع ہی سے لبھانے کا ایک نیا انداز اختیار کیا۔ ماضی کے عشق کا' یا محض ماضی کا کوئی ذکر کیے بغیر: اس نے ایک بالکل شفاف آغاز کیا۔ اس نے زندگی کے بارے میں اپنے گہرے سوچ بچار کے بعد اخذ کیے ہوئے خیالات اور مرد اور عورت کے تعلقات کے تجربے کے بارے میں اپنے نظریات کو' جو اس نے ایک بار ''ہمراہ عشق'' کی اگلی کڑی کے طور پر لکھنا چاہے تھے' تفصیلاً تحریر کیا۔ اس بار اس نے یہ کیا کہ اسے صرف ایک بوڑھے آدمی کی یادداشتوں کے بزرگانہ انداز میں چھپالیا' تا کہ یہ بات بہت زیادہ عیاں نہ ہو سکے کہ درحقیقت یہ محبت کی ایک دستاویز ہے۔ پہلے اس نے اپنے پرانے انداز میں بہت سے مسودات تحریر کیے' جن کو ٹھنڈے دماغ سے پڑھنے میں بہت زیادہ وقت لگتا' مگر جنھیں آگ میں ڈال دینے کا فیصلہ نسبتاً آسان ہوتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کوئی بھی روایتی غلطی ماضی کی کوئی خفیف سی لغزش، اس کے دل میں ماضی کی ناخوش گوار یاد کو جگا سکتی ہے' اور اگر چہ اس نے پیش بینی کی تھی کہ اس کا پہلا خط کھولنے کے بعد وہ اسے بیسیوں خط لکھے گی' وہ چاہتا تھا کہ اس بار کوئی ایک بھی غلطی نہیں ہونی چاہیے۔ چناں چہ اس نے نہایت باریک بینی سے منصوبہ بندی کی' جیسے کہ یہ اب اس کی آخری لڑائی ہو: نئی سازشیں' ایک ایسی عورت کے لیے نئی امیدیں جو پہلے ہی مکمل اور بھرپور زندگی گزار چکی ہو۔ اسے ایک طبقے کے تعصبات کو جھٹک دینے کے لیے ضرورت تھی جو کبھی بھی اس کا اپنا طبقہ نہیں تھا، مگر جواب کسی بھی اور کی نسبت اس کا طبقہ زیادہ بن گیا تھا۔ اسے یہ سکھانا تھا کہ وہ محبت کو ایک قابل احترام جذبے کے طور پر دیکھے: جو کسی منزل کا ذریعہ نہیں بل کہ بذات خود ہونا ہی اپنا آغاز اور اختتام ہے۔

اس میں اتنی فہم تو تھی کہ اس نے خط کے فوری جواب کی توقع نہیں کی بل کہ وہ اس بات پر بھی مطمئن تھا کہ خط اسے واپس نہ لوٹائے جائیں۔ ایسا نہیں ہوا' اور نہ ہی اس کے وہ خط لوٹائے گئے جو اس نے اس کے بعد تحریر کیے تھے۔ اور جیسے جیسے دن گزرتے گئے' اس کا ہیجان بڑھتا گیا۔ کیوں کہ جوں جوں اس کے خط واپس نہ لوٹائے جانے کا عرصہ بڑھتا گیا' ویسا ہی کسی جوابی خط کے لیے اس کی امید

بڑھتی گئی۔ شروع میں اس کی خطوط نویسی کی شرح اس کی انگلیوں کی ہنر مندی سے مشروط تھی۔ پہلے ہفتے میں ایک بار، پھر دو، آخر کار ہر روز ایک خط لکھا جانے لگا۔ وہ اپنے اولین زمانے کی نسبت اب ڈاک خانے کے نظام میں ترقی سے بہت خوش تھا۔ کیوں کہ اس کے لیے یہ خطرہ مول لینا بہت مشکل ہوتا کہ وہ روز ڈاک خانے میں ایک ہی عورت کو خط پوسٹ کرتا ہوا دیکھا جائے، یا جب وہ یہ پوسٹ کر رہا ہوتو کوئی اس کے بارے میں اس سے بات کرے۔ اس کے برعکس، یہ بہت آسان تھا کہ وہ کسی ملازم کو بھیج کر مہینہ بھر کے لیے ڈاک کی کافی ٹکٹیں منگوا لے اور پھر پرانے شہر میں واقع تین لیٹر بکسوں میں سے کسی میں ایک خط کھسکا دے۔ جلد ہی اس نے اسے معمول کا حصہ بنا لیا۔ وہ اپنی بے خوابی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خط لکھتا رہتا، اگلے روز، دفتر میں جاتے ہوئے راستے میں وہ اپنے ڈرائیور کو ایک کونے میں گاڑی روکنے کے لیے کہتا۔ اور گاڑی سے اتر کر خط پوسٹ کر دیتا۔ اگرچہ ایک صبح جب بارش ہو رہی تھی تو ڈرائیور نے یہ خط پوسٹ کرنے کی کوشش بھی کی، مگر اس نے کبھی بھی اس سے یہ کام نہیں کروایا، بعض اوقات وہ یہ احتیاط بھی کرتا کہ وہ ایک کے بجائے بہت سے خط پوسٹ کرے تاکہ یہ سارا عمل معمول کے مطابق دکھائی دے۔ ڈرائیور یقیناً اس بات سے واقف نہیں تھا کہ اضافی خطوط خالی صفحات پر مشتمل ہوتے، جن پر فلورنتینو آریزا نے اپنا ہی پتہ تحریر کیا ہوتا تھا۔ اس سے پہلے اس نے کبھی کسی سے نجی خط و کتابت رکھی بھی نہیں تھی، سوائے اس کے کہ ہر ماہ کے آخر میں وہ سرپرست کی حیثیت سے امریکا ویکونا کے والدین کے نام، اس لڑکی کے برتاؤ، اس کی ذہنی و جسمانی حالت اور تعلیم میں اس کی کارکردگی کے بارے میں اپنے تاثرات تحریر کرتا تھا۔

پہلے مہینے کے بعد، اس خدشے کے پیش نظر کہ فرمینا دازا کو یہ محسوس نہیں ہوگا کہ ان میں ایک تسلسل ہے، اس نے خطوط پر نمبر شمار کا اندراج اور اخباروں میں چھپنے والے قسط وار ناولوں کی طرح ان پر پچھلے خط کا خلاصہ بھی لکھنا شروع کر دیا۔ مزید برآں، جب خطوں کا یہ سلسلہ روزانہ کا معمول بن گیا تو اس نے ماتمی نقوش والے لفافوں کے بجائے لمبے سفید لفافے استعمال کرنے شروع کر دیے، اور اس طرح ان خطوط کا غیر شخصی کاروباری تاثر مزید ابھر آیا۔ جب اس نے یہ سلسلہ شروع کیا تو وہ اپنی صبر کے امتحان سے گزرنے کے لیے تیار تھا، کم از کم اس وقت تک جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ اپنے سوچے ہوئے واحد نئے طریقے میں وقت ضائع کر رہا ہے۔ درحقیقت اس کا یہ انتظار اپنے ماضی میں پیش آنے والی اذیتوں والے بے پناہ انتظار سے مختلف تھا۔ یہ ایک آہنی پیکر والے بوڑھے کا استقلال تھا، جس کے

پاس سوچنے کے لیے اور کچھ نہیں تھا' اور جس کے لیے اس جہاز راں کمپنی میں کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا جواب اس کی معاونت کے بغیر بھی کامیابی سے رواں دواں تھی اور جسے یہ یقین تھا کہ وہ اگلے دن' یا اس سے اگلے روز' یا جب بھی بالآخر فرمینا داز اس بات کو تسلیم کر لے گی کہ اس کے پاس اپنی تنہا بیوگی کی بےقراریوں کا اور کوئی مداوا نہیں' سوائے اس کے کہ وہ اس کے لیے اپنی آغوش وا کر دے' زندہ رہے گا اور اس کی مردانہ صفات مکمل طور پر برقرار رہیں گی۔

اس دوران میں اس نے اپنی زندگی کا روزمرہ معمول جاری رکھا۔ کسی مثبت جواب کی توقع میں اس نے اپنے گھر کی ایک بار پھر تزئین نو شروع کر دی' تاکہ یہ اس عورت کے شایان شان ہو سکے، جس نے اس مکان کے خریدنے کے دن سے خود کو اس کی مالک تصور کرتا تھا۔ وہ اپنے وعدے کے مطابق کئی بار پرووڈنشیا چڑھے کے گھر گیا' تاکہ وہ اس کو باور کرا سکے کہ وہ اس کی ڈھلتی عمر کی وجہ سے لائی گئی تباہی کے باوجود اس سے محبت کرتا تھا اور وہ اپنی راتوں کی بربادی میں ہی نہیں' بلکہ دن کی بھرپور روشنی اور دروازوں کے کھلے ہونے کے باجود اس سے محبت کرتا تھا۔ اس نے آندریا ویرون کے گھر کے پاس سے گزرنا جاری رکھا۔ یہاں تک کہ ایک بار اس نے دیکھا اس کے غسل خانے کی روشنی بجھی ہوئی تھی' اور اس نے خود کو اس کے بستر میں' طوفان میں بہہ جانے دیا۔ اگر چہ یہ صرف اس لیے تھا کہ وہ اپنے اختلاط کی عادت نہ کھو بیٹھے' اور اس کے مدنظر ایک اپنا یہ وہم بھی تھا اور جواب تک غلط ثابت نہیں ہوا تھا کہ جب تک آپ یہ کرتے جائیں' جسم آپ کا ساتھ دیتا رہے گا۔

امریکا ویکونا کے ساتھ اس کے تعلقات اس کی واحد مشکل تھی۔ اس کی اپنے ڈرائیور کو ابھی بھی یہ ہدایت تھی کہ وہ ہفتے کی صبح کو دس بجے اسے سکول سے لے آیا کرے' مگر اسے سمجھ نہ آتی تھی وہ ان ہفتہ وار چھٹیوں کے دوران میں اس کے ساتھ کیا کرے۔ پہلی بار اس نے خود کو اس سے غیر متعلق محسوس کرنا شروع کر دیا' اور وہ اس تبدیلی پر برہم ہو گئی۔ اس نے اسے اپنی خادماؤں کی نگرانی میں دے دیا' اور انہیں سہ پہر کی فلموں پر' بچوں کے پارک میں موسیقی کے پروگراموں اور خیراتی بازاروں میں لے جانے لگا۔ یا وہ اس کے اور اس کی ہم جماعتوں کے لیے اتوار کے روز مختلف مصروفیات کا انتظام کر دیتا تاکہ اسے اس کو اپنے دفاتر کے عقب میں بنی پوشیدہ جنت میں نہ لے جانا پڑے' جہاں وہ اپنے پہلی بار وہاں لے جائے جانے کے بعد ہمیشہ لوٹنا چاہتی تھی۔ اپنے نئے واہمے کی دھند میں' اسے یہ احساس نہیں رہا کہ عورتیں تین روز میں بالغ ہو سکتی ہیں اور اس کو تو اس وقت جب وہ پورٹو پاوڈرے سے آنے والی کشتی پر

پہلی بار ملا تھا' تین برس گذر گئے ہیں۔ اس صدمے کی شدت کم کرنے کے لیے وہ چاہے جو بھی کر رہا تھا' اس کے لیے یہ ایک سنگین تبدیلی تھی اور وہ اس کی وجہ کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس روز جب آئس کریم پارلر میں اس نے اس سے اپنی شادی کا ذکر کیا تھا' جب اس نے اس کے سامنے حقیقت کا اظہار کیا تھا تو وہ پریشانی سے چکرا گئی تھی' مگر پھر اس کو یہ امکان اس قدر لغو لگا کہ وہ اس بات کو بھول گئی۔ تاہم کچھ ہی عرصے میں اس نے محسوس کر لیا کہ وہ اس کے ساتھ ایک ناقابل تشریح برتاؤ کر رہا تھا۔ جیسے یہ بات درست تھی' جیسے وہ اس سے ساٹھ سال بڑا ہونے کے بجائے اس سے ساٹھ سال چھوٹا ہو گیا ہو۔

ہفتے کی سہ پہر' فلورنتینو آریزا نے اسے اپنی خواب گاہ میں ٹائپ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پایا' اور وہ کافی بہتر ٹائپنگ کر رہی تھی۔ اسے سکول میں ٹائپنگ سکھائی جا رہی تھی۔ اس نے اس خود کار تحریر سے نصف سے زیادہ صفحہ مکمل کر لیا تھا مگر اس میں سے کسی ایسے اتفاقی جملے کو علاحدہ کرنا مشکل نہ تھا' جس سے اس کی ذہنی حالت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ فلورنتینو آریزا اس کی تحریر پڑھنے کے لیے اس کے کندھوں پر جھک گیا۔ وہ اس کی مردانہ حرارت' اس کے منتشر سانسوں' اس کے کپڑوں میں رچی خوشبو سے' جیسی کہ اس کے تکیے میں بھی رچی ہوتی تھی' پریشان ہو گئی۔ وہ اب ویسی نووارد کم سن لڑکی نہیں رہی تھی' جسے اس نے بچوں کے سے کھیل کھیلتے ہوئے اس کے جسم سے ہر بار ایک چیز اتارتے اتارتے برہنہ کیا تھا: پہلے یہ چھوٹے چھوٹے جوتے چھوٹے ریچھ کے لیے' پھر یہ منا سا زیر جامہ چھوٹے سے کتے کے لیے' پھر یہ چھوٹے سے خوشبو دار جانگیے چھوٹے سے خرگوش کے لیے اور یہ نرم سا بوسہ اس کے پاپا کے مزیدار ڈکی برڈ کے لیے۔ نہیں: اب وہ ایک بھرپور عورت تھی' جو پہل کاری کرنا پسند کرتی تھی۔ اس نے اپنے داہنے ہاتھ کی صرف ایک انگلی سے ٹائپ کرنا جاری رکھا اور بائیں ہاتھ سے اس کی ٹانگ کو محسوس کرنا شروع کیا۔ اس کو تلاش کیا' ڈھونڈا' محسوس کیا کہ اس میں زندگی دوڑ آئی ہے' وہ مزید بڑھ گیا۔ اس نے اس کو جوش سے کراہتے ہوئے سنا' اور اس بوڑھے آدمی کا تنفس ناہموار اور مشکل ہوتا گیا۔ وہ اسے جانتی تھی۔ اس مقام سے آگے اسے خود کو پر قابو نہیں رہتا تھا۔ اس کی گفتگو بے ربط ہونا شروع ہو جاتی' وہ اس کے رحم و کرم پر ہوتا اور اسے اس وقت تک واپسی کا راستہ نہ ملتا جب تک کہ وہ وصال کی انتہا کو نہ چھو لیتا۔ وہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر بستر تک یوں لے آئی جیسے وہ گلی میں پھرنے والا اندھا فقیر ہو۔ اس نے اپنی عیارانہ نرمیوں سے اس کو دھنک کے رکھ دیا۔ محبت کے جسمانی کھیل کی جتنی شعبدہ بازیاں اسے آتی تھیں' اس نے اس پر آزما ڈالیں۔ اس نے اس کے پورے جسم کو جیسے جگا دیا' اور اب وہ وصال کے مقام

پر پہنچنے کے لیے تیار تھا۔ گھر میں کوئی اور نہیں تھا' خادمائیں باہر جا چکی تھیں' اور گھر کی تزئین نو کرنے والے معمار اور ترکھان ہفتے کے روز کام نہیں کرتے تھے۔ ان کے لیے پورا جہان سامنے تھا مگر اس کھائی کے عین کنارے' وہ اس بے خودی سے نکل آیا' اس نے اس کا ہاتھ پرے کیا' بیٹھ گیا' اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا:

''ہمیں احتیاط کرنی چاہیے' ہمارے پاس کنڈوم نہیں ہے۔''

وہ بہت دیر تک سوچوں میں گم پشت کے بل بستر پر لیٹی رہی اور جب وہ ایک گھنٹہ قبل ہی سکول واپس آ گئی' تو اس میں آہ وزاری کی سکت بھی باقی نہیں رہی تھی اور اس کے ہاتھوں کی قوتِ شامہ اس قدر تیز ہو چکی تھی کہ وہ اس حرافہ کا پتہ چلا سکتی تھی جس نے اس کی زندگی تباہ کر کے رکھ دی تھی۔ دوسری جانب فلورنتینو آریزا کے مردانہ طرزِ فکر نے ایک اور غلط نتیجہ اخذ کیا: اس کا خیال تھا کہ اسے اپنی خواہشات کے بے کار ہونے کا یقین ہو گیا تھا اور اس نے اسے بھول جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ اپنے حالات میں واپس آ چکا تھا۔ چھ ماہ ختم ہونے کو آئے تھے مگر اس کو کوئی جواب نہیں ملا تھا اور اس نے خود کو ایک نئی قسم کی بے خوابی میں' بستر پر بے چینی سے کروٹیں بدلتے ہوئے پایا۔ وہ سوچتا کہ فرمینا دازا نے ظاہری شباہت دیکھ کر پہلا خط کھولا ہو گا' اس کے پرانے خطوں پر کیے گئے نام کے ابتدائی حروف کے دستخط کو' اس پر دیکھ کر پہچان لیا ہو گا' اور اسے پھاڑنے کی زحمت کیے بغیر ہی اسے باقی ماندہ ردی کے ساتھ آگ میں پھینک دیا ہو گا۔ اس کے بعد بھیجے گئے خطوں کے لفافے ہی اس کے لیے اس عمل کو دہرانے کے لیے کافی ہوں گے' اور وہ ایسا کرے گی حتیٰ کہ وقت اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا اور وہ اپنی آخری تحریری سوچ کے کنارے آ لگے گا۔ اسے اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ کوئی ایسی عورت بھی موجود ہے' جو تقریباً نصف سال سے اپنے تجسس کی مزاحمت کر سکتی ہے' جب کہ وہ یہ بھی نہ جانتی ہو کہ اس کو ملنے والے تقریباً روزانہ خطوط کس روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ اگر کوئی ایسی عورت موجود تھی تو یہ وہی ہو سکتی تھی۔

فلورنتینو آریزا نے محسوس کیا کہ اس کا بڑھاپا ایک جارحانہ عذاب نہیں' بل کہ ایک بے پاتال حوض ہے' جس میں اس کی یادداشت باہر بہے جا رہی ہے۔ اس کی ہنر مندی بے اثر ہوتی جا رہی تھی۔ لا منگا میں اس کے ولا کے گرد کئی روز تک چکر لگانے کے بعد' اس نے محسوس کیا کہ جوانی کے دنوں سے اس کی اختیار کردہ حکمتِ عملی کبھی بھی ان ماتمی' مہر لگے دروازوں کو نہیں کھول سکے گی۔ ایک صبح جب وہ

ڈائریکٹری میں کوئی نمبر تلاش کر رہا تھا۔اس نے اتفاق سے اس کا نمبر دیکھا'اس نے اسے فون ملایا'بہت دیر تک گھنٹی بجتی رہی'اور بالآخر اس نے اس کی آواز کو پہچانا۔بھرائی ہوئی "ہیلو۔"'اس طرف سے آواز آئی۔اس نے بغیر کچھ کہے ریسیور رکھ دیا۔مگر اس نا قابلِ پہنچ آواز کے لامحدود فاصلے نے اس کی ہمت کو کمزور کر دیا۔

یہی وقت تھا جب لیونا کیزیانی نے اپنی سالگرہ منائی اور اپنے گھر پر اپنے چند دوستوں کی دعوت کی۔اور ہی خیالوں میں مگن وہ خود پر شوربہ گرا بیٹھا۔اس نے پانی کے گلاس میں اس کے نیپکن کے کونے کو ڈبو کر اس کے کوٹ کے سامنے کے کالر کو صاف کیا اور پھر اس نے کسی اور زیادہ مخدوش حادثے سے بچنے کے لیے نیپکن کو ایک بب کی طرح اس کی گردن کے گرد لپیٹ دیا:وہ کسی بوڑھے بچے کی طرح لگ رہا تھا۔اس نے دیکھا کہ ڈنر کے دوران میں کئی بار وہ اپنا چشمہ اتار کر اسے اپنے رومال سے خشک کرتا رہا'کیوں کہ اس کی آنکھیں بھیگتی جا رہی تھیں۔کافی کے دوران میں وہ اپنا کپ ہاتھ میں پکڑے سو گیا اور اس نے اس کو بغیر جگائے اس کے ہاتھ سے کپ لینے کی کوشش کی مگر اس نے گھبرا کر جواب دیا "میں صرف اپنی آنکھوں کو آرام پہنچا رہا تھا۔"لیونا کیزیانی سوتے وقت سوچتی رہی کہ کس طرح اس پر بڑھاپے کے آثار گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔

جووینل اربینو کی پہلی برسی کے موقع پر'اس کے خاندان نے کیتھڈرل میں اس کی یاد میں عشائے ربانی کے لیے دعوت نامے بھیجے۔فلورنتینو آریزا کو ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا تھا اور یہی بات اس کے اس جرات مندانہ اقدام کا محرک بنی کہ اس نے نہ بلائے جانے کے باوجود عشائے ربانی میں شرکت کی ٹھان لی۔یہ ایک ایسی سماجی تقریب تھی جو جذباتی ہونے بجائے نمائشی زیادہ تھی۔پہلی چند قطار کی تکیہ دار نشستیں اپنے تاحیات مالکوں کے لیے مخصوص تھیں'اور جن کے نام ان کی نشستوں کی پشت پر تانبے کی نیم پلیٹوں پر کندہ کیے ہوئے تھے۔فلورنتینو آریزا وہاں سب سے پہلے پہنچنے والوں میں سے تھا تاکہ وہ کسی ایسی نشست پر بیٹھ سکے جہاں سے فرمینا دازا اسے دیکھے بغیر نہ گزر سکے۔اس نے سوچا کہ مخصوص نشستوں کے پیچھے وسطی حصے کی نشست سب سے موزوں رہے گی مگر وہاں اتنے سارے لوگ تھے کہ وہ وہاں بھی کوئی نشست حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا اور اسے غریب رشتہ داروں کے حصے میں ایک نشست پر بیٹھنا پڑا۔وہاں سے اس نے فرمینا دازا کو اپنے بیٹے کا بازو پکڑے آتے ہوئے دیکھا۔وہ کسی بشپ کی عبا کی طرح گردن سے لے کر جوتوں کی نوک تک بٹنوں سے بند'ایک سادہ اور ریشمی'

لمبی آستینوں والے سیاہ ماتمی لباس میں ملبوس تھی اور اس نے دوسری بیواؤں یا وہاں موجود بہت سی ایسی عورتوں کے برعکس، جو ایسی حالت کی خواہش رکھتی تھیں کے برعکس نقاب دار ہیٹ کے بجائے ایک کا سٹیلین جھالر والا تنگ سکارف پہنا ہوا تھا۔اس کا بے نقاب چہرہ سفید چکنے سنگ مرمر کی طرح دمک رہا تھا۔اس کی نیزے کی سی آنکھوں میں' وسطی حصے کے نیچے جلنے والے بے شمار چراغوں کی ایک پر حیات چمک تھی اور جب وہ چل رہی تھی تو وہ اس قدر سیدھی' اس قدر پر تمکنت' اور اس قدر متحمل انداز تھی کہ وہ اپنے بیٹے سے زیادہ عمر کی نہیں لگ رہی تھی۔کھڑے ہوتے ہوئے فلورنٹینو آریزا اپنی انگلیوں کی پوروں سے اگلی مخصوص نشست کی پشت پکڑ کر ذرا خم کھا کر اس وقت تک کھڑا رہا' جب تک کہ اس کی دھند غائب نہیں ہو گئی' اس لیے کہ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اور فرمینا صرف سات قدم کے فاصلے سے علاحدہ نہیں تھے' بل کہ وہ دونوں مختلف زمانوں میں رہ رہے تھے۔

تقریباً پوری تقریب کے دوران میں فرمینا دازا مرکزی قربان گاہ کے سامنے خاندانی نشستوں والی جگہ پر کھڑی رہی' اسی طرح پر وقار جس طرح وہ اوپیرا میں شرکت کے دوران میں ہوتی تھی۔مگر جوں ہی یہ تقریب ختم ہوئی' وہ مروجہ روایت کے برعکس' تعزیتوں کی روحانی تجدید وصول کرنے کے لیے اپنی نشست پر نہیں بیٹھی رہی بل کہ ہجوم میں سے راستہ بناتے ہوئے ہر مہمان کا شکریہ ادا کرنے لگی: یہ ایک نیا انداز تھا جو اس کی شخصیت اور برتاؤ کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ تھا۔ہر مہمان سے ملتے ہوئے آخر وہ غریب رشتے داروں کے حصے میں بھی پہنچ گئی۔اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ کسی جان پہچان کے آدمی سے سلام دعا کرنا باقی نہ رہ گئی ہو' اس نے اپنی نظریں گھما کر چاروں طرف دیکھا۔اس لمحے فلورنٹینو آریزا نے ایک ماورائی جھونکے کو محسوس کیا جو اسے خود اپنے آپ سے بلند کر رہا تھا: اس نے اسے دیکھ لیا تھا۔فرمینا دازا اپنے مخصوص سماجی پر یقین انداز میں اپنے ساتھیوں سے علاحدہ ہوئی' اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا' اور ایک بہت شیریں مسکراہٹ کے ساتھ اسے کہا:'

''آپ کے آنے کا شکریہ۔''

اس لیے کہ نہ صرف اس نے اس کے خط وصول کر لیے تھے' بل کہ انھیں نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا بھی تھا' اور ان میں اس نے بہت سی سنجیدہ اور پر مغز وجوہات دریافت کی تھیں جو اس کے زندہ رہنے کا جواز فراہم کرتی تھیں۔وہ اس وقت اپنی بیٹی کے ساتھ میز پر بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی جب اسے پہلا خط ملا۔اس کے ٹائپ شدہ ہونے کی وجہ سے حیرت سے اسے کھولا' اور جب اس نے دستخط کے ابتدائی

حروف پہچان لیے تو شرم کی ایک اچانک شفق رنگ لہر نے اس کے چہرے کو دہکا دیا مگر اس نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا' اور خط کو اپنی کھلی جیب میں ڈال لیا۔ اس نے کہا: "یہ حکومت کی طرف سے تعزیت نامہ ہے" اس کی بیٹی حیران رہ گئی: "مگر وہ سب تو پہلے ہی آ چکے ہیں۔" وہ پرسکون رہی: "یہ ایک اور ہے۔" اس کی نیت تھی کہ بعد میں جب وہ اپنی بیٹی اور اس کے سوالوں سے دور ہو گی تو وہ اسے جلا ڈالے گی مگر وہ اسے پہلے ایک نظر دیکھنے کی خواہش پر قابو نہ پا سکی۔ اسے ویسے جواب کی توقع تھی جو اس کا توہین آمیز خط سزاوار تھا۔ وہ خط' جس کے بھیجنے کے اگلے ہی لمحے بعد وہ اس پر پچھتانے لگی تھی۔ مگر شاندار القابات اور پہلے پیراگراف کا مضمون دیکھ کر اسے یوں لگا جیسے دنیا میں کوئی بہت بڑا تغیر رونما ہو چکا ہے۔ وہ اس قدر مسحور ہوئی کہ اس نے خود کو اپنی خواب گاہ میں بند کر لیا تا کہ وہ اسے جلانے سے پہلے پورے اطمینان سے پڑھ لے' اور اس نے بغیر کسی وقفے کے اسے تین بار پڑھا۔

یہ زندگی' محبت' بڑھاپے اور موت پر غور و فکر سے عبارت تھا: ایسے خیالات جو اکثر رات کے پرندوں کی طرح اس کے دماغ کے آس پاس پھڑ پھڑاتے مگر جس لمحے میں وہ انھیں گرفت میں لینے کی کوشش کرتی وہ علاحدہ علاحدہ ہو کر پروں کی طرح بکھر جاتے۔ یہ سب خیال وہاں تھے' مکمل اور سادہ' بالکل ایسے جیسے وہ بھی انھیں ایسا ہی کہنا چاہتی ہو۔ اور ایک بار پھر وہ افسردہ ہو گئی کہ اب اس کا شوہر زندہ نہیں تھا جس کے ساتھ وہ ان معاملات پر گفتگو کر سکے' جیسا کہ وہ سونے سے پہلے دن بھر کے کچھ واقعات پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ اس طرح اس نے ایک نیا فلورنتینو آریزا دریافت کیا' جس سے اس سے پہلے وہ نا آشنا تھی۔ ایک ایسا شخص جس کے پاس وہ بصیرت تھی جو کسی بھی طرح اس کے جوانی کے بے قرار عشقیہ خطوط یا اس کی پوری زندگی کے اداس برتاؤ سے میل نہیں کھاتی تھی۔ یہ الفاظ ایک ایسے شخص کے تھے' جو آنٹی ایسکولاستیکا کے الفاظ میں روح القدس کے زیر اثر تھا اور اس سوچ نے اس وقت بھی اس کو اسی قدر حیران کیا جتنا اس نے پہلی بار کیا تھا۔ بہر حال' جس بات نے اس کو سب سے زیادہ تسلی دی وہ یہ یقین تھا کہ ایک دانا بوڑھے آدمی کی طرف سے لکھا ہوا یہ خط میت کے لیے کی گئی شب بیداری کے وقت کی گئی بے ہودگی کو دہرانے کی کوشش نہیں تھا' بل کہ یہ ماضی کو مٹا ڈالنے کا ایک نہایت شریفانہ طریقہ تھا۔

بعد میں آنے والے خطوط نے اسے مکمل طور پر پرسکون کر دیا۔ وہ ان میں اپنی بڑھتی ہوئی دلچسپی کے ساتھ پڑھنے کے بعد انھیں جلا ڈالتی تھی۔ اگرچہ ان کو جلانے کے بعد اس میں نہ ختم ہونے والا احساس گناہ پیدا ہو جاتا تھا' چناں چہ جب ان پر نمبر شمار کا اندراج ہونے لگا' تو اس نے اس اخلاقی جواز کو پا لیا جو

ان کو ضائع نہ کرنے کے لیے وہ عرصے سے ڈھونڈ رہی تھی۔ شروع میں اس کی نیت یہ تھی کہ وہ انھیں اپنے لیے محفوظ نہیں رکھ رہی بل کہ وہ کسی موقع کا انتظار کرے گی جب وہ یہ خطوط فلورنتینو آریزا کو واپس کر سکے تاکہ وہ چیز جو اس قدر انسانی عظمت کی حامل ہے ضائع نہ ہو سکے۔ مشکل یہ ہوئی کہ وقت گزرتا رہا اور خطوط کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ پورے سال میں تین چار روز بعد ایک خط اور اسے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ انھیں کس طرح واپس کرے کہ یہ توہین بھی نہ لگے جو وہ اب نہیں کرنا چاہ رہی تھی اور اسے کسی خط میں ہر شے کی وضاحت بھی نہ کرنی پڑے کی اس کا غرور اسے ایسی کسی تحریر کے لکھوانے میں حائل تھا۔

وہ پہلا سال اس کے لیے اپنی بیوگی کی حالت سے سمجھوتہ کرنے کے لیے کافی تھا۔ اپنے شوہر کی مصفا یادیں اب اس کے لیے روزمرہ کے معمولات ذاتی سوچوں سادہ ترین ارادوں میں اب رکاوٹ نہیں رہیں بل کہ ایک ایسی ہوشیار موجودگی بن گئیں جو اس کی راہ نمائی کرتی تھیں مگر اس کو روکتی نہیں تھیں۔ جس موقع پر اسے واقعی اس کی ضرورت ہوتی وہ اس سے مل لیتی کسی آسیب کی صورت نہیں بل کہ گوشت پوست کے انسان کے روپ میں۔ یہ یقین اس کی ہمت بڑھاتا تھا کہ وہ ابھی بھی وہیں موجود ہے زندہ مگر اپنی مردانہ ترنگ اپنے بزرگانہ مطالبات اور اس بے پناہ ضرورت کہ وہ اس سے بے موقع بوسوں اور نرم الفاظ کے ساتھ اسی طرح پیار کرے جیسے وہ اس سے کرتا تھا کے بغیر موجود تھا۔ وہ اب اسے اس وقت کی نسبت جب وہ زندہ تھا زیادہ بہتر طریقے سے جاننے لگی تھی۔ وہ اب اس کی محبت کے لیے آرزومندی کو سمجھنے لگی تھی وہ اس میں فوری طور پر اس تحفظ کو ڈھونڈتا تھا، جو اس کی سماجی زندگی کا محور تھا مگر درحقیقت یہ کبھی بھی اسے حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ ایک دن اپنی مایوسی کی انتہا میں وہ اس پر چلائی تھی ''تم نہیں سمجھتے میں کس قدر ناخوش ہوں۔'' بغیر پریشان ہوئے اس نے مخصوص انداز میں اپنا چشمہ اتارا اپنی بچوں جیسی آنکھوں کو شفاف پانی سے بھگو دیا اور ایک واحد فقرے سے اس کو اپنی ناقابل برداشت دانائی کے بوجھ سے دوہرا کر دیا۔ ''ہمیشہ یاد رکھو ایک اچھی ازدواجی زندگی میں سب سے اہم بات خوشی نہیں بل کہ اس کا استحکام ہے۔'' اپنی بیوگی کی اولین تنہائی میں وہ یہ سمجھ چکی تھی کہ اس فقرے میں وہ ملعون دھمکی پوشیدہ نہیں تھی جس کا مفہوم اس نے اس وقت سمجھا تھا بل کہ وہ مقناطیس تھا جس کی وجہ سے انھیں بہت سے پرمسرت لمحات میسر آئے تھے۔

مختلف ملکوں میں اپنے بہت سے سیاحی دوروں کے دوران میں فرمینا دازا ہر وہ شے خرید لیتی جو اپنی جدت کی بنا پر اس کی توجہ حاصل کر لیتی تھی۔ اسے ان چیزوں کی ایک قدیم ترنگ کے ساتھ خواہش

رہتی' اور اس کا شوہر ان کی عقلی توجیہہ ڈھونڈ نکالتا تھا۔ یہ وہ خوبصورت اور مفید اشیا ہوتیں جو اس وقت تک خوبصورت رہتیں جب کہ وہ اپنی حقیقی آب وہوا میں ہوتیں۔ مگر وہ یہاں کی آزمائش کا مقابلہ نہیں کر سکتیں تھیں۔ جہاں' سائے میں بھی درجہ حرارت ۹۰ ڈگری تک ہوتا تھا۔ چناں چہ وہ نصف درجن کے قریب پالش شدہ دھات سے بنے' تانبے کے تالوں اور کونوں اور سجے ہوئے تابوتوں کی طرح کے بڑے ٹرنکوں کے ہمراہ واپس لوٹتی اور وہ دنیا کے جدید ترین عجائبات کی مالک ہوتی۔ جن کی قیمت سونے کی مطابقت سے نہیں بل کہ اس لمحہ گریزاں میں پنہاں ہوتی جب اس کی مقامی دنیا کا کوئی شخص انھیں پہلی بار دیکھتا۔ کیوں کہ وہ اسی لیے لائے جاتے تھے کہ دوسرے لوگ انھیں دیکھ سکیں۔ وہ اپنے بارے میں غیر سنجیدہ ہونے کے سماجی تاثر سے' اپنے بڑھاپے میں داخل ہونے سے کافی عرصہ قبل آگاہ ہو گئی تھی اور اکثر اسے گھر میں یہ کہتے ہوئے سنا جاتا۔ "ہمیں ان تمام ٹرنکوں سے چھٹکارا پانا پڑے گا۔ گھر میں پاؤں تک دھرنے کی جگہ نہیں رہی ہے۔" ڈاکٹر اربینو اس کی ان بے فائدہ کوششوں پر ہنس پڑتا۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ یہ جگہیں صرف دوبارہ بھری جانے کے لیے خالی کی جا رہی ہیں مگر وہ اصرار کرتی کیوں کہ یہ صحیح تھا کہ گھر میں کسی بھی اور شے کے لیے جگہ نہیں رہتی تھی اور کہیں بھی پڑی ہوئی یہ چیزیں کسی کام کی نہیں ہوتی تھیں۔ دروازے کی کنڈیوں سے لٹکی ہوئی قمیص اور نہ ہی کچن کی الماریوں میں ٹھنسے ہوئے یورپی سرما کے لیے بنے ہوئے اوورکوٹ۔ چناں چہ کسی صبح جب وہ بیدار ہوتی' اور اس کا مزاج زوروں پر ہوتا تو وہ کپڑوں کی الماریاں تلپٹ کر دیتی' ٹرنک خالی کر دیتی' اٹاری کو اجاڑ دیتی' اور کپڑوں کے گٹھڑوں کو جواب تک بہت زیادہ دیکھے جا چکے تھے' ان ہیٹوں کے' جو اس نے اس لیے کبھی نہیں پہنے تھے کیوں کہ فیشن میں ہونے کے باوجود انھیں پہننے کا کوئی موقع ہی نہیں ملا تھا' یورپی فنکاروں کے' ملکاؤں کے تاج پوشی کے موقع پر پہنے گئے جوتوں کی نقالی میں بنائے گئے جوتوں' جنھیں یہاں کی اعلیٰ نسب کی بیگمات اس لیے ناپسند کرتی تھیں کیوں کہ وہ ان جوتوں سے مشابہ تھے جنھیں سیاہ فام عورتیں مارکیٹ سے خرید کر گھروں میں پہنتی تھیں' کو علاحدہ کرنے کی جنگ کا آغاز کر دیتی۔ پوری صبح اندروالے چبوترے پر ہنگامی کیفیت کا ساسماں ہوتا' اور گھر میں کپڑے چاٹنے والے کیڑوں کے لیے جراثیم کش گولیوں کی وجہ سے آنے والے تلخ بو کے جھونکوں کی وجہ سے سانس لینا محال ہو جاتا۔ مگر کچھ ہی گھنٹوں بعد گھر میں نظم وضبط بحال ہو جاتا' کیوں کہ وہ بالآخر فرش پر اس قدر بکھرے ہوئے ریشم' اتنے زیادہ بچے کھچے بروکیڈ کے بے کار ٹکڑوں کا جنھیں آگ میں جھونک دیا جاتا تھا' پر رحم کھا لیتی۔

وہ کہا کرتی: ''جب بہت سارے لوگوں کو کھانے کے لیے کافی اناج بھی میسر نہیں ہے'ان چیزوں کو جلا ڈالنا گناہ ہے۔''

چناں چہ ان کا جلایا جانا ملتوی کر دیا جاتا اور یہ التوا ہمیشہ برقرار رہتا اور صرف یہ ہوتا کہ ان چیزوں کو ان کی نمایاں جگہ سے ہٹا کر اصطبل میں منتقل کر دیا جاتا جو اب ان بچی کھچی چیزوں کے لیے ایک گودام میں تبدیل ہو چکا تھا۔ جب کہ وہ جگہیں جنھیں یہ چیزیں ہٹا کر خالی کیا جاتا'اس کی پیش گوئی کے عین مطابق'دوبارہ بھرنا شروع ہو جاتیں'ان چیزوں سے چھلکنا شروع ہو جاتیں جنھیں بس کچھ ہی دیر کے لیے استعمال کیا جاتا اور پھر ان الماریوں میں فنا ہونے کے لیے چھوڑ دیا جاتا: یہاں تک کہ ایسا ہی ایک اور موقع آ جاتا: وہ کہا کرتی: ''کسی کو ان چیزوں کے بارے میں کچھ ایجاد کرنا چاہیے' جنھیں ہم اب استعمال بھی نہیں کر سکتے مگر پھر بھی جنھیں باہر پھینکا بھی نہیں جا سکتا۔'' یہ بات صحیح تھی: وہ ان چیزوں کے اس حریصانہ پن سے ہراسان ہو جاتی تھی، جس کے ساتھ یہ رہنے کی جگہوں پر ہلہ بولتی رہتیں' آدمیوں کے لیے جگہ کی گنجائش کم کر کے انھیں کونے کھدروں پناہ لینے پر مجبور کر دیتیں اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا جب تک کہ فرمینا دازا انہیں اپنی نظروں سے اوجھل نہ کر دیتی۔ اس لیے' کہ وہ اس قدر منظم نہیں تھی جتنا کہ لوگ اسے سمجھتے تھے' مگر ایسا دکھائی دینے کے لیے اس کا اپنا ایک شکستہ انداز تھا: وہ انتشار کو چھپاتی تھی۔ جس روز جووینل اربینو مرا انھیں اس کی آدھی مطالعہ گاہ کو خالی کر کے چیزوں کو خواب گاہوں میں ڈھیر کرنا پڑا، تا کہ وہاں میت رکھنے کی جگہ بنائی جا سکے۔

اس گھر سے موت کا گزر اپنے ہمراہ اس مسئلے کا حل لے آیا۔ جب وہ ایک بار اپنے شوہر کے کپڑے جلا چکی اور اس نے محسوس کیا کہ اس دوران میں اس کے ہاتھ ذرا بھی نہیں لرزے تو اسی لہر پر سوار'اس نے مخصوص وقفوں کے بعد آگ جلانے کا عمل جاری رکھا' جس میں وہ نئی پرانی ہر شے جھونکتی گئی۔ اس نے امیروں کے ان پر رشک کا خیال کیا اور نہ ہی اس نے ان غریبوں کے جذبۂ انتقام کی پرواہ کی جو بھوک سے مر رہے تھے۔ آخر میں اس نے اس آم کے درخت کو اس کی جڑوں سمیت کٹوا دیا' یہاں تک کہ بدقسمتی کی اس علامت کی کوئی چیز بھی باقی نہیں رہی اور اس نے اس زندہ طوطے کو شہر کے عجائب گھر کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد ہی اس نے اس گھر میں آزادی کا سانس لیا۔ جس طرح کے گھر کا وہ خواب دیکھتی آئی تھی: وسیع آرام دہ اور سارے کا سارا اس کا اپنا۔

اس کی بیٹی اوفیلیا اس کے ہمراہ تین ماہ گزارنے کے بعد نیو اورلینز واپس چلی گئی۔ اس کا بیٹا

اتوار کے روز اپنی فیملی سمیت اس کے ساتھ آ کر دوپہر کا کھانا کھاتا اور اس کے علاوہ بھی ہفتے میں جتنی بار ممکن ہوتا' وہ اس کے ہاں چکر لگا لیتا ۔ جب ایک بار اس نے اپنی ماتمی کیفیت پر قابو پا لیا تو اس کی سہیلیوں نے بھی اس کے پاس آنا جانا شروع کر دیا ۔ وہ صحن کے رخ پر بیٹھ کر تاش کھیلتیں ۔کھانا بنانے کی نئی نئی ترکیبوں کا تجربہ کرتیں' وہ اس حریص دنیا کی پوشیدہ زندگی کے بارے میں تازہ ترین باتوں سے اس کو آگاہ کرتیں' جو اس کے بغیر بھی ویسے ہی رواں دواں تھی ۔قدیم گھرانوں کی اشرافیہ لوکر سیا ڈیل ریبل اونسپو ہمیشہ سے اس کی سب سے گہری دوست رہی تھی' اور جووینل اربینو کی موت کے بعد وہ اس کے مزید قریب آ گئی تھی ۔ جوڑوں کے درد سے اکڑی ہوئی اور اپنی من موجی زندگی پر پچھتاتی رہنے والی، لوکر سیا ڈل ریل نے نہ صرف ان دنوں اسے اپنی بہترین رفاقت مہیا کی بلکہ وہ اس سے ان سماجی اور سیکولر منصوبوں کے بارے میں بھی صلاح مشورہ کرتی رہتی جن کا اہتمام ان دنوں شہر میں کیا جا رہا تھا' اور اس بنا پر اس نے پہلی بار اپنے شوہر کی حفاظتی پرچھائیں کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اپنے آپ کو مفید محسوس کرنا شروع کر دیا ۔مگر اس کے باوجود اس کی شناخت پہلے کی نسبت کہیں زیادہ اب اس کے حوالے سے کی جانے لگی تھی اور اب اسے اس کی دوشیزگی کے نام سے نہیں' بیوہ اربینو کے نام سے جانا جانے لگا تھا ۔

یہ سب ناقابل یقین لگتا تھا مگر جیسے جیسے اس کے شوہر کی پہلی برسی قریب آتی گئی اس نے خود کو ایسی جگہ داخل ہوتے محسوس کیا جو سایہ دار' ٹھنڈی اور خاموش تھی: جیسے کسی بے درماں کے لیے ایک کنج ۔وہ ابھی تک اس بات سے آگاہ نہیں تھی اور نہ ہی اگلے کئی مہینوں تک اس نے اس بات سے باخبر ہونا تھا کہ فلورنتینو آریزا کی غور و فکر پر مبنی تحریروں نے اس کے ذہنی سکون کو بحال کرنے میں کس قدر مدد کی ہے ۔یہ اس کے خطوط ہی تھے جن کی روشنی میں' جب اس نے اپنے ذاتی تجربات کو دیکھا تو اسے اپنی زندگی کو سمجھنے اور ڈھلتی عمر کے منصوبوں کا پورے وقار کے ساتھ انتظار کا سلیقہ سمجھایا ۔یادگاری عشائے ربانی کے موقع پر اس کی ملاقات، اس کے لیے خدا کی طرف سے دیا گیا ایک موقع تھا کہ وہ فلورنتینو آریزا کو باور کرا سکے کہ وہ بھی اس کے حوصلہ دینے والے خطوط کے لیے، اس کی شکرگزار اور ماضی کو بھول جانے کے لیے تیار ہے ۔

دو روز بعد اسے اس کی جانب سے ایک مختلف قسم کا خط موصول ہوا: یہ لنن کے کاغذ پر ہاتھ سے لکھا ہوا خط تھا' اور لفافے کی پشت پر اس کا پورا نام واضح طور پر لکھا ہوا تھا ۔یہ اس کے پرانے خطوں کی طرح کا آرائشی طرز تحریر تھا ۔وہی غنائیت' مگر یہ سب کچھ ایک سادہ سے پیراگراف میں سموئی ہوئی تھی ۔ جس میں اس روز کیتھڈرل میں اس کی طرف سے تسلیمات کی عنایت پر شکریے کا اظہار کیا گیا تھا ۔اس

خط کے پڑھنے کے کئی روز بعد تک فرمینا دازا پریشان کن یادوں میں گھری اس کے بارے میں سوچتی رہی مگر اس کا ذہن اس قدر صاف تھا کہ اگلی جمعرات اس نے لوکرسیا ڈیل ریئل اوبنسپو سے اچانک پوچھا کہ آیا وہ دریائی کشتیوں کے مالک فلورنٹینو آریزا کو جانتی ہے۔ لوکرسیا نے بتایا وہ جانتی ہے: ''وہ ایک آوارہ خبیث روح لگتا ہے۔'' اس نے عام طور پر اس کے بارے میں مشہور باتوں کو دہرایا کہ اتنی بڑی آسامی ہونے کے باوجود کوئی عورت اس کے ساتھ نہیں رہی اور یہ کہ اس کا ایک خفیہ دفتر ہے' جہاں وہ ان لڑکوں کو لے کر جاتا ہے' جنھیں وہ رات کے وقت بندرگاہ سے اپنے دام میں گرفتار کرتا ہے۔ فرمینا دازا نے بہت مدت سے یہ کہانی سن رکھی تھی اور اس نے اس پر یقین کیا تھا اور نہ کبھی اسے کوئی اہمیت دی تھی۔ مگر جب اس لوکر ریئل ڈیل اوبنسپو نے' جس کی اپنی عجیب وغریب دلچسپیوں کے بارے میں بھی ایک بار افواہیں عام ہوئیں تھیں' اس قدر یقین سے اس بات کو دہرایا' تو اس میں مزید خواہش پیدا ہوئی کہ اس معاملے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرے۔ اس نے کہا کہ وہ فلورنٹینو آریزا کو' اس کے لڑکپن کے زمانے سے جانتی ہے۔ اس نے اسے یاد دلایا کہ اس کی ماں کی دریچوں والی گلی میں معمولی اشیا کی ایک دکان تھی اور وہ پرانی قمیصوں اور چادروں کو بھی خریدتی تھی جنھیں وہ ادھیڑ کر' خانہ جنگی کے دوران میں پٹیاں بنا کر فروخت کرتی تھی اور اس نے پورے اعتماد کے ساتھ اپنی بات کو ختم کرتے ہوئے کہا! وہ ایک باعزت شخص ہے۔'' اس نے یہ باتیں اس قدر شدت سے کیں کہ لوکرسیا کو اپنے الفاظ یوں واپس لینے پڑے ''اب جب کہ سب کچھ کہا سنا جا چکا ہے' لوگ اسی طرح کی باتیں میرے بارے میں بھی کرتے ہیں۔'' فرمینا دازا کو خود سے یہ سوال کرنے کی ذرا بھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ وہ اس قدر جذباتی انداز میں اس شخص کا دفاع کیوں کر رہی ہے' جس کی اس کی زندگی میں ایک پرچھائیں سے زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ اس نے اس کے بارے میں سوچنا جاری رکھا' خاص طور پر اس وقت جب وہ ڈاک وصول کرتی اور اس میں اس کا کوئی اور خط نہ ہوتا۔ خاموشی کے دو مزید ہفتے گزر گئے' جب اس کی ایک خادمہ نے اسے قیلولے کے وقت ایک خبردار کرتی ہوئی سرگوشی سنا کر جگایا۔

''سینورا۔'' اس نے کہا۔ ''ڈون فلورنٹینو آئے ہیں''

وہ وہاں موجود تھا۔ فرمینا دازا کا پہلا ردعمل گھبراہٹ کا تھا۔ اس نے سوچا کہ نہیں' اسے کسی اور دن کسی زیادہ موزوں وقت آنا چاہیے' وہ اس وقت ملاقاتیوں سے ملنے کی حالت میں نہیں تھی۔ اس کے پاس گفتگو کے لیے کوئی موضوع نہیں تھا مگر اس نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا اور اسے کہا کہ وہ اسے ڈرائنگ

روم بٹھائے اوراس کے لیے کافی لے جائے ۔اس دوران میں وہ اس سے ملاقات کے لیے تیار ہوتی رہی'فلورنٹینو آریزا اس کے گلی کے دروازے پر تین بجے کے جلتے ہوئے سورج کے جہنم میں کھڑا ،مگر صورتحال پر مکمل طور پر مختار'اس کا منتظر تھا۔ وہ اس بات کے لیے تیار تھا کہ اس کو اندر نہیں بلایا جائے گا چاہے اس کے لیے کوئی خوش اخلاق عذر ہی کیوں نہ پیش کر دیا جائے اور یہی یقین اسے پرسکون رکھے ہوئے تھا۔مگر اس کے پیغام کی قطعیت نے اس کے وجود کو سر سے پاؤں تک ہلا دیا اور جب وہ ڈرائنگ روم کے ٹھنڈے سایوں میں جانے لگا'تو اس کے پاس خود پر گزرتے ہوئے اس معجزانہ تجربے کے بارے میں سوچنے کے لیے کوئی وقت نہیں رہا تھا' کیوں کہ اس کی آنتیں اچانک ایک دردانگیز جھاگ کے ساتھ کراہ اٹھیں ۔وہ اپنا سانس روک کر بیٹھ گیا'اپنے پہلے عشقیہ خط پر گرنے والی پرندے کی بیٹ کی ملعون یاد سے دہشت زدہ'اس سایہ دار تاریکی میں اس وقت وہ اس غیر منصفانہ بدقسمتی کے سوا کسی بھی حادثے کے لیے تیار تھا۔

وہ اپنے آپ سے بخوبی واقف تھا۔اپنی گزشتہ زندگی میں اپنی پیدائشی قبض کے باوجود'اس کا پیٹ دوسرے لوگوں کی موجودگی میں تین چار مرتبہ اس سے دغا کر چکا تھا ۔اوران تین چار موقعوں پر اسے ہار ماننا پڑی تھی ۔صرف ان مواقع اور ایسی ہی جلدی کے کچھ دوسرے موقع پر'اسے ان الفاظ کی صداقت کا احساس ہوا جنھیں وہ مذاق میں دہرایا کرتا تھا۔''میں خدا پر یقین نہیں رکھتا'پر مجھے اس سے خوف آتا ہے۔'' اس کے پاس شک کرنے کا وقت نہیں رہ گیا تھا۔اس نے کوئی دعا یاد کرنے کی کوشش کی مگر اس کے دماغ میں کوئی ایک دعا بھی نہ آسکی ۔جب وہ ایک لڑکا تھا'تو ایک دوسرے لڑکے نے اسے کسی پرندے کو پتھر سے شکار کرنے کے لیے کچھ جادوئی داؤ سکھائے تھے''نشانہ لیا'نشانہ لیا'ٹھیک جالگا۔اگر یہ نشانہ خطا ہو گیا!تو اس کا دوش مجھ پر نہیں ہے۔''جب وہ پہلی بار دیہات میں نئی غلیل کے ساتھ گیا تو اس نے اسے آزمایا اور پرندہ گر کر مر گیا۔پریشانی کے عالم میں اس نے سوچا کہ کسی ایک شے کا تعلق دوسری سے بھی ہوتا ہے'اور اس نے ایک دعا کے سے خشوع کے ساتھ اس کلیے کو دہرایا'مگر اس سے اس کو مطلوبہ نتائج نہ مل سکے۔اس کی آنتوں میں کسی سپرنگ کے الجھاؤ کی طرح کی ایک لہر نے اسے اس کی نشست سے اٹھا دیا ۔اس کی آنتوں میں اٹھتی'جھاگ زیادہ گہری اور دردانگیز ہوتی گئی'پھر یہ جھاگ بڑبڑاتے ہوئے چلائی اور وہ پسینے میں نہا گیا۔کافی لانے والی خادمہ اس کا لاش جیسا چہرہ دیکھ کر خوف زدہ ہو گئی۔اس نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔''یہ گرمی کی وجہ سے ہے۔''اس نے یہ سوچتے ہوئے کھڑکیاں کھول دیں کہ اس سے وہ

نسبتاً زیادہ آرام وہ محسوس کرے گا۔مگر سہ پہر کے سورج کی شدید تمازت اس کے چہرے سے ٹکرائی اور اسے کھڑکیاں دوبارہ بند کرنا پڑیں۔وہ جانتا تھا کہ وہ مزید ذرا سی دیر کے لیے بھی اسے خارج ہونے سے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا اور اسی لمحے فرمینا دازا اندر داخل ہوئی۔تاریکی میں تقریباً ''نہاں'' اور اسے اس حالت میں دیکھ کر دہشت زدہ۔

''تم چاہو تو اپنی جیکٹ اتار دو۔'' اس نے اس سے کہا۔

وہ اپنی آنتوں کی پنجہ آزمائی کی نسبت اس خیال سے زیادہ پریشان تھا کہ کہیں وہ اس کی آنتوں کی گڑگڑاہٹ نہ سن لے۔مگر اس نے مزید ایک لمحے کے لیے اس کو برداشت کیا تاکہ وہ اسے یہ کہہ سکے کہ نہیں، وہ محض یہاں سے گزرتے ہوئے اس سے یہ پوچھنے کے لیے آ گیا تھا کہ وہ اس سے کب مل سکتا ہے۔پریشانی کے عالم میں، اب تک کھڑی ہوئے فرمینا دازا نے کہا: ''ٹھیک ہے۔اب تم یہاں ہو۔'' اور اس نے اسے صحن میں ٹیرس کی طرف چلنے کی دعوت دی، جہاں اس وقت ٹھنڈک ذرا زیادہ تھی۔ اس نے ایک ایسی آواز میں اسے انکار کیا، جو اسے دکھ کی کراہ کی طرح لگی۔

''میں درخواست کرتا ہوں، کہ ہم کل مل لیں۔'' اس نے کہا۔

اسے یاد آیا کہ اگلے روز جمعرات تھی، جس دن لوکر سیاپل رئیل ڈیل بنسپو باقاعدگی سے اس سے ملنے آتی تھی مگر اس کے پاس اس کا ایک قطعی حل موجود تھا، پرسوں پانچ بجے۔''فلورنتینو آریزا نے اس کا شکریہ ادا کیا، اپنا ہیٹ اتار کر عجلت میں اسے الوداع کہا اور کافی پیچھے بغیر وہاں سے نکل گیا۔وہ ڈرائنگ روم کے وسط میں پریشان کھڑی رہی، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ابھی کیا واقعہ رونما ہوا ہے یہاں تک کہ اس کی گاڑی کی آواز گلی کے موڑ تک پہنچتے ہوئے مدھم ہوتی گئی۔پھر فلورنتینو آریزا نے اپنی آنکھیں بند کیں۔ اپنے پٹھوں کو ڈھیلا کیا، اور خود کو اپنے جسم کی خواہش کے حوالے کر دیا۔یہ ایسا ہی تھا جیسے وہ نئے سرے سے پیدا ہو رہا ہو۔ڈرائیور جو اتنے سالوں سے اس کی ملازمت میں ہونے کی وجہ سے اب کسی بھی بات پر حیران نہیں ہوتا تھا، بغیر کسی حسیاتی تغیر کے بیٹھا رہا مگر جب اس نے اس کے گھر کے سامنے اس کے لیے دروازہ کھولا، تو اس نے کہا۔

''ڈون فلورو، احتیاط کریں۔یہ ہیضہ لگتا ہے۔''

مگر یہ اس کی معمول کی بیماری تھی۔فلورنتینو آریزا نے خدا کا شکر ادا کیا جب جمعہ کو ٹھیک پانچ بجے خادمہ اسے ڈرائنگ روم کی تاریکی سے گزار کر صحن میں نئے ٹیرس کی طرف لے گئی، وہاں اس نے میز

پر فرینادازا کو بیٹھے ہوئے پایا۔ فرینادازا نے پوچھا کہ وہ چائے' چاکلیٹ یا کافی میں سے کیا لینا پسند کرے گا۔ فلورنٹینو آریزا نے اسے نہایت تیز اور گرم کافی کے لیے کہا اور اس نے خادمہ کو ہدایت دی "میرے لیے ویسی ہی لے آؤ جیسے میں پیتی ہوں۔" معمول کی یہ چائے مختلف اورینٹل اقسام کی چائے کا تیز امتزاج ہوتی تھی' جو قیلولے کے بعد اس کی مستعدی کو بڑھا دیتی تھی۔ جس وقت تک اس نے ٹی پاٹ اور اس نے کافی پاٹ ختم کر لیا' وہ دونوں کئی بار گفتگو کے مختلف موضوعات میں دلچسپی کا سلسلہ شروع کر کے توڑ چکے تھے۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ واقعتاً ان موضوعات میں دلچسپی رکھتے تھے' بلکہ وہ ان دوسرے موضوعات سے احتراز کرنا چاہ رہے تھے جنھیں ان دونوں میں سے کوئی بھی چھیڑنا نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ دونوں خوفزدہ تھے۔ وہ دونوں یہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ وہ اپنی جوانی کے دنوں سے اس قدر دور' ایک ایسے گھر میں جوان دونوں میں سے کسی کا بھی نہیں تھا اور جس میں اب تک قبرستان سے لائے گئے پھولوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی' اس کی شطرنجی ٹائلوں والے ٹیرس پر بیٹھے' وہ کیا کر رہے تھے۔ نصف صدی میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ایک دوسرے کے اس قدر قریب بیٹھے تھے اور کچھ اطمینان کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے اور وہ دونوں ایک دوسرے کو ویسے ہی نظر آ رہے تھے' جیسے کہ وہ تھے: دو بوڑھے' موت جن کی گھات میں تھی۔ جن کے پاس ایک سریع الزوال ماضی کے سوا اور کچھ مشترک نہیں تھا۔ یا ماضی بھی اب ان کا نہیں رہا تھا' بلکہ ان دو نوجوان دلوں کا تھا' جو اب مٹ چکے تھے اور ان کی عمروں کے لوگ اب ان کے پوتوں کی جگہ ہو سکتے تھے۔ فرینا نے سوچا کہ بالآخر وہ اپنے خواب کے غیر حقیقی ہونے کے بارے میں قائل ہو جائے گا اور اس طرح ممکن ہے کہ اس کی' کی گئی توہین کا احساس بھی زائل ہو جائے۔

کسی مضطرب سکوت اور ان چاہے موضوعات سے بچنے کے لیے وہ اس سے دریائی کشتیوں کے بارے میں جانے پہچانے سوالات کرتی رہی۔ یہ بات ناقابل یقین لگتی تھی کہ وہ جوان کشتیوں کا مالک تھا' اس نے صرف ایک بار دریائی سفر اختیار کیا تھا۔ بہت برسوں قبل جب اس کا اس کمپنی سے کوئی تعلق بھی نہیں تھا۔ وہ بھی دریا کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی۔ اس کے شوہر کو اینڈیز پہاڑی سلسلے کی ہوا سے کراہت محسوس ہوتی تھی۔ جن کو وہ مختلف عذر اور خواہشوں سے چھپاتا تھا: بلندی پر جانے کے بعد دل کو لاحق خطرات' نمونیا کا خدشہ' لوگوں کا دوغلا پن' مرکزیت پرستی کی ناانصافیاں وغیرہ۔ اور اگرچہ وہ نصف دنیا دیکھ چکے تھے' مگر انھیں اپنے ملک کے بارے میں معلومات نہیں تھیں۔ ان دنوں سمندر پر پرواز کرنے والا ایک جہاز ہوتا تھا' جو میگدالینا کے طاس پر ایک قصبے سے دوسرے قصبے تک کسی ایلومینیم

کے بڈے کی طرح اڑتا رہتا تھا۔اس میں عملے کے دو ارکان' چھ مسافر اور ڈاک کی بہت سی بوریاں ہوتی تھیں۔فلورنتینو آریزا نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:''یہ کسی اڑتے ہوئے کفن کی طرح ہے۔'' وہ غبارے کی اولین پرواز پر سفر کر چکی تھی اور ذرا بھی خوفزدہ نہیں ہوئی تھی۔مگر وہ اس بات پر مشکل ہی سے یقین کرتی تھی کہ یہ وہی تھی جس نے اس مہم جوئی کا خطرہ مول لیا تھا۔اس نے کہا:''وقت بدل چکا ہے۔'' مطلب یہ کہ وہ خود تھی' جو بدل چکی تھی' نہ کہ نقل وحمل کے ذرائع۔

بعض اوقات ہوائی جہازوں کی آواز اسے ششدر کر دیتی تھی۔اس نے نجات دہندہ کی موت کی صد سالہ برسی کے موقع پر انھیں نیچی پرواز اور فضائی کرتب کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ان میں سے ایک کسی بڑے شکرے کی طرح سیاہ' لامنگا کے مکانوں کی چھتوں کو تقریباً چھوتا ہوا گزرا۔اس کا ایک پر' قریبی درخت میں پھنس گیا اور وہ خود بجلی کی تاروں میں جا الجھا مگر یہ واقعہ بھی فرمینا دازا کو ہوائی جہازوں کی موجودگی کے بارے میں قائل نہیں کر سکا تھا' یہاں تک کہ حالیہ برسوں میں' خلیج منزانیلو جانے کی تحریک بھی پیدا نہیں ہوئی تھی' جہاں پولیس کی لانچوں کے ماہی گیروں کو خبردار کر کے پرے کر کے اور روز بہ روز بڑھتی ہوئی تفریحی کشتیوں کو ہٹائے جانے کے بعد' پانی پر سمندری ہوائی جہاز اتارے جاتے تھے جب چارلس لنڈبرغ اپنی خیر سگالی پرواز پر وہاں آیا تھا تو اس کی بزرگی کی بنا پر اسے اس کا پھولوں سے استقبال کرنے کے لیے منتخب کیا گیا تھا اور وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہی کہ کس طرح ایک شخص جو اس قدر دراز قد اور وجیہہ تھا' ایک ایسی عجیب چیز میں داخل ہو سکتا تھا جو لگتا تھا کسی ٹل کھاتے ہوئے ٹن سے بنائی گئی ہو۔اسے جسے زمین سے اڑنے کے لیے دو مکینکوں کو اس کی دم کی طرف سے دھکیلنا پڑتا تھا۔اس کے دماغ میں یہ بات نہیں آسکی کہ ایسے ہوائی جہاز جو زیادہ بڑے نہیں ہوتے تھے' آٹھ آدمیوں کو بٹھا کر پرواز کر سکتے تھے۔اس کے برعکس اس نے سن رکھا تھا کہ دریائی کشتیاں زیادہ خوشگوار ثابت ہوتی تھیں کیوں کہ وہ سمندری دخانی جہازوں کی طرح چکر نہیں کھاتی تھیں۔تاہم ان میں کچھ اور زیادہ خطرات شامل تھے' مثلاً دریائی ریتلے علاقے اور لیٹروں کے حملے۔

فلورنتینو آریزا نے وضاحت کی یہ کسی اور زمانے کی داستانیں ہیں۔آج کل دریائی کشتیوں میں ہوٹل کے کمروں کی طرح وسیع اور پرتعیش بال روم اور کمرے ہوتے ہیں۔نجی غسل خانے اور برقی پنکھے ہوتے ہیں اور پچھلی خانہ جنگی کے بعد سے ان پر کبھی کوئی مسلح حملہ بھی نہیں ہوا تھا۔اس نے ذاتی فتح مندی کے ساتھ اسے یہ بھی بتایا کہ اس ترقی میں کسی اور شے کی نسبت جہاز رانی میں آزادی کا سب

سے بڑا دخل تھا۔ جس کے لیے اس نے بڑی سخت جدو جہد کی تھی اور جس کی وجہ سے باہمی مسابقت کی فضا کو فروغ ملا تھا: ماضی کی طرح اب صرف ایک کمپنی کے بجائے، تین کمپنیاں تھیں، جو بہت متحرک اور منفعت بخش تھیں۔ تاہم ہوابازی کی سرعت کے ساتھ ترقی ان سب کے لیے ایک حقیقی خطرہ تھی، فرمینا داز انے اسے تسلی دینے کی کوشش کی: کشتیاں ہمیشہ موجود ہیں گی کیوں کہ بہت سے لوگ اتنے دیوانے نہیں ہوں گے کہ وہ ایسے عجوبے میں سوار ہو جائیں جو اس قدر خلاف فطرت دکھائی دیتا ہو۔ پھر فلورنتینو آریزا نے اس جتن میں کہ وہ اس کے خطوں کے بارے میں بات کرے، ڈاک سروس، ان کی نقل وحمل اور ان کو منزل پر پہنچائے جانے میں ترقی کی بات کی۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔

تاہم کچھ ہی دیر بعد، خود بہ خود ہی اس کا موقع پیدا ہو گیا۔ وہ اس موضوع سے کہیں دور نکل گئے تھے، کہ ایک خادمہ نے فرمینا داز ا کو ایک خط حوالے کرنے کے لیے مداخلت کی، جو خصوصی شہری ڈاک سے ابھی ابھی پہنچا تھا۔ یہ ایک حالیہ جدت تھی جس میں ٹیلی گرام والا طریقہ استعمال ہوتا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اسے اپنے پڑھنے کا چشمہ نہیں مل رہا تھا۔ فلورنتینو پرسکون رہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔'' اس نے کہا'' یہ خط میرا ہے۔'' اور یہ ایسا ہی تھا۔ اس نے اسے ایک روز قبل شدید مایوسی کے عالم میں لکھا تھا، کیوں کہ وہ اپنی پہلی ملاقات کی پریشانی پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ اس خط میں اس نے اس سے اس گستاخی کی معذرت چاہی تھی کہ وہ اس سے پیشگی اجازت لیے بغیر اس سے ملنے چلا آیا تھا اور اس نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اب وہ کبھی نہیں آئے گا۔ اس نے بغیر کچھ سوچے سمجھے اسے ڈاک کے حوالے کر دیا تھا اور جب اس نے اس کے نفس مضمون پر دوبارہ غور کیا، تو وقت نکل چکا تھا۔ اب اسے واپس نہیں لیا جا سکتا تھا مگر اس کا خیال تھا کہ اس کے لیے بہت سی وضاحتیں ضروری نہیں ہیں، اس نے فرمینا داز ا سے محض یہ درخواست کی کہ وہ خط کو نہ پڑھے۔

''یقیناً'' اس نے کہا۔ ''بہر حال خط اسی شخص کی ملکیت ہوتے ہیں جو انھیں لکھتا ہے۔ کیا خیال ہے تمھارا؟''

اس نے ایک جراتمندانہ قدم اٹھایا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' اس نے کہا۔ ''اسی لیے جب کوئی معاشقہ ختم ہوتا ہے تو سب سے پہلے انھیں کو لوٹایا جاتا ہے۔''

اس نے اس کے پوشیدہ معنوں کو نظر انداز کرتے ہوئے خط اسے لوٹا دیا۔ ''افسوس ہے میں

اسے نہیں پڑھ سکتی' آپ کے باقی خطوط نے میری بہت زیادہ مدد کی ہے۔'' وہ اس بات پر حیران ہوا کہ اس نے کس قدر بے ساختگی سے اس سے کہیں بڑھ کر وہ کچھ کہہ دیا تھا، جس کی وہ تمنا کرتا تھا اس نے سکھ کا گہرا سانس لیا۔ اور اس نے کہا'' تم تصور بھی نہیں کر سکتیں کہ یہ جان کر میں کسی قدر خوش ہوا ہوں۔'' مگر اس نے موضوع بدل دیا' اور وہ باقی تمام سہ پہر اس موضوع کو دوبارہ چھیڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

چھے بجے کے بعد جب اس گھر کی بتیاں روشن کی جا رہی تھیں' وہ وہاں سے رخصت ہوا۔ وہ خود کو زیادہ عافیت میں محسوس کر رہا تھا مگر اسے کسی قسم کا مغالطہ بھی نہیں تھا۔ کیوں کہ وہ بیس سال کی عمر میں فرمینا داز ا کی تغیر پذیر شخصیت اور غیر متوقع ردعمل کو فراموش نہیں کر سکتا تھا' اور اس کے پاس کوئی ایسی وجہ نہیں تھی کہ وہ یہ سوچے کہ اس کا رویہ اب بدل چکا ہو گا۔ چناں چہ اس نے نہایت پر خلوص عاجزی سے اس سے یہ پوچھنے کی جسارت کر ڈالی کہ کیا وہ کسی اور روز بھی آ سکتا ہے' اور ایک بار پھر اس کے جواب نے اسے حیران کر دیا۔

''تم جب چاہو' یہاں آ سکتے ہو۔'' اس نے کہا: ''میں تقریباً ہر وقت تنہا ہوتی ہوں۔''

چار دن بعد' جمعرات کے روز' وہ بغیر پیشگی اطلاع کیے وہاں آ گیا۔ اور اس نے یہ بتانے کے لیے چائے کے آنے کا بھی انتظار نہیں کیا کہ اس کے خطوں نے اس کی کس قدر مدد کی تھی۔ اس نے بتایا کہ یہ اپنے خصوصی معنوں میں کوئی خط نہیں تھے' بل کہ اس کتاب کے صفحات تھے جو وہ لکھنا چاہتا تھا۔ وہ بھی انھیں ایسا ہی سمجھتی تھی۔ درحقیقت وہ انھیں اس کو واپس کرنا چاہتی تھی تا کہ ان کا بہتر استعمال کیا جا سکے' مگر اس طرح کہ وہ اسے اپنی توہین نہ سمجھے۔ اس نے بتانا جاری رکھا کہ اس مشکل وقت میں کس طرح انھوں نے اس کی مدد کی' اس قدر جذبے' تشکر اور شاید بے پناہ محبت کے ساتھ کہ فلورنٹینو آریزا نے ایک مزید جرات مندانہ قدم اٹھانے کی ٹھان لی: یہ ایک الٹی چھلانگ تھی۔ ''ہم پہلے ایک دوسرے کو تو کہا کرتے تھے۔'' اس نے کہا۔

''اس سے پہلے'' یہ ایک ممنوعہ لفظ تھا۔ فرمینا داز ا نے ماضی کے موہوم فرشتے کو اپنے آس پاس اڑتے ہوئے محسوس کیا اور اس نے اس راہ سے گریز کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس سے بھی آگے بڑھ گیا: ''اس سے پہلے' میرا مطلب ہے' ہمارے خطوں میں۔'' وہ اس بات کا برا مان گئی' اور اسے بڑی مشکل سے اپنی ناراضگی کو چھپانے کی کوشش کرنا پڑی مگر اس نے بھانپ لیا تھا اور اس نے سوچا کہ اسے ابھی پھونک کر آگے بڑھنا ہو گا۔ اگر چہ اپنی اس غلطی کی وجہ سے اسے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کا مزاج

اپنی جوانی کی طرح اب بھی بہت تند ہے'اس نے اس میں نرمی پیدا کرنا سیکھ لیا تھا۔

''میرا مطلب ہے''اس نے کہا:''کہ یہ خط بہت مختلف ہیں۔''

''دنیا میں ہر شے بدل چکی ہے'اس نے کہا۔

''میں نہیں بدلا۔''اس نے کہا''اور تم؟''

اپنی چائے کے دوسرے کپ کو ہاتھ میں تھامے'اس نے زمانے کے سرد و گرم کو سہارتی ہوئی اپنی آنکھوں کے ساتھ اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا:''اب اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔میری عمر بہتر برس ہونے کو آئی ہے۔''

فلورنتینو آریزا نے عین اپنے دل پر اس دھچکے کو محسوس کیا۔وہ کسی تیر کی طرح سریع اور عین نشانے پر لگنے والے جواب کے لیے بھی تیار تھا مگر اس کی عمر کے بوجھ نے اسے شکست کے احساس سے دوچار کر دیا۔وہ کبھی اس قدر مختصر گفتگو میں اس قدر تھکن کا شکار نہیں ہوا تھا۔اسے اپنے دل میں ٹیسیں اٹھتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور اس کی دھڑکن کے ساتھ اس کی شریانوں میں ایک آہنی بازگشت گونجنے لگی'وہ خود کو بوڑھا' لاچار اور بے کار محسوس کرنے لگا اور چیخ اٹھنے کی شدید کیفیت نے اس سے اس کی قوت گویائی چھین لی۔انھوں نے اندیشوں میں گھری خاموشی کے دوران میں دوسرا کپ ختم کیا۔جب وہ دوبارہ بولی تو وہ خادمہ کو خطوں کا فولڈر لانے کا کہہ رہی تھی۔وہ یہ کہنے ہی والا تھا کہ وہ انہیں اپنے لیے رکھ لے کیوں کہ اس نے ان کی کاربن کا پیاں بنا کر رکھی ہوئی تھیں مگر اس نے سوچا کہ یہ پیش بندی بہت بری لگے گی۔رخصت ہونے سے پہلے اس نے پوچھا کہ کیا وہ اگلے منگل'اسی وقت دوبارہ آ سکتا ہے۔ اس نے جیسے خود سے سوال کیا کہ اسے اس سے متفق ہونا چاہیے یا نہیں۔

''میں نہیں سمجھتی کہ اتنی زیادہ ملاقاتوں کا کیا مقصد ہوگا۔'اس نے کہا۔

''میں نہیں سمجھتا تھا کہ ان کا کوئی مقصد ہونا چاہیے۔'اس نے کہا۔

اور چناں چہ وہ منگل کو پانچ بجے پھر آیا'اور اس کے بعد ہر منگل'اور اس نے اس کو اطلاع کرنے کے دستور کو بھی نظر انداز کر دیا کیوں کہ دوسرے مہینے کے اختتام تک یہ ہفتہ وار ملاقاتیں ان کے معمولات کا حصہ بن چکیں تھیں۔فلورنتینو آریزا چائے کے لیے انگلش بسکٹ'یونانی زیتون اور دوسری نفیس اور لذیذ اشیا لے کر آتا' جنھیں وہ سمندری جہازوں سے حاصل کرتا۔ایک منگل کو'وہ نصف صدی سے بھی قبل کی بلجیئن فوٹوگرافر کی'اس کی اور ہلڈے برانڈا کی کھینچی ہوئی تصویر اس کے پاس لے کر آیا۔جو اس

نے منشی آرکیڈ سے پوسٹ کارڈوں کی فروخت کے ایک موقع پر پندرہ سینٹو کے عوض خریدی تھی۔ فرمینا دازا یہ سمجھنے سے قاصر رہی کہ یہ وہاں تک کیسے پہنچی' جب کہ وہ اس کے بارے میں یہی سمجھتا رہا کہ یہ محبت کا معجزہ ہے۔ ایک صبح جب وہ اپنے باغ میں گلاب کے پھولوں کی تراش خراش کر رہا تھا' فلورنتینو آریزا اپنی اس خواہش کے سامنے مغلوب ہو گیا کہ وہ اپنی اگلی ملاقات کے موقع پر اس کے لیے ایک پھول لے جائے۔ کسی پھول کے لے جانے میں مخفی پیغام اس کے لیے پیچیدہ مسئلہ بن گیا' کیوں کہ وہ ابھی حال ہی میں بیوہ ہوئی تھی۔ ایک سرخ گلاب' جو دہکتے ہوئے جذبات کی علامت ہوتا ہے' ہو سکتا ہے کہ اس حزنیہ کیفیت میں اس کو ناراض کر دے۔ زرد گلاب جو کہ ایک دوسرے معنوں میں خوش بختی کے پھول سمجھے جاتے ہیں' عام طور پر حسد کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ اس نے ترکی کے سیاہ گلابوں کے بارے میں سن رکھا تھا' جو اس موقع پر سب سے زیادہ موزوں ہو سکتے تھے مگر وہ اپنے صحن میں لگانے کے لیے انھیں ابھی تک حاصل نہیں کر سکا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس نے سفید گلاب کو منتخب کر کے پیش کرنے کی ٹھان لی' جو پھیکے اور بے زبان ہونے کی وجہ سے اسے بہت کم پسند آتے تھے: ان میں کوئی پیغام نہیں ہوتا تھا۔ آخری لمحے پر' مبادا فرمینا دازا انہیں کوئی معنی پہنا دے اس نے اس کے کانٹے اس سے علاحدہ کر دیے۔

اس تحفے کو' جس میں کوئی پوشیدہ پیغام نہیں تھا بڑی خوشدلی سے قبول کیا گیا۔ اور منگل کی ملاقات میں ایک مزید رنگ بھر گیا۔ چناں چہ جب وہ وہاں سفید گلاب لیے پہنچتا' میز کے وسط میں پانی بھرا گلدان تیار پڑا ہوتا۔ منگل کے ایک روز جب وہ گلدان میں پھول لگا رہا تھا' اس نے بظاہر اتفاقیہ انداز میں کہا:

''ہمارے زمانے میں کیمیلیا ہوتے تھے' گلاب نہیں۔''

''یہ صحیح ہے'' اس نے کہا: ''مگر اس وقت مقصود کچھ اور ہوتا تھا۔ اور یہ بات تم جانتے ہو۔''

ہمیشہ ایسے ہی ہوتا آیا تھا۔ جب بھی وہ پیش قدمی کرتا' وہ اس کا راستہ روک دیتی مگر اس موقع پر اس کے مستعد جواب کے باوجود' فلورنتینو آریزا نے محسوس کیا کہ اس کا تیر نشانے پر بیٹھ چکا ہے۔ اسے اپنا چہرہ دوسری طرف کرنا پڑا تھا تا کہ وہ اس کو سرخ پڑتا ہوا نہ دیکھ سکے۔ اپنی حیات کی جھلک لیے' یہ ایک فروزاں اور بچگانہ ایسی شفق رنگ لہر تھی جس کی شوخی نے خود اسے ہی پریشان کر دیا۔ فلورنتینو آریزا احتیاط برتتے ہوئے دوسرے بے ضرر موضوعات پر باتیں کرنے لگا مگر اس کی شائستگی اس قدر نمایاں تھی کہ وہ جان گئی کہ وہ پکڑی گئی ہے' اور اس بات نے اسے مشتعل کر دیا۔ یہ ایک منحوس منگل تھا۔ وہ بس اسے یہ کہنے ہی

والی کہ وہ اب یہاں نہ آیا کرے مگر اس عمر میں اور ایسے حالات میں "عاشقوں کی لڑائی" کا تصور اسے اس قدر مضحکہ خیز لگا کہ اس پر ہنسی کا دورہ پڑ گا۔ اگلے منگل' جب فلورنتینو آریزا گل دان میں پھول لگا رہا تھا تو فرمینا دازا نے اپنے ذہن کو کھنگالا اور اسے یہ جان کر بہت مسرت ہوئی کہ وہاں پچھلے ہفتے کی ملاقات میں ہونے والی ناراضگی کا شائبہ تک باقی نہیں رہا تھا۔

اس کی ملاقاتوں نے جلد ہی ایک عجیب سا گھریلو وقار حاصل کر لیا۔ بعض اوقات ڈاکٹر اربینو دازا اور اس کی بیوی اتفاق سے وہاں آ جاتے اور پھر وہاں تاش کھیلنے کے لیے رک جاتے۔ فلورنتینو آریزا کو تاش کھیلنا نہیں آتا تھی مگر فرمینا دازا نے محض ایک ملاقات کے دوران میں ہی اسے یہ کھیل سکھا دیا اور پھر ان دونوں نے اربینو دازا اور اس کی بیوی کو اگلے منگل کے لیے ایک تحریری چیلنج بھیج دیا۔ اس طرح اس کھیل میں شرکت ہر کسی کے لیے اس قدر پر مسرت ثابت ہوئی کہ یہ اس کی ملاقاتوں کی طرح ایک معمول بن گیا اور یہ بھی طے ہو گیا کہ ہر کسی نے کس طرح اس میں اپنا حصہ ڈالنا ہے ڈاکٹر اربینو اور اس کی بہترین مٹھائیاں بنانے والی بیوی' نہایت عمدہ پیسٹریاں لے کر آتے' جو ہر بار پہلے سے مختلف ہوتیں۔ فلورنتینو آریزا نے جہازوں سے لائی گئی نفیس اشیاء لانا جاری رکھا اور فرمینا دازا نے یہ طریقہ اپنایا کہ وہ ہر بار کوئی نئی چیز پیش کر کے انہیں حیران کر دیتی۔ وہ ہر ماہ کے تیسرے منگل کو کھیلتے اور اگرچہ وہ رقم کے ساتھ شرط لگا کر نہیں کھیلتے تھے' تاہم شکست کھانے والے کو اگلی دفعہ کے کھیل کے لیے کوئی بہت خاص چیز لانا پڑتی۔ ڈاکٹر اربینو دازا کے بارے میں لوگوں میں پائے جانے والے عام تاثر اور اس کی شخصیت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اس کی قابلیت محدود تھی' اس کے اطوار بے تکے تھے اور خوشی یا ناراضی کے موقع پر اس کی جلد پھڑ کنے لگتی' اور بے موقع شرماہٹ ہونے لگتی' جس سے اس کے غبی ہونے کا اندیشہ ہونے لگتا مگر اس سے پہلی ملاقات کے بعد ہی' اس بات کا اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ بلاشک وشبہ ایک اچھا آدمی ہے۔ اس کے برعکس' اس کی بیوی زندہ دل تھی اور اس میں ایک نفیس بذلہ سنجی کا عنصر موجود تھا' جو اس کی عزت ووقار میں انسان دوستی کے تاثر کو نمایاں کرتا تھے۔ تاش کھیلنے کے لیے ان سے بہتر جوڑے کی خواہش نہیں کی جا سکتی تھی' اور فلورنتینو آریزا کی' کبھی نہ ختم ہونے والی ضرورت نے اسے اس فریب میں مبتلا کر دیا کہ وہ انھی کے خاندان کا ایک فرد ہے۔

ایک رات' جب وہ اکٹھے گھر سے رخصت ہو رہے تھے' ڈاکٹر اربینو دازا نے اسے اپنے ساتھ لنچ کرنے کی دعوت دی: کل سوشل کلب میں بارہ بجے۔ یہ ایک ایسی بہترین ڈش کی طرح تھا جسے کسی زہریلی

شراب کے ساتھ پیش کیا گیا ہو۔ سوشل کلب میں بہت سی وجوہات کی بنا پر کسی کو بھی اس میں داخل ہونے سے روکا جا سکتا تھا اور ان میں سے سب سے زیادہ اہم کسی کا ناجائز اولاد ہونا تھا۔ چچا لیو ہفتم کو اس بنا پر خاصی دل آزاری کا سامنا کرنا پڑا تھا اور خود فلورنٹینو آریزا کو بھی ایک بار اس ذلت سے دوچار ہونا پڑا تھا' جب وہ اس کے ایک اساسی رکن کے مہمان کی حیثیت سے میز پر بیٹھا تھا اور اسے وہاں سے نکل جانے کے لیے کہہ دیا گیا تھا۔ اس شخص کے لیے فلورنٹینو آریزا نے دریائی تجارت کے سلسلے میں بہت سی پیچ در پیچ نوازشات کیں تھیں' اور اس کے لیے اب کوئی راہ نہیں رہ گئی تھی کہ وہ اسے کہیں اور لے جا کر کھانا کھلائے۔

''ہم میں سے وہ جنھوں نے ان قوانین کو بنایا ہے' ان پر عمل کرنے کی سب سے زیادہ ذمہ داری بھی انھی پر عائد ہوتی ہے۔'' اس نے اس سے کہا۔

پھر بھی فلور فلورنٹینو آریزا نے ڈاکٹر اربینو دازا کے ساتھ وہاں جانے کا خطرہ مول لے لیا۔ ایک خاص تعظیم کے ساتھ اسے وہاں خوش آمدید کہا گیا۔ تاہم اسے معزز مہمانوں والی سنہری کتاب پر دستخط کرنے کی دعوت نہیں دی گئی۔ یہ ایک مختصر سا لنچ تھا' صرف وہ دونوں وہاں تھے اور اس ملاقات کا انداز بہت دھیما تھا۔ اس ملاقات کے بارے میں اندیشے جو پچھلی شام سے فلورنٹینو آریزا کو پریشان کیے ہوئے تھے' اشتہا کے طور پر لی گئی شراب سے ختم ہو گئے۔ ڈاکٹر اربینو دازا اس سے اپنی والدہ کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔ ہر اس بات سے جو اس نے کہی' فلورنٹینو آریزا نے محسوس کیا کہ وہ اپنے بیٹے سے اس کے بارے میں بات کر چکی ہے اور ایک مزید حیران کن پہلو: اس نے اس کے لیے جھوٹ بھی بولا تھا۔ اس نے اسے بتایا تھا کہ وہ دونوں بچپن کے دوست تھے۔ جس وقت سے وہ سان جوان ڈی لا سینگا سے یہاں آئی تھی' وہ اکٹھے کھیلتے رہے تھے اور یہ کہ اس نے اسے مطالعے سے روشناس کرایا تھا جس کے لیے وہ ہمیشہ اس کی شکر گزار رہی تھی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ سکول کے بعد وہ اکثر ٹرانسیتو آریزا کی معمولی اشیا کی دکان پر کئی کئی گھنٹے کشیدہ کاری کی گراں قدر تربیت لیتے ہوئے گزارا کرتی تھی' کیوں کہ وہ ایک فطری استاد تھی اور یہ کہ اس کے اسی تسلسل کے ساتھ فلورنٹینو آریزا سے نہ ملنے میں اس کے ارادے کا دخل نہیں تھا بلکہ اس لیے کہ ان کی زندگیاں مختلف ڈگر پر چل نکلیں تھیں۔

اپنے دل کی بات کہنے سے قبل ڈاکٹر اربینو دازا نے ڈھلتی ہوئی عمر کے بارے میں ادھر ادھر کی بہت سی باتیں کیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ اگر دنیا میں بوڑھے لوگوں کا بوجھ نہ ہو تو زمانہ زیادہ تیز رفتاری سے ترقی کر سکتا ہے۔ اس نے کہا: ''انسانیت' میدان جنگ میں فوجوں کی طرح اپنے سست ترین حصوں کے

حساب سے پیش قدمی کرتی ہے۔' وہ ایک زیادہ انسان دوست اور اسی اعتبار سے زیادہ مہذب مستقبل کی پیش بینی کر رہا تھا' جس میں مرد اور عورتیں' جب خود اپنا خیال نھیں رکھ سکیں گے تو انھیں شہروں سے ذرا باہر منتقل کر دیا جائے گا۔ جہاں وہ بڑھاپے کی ذلت' تکلیفوں' اور خوفناک تنہائی سے محفوظ رہیں گے۔ اس کے مطابق' طبی نقطۂ نگاہ سے' عمر کی مناسب حد ستر برس ہوگی مگر جب تک وہ خدا ترسی کے اس درجے تک نہیں پہنچتے ان کا واحد حل نرسنگ ہوم ہیں' جہاں بوڑھے لوگ ایک دوسرے کو تسلی دے سکیں اور اپنی نوجوان نسل کے ساتھ فطری اختلافات سے محفوظ ایک دوسرے کی پسند اور ناپسند اور اپنی عادات اور دکھوں کو بانٹ سکیں۔ اس نے کہا۔ "بوڑھے لوگ' دوسرے بوڑھے لوگوں کی صحبت میں' خود کو اس قدر معمر نہیں سمجھتے۔"

ٹھیک ہے' پھر: ڈاکٹر اربینو دازا' اپنی والدہ کی بیوگی کی تنہائی میں اسے اپنی رفاقت مہیا کرنے کے سلسلے میں فلورنتینو آریزا کا شکریہ ادا کرنا اور اس کی بڑھاپے کی لحاتی موجوں کے ساتھ تحمل روا رکھے۔ فلورنتینو آریزا نے اپنی ملاقات کے اس نتیجے پر اطمینان کا سانس لیا۔ "پریشان مت ہو' اس نے کہا: "میری عمر اب اس سے چار برس زیادہ ہے اور میں اس وقت سے اس کے ساتھ رہا ہوں جب ابھی تم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔" پر وہ ایک طنزیہ تاثر کے ساتھ اس کے سامنے اپنے احساسات کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"مستقبل کے سماج میں' اس نے آخر میں کہا: "تمھیں اس کے اور میرے لیے نرگس کا ایک گلدستہ لانے کے لیے قبرستان آنا پڑا کرے گا۔"

اس لمحے تک' ڈاکٹر اربینو دازا کو اپنی پیش گوئیوں کے اس قدر بے محل ہونے کا اندازہ نہیں ہوا تھا اور وہ وضاحتوں کے ایک نئے سلسلے میں الجھ گیا' جس سے صورت حال کے مزید بگڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ تھا مگر فلورنتینو آریزا نے صورتحال کے سلجھانے میں اس کی مدد کی۔ وہ تمتما رہا تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا' کہ جلد یا بدیر' وہ ڈاکٹر اربینو دازا سے ایسی ہی ایک اور ملاقات کرنے والا تھا تاکہ وہ ایک ناگزیر سماجی روایت کو پورا کر سکے۔ یعنی: اس کی والدہ سے شادی کی ایک رسمی درخواست۔ یہ لنچ اس کے لیے ہمت افزائی کا باعث بھی تھا کیوں کہ لنچ کی صرف اس ایک ملاقات سے اس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی یہ درخواست کس قدر سادگی اور گرمجوشی سے قبول کر لی جائے گی۔ اگر اس کو فرمینا دازا کی آمادگی کا ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو اس سے بہتر کوئی اور موقع نہیں ہو سکتا تھا۔ مزید برآں' اس تاریخی لنچ کے موقع پر کی جانے والی گفتگو کے بعد' شادی کی درخواست کی رسم تقریباً غیر ضروری ہی تھی۔

اپنی جوانی کے دنوں میں بھی فلورنتینو آریزا سیڑھیوں پر نہایت احتیاط سے اترتا چڑھتا تھا

کیوں کہ اسے یقین تھا کہ بڑھاپا ہمیشہ کسی چھوٹی سی لغزش سے شروع ہوتا ہے اور دوسری لغزش اپنے ہمراہ موت لے کر آتی ہے۔ اپنے دفاتر میں ہی سیڑھیاں اسے سب سے زیادہ خطرناک لگتیں کیوں کہ یہ بہت عمودی اور تنگ تھیں اور مدت سے اسے خصوصی طور پر کوشش کرنا پڑتی کہ اس کے پاؤں گھسٹنے نہ پائیں۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھوں سے زینے کے سہارے کو پکڑا ہوتا۔ اور اس کی آنکھیں سامنے جمی ہوتیں۔ اکثر یہ تجویز پیش کی گئی کہ وہ اسے کسی کم خطرناک سیڑھیوں سے تبدیل کر لے۔ مگر وہ ہر بار یہ فیصلہ اگلے ماہ تک کے لیے ملتوی کر دیتا کیوں کہ وہ سمجھتا تھا کہ یہ بڑھاپے کے لیے ایک رعایت ہے۔ جوں جوں برس گزرتے گئے' اسے سیڑھیاں چڑھنے میں زیادہ سے زیادہ وقت لگنے لگا۔ اس لیے نہیں' جیسا کہ وہ عجلت میں وضاحت کیا کرتا کہ یہ اس کے لیے مشکل ہو گیا تھا' بل کہ اس لیے کہ وہ چڑھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ احتیاط برتنے لگا تھا۔ اس کے باوجود اس سہ پہر جب وہ ڈاکٹر اربینو کے ساتھ لنچ کر کے واپس لوٹا' جب کہ اس نے اشتہا کے لیے پورٹ اور کھانے کے ساتھ سرخ وائن کا آدھا گلاس چڑھایا ہوا تھا' اور سب سے بڑھ کر اس کی فتح مند گفتگو' اس نے اس قدر جوانی کی ترنگ سے بھرپور رقص کے انداز میں تیسری سیڑھی تک پہنچنا چاہا کہ اس کا بایاں ٹخنہ مڑ گیا۔ وہ پشت کے بل گرا' اور یہ ایک معجزہ ہی تھا کہ اس کی موت واقع نہیں ہوئی۔ جس سے وہ گر رہا تھا' اس میں یہ سوچنے کی اس قدر بصیرت موجود تھی کہ وہ اس حادثے سے نہیں مرے گا کیوں کہ زندگی کی منطق: دو مردوں کو' جنھوں نے ایک ہی عورت سے اتنے برسوں سے اس قدر محبت کی ہو' ایک کی موت کے اگلے ہی برس بعد' ایک ہی

کہ تقدیر نے ایک الوہی لڑکھڑاہٹ کے ذریعے اس کے استقلال کا صلہ دیا ہے۔

پہلا سوموار اس کے لیے بدترین دن تھا۔ درد کم ہو گیا تھا اور اس کی صحت یابی کی رفتار بہت حوصلہ افزا تھی۔ مگر اس نے اگلی سہ پہر، چار ماہ میں پہلی بار فرمینا دازا سے نہ ملنے کے جبر کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر بھی، ایک پژمردہ قیلولہ کے بعد، اس نے حقیقت کے سامنے ہار مان لی اور اس کو معذرت کا ایک خط لکھ دیا۔ اس نے یہ خط ہاتھ سے، ایک خوشبودار کاغذ پر، ایک چمک دار سیاہی کے ساتھ لکھا، تاکہ یہ اندھیرے میں بھی پڑھا جا سکے۔ اس نے اس کی ہمدردی کو ابھارنے کی کوشش میں بغیر کسی شرم کے اس حادثے کی سنگینی کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا۔ اس نے ایک نہایت ہمدردانہ، شفیق اور بالکل اپنے عشق کے عظیم دنوں کی طرح، بغیر کسی زائد الفاظ کے، خط کی صورت میں اسے جواب بھیجا۔ اس نے اسے دوبارہ خط لکھا۔ جب اس نے دوسری بار جواب دیا تو اس نے اپنی منگل کی اشاراتی گفتگوؤں سے ایک قدم آگے جانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی کمپنی کے روزمرہ معاملات پر نظر رکھنے کے بہانے اپنے بستر کے ساتھ ایک ٹیلیفون نصب کروا لیا۔ اس نے آپریٹر سے ان تین ہندسوں والے نمبر ملانے کے لیے کہا، جو اس کے دل پر اس روز سے نقش تھے، جب پہلی بار اس نے اس کو ڈائل کیا تھا۔ فاصلے کی دھند میں کھنچی وہ پرسکون آواز ابھری، اس محبوب آواز نے اس سے بات کی، دوسری آواز کو پہچانا اور رسمی حال احوال پوچھنے کے بعد خدا حافظ کہہ دیا۔ فلورنتینو آریزا اس کی بے اعتنائی سے جیسے برباد ہو گیا۔ وہ پھر اس مقام پر پہنچ گئے تھے۔ جہاں سے انھوں نے آغاز کیا تھا۔ دو روز بعد اسے فرمینا دازا کا ایک خط ملا۔ جس میں اس نے اس سے التجا کی تھی کہ وہ اسے دوبارہ فون نہ کرے۔ اس کی وجوہات جائز تھیں۔ شہر میں اس قدر کم ٹیلیفون تھے کہ تمام تر رابطے ایک ہی آپریٹر کے ذریعے ہوتے تھے، جو تمام ٹیلی فون والوں، ان کی زندگیوں، ان کے معجزوں کے بارے میں جانتا تھا اور اگر وہ گھر پر نہ بھی ہوں تو اس کے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا: وہ جہاں کہیں بھی ہوتے وہ انھیں ڈھونڈ نکالتا تھا۔ اس قدر مستعدی کے صلے میں وہ خود کو ان کی گفتگوؤں کے بارے میں باخبر رکھتا تھا، وہ ان کے ان رازوں کو دریافت کرتا، جو ان کی زندگیوں کی خفیہ ترین ڈرامائی کہانیاں ہوتیں اور اس کے لیے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی کہ وہ کسی گفتگو میں مداخلت کر دے تاکہ وہ اپنا نقطہ نظر بیان کر سکے یا ان کے اشتعال کو ٹھنڈا کر سکے۔ پھر یہ بھی کہ اس سال ایک شام کے اخبار ''جسٹس'' کا اجرا ہوا تھا۔ جس کا واحد مقصد بڑے ناموں والے جدی پشتی خاندانوں کی شخصیات پر کیچڑ اچھالنا تھا۔ یہ پبلشر کا اس رویے کے خلاف انتقام تھا جس کے تحت اس کے بیٹوں کو سوشل کلب کی رکنیت

دینے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ اپنی نا قابلِ الزام زندگی کے باوجود فرمینا دازا اپنی گفتگو اور افعال کے بارے میں اپنی قریب ترین سہیلیوں تک میں پہلے سے کہیں زیادہ محتاط ہو گئی تھی۔ چناں چہ اس نے فلورنتینو آریزا کے ساتھ اپنا دیر آید رابطہ خطوں کے دھاگے کے ساتھ برقرار رکھا۔ خطوں کی آمد و رفت اس قدر تیز اور جذباتی ہو گئی کہ وہ اپنی ٹانگ اور بستر کی سزا کو بھول گیا اس نے ہر شے کو فراموش کر دیا اور اس نے اس پورٹیبل میز پر جو ہسپتالوں میں مریضوں کو کھانا کھلانے کے لیے استعمال ہوتا تھا خود کو مکمل طور پر لکھنے کے لیے وقف کر دیا۔

انھوں نے دوبارہ ایک دوسرے کو 'تو' کہنا شروع کر دیا۔ وہ اپنی زندگیوں پر اپنے خیالات کا ویسے ہی اظہار کرنے لگے جیسے وہ پہلے اپنے خطوں میں کرتے تھے اور ایک بار پھر فلورنتینو آریزا نے بڑی مسرت کے ساتھ پیش قدمی کی کوشش کی۔ اس نے کیمیلیا کی پتیوں پر پن کی نوک سے اس کا نام لکھ کر ایک خط میں اسے بھیج دیا۔ دو روز بعد یہ بغیر کسی پیغام کے لوٹا دی گئیں۔ فرمینا دازا کے پاس اور کوئی راہ نہیں تھی۔ اس کو یہ سب کچھ بچوں کا کھیل لگتا تھا خاص طور پر جب فلورنتینو آریزا ایونجلز پارک میں مجنونانہ شاعری والی سہ پہروں اس کے سکول کے راستوں میں چھپے ہوئے خطوط اور بادام کے درختوں تلے کشیدہ کاری سکھانے کی باتوں کو دوبارہ یاد میں لانے پر اصرار کرتا۔ دوسرے بہت سے عام فقروں کے درمیان اس نے ایک بظاہر اتفاقیہ سوال کی صورت میں دکھی دل کے ساتھ سرزنش بھی کی: ''تم ان باتوں پر گفتگو کرنے پر کیوں اصرار کرتے ہو، جن کا اب کوئی وجود نہیں ہے۔'' بعدازاں اس نے اسے اس بات پر ملامت کی کہ وہ خود کو فطری انداز میں بوڑھا ہونے سے روکنے پر بے کار اصرار کر رہا ہے۔ اس کے مطابق اس کی جلد بازی اور مستقل غلطیاں کرنے کی وجہ یہی تھی کہ وہ ماضی کی بازیافت میں سرگرداں رہتا تھا۔ اسے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس طرح ایک شخص جو ایسے بہترین خیالات کا مالک ہو جنھوں نے اسے اپنی بیوگی برداشت کرنے میں اس قدر مدد کی ہو جب وہ اپنے خیالات کا اپنی زندگی پر اطلاق کرنے کی کوشش کرتا ہے تو کیسے ایک بچگانہ انداز کا اسیر ہو جاتا ہے۔ ان کے کردار اب الٹ ہو چکے تھے۔ اب یہ وہ تھی جو اسے مستقبل کا سامنا کرنے کے نئی ہمت دینے کی کوشش کر رہی تھی ایک ایسی بات کے ساتھ جس کے معنی وہ اپنی بے احتیاط جلد بازی میں نہ پا سکا: ''وقت کو گزرنے دو، اور ہم دیکھیں گے یہ ہمارے لیے کیا لے کر آتا ہے۔'' اس لیے کہ وہ کبھی بھی اتنا اچھا شاگرد نہیں رہا تھا جتنا کہ وہ تھی۔ اس کا جبری آرام اس بڑھتے ہوئے احساس پر اصرار کہ وقت اڑا جا رہا تھا اس سے ملنے کی اس کی جنونی خواہش، ہر شے اسے یہ ثابت کر رہی تھی کہ گرنے

کے بارے میں اس کا خوف اس کی پیش بینی سے زیادہ صحیح اور زیادہ المناک ثابت ہو رہا تھا۔ پہلی بار اس نے منطقی انداز میں موت کی حقیقت کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔

لیونا کیزیانی ہر دوسرے دن اس کو غسل کرنے اور اپنے پاجامہ بدلنے میں مدد دیتی۔ وہ اسے اینیما دیتی۔ اس کے لیے پیشاب کا پورٹیبل برتن پکڑتی' وہ بستر پر لیٹے رہنے کی وجہ سے اس کی پشت پر پیدا ہونے والے زخموں پر ارنیکا کی پٹیاں لگاتی ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اس کا مساج کرتی تاکہ بے حرکت پڑے رہنے کی وجہ سے وہ دوسری' زیادہ جان لیوا بیماریوں کا شکار نہ ہو جائے۔ ہفتہ اور اتوار کو امریکا ویکونا اس کی جگہ لے لیتی' جسے اس سال دسمبر میں تدریسی ڈگری ملنے والی تھی۔ اس نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے مزید تعلیم کے لیے دریائی کمپنی کے اخراجات پر الباما بھیج دے گا۔ جزوی طور پر اپنے ضمیر کی تسکین کے لیے اور جزوی طور پر اس لیے کہ وہ ان ملامتوں کا نشانہ نہ بنے جو اس کو کرنی ہی نہیں آتی تھیں۔ یا اسے وہ وضاحتیں نہ دینی پڑیں جس کا اس کے لیے اس پر قرض تھا۔ اس کے کبھی تصور میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ سکول میں گزاری ہوئی اپنی بے خواب راتوں' اس کے بغیر گذاری گئی ہفتے کی اختتامی چھٹیوں' اس کے بغیر اپنی زندگی میں وہ کس قدر عذاب کا شکار رہی ہے۔ کیوں کہ اسے کبھی یہ خیال ہی نہیں آیا تھا کہ وہ اس سے کس قدر محبت کرتی ہے۔ اسے سکول کی طرف سے آئے ہوئے ایک محکمانہ خط کے ذریعے اطلاع دی گئی تھی کہ وہ اپنی مستقل اول پوزیشن سے آخری پوزیشن پر آ گئی ہے اور یہ کہ اپنے آخری امتحان میں وہ تقریباً ناکام ہی رہی ہے مگر اس نے ایک سرپرست کی حیثیت سے اپنے فرض کو نظر انداز کر دیا۔ اس نے امریکا ویکونا کے والدین کو کچھ نہیں کہا' وہ ایک احساس جرم سے خائف رہا وہ اس حقیقت سے گریز کرنا چاہ رہا تھا اور اس نے اس سے بھی اس مسئلے پر اس خوف کی بنا پر بات نہیں کی کہ وہ اپنی ناکامی کی ذمہ داری اس پر ڈالنے کی کوشش کرے گی۔ چناں چہ اس نے چیزوں کو ویسے ہی رہنے دیا جیسی کہ وہ تھیں۔ کسی بات کا احساس کیے بغیر' وہ اس امید پر اپنے مسائل کو ملتوی کرنے کا آغاز کر رہا تھا کہ موت انھیں حل کر دے گی۔

اس کی دیکھ بھال کرنے والی دونوں عورتیں اور خود فلورنتینو آریزا حیران تھے کہ وہ کس قدر بدل چکا ہے۔ دس سال سے بھی کم عرصہ قبل' اس نے گھر کی مرکزی سیڑھیوں کے عقب میں' ایک خادمہ کو اچانک قابو کر کے اس کو کپڑوں سمیت کھڑے کھڑے اسی حالت میں' ایک فلپائنی مرغے کی نسبت سے بھی کم وقت میں حاملہ کر دیا تھا۔ اسے اس بات پر حلف اٹھانے کے صلے میں ایک اسے پورے طور پر

آراستہ گھر دینا پڑا تھا' کہ اس کی اس ذلت کا ذمہ دار ایک کبھی کبھار اتوار کے روز آنے والا اس کا محبوب تھا۔ اس نے اسے کبھی چوما تک نہیں تھا' مگر لڑکی کے والد اور چچاؤں نے، جو انتہائی ماہر گنا کاٹنے والے تھے' نے انھیں شادی کرنے پر مجبور دیا۔ اب یہ بات ناممکن لگتی تھی کہ یہ وہی شخص ہے۔ یہ شخص' جس کے جسم کے ہر پہلو کی نگہداشت دو دو عورتیں کرتی تھیں' جو صرف چند ماہ قبل اس پر عشق کی کپکپی طاری کر دیتی تھیں' اور جو اس کی کمر کے اوپر اور نیچے اس پر صابن لگاتیں' مصری کاٹن سے بنے تولیوں سے اس کو خشک کرتیں اور اس کے پورے جسم پر مساج کرتیں اور اس دوران میں اس کے ہونٹوں سے حدت جذبات کی ایک کراہ بھی نہیں نکلتی تھی۔ وہ دونوں اس کی خواہش میں کمی کی مختلف وجوہات سمجھتی تھیں۔ لیونا کیزیانی کے خیال میں یہ موت کا پیش خیمہ تھی۔ امریکا ویکونا اس کا سلسلہ کسی پوشیدہ وجہ سے ملاتی تھی جس کی پیچیدگیوں کو وہ خود بھی نہیں جان سکتی تھی۔ سچ کا صرف اسی کو پتہ تھا اور اس کا اپنا ہی عنوان تھا۔ بہر طور یہ نامناسب تھا: وہ اس کی نسبت جو اس قدر اچھی طرح اپنی خدمت کروا رہا تھا' اس کی خدمت کرتے ہوئے زیادہ تکلیف میں مبتلا تھیں۔

ابھی تین منگل بھی نہ گزرے تھے کہ فرمینا داز ا کو اندازہ ہو گیا کہ فلورنتینو آریزا کا نہ آسکنا اس پر کس قدر گراں گزر رہا ہے۔ وہ اپنی اکثر آنے والی سہیلیوں سے ملاقات کر کے خوش ہوتی تھی جیسے جیسے وقت اسے اپنے شوہر کی عادات سے دور کرتا جا رہا تھا' اس کی ملاقاتیں اب اس کے لیے زیادہ خوشی کا باعث بنتی جا رہی تھیں۔ لوکریسیا ڈیل ریئل ڈیل اوبسپو اپنے کان کا معائنہ کروانے پاناما گئی ہوئی تھی اس کے کان کو کسی طور پر بھی آرام نہیں آ رہا تھا اور ایک ماہ بعد' وہ نسبتاً زیادہ پر سکون حالت میں واپس آئی مگر یوں کہ اب اسے پہلے کی نسبت کم سنائی دیتا تھا اور وہ سننے کے لیے اب آلہ متیاس استعمال کرتی تھی۔ فرمینا داز ا کی وہ دوست تھی جو اس کے سوالوں اور جوابوں میں پھیلے کنفیوژن کو تحمل سے برداشت کر لیتی تھی اور لوکریسیا کے لیے یہ بات اس قدر حوصلہ افزا تھی کہ مشکل ہی سے کوئی دن جاتا کہ وہ کسی وقت اس کے گھر نہ پہنچتی ہو۔ مگر فرمینا داز ا کے لیے کوئی بھی فلورنتینو آریزا کے ساتھ گزاری ہوئی سکون بخش سہ پہروں کی جگہ نہ لے سکتا تھا۔

ماضی کی یاد نے مستقبل کو نہیں پایا' جیسا کہ وہ اکثر ایسا ماننے لینے پر اصرار کرتا رہتا تھا۔ اس کے برعکس اس نے فرمینا داز ا کے ہمیشہ سے سمجھے ہوئے اس یقین کو مزید مضبوط کیا۔ یہ کہ جوانی کی وہ ہیجانی' گرمجوشی' بہت قابل احترام اور حسین چیز تھی مگر یہ محبت نہیں تھی۔ اپنی درشت راست گوئی کے باوجود وہ

اس بات کا ذاتی طور پر یا اپنے خطوں میں اس کے سامنے اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نہ ہی وہ اسے یہ باور کرانا چاہتی تھی کہ اس کی غور وفکر سے ہمت بندھانے والی معجزاتی تحریروں کے بعد اس کے خطوں کی سطحی جذباتیت کسی قدر جھوٹ لگتی تھی۔ کس طرح اس کے غنائی جھوٹ کھوکھلے لگتے تھے اور ماضی کی بازیافت پر جنونی اصرار اس کے مقصد کے لیے کس قدر مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔ نہیں: اس کے پرانے خطوں کی کوئی ایک سطر' اس کی اپنی قابلِ نفریں جوانی کا کوئی ایک لمحہ بھی اسے یہ محسوس نہیں کرا سکتا تھا کہ منگل کی وہ سہ پہریں اس کے بغیر' اس قدر گراں' تنہا اور اس قدر یکسانیت کا شکار ہوسکتی تھیں' جیسی کہ وہ تھیں۔

اپنی تطہیر پسندی کے مختلف دوروں کے دوران میں ایک بار اس نے وہ ریڈیو اصطبل میں منتقل کر دیا تھا جو اس کے شوہر نے اسے سالگرہ کے تحفے کے طور پر دیا تھا اور جسے وہ دونوں' شہر میں سب سے پہلا ہونے کی وجہ سے' میوزیم کو پیش کرنا چاہتے تھے۔ اپنے ماتمی دنوں کی اداسی میں' اس نے اسے دوبارہ استعمال نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا کیوں کہ ایک خاندانی القابات والی بیوہ کے لیے کسی بھی قسم کی موسیقی کو سننے کا مطلب مرحوم کی یاد کو گدلا کرنے کے مترادف تھا' چاہے وہ اسے تنہائی ہی میں کیوں نہ سنتی ہو۔ مگر تیسرے تنہا منگل کے بعد' وہ اسے واپس ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ پہلے کی طرح ریوبا مناسٹیشن کے جذباتی گانوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے نہیں' بل کہ اپنے بے کار وقت سانتیاگو ڈی کیوبا کے اوپیراؤں سے پر کرنے کے لیے۔ یہ ایک اچھا خیال تھا۔ کیوں کہ اپنی بیٹی کی پیدائش کے بعد سے' اس کی مطالعے کی عادت چھوٹنا شروع ہوگئی تھی' جو اس کے شوہر نے اپنے ہنی مون کے وقت سے اس قدر محنت کے ساتھ اس میں پیدا کی تھی۔ اور جوں جوں اس کی آنکھوں میں تھکن بڑھتی گئی' اس نے پڑھنا بالکل ترک کر دیا۔ چناں چہ مہینوں ہی گزر جاتے اور اسے پتہ نہ چلتا کہ اس نے اپنا پڑھائی کا چشمہ کہاں رکھا چھوڑا ہے۔

اسے سوپ اوپیرا میں اس قدر دلچسپی محسوس ہونے لگی کہ وہ بے تابی سے ہر دن اس کا انتظار کرتی۔ وقتاً فوقتاً وہ خبریں سنتی تا کہ وہ یہ جان سکے کہ دنیا میں کیا واقعات رونما ہو رہے ہیں' اور کبھی کبھار جب وہ گھر میں تنہا ہوتی تو نہایت دھیمی آواز میں سانتو ڈومنگو سے میرینگو اور پورٹو ریکو سے پلینا زسنتی۔ ایک رات' اچانک کوئی نامعلوم سٹیشن لگ گیا' اس کی آواز اس قدر تیز اور واضح تھی جیسے بالکل قریب سے آ رہی ہو۔ اس نے ایک دلدوز خبر سنی' ایک عمر رسیدہ جوڑا' جو چالیس سال سے ایک ہی جگہ پر اپنے ہنی مون کو دہرانے آتے تھے' جس کشتی پر وہ سوار تھے' اس کے کپتان نے چپوؤں کے ساتھ انھیں مار مار کر ہلاک کر کے ان کے پاس جتنی رقم تھی لوٹ لی تھی: یہ رقم چودہ ڈالر تھی۔ اس خبر کا اثر اس پر اس وقت مزید

تباہ کن ہو جب لوکر سیا ڈیل ریل نے ایک مقامی اخبار میں چھپنے والی یہ مکمل کہانی اسے سنائی۔ پولیس نے یہ پتہ لگایا تھا کہ موت کے منہ میں جانے والا یہ جوڑا دو خفیہ عاشقوں کا جوڑا تھا جو چالیس سال سے اپنی چھٹیاں اکٹھے گزارتے تھے' مگر ان میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی علاحدہ پائیدار اور پر مسرت ازدواجی زندگی تھی۔ فرمینا ڈازا جو ریڈیو پر سوپ اوپیرا سنتے ہوئے کبھی بھی نہیں روئی تھی' اسے اپنی آنکھوں میں امڈتے ہوئے آنسوؤں کو مشکل سے سنبھالنا پڑا۔ اپنے اگلے خط میں' بنا کسی تبصرے کے' فلورنتینو آریزا نے اخبار میں سے کاٹا ہوا اس خبر کا تراشا اسے بھیج دیا۔

فرمینا ڈازا کے پاس رونے کے لیے یہ آخری آنسو نہیں تھے۔ فلورنتینو آریزا نے ابھی اپنی گوشہ نشینی کے ساٹھ دن پورے نہیں کیے تھے' کہ اس دوران میں 'جسٹس' نے اپنے پہلے صفحہ پر' دونوں ممتاز کرداروں کی تصاویر کے ساتھ' ڈاکٹر جووینل اربینو اور لوکر سیا ڈیل ریئل ڈیل اوبسپو کے خفیہ عشق کے بارے میں کہانی شائع کر دی۔ ان کے تعلق کی تفصیلات' ان کی ملاقاتوں کے تواتر اور یہ کہ کس طرح ان کا اہتمام کیا جاتا تھا اور اس کے شوہر کی معاونت' جس کی اپنی گنے کے کھیتوں میں سیاہ فاموں کے ساتھ ہم

کے باپ پر جھوٹا الزام لگایا گیا تھا۔ حقائق اس طرح تھے کہ دو سرکاری ایجنٹ اینجلو پارک میں ایک وارنٹ کے ساتھ ان کے گھر آئے تھے' انھوں نے اس گھر کا کونہ کونہ چھان مارا مگر انھیں کوئی ایسی چیز نہ ملی جسے وہ تلاش کر رہے تھے۔ بالآخر انھوں نے فرمینا دازا کی پرانی خواب گاہ میں آئینہ لگی درازوں والی وارڈ روب کھولنے کا حکم دیا۔ گالا پلے سیڈیانے، جو اس وقت گھر میں تنہا تھی اور وہ کسی کو کچھ بھی کرنے سے روکنے کے قابل نہ تھی' اس عذر کا سہارا لیتے ہوئے کہ اس کے پاس اس کی چابیاں نہیں ہیں' اسے کھولنے سے انکار کر دیا۔ پھر ایک ایجنٹ نے اپنے ریوالور کے بٹ سے دروازے پر لگا آئینہ توڑ دیا' اور دیکھا کہ آئینے اور لکڑی کے درمیان جگہ میں سو سو ڈالر کے جعلی بل ٹھنسے ہوئے تھے۔ مختلف سراغوں کے سلسلے کی یہ آخری کڑی تھی جس نے لورینز و داز اکو ایک وسیع بین الاقوامی گروہ کا حتمی رابطہ ثابت کر دیا۔ یہ ایک نہایت فنکارانہ جعل سازی تھی۔ کیوں کہ بلوں کے کاغذ کی اندرونی تہیں اصلی تھیں۔

ایک ایسے کیمیائی عمل سے، جس پر جادو کا گماں گزرتا تھا' ایک ڈالر کے بل صاف کیے گئے تھے' اور ان پر دوبارہ سو ڈالر کے نوٹ والی طباعت کی گئی تھی۔ لورینز و داز انے دعویٰ کیا کہ یہ وارڈ روب اس کی بیٹی کی شادی کے کافی عرصے بعد خریدی گئی تھی اور لازماً یہ اس گھر میں پہلے سے ہی ٹھنسے ہوئے بلوں کے ساتھ آئی تھی، لیکن پولیس نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ اس وقت سے یہاں ہے جن دنوں سے فرمینا داز اسکول میں پڑھتی تھی۔ یہ وہی تھا جو آئینے کے پیچھے اپنی مصنوعی خوش بختی کو چھپا سکتا تھا۔ ڈاکٹر اربینو نے اپنی بیوی کو بس یہی کچھ بتایا تھا۔ جس سے اس نے گورنر سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے سسر کو' اس سکینڈل پر پردہ ڈالنے کے لیے' اس کے اپنے وطن واپس بھیج دے گا مگر اخبار اس سے بھی زیادہ تفصیلات بیان کر رہا تھا۔ اس کے مطابق گزشتہ صدی میں ہونے والی بہت سی خانہ جنگیوں میں سے ایک کے دوران میں لورینز و داز ا جنرل صدرا کیو لیپرا کی حکومت' پولینڈ کے باسی' اور فرانسیسی جھنڈے تلے جہاز رانی کرنے والے ایک تجارتی جہاز سینٹ اینٹوں کے عملے کے ایک رکن' کسی جوزف ٹی کے کوریز نووسکی' جس نے یہاں اسلحہ کے ایک پیچیدہ سودے کو حتمی شکل دینے کے سلسلے میں کئی ماہ گزارے تھے' کے درمیان رابطے کے طور پر کام کرتا رہا ہے۔ کوریز نووسکی نے' جو بعد ازاں جوزف کانراڈ کے نام سے مشہور رہوا' کسی طرح لورینز و داز ا کے ساتھ تعلقات استوار کیے' جو حکومت کی طرف سے اپنے اپنے تعارف اور اپنی رسید' اور قیمت دے کر اسلحہ خریدتا۔ اخبار کی کہانی کے مطابق' لورینز و داز ا کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ ہتھیار ایک غیر متوقع حملے کے دوران میں چوری کر لیے گئے تھے اور پھر انھیں دوبارہ دگنی قیمت پر

قدامت پسندوں کے ہاتھ فروخت کردیا گیا تھا جو اس وقت حکومت سے برسرِ پیکار تھے۔

''جسٹس'' میں یہ بھی لکھا تھا کہ جب جنرل رافیل ریز نے بحریہ کی بنیا د رکھی' لورنیز و وازا نے برطانوی فوج سے زائد بوٹوں کی ایک جہاز پر لدی ایک بڑی مقدار بہت سستے داموں میں خریدی اور اس ایک سودے سے اس نے چھ ماہ میں اپنے اثاثوں کی مالیت کو دگنا کرلیا۔ اخبار کے مطابق جب جہاز پر لدے یہ جوتے بندرگاہ پہنچے تو لورنیز و وازا نے اس بنا پر اسے وصول کرنے سے انکار کردیا کہ اس میں صرف دائیں پاؤں کے جوتے تھے۔ مگر جب کسٹمز نے قانون کے مطابق ان کا نیلام کیا تو بولی لگانے والا وہ واحد شخص تھا اور اس نے انھیں ایک سوینتو کی علامتی رقم کے عوض خرید لیا۔ اسی دوران میں' ایسے ہی حالات میں ایک شریک سازش نے ریوہاچہ پہنچنے والی بائیں پاؤں کے جوتوں کی ایک بڑی تعداد خریدی۔ جب یہ جوڑے مکمل ہو گئے' تو لورنیز و وازا نے شادی کے ذریعے بننے والے اربینو ڈی لاسیلا خاندان سے اپنے تعلقات سے فائدہ اٹھایا اور نئی بحریہ کو یہ جوتے دو ہزار فیصد منافع پر فروخت کردیے۔
کہانی کے اختتام میں' جسٹس میں لکھا تھا' کہ پچھلی صدی کے آخر میں لورنیز و وازا نے سان جوان ڈی لاسینیگا کو اپنی بیٹی کے لیے بہتر مستقبل کی تلاش کے لیے جیسا کہ وہ اکثر بیان کرتا تھا' خیر باد نہیں کہا تھا۔ بل کہ اس لیے کہ وہ درآمدی تمباکو میں کاغذی پرزوں کی ملاوٹ کے' منفعت بخش کاروبار میں پکڑا گیا تھا۔ وہ اسے اس قدر مہارت سے کرتا تھا کہ نفیس ترین تماکونوش بھی اس فریب کو پہچان نہیں پاتے تھے۔ انھوں نے اس کے ایک بین الاقوامی گروہ سے خفیہ تعلقات کا افشا بھی کیا۔ جس کا پچھلی صدی کے اختتام تک' پاناما سے غیر قانونی طور پر چینیوں کی سمگلنگ کا انتہائی صنعت بخش کاروبار رہا تھا۔ اس کے برعکس' اس کی مشتبہ خچروں کی تجارت جس نے اس کی شہرت کو بے اندازہ نقصان پہنچایا تھا' شاید اس کی ساری زندگی میں واحد ایماندارانہ کاروبار تھا۔

جب فلورنتینو آریزا' اپنی خستہ حال کمر اور پہلی بار اپنے ہاتھ میں چھتری کے بجائے چھتری لیے بستر کو چھوڑنے کے قابل ہوا تو اس کی پہلی بیرونی تفریح فرمینا دازا کا گھر تھی۔ وہ کسی اجنبی کی طرح لگ رہی تھی' عمر نے جس کو پامال کردیا تھا اور جس کی آزردگی نے اس سے جینے کی آرزو چھین لی تھی۔ فلورنتینو آریزا کی ''جلاوطنی'' کے دوران میں جب ڈاکٹر اربینو دازا دو دفعہ اس سے ملنے گیا تھا تو اس نے اسے بتایا تھا کہ جسٹس میں چھپنے والی دو کہانیوں کی وجہ سے اس کی ماں کس قدر پریشان ہوئی تھی۔ پہلے قصے نے تو اسے اپنے خاوند کی بدکرداری اور اپنی سہیلی کی بے وفائی پر اس قدر مشتعل کیا کہ اس نے ہر

مہینے کی ایک اتوار کو خاندانی قبرستان جانے سے انکار کر دیا کیوں کہ اُسے اس بات سے طیش آتا تھا کہ وہ اپنے تابوت میں' وہ اہانت آمیز کلمات نہیں سن سکتا تھا' جو وہ اس پر برسانا چاہتی تھی: اس کی ایک مردہ آدمی سے لڑائی تھی۔ اس نے لوکریسیا ڈیل ریئل کو کسی ایسے شخص کے ذریعے جو یہ باتیں اس کے سامنے دہرا سکتا تھا' یہ باور کروا دیا کہ اس کو اس بات پر اطمینان ہونا چاہیے کہ ان بہت سارے لوگوں کے ہجوم میں سے، جو اس کے ساتھ بستر پر سوتے رہے تھے' کم از کم ایک تو صحیح معنوں میں مرد تھا۔ جہاں تک لورنیز و دازا کے بارے میں کہانی کا تعلق تھا' اس بات کا تعین نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کس بات نے اس پر زیادہ اثر کیا ہے' کہانی نے بذات خود یا اس کے والد کے بارے میں بہت دیر بعد انکشاف نے' مگر ان میں سے ایک یا دونوں باتوں نے اسے فنا کر دیا تھا۔ اس کے سٹین لیس سٹیل جیسے بال جو اس کہ چہرے کے شکوہ میں اضافہ کر دیتے تھے' اب سوت کے زرد خستہ حال دھاگوں کی طرح لگنے لگے تھے اور اس کی حسین چیتے جیسی آنکھوں میں اُس کے غصے کی دہکتی ہوئی حرارت میں بھی پرانے شعلے واپس نہیں آئے۔ اس کی ہر حرکت سے اس کے زندہ نہ رہنے کا فیصلہ عیاں ہوتا تھا۔ عرصہ ہوا' اس نے بند کمرے' باتھ روم' یا کہیں پر بھی سگریٹ نوشی ترک کر دی تھی' مگر اب اس نے دوبارہ اسے اپنا لیا۔ پہلی مرتبہ اس نے سب کے سامنے اور ایک بے قابو اشتہا کے ساتھ اسے پینا شروع کر دیا۔ پہلے جیسا کہ وہ ہمیشہ سے ایسا کرنا پسند کرتی تھی' وہ سگریٹ خود بنا کر انھیں پیتی تھی مگر بعد ازاں اس نے دکانوں پر ملنے والے عام سگریٹ پینے شروع کر دیے تھے۔ اب اس کے پاس خود سگریٹ بنانے کے لیے وقت اور صبر نہیں رہا تھا۔ کوئی بھی شخص یہ دیکھ سکتا تھا' کہ ایک ایسے اپاہج بوڑھے آدمی' کے لیے جس کی کمر زخموں سے جل رہی ہو' اور ایک ایسی عورت جس کی خوشی کی واحد آرزو موت میں پنہاں ہو' مستقبل سوائے خالی ہونے کے اور کیا ہو سکتا ہے۔
مگر فلورنتینو آریزا ان میں سے نہیں تھا۔ اس نے تباہی کے ان کھنڈرات میں امید کی ایک کرن تلاش کر لی' کیوں کہ اسے لگتا تھا جیسے فرمینا دازا کی بدقسمتی نے اسے مزید پرشکوہ بنا دیا تھا اور دنیا سے اس کے جذبہ انتقام نے اسے اس کا وہ منہ زور کردار واپس لوٹا دیا تھا جس کا مظاہرہ وہ اپنی بیس سال کی عمر میں کیا کرتی تھی۔ اس کے پاس اب فلورنتینو آریزا کے شکر گزار ہونے کی نئی وجوہات تھیں کیوں کہ ان بدنام کہانیوں کے جواب میں اس نے "جسٹس" کو صحافت کی اخلاقی ذمہ داریوں اور دوسرے لوگوں کے وقار کا احترام کرنے کے سلسلے میں ایک مثالی خط تحریر کیا تھا۔ انھوں نے اسے نہیں چھاپا' مگر اس کے مصنف نے اس کی ایک کاپی' کریبئن ساحلی علاقوں میں چھپنے والے قدیم ترین اور سب سے سنجیدہ اخبار کمرشل ڈیلی کو بھیج

دی' جس نے اس خط کو اپنے صفحہ اول پر جگہ دی ۔ ایک نقلی نام' جیوپٹیر ' سے دستخط شدہ یہ خط اس قدر مدلل' چبھتا ہوا اور حسن بیان سے مزین تھا کہ اسے صوبے کے کچھ نمایاں ترین ادیبوں سے منسوب کیا گیا ۔

اس نقار خانے میں یہ واحد آواز تھی مگر اسے ہر جگہ گہری سنجیدگی سے سنا گیا ۔ فرمینا دازا بغیر کسی کے بتائے یہ جانتی تھی کہ اس خط کا مصنف کون ہے' کیوں کہ اس نے ان میں سے کچھ خیالات' یہاں تک کہ فلورنتینو آریزا کے اخلاقی طرز فکر سے براہ راست لیے گئے ایک فقرے کو پہچان لیا تھا اور یوں اپنی تنہائی کی ابتری میں اس نے اسے نئی محبت کے ساتھ خوش آمدید کہا ۔ یہ وہی وقت تھا' جب امریکا ویکونا نے ہفتے کی ایک سہ پہر میں' دریچوں والی گلی میں' خواب گاہ میں خود کو تنہا پایا' اور محض اتفاقاً بغیر ان کو تلاش کیے' بغیر چابی لگی ایک وارڈ روب میں فلورنتینو آریزا کی سوچ بچار کی ٹائپ شدہ نقول اور فرمینا دازا کے ہاتھ سے لکھے خطوط دیکھ لیے ۔

ڈاکٹر اربینو اس کے دوبارہ وہاں آتے رہنے سے بہت خوش تھا کیوں کہ اس سے اس کی ماں کو بہت حوصلہ مل رہا تھا ۔ مگر اس کی بہن اوفیلیا نے جوں ہی یہ سنا کہ فرمینا دازا کی ایک ایسے شخص کے ساتھ' جو اخلاقی طور پر بہت اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا' عجیب و غریب تعلقات چل رہے ہیں' تو وہ فوراً نیو اولینز سے آنے والی پہلی کشتی پر بیٹھ کر وہاں آ گئی ۔ پہلے ہفتے ہی جب اس نے اس شناسائی اور خود اعتمادی کے ساتھ فلورنتینو آریزا کو گھر میں آتے جاتے دیکھا اور ان کی سرگوشیوں اور ان کی ناپائیدار عاشقانہ لڑائیوں سے آگاہ ہوئی' جو اس کے آنے کے دوران میں تمام رات جاری رہتیں تھیں' تو اس کی تشویش میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ۔ ڈاکٹر اربینو' جسے وہ بوڑھے تنہا انسانوں میں ایک صحت مند تعلق سمجھ رہا تھا' اس کے لیے خفیہ یارانے کی ایک گناہ آلود شکل تھی ۔ اوفیلیا اربینو ہمیشہ سے ہی اپنی دادی ڈونا بلانکا ایسی تھی' بل کہ اس سے بھی کہیں زیادہ چاہے وہ اس کی بیٹی ہی کیوں نہ ہوتی ۔ وہ اسی کی طرح ممتاز تھی' اسی کی طرح مغرور اور اسی کی طرح وہ اپنے تعصبات کے رحم و کرم پر رہتی آئی تھی یہاں تک کہ اپنی پانچ سال کی عمر میں بھی وہ کسی مرد اور عورت کے درمیان کسی معصوم دوستی کا تصور کرنے سے معذور تھی' کہاں یہ کہ جب یہ لوگ اسی برس کے ہوں ۔ اپنے بھائی کے ساتھ ایک تلخ گفتگو کے دوران میں' اس نے کہا کہ اسی کی ماں کی دلجوئی کی تکمیل میں اب فلورنتینو آریزا کے لیے یہی باقی رہ گیا ہے کہ وہ اس بیوہ کے بستر میں جا گھسے ۔ ڈاکٹر اربینو کے پاس اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی' وہ کبھی بھی اس کا سامنا کرنے کے لیے خود میں حوصلہ نہیں پا سکا تھا مگر اس کی بیوی نے کسی بھی عمر میں محبت کے ایک باوقار جواز کے ساتھ اس گفتگو میں مداخلت کی ۔

اوفیلیا غضب ناک ہوگئی۔

''ہماری عمر میں محبت مضحکہ خیز ہے'' وہ چلائی: ''مگر ان کی عمروں میں یہ نفرت انگیز ہے۔''

اس نے اس قدر شدت کے ساتھ فلورنتینو آریزا کو اس گھر سے نکال باہر کرنے پر اصرار کیا کہ یہ بات فرمینا دازا نے بھی سن لی۔ اس نے اسے اپنی خوابگاہ میں بلایا۔ جیسا کہ وہ ہر اس موقع پر کرتی تھی جب وہ یہ چاہتی کہ نوکران کی باتیں نہ سنیں۔ اور اس نے اسے اپنے الزامات دہرانے کو کہا۔ اوفیلیا نے ان میں سے کوئی نرمی پیدا نہیں کی: اسے یقین تھا کہ فلورنتینو آریزا کا' جس کی ایک کج رو کے طور پر شہرت ہر کسی کے علم میں تھی' ایک مشکوک تعلق چلا رہا ہے' جس کی وجہ سے خاندان کی عزت کو لورنیز و دازا کی کمینگیوں یا جووینل اربینو کی بے تکلف مہمات سے زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے۔ فرمینا دازا بغیر ایک لفظ کہئے یہاں تک کہ بغیر پلک جھپکائے اس کو سنتی رہی مگر جب اس نے اپنی بات ختم کر لی تو فرمینا دازا ایک مختلف ہستی تھی: وہ زندگی میں واپس آ چکی تھی۔ ''میرے لیے صرف یہ ایک بات تکلیف دہ ہے کہ مجھ میں اب اتنی قوت نہیں رہی کہ میں تمھاری اتنی مرمت کر سکوں' جس کی کہ تم اس قدر گستاخ اور غلیظ سوچ رکھنے کی وجہ سے حق دار ہو۔'' اس نے کہا۔ ''مگر تم اسی لمحے یہ گھر چھوڑ دو اور میں اپنی ماں کی قبر کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تم اس وقت تک دوبارہ اس میں قدم نہیں رکھو گی جب تک کہ میں زندہ ہوں۔''

کوئی قوت اسے اس کے فیصلے سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔ اوفیلیا اپنے بھائی کے گھر رہنے کے لیے چلی گئی اور وہاں سے اس نے نہایت ممتاز پیامبروں کی وساطت سے التجائیں کیں مگر یہ سب بے کار گئیں۔ اس کے بھائی کی وساطت اور نہ ہی اس کی سہیلیوں کی مداخلت فرمینا دازا کے فیصلے کو بدل سکی۔ آخر کار اپنے اچھے دنوں کی رنگین زبان میں اس نے اپنی بہو کے ساتھ اس راز کا ذکر کیا' جس کے ساتھ ہمیشہ سے اس کی ایک خاص طرح کی دوستی رہی تھی۔ ''ایک صدی پہلے' زندگی نے اس بے چارے شخص اور مجھے اس لیے کچل دیا تھا کہ ہم بہت چھوٹے تھے اور اب یہ لوگ دوبارہ یہی کچھ اس لیے دہرانا چاہتے ہیں کہ ہم بہت بوڑھے ہو چکے ہیں'' اس نے اپنے جلتے ہوئے سگریٹ کے باقی ماندہ آخری سرے سے ایک نیا سگریٹ سلگایا اور اپنے اس سارے زہر کو باہر نکال دیا جو اس کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا۔ ''یہ سب جہنم میں جائیں'' اس نے کہا: ''اگر ہم بیواؤں کے پاس کوئی سہولت ہے تو وہ یہی ہے کہ اب ہم پر حکم چلانے والا کوئی باقی نہیں ہوتا۔''

اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ آخر کار جب اسے یقین ہو گیا کہ اب اس کے پاس اور کوئی راہ باقی

فرمینا دازا نے سوچتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''خوب ُہو سکتا ہے میں ایسا ہی کروں۔'' اس نے کہا۔

یہ کہنے سے ایک لمحہ پہلے اُس نے یہ سوچا بھی نہیں ہوگا مگر اسے صرف یہ کرنا تھا کہ وہ اس بات کا اعتراف کر لے کہ اس امکان کے حقیقت ہونے کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔ اس کا بیٹا اور اس کی بہو یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے۔ فلورنتینو آریزا نے جلدی سے اس طرف ان کی توجہ دلائی کہ اس کے جہاز پر فرمینا دازا ایک انتہائی معزز مہمان ہوگی اُس کا اپنا ایک کیبن ہوگا جو بالکل گھر کی طرح ہوگا اُس کو بہترین سروس دی جائے گی اور کپتان بذات خود اس کے تحفظ اور آرام کا خیال رکھے گا۔ وہ اس کی ہمت بڑھانے کے لیے سفری نقشے لے کر آیا' غروب آفتاب کے تصویری پوسٹ کارڈ' مگدالینا کی قدیم جنت کے بارے میں لکھی گئی نظمیں' جسے نامور سیاحوں نے اور انھوں نے جوان نظموں کی وجہ سے سیاح بن گئے تھے' لکھا تھا۔ جب وہ موڈ میں ہوتی تو وہ ان پر نگاہ ڈالتی۔

''تم مجھا یسے نہ پھسلایا کرو جیسے میں کوئی بچی ہوں۔'' اس نے اس کہا: ''اگر میں گئی تو وہ اس لیے کہ میں نے اس کا فیصلہ کر لیا ہے نہ کہ اس لیے کہ یہ لینڈ سکیپ دلچسپ ہے۔''

''جب اس کے بیٹے نے یہ تجویز پیش کی کہ اس کی بیوی اس کے ہمراہ چلی جائے تو اس نے اسے ٹوک دیا ''میں اتنی بڑی ہوں کہ مجھے اپنا خیال رکھنے کے لیے کسی کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے خود ہی سفر کی تفصیلات طے کیں۔ اسے یہ سوچ کر بڑا سکون ملا کہ وہ صرف چند ضروری اشیا کے ساتھ آٹھ دن دریا کے چڑھائی کی طرف سفر کرے گی اور واپسی پر پانچ دن دریا کے نشیب کی طرف۔ یعنی نصف درجن سوتی کپڑے' اپنا آرائشی سامان' سوار ہونے اور چڑھنے کے لیے جوتوں کا ایک جوڑا' سفر کے لیے اس کے گھریلو سلیپر' اور اس کے علاوہ کچھ نہیں: یہ اس کا زندگی بھر کا خواب تھا۔

جنوری 1824 میں بابائے دریائی جہاز رانی' کموڈر جوہان برنارڈ البر نے' ایک قدیم چالیس ہارس پاور ''وفاداری'' نامی پہلی دخانی کشتی کو دریائے مگدالینا میں جہاز رانی کے لیے رجسٹر کیا تھا۔ ایک صدی سے زیادہ عرصہ بعد' سات جولائی' شام چھ بجے' ڈاکٹر اربینو دازا اور اس کی بیوی فرمینا داز اکو اس کے پہلے دریائی سفر کے لیے کشتی میں سوار کروانے اس کے ہمراہ آئے۔ یہ مقامی شپ یارڈ میں تیار ہونے والی پہلی کشتی تھی اور اس کے عظیم المرتبت جد امجد کی یاد میں اسے ''نئی وفا'' کا نام دیا گیا تھا۔ فرمینا دازا کبھی بھی اس بات پر اعتبار کرنے سے قاصر رہی تھی کہ دونوں کے لیے یہ اس قدر معنی خیز نام

درحقیقت ایک تاریخی اتفاق تھا نہ کہ فلورنٹینو آریزا کی قدیم رومان پرستی کی تخلیق کردہ ایک خودفریبی۔

بہرطور دوسری دریائی کشتیوں کے برعکس' چاہے وہ قدیم ہوں یا جدید' ''نئی وفا'' میں کپتان کے کوارٹروں کے پاس ایک وسیع اور آرام دہ سوئٹ تھا۔ ایک نشست گاہ' جس میں بانس کا خوش رنگ فرنیچر تھا' چینی تصویروں سے آراستہ ایک ڈبل بیڈروم' ٹب اور شاور والا ایک باتھ روم اور ٹھنڈا کرنے کا بے آواز نظام' جو باہر کے کسی شور کو اندر نہیں آنے دیتا تھا اور بہار کا سا موسم ہر لمحے برقرار رکھتا تھا۔ جمہوریہ کے تین صدور کے پہلے ہی ان پر سفر کرنے کی وجہ سے 'صدارتی سوئٹ' کے نام سے جانے جانے والی اس پرتعیش رہائش گاہ کے کوئی تجارتی مقاصد نہیں تھے بلکہ یہ بہت اعلیٰ حکام کے خصوصی مہمانوں کے لیے مخصوص تھے۔ جب فلورنٹینو آریزا آرسی سی کا صدر بنا' اس نے فوراً ہی اس سوئٹ کو عمومی مقاصد کے لیے زیر استعمال لانے کا حکم دے دیا تھا مگر اس کا ذاتی یقین یہ تھا کہ جلد یا بدیر فرمینا دازا کے ساتھ اپنے ہنی مون کے لیے اس کو ان کی پرمسرت پناہ گاہ ہونا ہے۔

اور جب وہ دن آن پہنچا' تو وہ اس صدارتی سوئٹ میں اس طرح داخل ہوگئی' جیسے وہی اس کی مالکہ ہو۔ جہاز کے کپتان نے ڈاکٹر اربینو دازا' اس کی بیوی اور فلورنٹینو آریزا کی شیمپئن سے تواضع کی اور سالن مچھلی کے ٹکڑے کھلاتا رہا۔ اس کا نام ڈیگو سماری مینو تھا' اس نے سفید لنن کی یونیفارم پہنی ہوئی تھی جو جوتوں کی نوک سے لے کر سر کی ٹوپی تک' بالکل درست حالت میں تھی اور اس پر سنہرے دھاگے سے آرسی سی کا نشان کڑھا ہوا تھا۔ اس میں دوسرے جہاز کے کپتانوں کی طرح' ایک درخت کی طرح کی مضبوطی اور کسی فلورنس کے کارڈینل کی طرح کے آداب و اطوار پائے جاتے تھے۔

سات بجے' روانگی کی تیاری کے لیے پہلے آواز ابھری' اور فرمینا دازا نے اسے اپنے بائیں کان میں اٹھتی ہوئی ایک شدید ٹیس کے ساتھ مرتعش محسوس کیا۔ پچھلی رات' اس کے خواب بدشگونیوں کی گزرگاہ بنے ہوئے تھے اور ان کی تعبیر جاننے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔ علی الصبح' وہ کار میں بیٹھ کر' قریبی جائے تدفین پر گئی تھی' جسے ان دنوں لامنگا قبرستان کہا جاتا تھا اور جب وہ اس کے تہہ خانے کے سامنے کھڑی تھی' اس نے ایک خودکلامی کی صورت میں اپنے مردہ شوہر سے صلح کی' جس دوران میں اس نے آزادانہ' وہ تمام باتیں کیں' جنھیں اب وہ برداشت کر چکی تھی۔ پھر اس نے اسے اس سفر کی تفصیلات بتائیں اور اسے اس سے خدا حافظ کہا۔ اس نے کسی کو بھی' سوائے اس کے' کچھ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہیں جا رہی ہے اور وہ جب کبھی یورپ بھی جاتی تھی تو ایسا ہی کرتی تھی تاکہ وہ تھکا دینے والی الوداعی پارٹیوں

سے بچ سکے۔ اپنے تمام کیے گئے سفروں کے باوجود اسے لگ رہا تھا جیسے یہ اس کا پہلا سفر ہے اور جوں جوں یہ دن قریب آتا گیا اس کا ہیجان بڑھتا گیا۔ جب وہ جہاز پر سوار ہو گئی تو اس نے خود کو راندہ درگاہ اور اداس محسوس کیا اور اس نے چاہا کہ وہ تنہا ہو تا کہ وہ رو سکے۔

جب آخری بار روانگی کا اعلان کیا گیا' تو ڈاکٹر اربینو دازا اور اس کی بیوی نے اسے ایک غیر ڈرامائی انداز میں خدا حافظ کہا اور فلورنتینو آریزا ان کے ہمراہ سوار ہونے کے نتیجے تک آیا۔ ڈاکٹر اربینو دازا نے ایک طرف کھڑے ہونے کی کوشش کی تا کہ فلورنتینو آریزا اس کی بیوی کے پیچھے آتے ہوئے اتر سکے اور صرف اسی وقت اسے یہ احساس ہوا کہ فلورنتینو آریزا بھی اس سفر جا رہا تھا۔ ڈاکٹر اربینو دازا اپنا کنفیوژن نہ چھپا سکا۔

''مگر ہم نے اس پر تو بات ہی نہیں کی۔'' اس نے کہا۔

فلورنتینو آریزا نے اسے اپنے کیبن کی چابی دکھائی۔ وہ اسے واضح طور پر یہ باور کروانا چاہتا تھا کہ وہ عمومی عرشے پر ایک معمولی سے کیبن میں ٹھہرے گا مگر ڈاکٹر اربینو دازا کو اس کی معصومیت کا یہ ثبوت بہت ناکافی لگ رہا تھا۔ اس نے سراسیمگی میں اپنی بیوی کی طرف نگاہ ڈالی' ایک ڈوبتے شخص کی آنکھوں کی طرح جو مدد کے لیے پکار رہا ہو مگر اس کی آنکھیں سرد تھیں' اس نے ایک بہت دھیمی مگر درشت آواز میں کہا: ''تم بھی؟'' ہاں وہ بھی' اپنی بہن اوفیلیا کی طرح' یہ خیال رکھتا تھا کہ ایک ایسی عمر ہوتی ہے جہاں محبت کرنا نہایت غیر مہذب لگتا ہے مگر وہ جلد ہی سنبھل گیا اور اس نے مصافحہ کرتے ہوئے فلورنتینو آریزا کو خدا حافظ کہا۔ مصافحہ کرنے کا اس کا انداز تشکر سے زیادہ شکست خوردہ محسوس ہو رہا تھا۔

سیلون کی ریلنگ سے فلورنتینو آریزا نے انھیں جہاز سے اترتے ہوئے دیکھا۔ جیسا کہ وہ چاہتا تھا اور اس کی یہ خواہش تھی۔ ڈاکٹر اربینو دازا اور اس کی بیوی نے اپنی گاڑی میں سوار ہونے سے قبل' مڑ کر اس کی طرف دیکھا' اور اس نے ہاتھ ہلا کر انھیں الوداع کیا۔ ان دونوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ وہ اس وقت تک ریلنگ پر کھڑا رہا جب تک گاڑی جہازی علاقے کی دھول میں غائب نہیں ہو گئی۔ اس کے بعد وہ اپنے کیبن میں چلا گیا تا کہ وہ کپتان کے نجی ڈائننگ روم میں' جہاز پر اپنے پہلے ڈنر کے لیے موزوں لباس پہن سکے۔ یہ ایک شاندار شام تھی' جو کپتان ڈیگو سماریٹینو کی دریا میں گزری چالیس سالہ زندگی کی دلچسپ کہانیوں سے رنگا رنگ تھی مگر فرمینا دازا کو اس بات کے لیے بہت زیادہ کوشش کرنا پڑی کہ وہ ان سے محظوظ دکھائی دے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ' آخری وارننگ کا اعلان آٹھ بجے کر دیا گیا تھا' جہاز اس

وقت تک روانہ نہ ہوا جب تک کہ کپتان نے کھانا ختم نہیں کرلیا اور تختے پر جا کر روانگی کے لیے ہدایات نہ جاری کردیں۔ فرمینا دازا اور فلورنتینو آریزا ریلنگ پر کھڑے رہے۔ ان کے نزدیک شور مچاتے ہوئے مسافر تھے' جو اس بات پر شرطیں لگا رہے تھے کہ وہ کس قدر مہارت سے شہر میں روشنیوں کو پہچان سکتے تھے' یہاں تک کہ جہاز خلیج سے باہر نکل آیا' غیر مرئی رستوں میں تیرنے لگا دلدلی علاقوں سے ہوتے ہوئے جہاں مچھیروں کی طرف سے آتی ہوئی روشنیاں چھپ چھپ کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اور یہاں تک کہ وہ عظیم دریائے ماگدالینا کی کھلی فضا میں سانس لینے لگے۔ پھر بینڈ ایک مقبول دھن بجانے لگا۔ وہاں مسافروں کے خوشی سے بھرپور ہجوم میں ایک جنونی رقص شروع ہوگیا۔

فرمینا دازا نے اپنے کیبن میں جانے میں عافیت سمجھی۔ پوری شام وہ ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی اور فلورنتینو آریزا نے اسے اپنی سوچوں میں ڈوبے رہنے دیا۔ اس نے ان سوچوں میں اُس کے کیبن کے باہر سے صرف اسے شب بخیر کہنے کے لیے مداخلت کی' مگر وہ تھکی ہوئی نہیں تھی' محض ذرا کھوئی ہوئی تھی اور اس نے اسے کہا کہ کیوں نہ وہ تھوڑی دیر اس کے پرائیویٹ عرشے پر بیٹھ کر نظارہ کریں۔ فلورنتینو آریزا بانس کی بنی دو آرام کرسیاں کھینچ کر ریلنگ کے پاس لے آیا' بتیاں بجھا دیں' اس کے شانوں پر ایک اونی شال اوڑھائی' اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ایک حیران کن مہارت سے، اس نے، اس کے لائے ہوئے تمباکو کے ایک چھوٹے سے ڈبے میں سے، ایک سگریٹ رول کیا' جب کہ اس کا جلا ہوا سرا اس کے منہ میں تھا۔ بغیر کوئی بات کیے وہ آہستہ آہستہ کش لیتی رہی اور پھر اس نے دو مزید سگریٹ رول کیے اور ایک کے فوراً بعد دوسرے کو پیا۔ فلورنتینو آریزا' پہاڑی کافی کے دو تھرموس' گھونٹ گھونٹ' پیتا رہا۔

شہر کی روشنیاں افق کے پار غائب ہوگئیں تھیں۔ تاریک عرشے سے' پورے چاند کی روشنی میں ہموار' خاموش دریا اور دونوں کناروں پر چراگاہوں نے مل کر ایک چمکتا ہوا میدان سا بنا دیا تھا۔ وقتاً فوقتاً وہ کسی بڑے الاؤ کے نزدیک تنکوں سے بنی کسی جھونپڑی کو دیکھ سکتے تھے جو اس بات کا اشارہ تھی کہ جہاز کے بوائلرز کے لیے لکڑی برائے فروخت موجود ہے۔ فلورنتینو آریزا کے ذہن میں ابھی بھی جوانی کے دریائی سفر کی مدھم یادیں موجود تھیں اور خیرہ کن روشنیوں کی چمک میں دریا کے نظارے نے انھیں یوں زندہ کر دیا جیسے یہ واقعات گزشتہ کل ہی رونما ہوئے ہوں۔ اس منفر وضے پر کہ شاید یہ اسے زندگی میں واپس لے آئیں۔ اس نے ان میں سے کچھ واقعات فرمینا دازا کو سنائے مگر وہ کسی اور ہی دنیا میں بیٹھی سگریٹ کے کش کھینچتی رہی۔ فلورنتینو آریزا نے اپنی یادوں کو خیرباد کہا اور اسے اپنے ساتھ تنہا رہنے دیا۔

اس دوران میں وہ سگریٹ رول کر کے اُنھیں پہلے ہی جلا کر اسے دیتا رہا۔ یہاں تک کہ ڈبہ بالکل خالی گیا۔ نصف شب کے بعد موسیقی بند ہو گئی مسافروں کی آوازیں منتشر ہو کر خواب آلود سرگوشیاں بن گئیں اور عرشے کے سایوں میں تنہا دو دل سانس لیتے ہوئے جہاز کے ساتھ ساتھ دھڑکنے لگے۔

کافی دیر بعد دریا سے آتی روشنی میں فلورنتینو آریزا نے فرمینا دازا کی طرف دیکھا وہ کسی سائے کی طرح لگ رہی تھی اس کا مجسّمے جیسا سراپا نیلی روشنی میں مدہم دکھائی دے رہا تھا اور اس نے محسوس کیا کہ وہ خاموشی سے گریہ زاری کر رہی ہے مگر اس کے آنسوؤں کے اُمڈنے کا انتظار کیے بغیر اس کو تسلی دینے کے بجائے جیسا کہ وہ چاہتی تھی اس پر دہشت غالب آ گئی۔

''تم تنہا ہونا چاہتی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''اگر میں ایسا چاہتی تو تمھیں اندر آنے کا کہتی؟۔'' اس نے جواب دیا۔

پھر اس نے تاریکی میں اپنی دو یخ انگلیاں بڑھائیں اندھیرے میں ہی دوسرے ہاتھ کو محسوس کیا اور اس نے جانا کہ وہ اسی کا منتظر تھا۔ اسی ایک لمحہ گریزاں میں وہ دونوں یہ محسوس کرنے لگے کہ انھیں اس بات کا ادراک ضرور تھا کہ بوڑھی ہڈیاں لیے یہ ہاتھ وہ ہاتھ نہیں تھے جن کا چھونے سے پہلے انھوں نے تصور کیا تھا۔ تاہم اگلے ہی لمحے اس نے اپنے مردہ شوہر کا فعل حال میں یوں ذکر کرنا شروع کیا جیسے وہ ابھی زندہ ہو اور فلورنتینو آریزا اس وقت جانتا تھا کہ اس کے لیے بھی وقت اسی وقار اسی شکوہ اور اسی زندہ رہنے کی نہ دبائی جانے والی خواہش کے ساتھ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا اس سوال کے ساتھ کہ وہ اس محبت کا کیا کرے جو کسی آقا کے بغیر پیچھے چھوڑ دی گئی تھی۔

فرمینا دازا نے اپنے سگریٹ پینا بند کر دیے تا کہ اسے وہ ہاتھ چھوڑنا نہ پڑے جو اس کے اپنے ہاتھ میں تھا۔ وہ کچھ سمجھنے کی خواہش میں غرق تھی۔ وہ کسی ایسے شوہر کا تصور نہیں کر سکتی تھی جو اس کے مرحوم شوہر سے بہتر ہو اس کے باوجود جب اس کی زندگی یادوں کی صورت میں اس کی سوچوں میں آئی تو اس نے محسوس کیا کہ اس میں خوشیوں کی نسبت مشکلات زیادہ تھیں۔ بے شمار باہمی غلط فہمیاں بے کار دلائل اور غیر حل شدہ ناراضگیاں۔ اس نے اچانک آہ بھری: ''یہ کس قدر ناقابلِ یقین ہے کہ کوئی کس طرح، اتنے سالوں اس قدر زیادہ جھگڑوں کے درمیان اس قدر مسائل کے ساتھ خوش رہ سکتا ہے اور لعنت ہو جب وہ یہ نہ بھی جانتا ہو کہ یہ واقعتاً محبت ہے یا نہیں۔'' جس وقت وہ اپنا بوجھ ہلکا کر چکی کسی نے چاند کو بجھا دیا۔ جہاز اپنی مستقل رفتار کے ساتھ ایک کے بعد دوسرا قدم لیتا آگے بڑھتا رہا: ایک بے پناہ محتاط

شفاف تھا' اور بے رحم سورج تلے کسی دھات کی طرح چمک رہا تھا۔ فرمینا داز ا کا تاثر تھا کہ یہ ریت کے جزیروں سے بھرا ہوا ایک ڈیلٹا تھا۔

''یہ سارا دریا تھا' جو ہم چھوڑ چکے ہیں۔'' کیپٹن نے کہا۔ ''بس اب یہی کچھ سارا دریا باقی رہ گیا ہے۔''

فلورنتینو آریزا' درحقیقت ان تبدیلیوں سے حیران رہ گیا تھا اور اگلے دن اس کی حیرانی میں مزید اضافہ ہونا تھا۔ جب جہازرانی مشکل سے مشکل تر ہوتی گئی اور اسے احساس ہوا کہ دنیا کے عظیم دریاؤں میں سے ایک بابائے آب، مالگدینا صرف یاد کا ایک دھوکا تھا۔ کیپٹن سماری پٹو نے اسے بتایا کہ بے لگام جنگلات کشی کے پچاس سالوں نے دریا کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ دریائی کشتیوں کے بوائلر فلورنتینو آریزا کے اولین آبی سفر میں، اسے دہشت زدہ کر دینے والے گھنے جنگل کے عظیم درختوں کو اپنا ایندھن بنا چکے تھے۔ فرمینا دازا کو اپنے خوابوں میں دیکھے جانور نظر نہیں آ رہے تھے: شکاریوں نے نیو اورلینز کی ٹینریوں کے لیے کھال حاصل کرنے کے لیے ان گھڑیالوں کو ختم کر دیا تھا' جو اپنے جماہی لیتے ہوئے منہ کے ساتھ' ساحل کے ساتھ ساتھ گھاٹیوں میں' تتلیوں کے انتظار میں گھنٹوں مردہ بن کر پڑے رہتے تھے۔ طوطے اپنی کلکاریوں سمیت اور بندر اپنی جنونی چیخوں سمیت پتوں کی غذا کی بربادی کے باعث غائب ہو چکے تھے۔ سمندری گائیں جو اپنی بڑی بڑی چھاتیوں سے اپنے بچوں کو دودھ پلاتی تھیں اور ساحلوں پر کسی برباد عورت کی طرح روتیں تھیں' شوقیہ شکاریوں کی گولیاں کا نشانہ بن کر نیست ونابود ہو چکی تھیں۔

کیپٹن سماری پٹو سمندری گایوں کے لیے اپنے دل میں مادرانہ شفقت محسوس کرتا تھا' کیوں کہ وہ اسے کسی من چلی محبت میں برباد عورتوں کی طرح لگتی تھیں اور وہ اس کہانی پر یقین رکھتا تھا کہ جانوروں کی دنیا میں وہ واحد مادہ ہیں جن کا کوئی ساتھی نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس کے شکار کی ممانعت کے قوانین کے باوجود یہ اس وقت کا رواج تھا' اس نے جہاز پر سے ان کو نشانہ بنانے کی ہمیشہ مخالفت کی تھی۔ ایک دفعہ شمالی کیرولینا کا ایک شکاری' جس کے سارے سفری کاغذات درست تھے' اس کی نافرمانی کر بیٹھا تھا اور اس نے اپنے مہارت سے بھرپور نشانے سے' اپنی سپرنگ فیلڈ رائفل کی گولی سے ایک سمندری گائے کا جو ماں تھی' بھیجا اڑا دیا تھا اور اس کا بچہ اس کی گری ہوئی لاش پر روتے ہوئے سخت بدحواس ہو گیا تھا۔ کیپٹن اس یتیم کو جہاز پر لے آیا تا کہ وہ اس کی دیکھ بھال کر سکے اور اس نے شکاری کو اتار کر اس مقتول ماں کی لاش کے ساتھ' اس ویران ساحل پر چھوڑ دیا۔ سفارتی احتجاج کی وجہ سے اس کو چھ ماہ جیل

، جیسے یہ نصف شب کا سے ہو فوراً سو گیا اور اس جگہ کے قریب جہاں سے اس نے جہاز سے اسے اترتے ہوئے دیکھا تھا اس نے خواب میں روزالبا کو دیکھا وہ تنہا سفر کر رہی تھی۔ اس نے پچھلی صدی کا اپنا موم پاکس کا سٹیوم پہن رکھا تھا اور چھت سے لٹکتے ہوئے تیلیوں کے پنجرے میں بچہ نہیں' مل کہ وہ خود سو رہی تھی۔ یہ خواب جو بیک وقت اس قدر پیچیدہ اور اس قدر مسرت آمیز تھا کہ باقی سہ پہر' جب وہ کپتان اور اپنے دو مسافر دوستوں کے ساتھ ڈومینو کھیل رہا تھا اس کے لطف میں سرشار رہا۔

سورج ڈوبنے کے ساتھ ہی ٹھنڈک ہوتی گئی اور جہاز میں زندگی واپس آ گئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے مسافر حالت رویا سے باہر آ رہے ہوں۔ انھوں نے غسل کیا تھا اور نئے کپڑے پہنے تھے اور وہ سیلون میں تیلیوں والی کرسیوں پر بیٹھے رات کے کھانے کا انتظار کر رہے تھے' جس کا ٹھیک پانچ بجے اس بیرے نے اعلان کیا تھا جو ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمسخرانہ ہنسی کے شور میں ایک گھنٹی بجاتا پھر رہا تھا۔ جب وہ کھانا کھا رہے تھے تو بینڈ نے فینڈ یگو بجانا شروع کر دیا جس کے بعد نصف شب تک رقص جاری رہا۔

فرمینا دازا نے کان میں درد کی وجہ سے کھانا نہیں کھایا اور وہ گھاٹی سے جہاز کے بوائلر کے لیے لکڑیوں کا پہلا گٹھا چڑھایا جانا دیکھتی رہی' جو گھاس پھونس اور عام لکڑی کے سوا کچھ نہیں تھا اور ایک بوڑھا آدمی اس سارے عمل کی نگرانی کر رہا تھا۔ اردگرد کئی فرسنگ تک کوئی اور انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ فرمینا دازا کے لیے یہ ایک لمبا' تھکا دینے والا پڑاؤ تھا جس کا یورپ کے تیز رفتار سمندری جہازوں میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور گرمی اس قدر شدید تھی کہ اپنے عرشے کی ٹھنڈی نظارہ گاہ تک میں اسے اس کی حدت محسوس ہو رہی تھی۔ مگر جب جہاز نے دوبارہ لنگر اٹھایا تو جنگل کے دل کی خوشبو سے معطر ٹھنڈی مہک دار ہوا چلنا شروع ہو گئی' اور موسیقی اور زیادہ حیات آمیز ہوتی گئی۔ سیٹیو نوور کے قصبے میں' صرف ایک گھر کی صرف ایک کھڑکی میں صرف ایک بتی روشن تھی اور بندرگاہ کے دفتر نے سامان یا

[illegible]

کیا' جسے وہ دونوں جانتے تھے کہ یہ مصنوعی ہے اور وہ اکٹھے اول درجے کے عرشے پر گھومتے رہے' جوان نوجوانوں سے بھرا پڑا تھا' جن میں سے اکثر شیخی باز طالب علم تھے' جو کسی قدر اشتیاق کے ساتھ اپنی چھٹیوں کے آخری حصے میں خود کو تھکا رہے تھے۔ لاؤنج میں فرمینا دازا اور فلورنٹینو آریزا بار میں ایسے بیٹھ گئے جیسے وہ خود بھی طالب علم ہوں اور بوتلوں میں عام مشروب پیتے رہے' اچانک اس نے خود کو دہشت انگیز صورت حال میں پایا' اس نے کہا' کس قدر عجیب بات' فلورنٹینو آریزا نے اس سے پوچھا کہ ایسا کون سا خیال ہے جس نے اس قدر ابتر حالت میں پہنچا دیا ہے۔

''وہ بیچارہ بوڑھا جوڑا'' اس نے کہا: ''وہ لوگ جنھیں کشتی میں مار دیا گیا تھا۔''

جب موسیقی بند ہوئی' تو عرشے کی تاریک نظارہ گاہ پر' ایک طویل اور پرسکون گفتگو کے بعد انھوں نے اندر جانے کا فیصلہ کیا۔ چاند نظر نہیں آ رہا تھا' آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور افق پر گرج کے بغیر چمکتی بجلی نے ایک لمحے کے لیے ان پر نور بکھیر دیا۔ فلورنٹینو آریزا اس کے لیے سگریٹ لپیٹتا رہا مگر اس نے بہت تھوڑے سگریٹ پیے' کیوں کہ اس کے درد نے اسے عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ یہ چند لمحوں کے لیے کم ہو جاتا' مگر جب بھی جہاز کسی اور جہاز یا کسی خوابیدہ قصبے کے قریب سے گزرتے ہوئے سائرن بجاتا یا جب وہ اس قدر سست ہو جاتا کہ دریا کی گہرائی آواز دینے لگتی' تو یہ دوبارہ تیز ہو جاتا۔ اس نے اسے بتایا کہ کس قدر چاہت کے ساتھ اس نے اسے شعر میلۂ غبارے کی پرواز اور پرانی بائیسکل چلانے کی بازی گری کے مواقع پر اسے دیکھا تھا اور کس قدر آرزو کے ساتھ وہ سال بھر سماجی میلوں کا انتظار کرتا رہتا تھا محض اس لیے کہ وہ اسے دیکھ سکے۔ اس نے بھی کئی بار اسے دیکھا تھا، مگر اسے کبھی اس بات کا گمان بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ وہاں صرف اسے دیکھنے کے لیے موجود ہوتا تھا۔ تاہم ابھی ایک سال سے کم عرصہ ہوا تھا' جب سے اس نے اس کے خطوط پڑھے تھے' اور وہ حیران ہوتی تھی کہ اس نے 'شعر میلۂ' کے مقابلے میں حصہ کیوں نہیں لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ جیت جاتا۔ فلورنٹینو آریزا نے اسے جھوٹ بولا: وہ صرف اس کے لیے لکھتا تھا۔ اسی کے لیے شعر کہتا تھا اور صرف وہی انہیں پڑھتا تھا۔' اس بار وہ تھی جس نے تاریکی میں اس کا ہاتھ تلاش کیا' اور اس نے پچھلی شب کی طرح اس کے ہاتھ کو اس طرح منتظر نہیں پایا' جس طرح اس کا ہاتھ اس کا انتظار کر رہا تھا' مل کہ اس نے اچانک اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا ' اور فلورنٹینو آریزا کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ ''عورتیں کس قدر عجیب ہوتی ہیں'' اس نے کہا۔

وہ قہقہہ بار ہو گئی۔ کسی نوجوان فاختہ کی طرح ایک گہری ہنسی اور ایک بار پھر اس کشتی والے

جوڑے کا خیال اس کے ذہن میں ابھرا ۔ یہ اس کے ذہن میں کندہ ہو چکا تھا: یہ تصور ہمیشہ اس کے تعاقب میں رہتا تھا مگر اس رات وہ اسے جھیل سکتی تھی کیوں کہ وہ قرار اور سکون محسوس کر رہی تھی اور اس کی زندگی میں ایسے مواقع بہت کم تھے: ہر طرح کے الزامات سے آزاد ۔ وہ صبح تک اس کے ہاتھ سے رستی ہوئی خنکی لیے خاموش وہاں بیٹھی رہی، مگر اس سے اپنے کان کا درد برداشت نہیں ہو پا رہا تھا ۔ چناں چہ جب موسیقی ختم ہوئی اور پھر عام مسافروں کے سیلون میں اپنے سفری خیمہ لگانے کی ہل چل ختم ہو چکی اس

کے ڈربے کی طرح کی بو آتی ہے۔" وہ دونوں ایک دوسرے کو اس لیے برداشت کرتے آئے تھے کہ ان میں مقابلہ برابر کا تھا: میری بو بمقابلہ تمھاری بو۔ دوسری جانب وہ اکثر امریکا ویکونا کا خیال رکھتا تھا، جس کے زیر جاموں کی بو اکثر اس میں مادرانہ جبلتیں بیدار کردیتی تھی مگر وہ اس خیال سے پریشان ہوگیا تھا کہ وہ اس کی بو کو ناپسند کرتی ہے: غلیظ بڈھے کی بو۔ مگر اب یہ سب کچھ ماضی کا حصہ تھا۔ اہم بات یہ تھی کہ اس سہ پہر سے لے کر اب تک، جب خالہ ایسکولستیکا ٹیلی گراف آفس کے کاؤنٹر پر اپنی دعاؤں کی کتاب چھوڑ کر گئی تھی، فلورنتینو آریزا نے اس قدر خوشی محسوس نہیں کی تھی جیسی کہ اس رات وہ محسوس کر رہا تھا، اس قدر شدید کہ وہ خوف زدہ ہوگیا۔

پانچ بجے کے قریب اس پر اونگھ طاری ہونا شروع ہوئی۔ فرمیرانو کی بندرگاہ پر جہاز کے ایک افسر نے ایک ضروری ٹیلی گرام اس کے حوالے کرنے کے لیے اسے جگا دیا۔ اس پر لیونا کیزیانی کے دستخط تھے اور گزشتہ روز کی تاریخ درج تھی اور اس کی ساری دہشت ایک سطر میں تحریر تھی: امریکا ویکونا کل مرگئی۔ وجوہات کا کچھ علم نہیں۔ دن کے گیارہ بجے اس نے ایک ٹیلی گراف کانفرنس کے ذریعے لیونا کیزیانی سے اس کی تفصیلات حاصل کیں، جس کے دوران میں اپنے ٹیلی گراف آپریٹر ہونے کے زمانے سے اب تک، اس نے پہلی بار خود نشریاتی آلات استعمال کیے۔ امریکا ویکونا نے، اپنے آخری امتحان میں ناکام ہونے کی وجہ سے، اسی فنا پذیر مایوسی کی شدت میں، سکول کی ڈسپنسری سے چرائی ہوئی لاڈیم کی بوتل پی لی تھی۔ اپنی روح کی گہرائیوں میں فلورنتینو آریزا کو علم تھا کہ یہ کہانی نامکمل ہے۔ مگر نہیں: امریکا ویکونا نے ایسا کوئی وضاحتی بیان نہیں چھوڑا تھا جس سے کسی اور پر اس کے فیصلے کی ذمہ داری کا الزام عائد کیا جا سکتا۔ اس کا خاندان، جسے لیونا کیزیانی نے اطلاع دے دی تھی، پیورو پیڈرے سے پہنچنے والا تھا اور اس

میدان تھے' جہاں سے جنگل کٹ چکے تھے اور جنھیں دریائی کشتیوں کے بوائیلر ہڑپ کر چکے تھے۔ ملبے میں ڈھیر ہوئے تباہ حال قصبے تھے' جن کی گلیوں میں شدید ترین خشک سالی میں بھی پانی کھڑا رہتا تھا۔ رات کے وقت وہ ریتلے ساحلوں پر سائرن کی طرح کے گیتوں سے نہیں بلکہ سمندر کی طرف بہنے والی لاشوں کی متلی آمیز بدبو سے بیدار ہوتے تھے۔ اب کوئی جنگیں بھی نہیں تھیں اور نہ ہی وبائیں' مگر پھولی ہوئی لاشیں بہے جا رہی تھیں۔ ایک دفعہ کپتان سنجیدگی سے کہنے لگا: ''ہمیں مسافروں کو یہ بتانے کا حکم ہے کہ ہم حادثاً تاغرقابی کا شکار ہونے والوں میں سے ہیں:'' کلکاریاں مارتے طوطوں اور غیر مرئی بندروں کے بےہنگم شور کی بجائے جو کبھی دوپہر کے وقت کی خدمت میں مزید اضافہ کر دیتے تھے' جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ اس تاراج شدہ علاقے کا بے پناہ پھیلا ہوا سکوت تھا۔

لکڑی حاصل کرنے کی جگہیں اس قدر کم تھیں اور ایک دوسرے سے اس قدر زیادہ فاصلوں پر تھیں کہ سفر کے چوتھے دن ہی ''نئی وفا'' ایندھن کی کمی کا شکار ہو گیا۔ وہ تقریباً پورا ایک ہفتہ ایک جگہ پھنسا رہا' جبکہ اس کا عملہ آخری کوشش کے طور پر ادھر ادھر بکھرے ہوئے درختوں میں ایندھن تلاش کرتا رہا۔ وہاں کوئی اور نہیں تھا۔ لکڑہارے اپنے علاقے چھوڑ کر جا چکے تھے۔ زمین کے مالکوں کی بے رحمی سے' غیر مرئی ہیضے سے' جنھیں حکومتیں توجہ ہٹانے والے فرامین کے ذریعے چھپانے پر کمربستہ رہتی تھیں' وہ دور بھاگ چکے تھے۔ اس دوران میں بوریت کے مارے مسافر بیرا کی کے مقابلے کرواتے' شکار کھیلنے کا اہتمام کرتے' اور زندہ امریکی چھپکلیوں کے ساتھ واپس لوٹتے' جنھیں وہ اوپر سے نیچے تک چاک کر دیتے' اور پھر نرم شفاف انڈے نکال کر انھیں دوبارہ سوئیوں سے سی کر اندر ریلنگ پر خشک ہونے کے لیے رسی میں پرو دیتے۔ قریبی قصبوں سے' غربت کی ماری طوائفیں اس جگہ کا راستہ طے کرتے ہوئے ان کے پیچھے آ گئیں۔ ساحل کے ساتھ گلیوں میں انھوں نے عارضی خیمے لگائے' اپنے ہمراہ شراب اور موسیقی لائیں' اور اس پھنسے ہوئے جہاز کے اردگرد دریا میں ناؤ نوش کا عالم رہنے لگا۔

آر۔سی۔سی کا صدر بننے سے بہت عرصہ پہلے' فلورنتینو آریزا کو دریا کی صورت حال کے بارے میں تشویش ناک رپورٹیں موصول ہوتیں تھیں۔ اگرچہ وہ ان کو شاذ ہی کبھی پڑھتا تھا۔ وہ اپنے معاونین کو کہتا: ''فکر مت کرو' جب لکڑی ختم ہو گی' کشتیاں تیل سے چلائی جانے لگیں گی۔'' فرمینا دازا کے لیے اپنے عشق کی دھند میں گرفتار اس نے کبھی اس کے بارے میں سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کی تھی اور جس وقت تک اسے حقیقت کا ادراک ہوا' کوئی بھی اس کے سوا اب کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ بس ایک نیا دریا

ہے۔"صدارتی سوئٹ کی مرطوب فضا نے انھیں ایک غیر حقیقی کسالت میں مبتلا کر دیا جس میں بغیر کوئی سوال کیے پیار کرنا آسان تھا۔ وہ ریلنگ کے قریب ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے آرام دہ کرسیوں پر بیٹھے ایسے لمحات میں جذب رہتے جو کبھی اس کے تصور میں بھی نہیں آئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے جلدی جلدی بوسے لیتے' وہ بے صبری کے فریب کے بغیر لمس کی مستیوں کا مزا لیتے۔ تیسری مدہوش رات میں' سونف کی شراب کی ایک بوتل لیے وہ اس کا انتظار کرتی رہی۔ اسے وہ کزن ہلڈے برانڈا کے گروہ میں خفیہ طور پر پیتی تھی اور بعد ازاں' جب اس کی شادی اور بچے ہو گئے تھے' تو اپنی ادھار لی ہوئی دنیا کی سہیلیوں کے ساتھ' بند کمروں میں پیتی رہی تھی۔ وہ کسی حد تک مدہوش ہونا چاہتی تھی تاکہ وہ اس قدر رہوش کے ساتھ اپنے مقدر کے بارے میں نہ سوچ سکے۔ مگر فلورنتینو آریزا سمجھا کہ وہ خود کو اب آخری قدم کے لیے ہمت دینا چاہ رہی ہے۔ اس فریب سے ہمت پکڑتے ہوئے اس نے جرات کر کے اس کی جھریوں بھری گردن' اس کی دھاتی چولی میں محفوظ چھاتی' بھربھری ہوتی ہڈیوں والے کولہوں' اس کی بوڑھی ہوتی رگوں والی رانوں پر انگلیاں پھیرنا شروع کر دیں۔ اس نے خوشی کے احساس کے ساتھ اسے ہونے دیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں' وہ ذرا نہیں کپکپائی اور وہ وقفے وقفے سے سگریٹ اور شراب پیتی رہی۔ آخرکار جب اس کے لمس کے مرحلے اس کے پیٹ کے آس پاس پھیلنے لگے' اس کے وجود میں بہت نشہ اتر چکا تھا۔ "اگر ہمیں یہ کرنا ہی ہے تو آؤ کریں' " اس نے کہا۔ "مگر ہمیں یہ بالغ' سمجھدار لوگوں کی طرح کرنا چاہیے۔"

وہ اسے خواب گاہ میں لے گئی' اور جب کہ بتیاں روشن تھیں' بغیر کسی مصنوعی حیا کے کپڑے اتارنے لگی۔ فلورنتینو آریزا بستر پر پشت کے بل لیٹا تھا اور دوبارہ اپنا اعتماد حاصل کرنے کا جتن کر رہا تھا۔ ایک بار پھر وہ نہیں جان پا رہا تھا کہ وہ اس چیتے کی کھال کا کیا کرے جسے اس نے مار گرایا ہے۔ اس نے کہا "مت دیکھو۔" اس نے چھت پر اپنی نگاہیں ہٹائے بغیر پوچھا' کیوں؟"

"کیوں کہ تم اسے پسند نہیں کرو گے" اس نے کہا۔

پھر اس نے اس کی طرف نگاہیں کیں' اور اسے کمر تک برہنہ دیکھا' بالکل ویسا ہی جیسا کہ اس نے تصور کیا تھا۔ اس کے شانوں پر جھریاں پڑی تھیں' اس کی چھاتیاں جھک گئیں تھیں' اس کی پسلیاں کسی مینڈک کی سی زرد اور سرد تھل تھل کرتی کھال سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے سینے کو اس بلاؤز سے ڈھکا جسے اس نے ابھی اتارا تھا' اور بتی بجھا دی۔ پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور تاریکی میں اپنا لباس اتارنے لگا' اپنی اتاری ہوئی ہر شے اس کی طرف اچھالتے ہوئے جسے وہ قہقہوں سے دوہری ہوتی اس کی طرف

دوبارہ پھینک دیتی۔

وہ دونوں کافی دیر تک پشت کے بل لیٹے رہے' جوں جوں اس کا نشہ اتر رہا تھا وہ پریشان ہوتا جا رہا تھا۔ اور وہ تقریباً بنا چاہے پرسکون' مگر خدا سے اس بات کی طلب گار کہ وہ کسی احمق کی طرح ہنستی نہ جائے۔ اس کے ساتھ ہمیشہ یہ اس وقت ایسا ہوتا تھا' جب وہ بہت زیادہ سونف کی شراب چڑھا لیتی تھی۔ وہ وقت گزارنے کے لیے باتیں کرتے رہے۔ اپنی ایک دوسرے سے مختلف زندگیوں کے بارے میں اس پھنسے ہوئے جہاز پر ایک تاریک کیبن میں برہنہ ہونے کے ناقابل یقین اتفاق کے بارے میں' جب حقیقت نے ان پر عیاں کیا تھا کہ ان کے پاس صرف مرنے کے لیے وقت رہ گیا ہے۔ اس شہر میں جہاں ہر بات واقع ہونے سے پہلے عام ہو جاتی ہے' اس نے کبھی یہ نہیں سنا تھا کہ اس نے کوئی عورت رکھی ہے' ایک بار بھی نہیں۔ اس نے ایک اتفاقیہ انداز میں بات کی اور اس نے ایک مستحکم آواز میں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اسے جواب دیا: "میں تمھارے لیے کنوارہ رہا ہوں۔"

وہ کسی بھی صورت میں اس بات کا اعتبار نہ کرتی چاہے یہ سچ ہی کیوں نہ ہوتا' کیوں کہ اس کے خط ایسے ہی فقروں سے عبارت ہوتے' جن کی چمک کے سامنے ان کے معانی کی کوئی اہمیت نہیں رہتی تھی مگر اسے اس کا اس پر جوش انداز میں یہ بات کہنا پسند آیا۔ جب کہ فلورنٹینو آریزا نے اپنے تئیں، اچانک خود سے یہ سوال کیا' جو اس سے پہلے وہ خود سے کرنے کی کبھی جرات نہیں کر سکتا تھا: اپنے ازدواجی دائرے سے باہر فرمینا دازا نے کس طرح کی خفیہ زندگی گزاری ہوگی۔ اسے کسی بات سے حیرانی نہیں ہونا تھی' کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ اپنی خفیہ مہم جوئیوں میں عورتیں بالکل مردوں کی طرح ہوتی ہیں۔ ویسے ہی چال' ویسے ہی اچانک وجدان' اور بغیر کسی ندامت کے ویسی ہی بے وفائی۔ مگر وہ اس قدر سمجھ دار تھا کہ اس سے یہ سوال نہ پوچھے۔ ایک بار' جب اس کے تعلقات چرچ سے پہلے ہی کشیدہ تھے اس کے کنفیسر نے اچانک اس سے یہ سوال پوچھا کہ کیا وہ کبھی اپنے شوہر سے بے وفائی کی مرتکب ہوئی ہے اور وہ بغیر کوئی جواب دیے بغیر حتمی بات کیے' بغیر خدا حافظ کہے' اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اس کے بعد کبھی بھی اعترافات کے لیے نہیں گئی تھی۔ اس کنفیسر کے پاس یا کسی بھی کنفیسر کے پاس۔ مگر فلورنٹینو آریزا کی احتیاط کو ایک غیر متوقع صلہ ملا: اس نے تاریکی میں اپنا ہاتھ دراز کیا اور اس کے پیٹ' اس کے پہلو کے حصوں' اس کے تقریباً بے بال زیر ناف حصے پر اسے پھیرنے لگی۔ اس نے کہا "تمھاری جلد کسی بچے کی طرح ہے۔" پھر اس نے آخری قدم اٹھایا اس نے اسے وہاں ڈھونڈا جہاں یہ نہیں تھا' اس نے بغیر کسی

امید کہ اسے دوبارہ ڈھونڈا اس نے اسے غیر مسلح پایا۔

''یہ مر چکا ہے۔'' اس نے کہا۔

اس کے ساتھ بعض اوقات یہ ہو چکا تھا اور اس نے اس آسیب کے ساتھ رہنا سیکھ لیا تھا۔ ہر بار اسے نئے سرے سے سیکھنا پڑتا تھا' جیسے یہ پہلی بار ہو۔ اس نے اس کا ہاتھ اٹھا کر اسے اپنے سینے پر رکھ لیا: فرمینا دازا نے قریباً جلد سے باہر نکلتے ہوئے قدیم' جفاکش دل کو کسی لڑکے کے دل کی سی قوت' تیزی اور بے قاعدگی کے ساتھ دھڑکتے ہوئے محسوس کیا۔ اس نے کہا: اس کے لیے' بے پناہ محبت بھی، محبت کے نہ ہونے کی طرح ہے۔ مگر اس نے یہ بغیر کسی یقین کے کہا تھا: وہ خود سے شرمسار اور غضبناک تھا' کسی ایسی وجہ کو ڈھونڈنے کا جتن کرتے ہوئے، جسے وہ اسے اپنی ناکامی کا ذمہ دار قرار دے سکے۔ وہ جانتی تھی اور اس نے اس کے بے مدافعت جسم کو مزاحیہ بوسہ بازی کے ساتھ بیدار کرنا شروع کر دیا۔ جیسے کوئی بلی کا بچہ سفاکی سے خوش ہو رہا ہو۔ یہاں تک کہ اس کے لیے یہ شہادت ناقابل برداشت ہو گئی اور وہ اپنے کیبن میں لوٹ گیا۔ وہ صبح تک اپنی محبت کا یقین لیے اس کے بارے میں سوچتی رہی اور جب سونف کی شراب نے اسے دھیمی دھیمی لہروں کے حوالے کر دیا تو وہ اس مضطرب خوف کا شکار ہو گئی کہ وہ ناراض تھا اور اب کبھی نہیں آئے گا۔

مگر وہ اگلے دن ہی تازہ دم اور ایک نئے انداز کے ساتھ گیارہ بجے کے معمول کے وقت کے مطابق لوٹ آیا اور ایک خاص خودنمائی کے ساتھ اس کے سامنے ہی بے لباس ہونا شروع کر دیا۔ وہ روشنی میں اسے بالکل ویسا ہی دیکھ کر خوش ہوئی جیسا کہ اس نے تاریکی میں اس کا تصور کیا تھا: سیاہ جلد' جو کسی کھلی ہوئی چھتری کی طرح چمکدار اور کسی ہوئی تھی' اپنی بغلوں اور جڑھوں پر چند بے جان لڑیوں کے ساتھ بے بال' جہاں ایک بے عمر انسان' اس کا محافظ' ایستادہ تھا اور اس نے محسوس کیا کہ اس نے اپنے ہتھیار کو اتفاقاً نمایاں نہیں کیا' بلکہ اس کی ایسے نمائش کی ہے جیسے وہ کسی جنگ میں جیتا ہوا کوئی تمغہ ہو' تاکہ وہ اپنی ہمت بڑھا سکے۔ اس نے اسے وہ نائٹ گاؤن اتارنے کا موقع بھی نہیں دیا' جو اس نے اس وقت پہن لیا تھا جب صبح کی ہواؤں نے چلنا شروع کر دیا تھا اور اس کی کسی اناڑی کی سی عجلت کی وجہ سے وہ اس کے لیے پیدا ہونے والے جذبۂ ترحم سے کانپ اٹھی۔ مگر وہ اس بات پر پریشان نہیں ہوئی کیوں کہ اس طرح کے معاملات میں رحم اور محبت میں امتیاز کرنا آسان نہیں ہوتا۔ تاہم جب یہ سب ہو چکا تو اس نے خود کو خالی محسوس کیا۔

بیس سالوں میں یہ پہلا موقع تھا جب اس نے کسی سے وصال کیا تھا اور وہ اس تجسس میں گرفتار تھی کہ اس قدر طویل وقفے کے بعد اس عمر میں یہ کیسا ہوگا۔ مگر اس نے اسے یہ جاننے کا موقع ہی نہیں دیا تھا کہ اس کا بدن بھی اس سے وصال کا طلب گار ہے یا نہیں۔ یہ سب کچھ عجلت آمیز اور غمگین تھا اور اس نے سوچا: اب ہم ہر شے برباد کر چکے ہیں مگر وہ غلط تھی' اس مایوسی کے باوجود جسے دونوں نے محسوس کیا تھا' اسے اپنے اناڑی پن پر افسوس اور فرمینا دازا کو سونف کی شراب کے پاگل پن پر ندامت کے باوجود' آنے والے دنوں میں وہ ایک لمحے کے لیے بھی جدا نہیں ہوئے کیپٹن ساری ٹیو جسے جبلتاً ہر اس بات کا پتہ چل جاتا تھا جسے کوئی اس کے جہاز پر روا رکھنا چاہتا تھا' انھیں ہر روز ایک سفید گلاب بھیجتا' ان کے زمانے کے قدیم والز کی سیرینادا نھیں سنواتا' ان کے لیے ایسے کھانے تیار کرواتا، جن میں وہ شرارتاً شہوت انگیز مصالحہ جات استعمال کرواتا۔ انھوں نے کافی عرصے تک دوبارہ ہم وصال ہونے کی کوشش نہیں کی' جب تک اس کی تحریک نے' بغیر کسی کوشش کے انھیں اپنی لپیٹ میں نہیں لے لیا۔ وہ اکٹھے رہنے کی سادہ خوشی ہی سے مطمئن تھے۔

ان کے ذہن میں کیبن سے باہر نکلنے کا خیال تک نہ آتا اگر کیپٹن انھیں ایک تحریری پیغام نہ بھیجتا کہ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ گیارہ روزہ سفر کی آخری بندرگاہ سنہرے لادورادا پہنچنے والے ہیں۔ کیبن سے انھوں نے زرد سورج میں چمکتے مکانوں کے ابھار دیکھے' اور اس طرح انھیں اس کے نام کی وجہ تسمیہ سمجھ میں آ گئی۔ مگر جب انھوں نے اس گرمی کو محسوس کیا جو کسی دیگ میں اٹھتی ہوئی بھاپ کی طرح تھی اور گلیوں میں تارکول کو پگھلتے ہوئے دیکھا' تو انھیں یہ کم نمایاں لگا۔ مزید برآں جہاز وہاں نہیں' بلکہ اس کی مخالف سمت والی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا جہاں سانتائی ریل روڈ کا ٹرمینل واقع تھا۔

جوں ہی مسافر جہاز سے اُترے' وہ اپنی کمین گاہ سے باہر آ گئے۔ فرمینا دازا نے خالی سیلون کی بہتر ہوا میں آزادی کا سانس لیا اور ان دونوں نے لوگوں کے اس شور مچاتے ہجوم کو دیکھا جو ایک کھلونا جیسی ٹرین کے ڈبوں میں اپنا سامان اکٹھا کر رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر ایسا گماں ہوتا تھا کہ وہ یورپ سے آئے ہیں۔ خاص طور پر عورتیں' جنھوں نے پچھلی صدی کے شمالی یورپ میں پہنے جانے والے، کوٹ اور ہیٹ پہن رکھے تھے' جو اس قدر شدید اور خاک آلود گرمی میں سخت بے تکے لگ رہے تھے۔ کچھ نے اپنے بالوں میں خوبصورت پھول لگا رکھے تھے' جو گرمی میں مرجھانا شروع ہو گئے تھے۔ وہ اینڈین سطح مرتفع سے' ٹرین کے سفر کے بعد' ابھی یہاں پہنچے تھے اور ان کے پاس اتنا بھی وقت نہیں تھا کہ کر یہہ گرمی سے

مطابقت رکھتے ہوئے کپڑے تبدیل کر سکیں۔

پر رونق مارکیٹ کے وسط میں اپنے چہرے پر ایک نا قابل تسکین تاثر لیے' ایک شخص اپنے بھکاریوں جیسے کوٹ کو جیبوں میں سے چوزے باہر نکال رہا تھا۔ وہ بغیر خبر دار کیے' ایک ایسے چیتھڑوں جیسے اوورکوٹ میں ملبوس' جو کسی ایسے شخص کا لگ رہا تھا جو اس سے کافی زیادہ دراز قد اور بھاری بھرکم رہا ہوگا' ہجوم میں سے راستہ بناتا ہوا وہاں آ گیا تھا۔ اس نے اپنا ہیٹ اتارا' اسے کناروں کے بل گودی پر رکھا' تا کہ اگر کوئی اس میں سکے پھینکنا چاہے تو پھینک سکے اور اپنی جیبوں کو زرد رنگ کے ننھے منے چوزوں سے خالی کرنا شروع کر دیا' جو لگتا تھا کہ اس کی انگلیوں کے درمیان بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ ذرا سی دیر میں گودی پر جیسے رینگتے ہوئے چوزوں کا فرش بچھ گیا' جو تیزی سے چلتے ہوئے مسافروں کے درمیان بھاگتے پھر رہے تھے' اور جو بغیر اس بات کو جانے ان کو روندتے جا رہے تھے۔ فرمینا داز ا اس زبردست نظارے سے مسحور ہو چکی تھی' جیسے اسی کے اعزاز میں اس کا اہتمام کیا گیا ہو کیوں کہ وہ واحد ہستی تھی جو اس سارے منظر پر نظریں جمائے ہوئے تھی اور اس دوران میں اسے پتہ بھی نہ چلا کہ واپسی کے سفر کے لیے مسافر جہاز پر سوار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ کھیل ختم ہو گیا تھا' اس نے ان میں بہت سے ایسے چہروں کو دیکھا جن سے وہ شنا سا تھی۔ ان میں سے کچھ ایسی سہیلیاں تھیں' جو ابھی کچھ عرصہ پہلے اس کے پاس افسوس کرنے آئی تھیں اور وہ اپنی کیبن میں پناہ حاصل کرنے تیزی سے وہاں سے چلی آئی۔ فلورنتینو آریزا نے اس کو وہاں ایک شدید مضطرب کیفیت پایا: وہ کسی تفریحی سفر پر ان لوگوں کے سامنے جنھیں وہ جانتی تھی' اپنے شوہر کی وفات کے اس قدر کم عرصے میں دیکھے جانے کی نسبت مر جانے کو ترجیح دیتی۔ اس کی اس پریشانی نے فلورنتینو آریزا پر اس قدر اثر کیا کہ اس نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ کوئی ترکیب نکالے گا کہ وہ کیبن میں بند رہنے کے بجائے کسی اور طریقے سے خود کو محفوظ کر سکے۔

اپنے نجی ڈائننگ روم میں رات کا کھانا کھاتے ہوئے یہ ترکیب اچانک اس کے ذہن میں آ گئی۔ کپتان ایک مسئلے کی وجہ سے پریشان تھا جس پر وہ کافی عرصے سے فلورنتینو آریزا کے ساتھ بات کرنا چاہ رہا تھا' مگر وہ ہمیشہ اپنے اس معمول کے جواب کے ساتھ اس سے پہلو تہی کر جاتا تھا: ''یہ مسائل لیونا کیزیانی مجھ سے بہتر طور پر حل کر سکتی ہے۔'' تاہم اس دفعہ اس نے غور سے اس کی بات سنی۔ بات یہ تھی کہ دریا کی بلندی کی سمت جہاز زیادہ سامان لے کر جاتے جب کہ واپسی پر وہ خالی ہوتے' جب کہ مسافروں کے ساتھ صورت حال اس کے برعکس ہوتی: ''اور سامان پہنچانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے

پیسے زیادہ ملتے ہیں جب کہ ان پر خرچ کچھ نہیں ہوتا۔'' اس نے کہا۔فرمینا دازا' اس شخص کی امتیازی کرائے مقرر کرنے سے متعلق بحث سے بیزار' بغیر کسی خواہش کے کھانا کھا رہی تھی لیکن فلورنتینو آریزا گفتگو کے اختتام تک متوجہ رہا' اور تب ہی اس نے وہ سوال پوچھا جسے کیپٹن کے خیال میں اس کے حل کا پیش خیمہ ہونا چاہیے تھا۔

''اور مفروضے کے طور پر بات کرتے ہوئے۔'' اس نے کہا۔'' کیا یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی ایسا سفر کیا جاسکے، جس میں کہیں ٹھہرنا نہ ہو' سامان یا مسافر نہ ہوں' کسی بندرگاہ میں جانا نہ پڑے' کسی بھی شے کے بغیر؟'' کپتان نے کہا کہ یہ ممکن تو ہے مگر صرف مفروضے کے طور پر۔آر۔سی۔سی۔کے بہت سے کاروباری معاہدے تھے' جن سے فلورنتینو آریزا اس کی نسبت زیادہ باخبر تھا۔ان میں سامان کی نقل و حمل' مسافر' ڈاک اور بہت کچھ اور شامل تھا اور ان میں سے بہت سے معاہدے ایسے تھے جنھیں توڑا نہیں جاسکتا تھا۔صرف ایک چیز سے وہ ان تمام باتوں سے مستثنٰی ہو سکتے تھے اور وہ یہ کہ جہاز پر ہیضے کا کوئی مریض ہو۔جہاز کو قرنطینہ کر دیا جائے گا' اس پر ایک زرد جھنڈا لہرا دیا جائے گا اور یہ ایک ہنگامی حالت میں محصور دریا میں تیرے گا۔کیپٹن سماری ٹینو کو کئی مواقع پر' دریا کے ساتھ ساتھ ہیضے کے بہت سے کیسوں کی بنا پر کئی بار ایسا کرنے کی ضرورت پڑی تھی۔اگر چہ بعدازاں محکمہ صحت کے حکام نے ڈاکٹروں کو مجبور کیا تھا کہ وہ ایسے موت کے سرٹیفکیٹوں پر دستخط کر دیں جن میں انہیں عام پیچش قرار دیا گیا ہو۔اس کے علاوہ دریائی تاریخ میں بہت دفعہ ٹیکس سے بچنے' یا کسی ناپسندیدہ مسافر کو سوار نہ کرانے' یا کسی بے محل معائنے سے بچنے کے لیے طاعون کے زرد جھنڈے لہرائے گئے تھے۔فلورنتینو آریزا نے میز کے نیچے سے فرمینا دازا کا ہاتھ تھاما۔

''ٹھیک ہے۔'' پھر اس نے کہا:'' آؤ ہم ایسا ہی کریں۔''

کپتان ششدر رہ گیا' مگر پھر کسی بوڑھی لومڑی کی سی جبلت کے ساتھ اس نے ہر شے کو واضح طور پر سمجھ لیا۔

''میں اس جہاز پر حکم دیتا ہوں' مگر آپ ہمیں حکم دیتے ہیں'' اس نے کہا:'' چناں چہ اگر آپ اس مسئلے پر سنجیدہ ہیں تو مجھے تحریری حکم دیں اور ہم ابھی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔''

ظاہر ہے' فلورنتینو آریزا سنجیدہ تھا۔اس نے دستخط کر دیے۔اس بات سے تو بہر حال سب واقف تھے کہ محکمہ صحت کے حکام کے جاری کردہ خوش کن اعداد و شمار کے باوجود ہیضے کا زمانہ ختم نہیں ہوا۔

جہاں تک جہاز کا تعلق تھا تو اس میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ جو تھوڑا بہت سامان انھوں نے وہاں سے اٹھایا تھا' اسے منتقل کر دیا گیا۔ مسافروں کو انھوں نے بتایا کہ جہاز میں کوئی فنی نقص پیدا ہو گیا ہے' اور اس صبح بہت تڑکے' انھوں نے مسافروں کو اپنے سفر پر ایک ایسے جہاز میں روانہ کر دیا جو کسی اور کمپنی کی ملکیت تھا۔ اگر ایسی باتیں اس قدر غیر اخلاقی حتیٰ کہ قابل نفرت وجوہات کی بنا پر کی جا سکتی تھیں تو فلورنتینو آریزا کو کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی کہ محبت کے لیے ایسا کیوں نہیں کیا جا سکتا۔ کپتان نے صرف اس سے یہ کہا کہ وہ پورٹو نارے میں کسی کو جہاز میں سوار کرانے کے لیے رکیں گے جس نے اس دریائی سفر میں اس کے ساتھ رہنا تھا: اس کے دل میں بھی خفیہ تعلق بسا ہوا تھا۔

یوں 'نئی وفا' نے سامان یا مسافروں کے بغیر' اور مرکزی بانس پر شادمانی سے لہراتے ہوئے ہیضے کے زرد جھنڈے کے ساتھ اگلے روز طلوع آفتاب کے وقت اپنے لنگر اٹھائے۔ غروب آفتاب کے وقت، پورٹو نارے میں انھوں نے ایک عورت کو سوار کرایا جو کپتان سے بھی زیادہ دراز قامت اور مضبوط تھی۔ ایک غیر معمولی حسن' جسے سرکس میں شامل کرنے کے لیے محض ایک داڑھی کی ضرورت تھی۔ اس کا نام زینیڈا نیولیس تھا' مگر کپتان اسے ''میری وحشی عورت'' کہہ کر بلاتا تھا۔ یہ اس کی پرانی دوست تھی جسے وہ ایک بندرگاہ سے سوار کروا کر کسی اور بندرگاہ پر چھوڑ دیتا۔ اور وہ جہاز پر خوشی کی ہوائیں بکھیرتی سوار ہوئی اس موت رنگ غمگین مقام پر جہاں اس نے ایوی گیڈڈ سے آنے والی ٹرین کو بلندی کی طرف دقت سے چڑھتے ہوئے دیکھا۔ فلورنتینو آریزا نے روزا البا کی اپنی یادوں کو دوبارہ زندہ تجربے کی طرح محسوس کیا۔ وہاں ایک ایمزون نما موسلا دھار بارش شروع ہو گئی جس نے باقی ماندہ سفر میں چند وقفوں کے سوا مسلسل جاری رہنا تھا مگر کسی کو اس کی پروا نہیں تھی۔ تیرتے ہوئے سیلے کی اپنی چھت تھی۔ اس رات اس عرصۂ نشاط میں اپنا حصہ ڈالنے کے لیے' عملے کے مسرت آمیز نعروں کے درمیان' وہ نیچے جہاز میں آئی' اور ہر ایک کے لیے اپنی تخلیق کی ہوئی ایک ڈش تیار کی' جسے آریزا نے 'امور پینگن' کے نام سے منسوب کیا۔

دن بھر وہ تاش کھیلتے رہتے' اس وقت تک کھاتے رہتے جب تک کہ ان کا پیٹ پھول کر پھٹنے کے قریب نہ ہو جاتا۔ کر کرا قیلولہ کرتے، جس سے وہ تھک جاتے' اور جوں ہی سورج غروب ہوتا اور آرکسٹرا بجنا شروع ہو جاتا وہ سالمن مچھلی کے ساتھ سونف کی شراب پینی شروع کر دیتے۔ اس وقت تک جب تک کہ وہ کچھ کھانے یا پینے کے قابل نہ رہتے۔ یہ ایک تیز رفتار سفر تھا: جہاز پر بوجھ کم تھا اور بہاؤ موافق۔ مل کہ سر چشموں سے نشیب میں آنے والے سیلابوں کی وجہ سے یہ مزید بہتر ہو چکا تھا' پورے سفر

کے درمیان ہونے والی بارش کے برابر اسی ایک ہفتے میں بارش ہو چکی تھی۔ کچھ قصبات سے ان کے لیے شکریہ کے اظہار کے طور پر ماتمی سائرن بجانے پڑتے جو جہاز بھی ان کے پاس سے گزرتے، قطع نظر اس کے کہ کس کمپنی کے تھے انھوں نے انھیں تعزیتی سگنل دیے۔ میگانگو کے قصبے میں جہاں مرسیدس پیدا ہوئی تھی انھوں نے باقی ماندہ سفر کے لیے کافی لکڑی جہاز پر چڑھالی۔

فرمینا دازا نے جب جہاز کے ہارن کو اپنے صحت مند کان سے سنا تو وہ خوف زدہ ہو گئی۔ مگر سونف کی شراب کے پینے کے اگلے دن سے اس نے ان دونوں کانوں کے ساتھ بہتر سننا شروع کر دیا۔ اس نے جانا کہ گلاب پہلے سے زیادہ خوشبو بکھیرنے لگے ہیں، یہ کہ صبح دم پرندے پہلے سے زیادہ سریلے گیت گانے لگے ہیں، اور یہ کہ خدا نے ایک سمندری گائے تخلیق کر کے اسے تمالامیق کے ساحل پر رکھ چھوڑا ہے: صرف اس لیے کہ وہ اسے بیدار کر سکے۔ کپتان نے اس بات کو سنا، اور جہاز کا راستہ تبدیل کر دیا، اور بالآخر انھوں نے اس دیوقامت سمندری گائے کو دیکھا جو اپنے بازوؤں میں اس بچے کو تھامے اس کو دودھ پلا رہی تھی۔ فلورنتینو آریزا اور نہ ہی فرمینا داز ااس بات سے باخبر تھے کہ وہ دونوں کس قدر خوبی سے ایک دوسرے کو سمجھنے لگے تھے: اس کے اینیما لینے کے دوران میں وہ اس کی مدد کرتی، وہ اس کے بیدار ہونے سے پہلے ہی اٹھ جاتی تا کہ وہ اس کے سوتے ہوئے گلاس میں رکھے اس کے نقلی دانتوں پر برش کر دے اور اس نے اپنا چشمہ کسی جگہ رکھ کر بھول جانے کے مسئلے پر قابو پالیا، اس لیے کہ وہ پڑھنے اور رفوگری کے لیے اس کی عینک استعمال کر سکتی تھی۔ جب وہ ایک صبح جاگی، تو اس نے اندھیرے میں اسے اپنی قمیص پر بٹن لگاتے ہوئے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دو بیویوں کی ضرورت کے رسمی کلمات ادا کر سکے، وہ تیزی سے اس کا یہ کام کرنے کے لیے لپکی۔ دوسری طرف، اس سے وہ بس اتنا چاہتی تھی کہ وہ اس کی کمر کے درد کا کچھ علاج کر دے۔

فلورنتینو آریزا نے آرکسٹرا سے مستعار ایک وائلن کے ساتھ اپنی پرانی یادوں کو تازہ کرنا شروع کر دیا اور آدھے دن بعد، ہی وہ اس کے لیے ''تاج پوش دیوی'' کا والز بجانے لگا اور وہ گھنٹوں اسے بجاتا رہا حتیٰ کہ انھیں زبردستی اسے روکنا پڑا۔ ایک رات، اپنی زندگی میں پہلی بار فرمینا داز ااچانک غصے کے بجائے دکھ کے آنسوؤں سے بھری اٹھ بیٹھی، اس بوڑھے جوڑے کی یاد میں جسے ملاح نے کشتی میں مار ڈالا تھا۔ دوسری جانب مسلسل بارش نے اس پر اثر نہیں کیا اور بہت دیر بعد اس نے سوچا کہ پیرس اس قدر اداس نہیں تھا جتنا کہ یہ دکھائی دیتا تھا: اور یہ کہ سانتا فے کی گلیوں میں بہت زیادہ جنازے نہیں

گزرا کرتے تھے۔اس کے دل میں فلورنتینو آریزا کے ساتھ دوسرے دریائی سفروں کے خواب افق پر ابھرنے لگے'جنون خیز دریائی سفر'ٹرنکوں سے آزاد'سماجی بندھنوں سے آزاد محبت کے سفر۔

جس روز انھوں نے پہنچنا تھا'اس سے پچھلی رات انھوں نے کاغذی پھولوں اور رنگین روشنیوں کے ساتھ ایک بڑی پارٹی کا اہتمام کیا۔شام ڈھلے مطلع صاف ہو گیا تھا۔بہت قریب سے ایک دوسرے کو تھامے' کپتان اور زینیڈا ان دنوں مقبول ہونے والے اولین بولیروس نامی ایک ہسپانوی ناچ ناچنے لگے۔فلورنتینو آریزا نے جرات کر کے فرمینا دازا کو اپنے والز کی دھن پر رقص کرنے کی تجویز پیش کی مگر اس نے انکار کر دیا۔تاہم وہ سارا وقت اپنا سر اور پاؤں ہلاتی رہی اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب وہ بیٹھے بیٹھے رقص کرنے لگی'اور اسے اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا۔جب کہ کپتان اپنی نوجوان وحشی عورت کے ساتھ بولیروس کے سایوں میں گم ہو گیا۔اس نے اس قدر سونف کی شراب چڑھا ڈالی تھی کہ اسے سہارا دے کر سیڑھیوں سے لایا گیا۔اس پر ہنسی کا دورہ پڑا جو اس وقت تک برقرار رہا جب تک کہ وہ رونہ پڑی اور اس بات نے ہر شخص کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔تاہم بالآخر جب اس نے اپنے کیبن کے خوشبودار نخلستان میں اپنا آپ بحال کیا'وہ دونوں تجربہ کار دادا دادیوں کی طرح پر سکون'ایسے بھرپور وصال میں کھو گئے جسے اس نے اپنے اس جنوبی دریائی سفر کی بہترین یاد کے طور پر ذہن میں محفوظ رکھنا تھا۔کپتان اور زینیڈا کے خیال کے برعکس'وہ اب نوبیاہتاؤں اور دیر سے ملے عاشقوں کی طرح محسوس کرتے تھے۔بل کہ ایسے لگتا تھا جیسے وہ ازدواجی زندگی کے کٹھن مرحلے کو پھلانگ کر محبت کے دل میں بسیرا کر چکے تھے۔وہ کسی بوڑھے شادی شدہ جوڑے کی طرح خاموش، ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے۔زندگی سے تھکے ماندے'شدتِ جذبات کے فریبوں سے پرے' امید اور ازالہ سحر کے سایوں کی بے رحم شعبدہ بازی سے دور'عشق سے ماورا'اس لیے کہ وہ اس قدر اکٹھے رہ چکے تھے جس سے وہ یہ جان سکیں کہ محبت ہمیشہ ہوتی ہے۔کسی بھی وقت اور کسی بھی مقام پر۔مگر جب یہ موت کے قریب ہو تو اور پختہ ہو جاتی ہے۔

وہ چھ بجے بیدار ہوئے۔سونف کی شراب کی باس لیے'اس کا سر درد کر رہا تھا'اور اس کا دل اس تاثر سے حیران ہو گیا تھا ڈاکٹر جووینل اربینو واپس آ چکا تھا'اپنے درخت سے گرنے والے لمحے سے زیادہ پُرشباب اور یہ کہ وہ اپنی جھولنے والی کرسی پر بیٹھا ان کے گھر کے دروازے پر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ تاہم وہ اس قدر فہیم ضرور تھی کہ وہ یہ محسوس کر سکے یہ سونف کی شراب کا اثر نہیں بل کہ ان کی قریب الوقوع

واپسی کا اثر ہے۔

"یہ سب کچھ موت کی طرح لگ رہا ہے۔" اس نے کہا۔

فلورنتینو آریزا چونک گیا کیوں کہ اس کے الفاظ ایسی سوچ کے آئینہ دار تھے جس نے اسے واپسی کے سفر کے آغاز ہی سے بے سکون کر رکھا تھا۔ وہ دونوں اس کیبن کے سوا کسی اور گھر کا' یا جہاز میں کھانا کھانے کے سوا کسی اور انداز کا' یا کسی بھی اور طرح کی زندگی کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔ کیوں کہ اس نے ہمیشہ ان کے لیے اجنبی رہنا تھا۔ واقعتاً یہ موت کی طرح تھا۔ وہ پشت کے بل اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ اس کے سر کے پیچھے اس کے دونوں ہاتھ باہم پیوست تھے' ایک لمحے' امریکا وکیونا کے دکھ کی ٹیسوں نے اسے درد سے دوہرا کر دیا۔ اور وہ اس چ سے مزید ایک لمحے کے لیے بھی گریز نہ کر سکا: اس نے خود کو باتھ روم میں بند کر لیا' اور آہستہ آہستہ اس وقت تک روتا رہا جب تک اس کا آخری آنسو نہ بہہ گیا صرف اسی لمحے اس میں اپنے اتنی ہمت پیدا ہوئی کہ وہ خود سے یہ اعتراف کر سکے کہ وہ اس سے کس قدر محبت کرتا تھا۔

ساحل پر اترنے کے لیے ملبوس ہو کر جب وہ اوپر گئے' جہاز تنگ راستے اور قدیم ہسپانوی راستہ پیچھے چھوڑ چکا تھا' اور کشتیوں کے ملبے اور خلیج میں تیل کے کنوؤں کے پلیٹ فارموں کے اردگرد تیر رہا تھا۔ وائسرایوں کے شہر کے سنہری گنبدوں کے اوپر ایک جمعرات کا دن پھیل رہا تھا مگر ریلنگ کے ساتھ کھڑی فرمینا دازا اس کی عظمتوں کی بدبو کو برداشت نہیں کر سکتی تھی: حقیقی زندگی کی دہشت۔ انھوں نے ایک لفظ نہیں کہا۔ مگر دونوں میں سے کوئی بھی اس قدر آسانی سے خود میں شکست قبول کرنے کی ہمت محسوس نہیں کر رہا تھا۔

ڈائننگ روم میں انھوں نے کیپٹن کو بیٹھے دیکھا۔ ایک ایسی حالت میں جو اس کی ہمہ وقت صاف رہنے کی عادت سے لگا نہیں کھاتی تھی۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی اور نیند کی کمی کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ انگارہ بنی ہوئی تھیں۔ اس کے کپڑوں میں ابھی تک گزشتہ شب کا پسینہ بسا ہوا تھا' سونف کی شراب کے ڈکاروں کی وجہ سے اس کی گفتگو بار بار ٹوٹ رہی تھی۔ زینیڈا سوئی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے اپنا ناشتہ شروع کرنے ہی والے تھے کہ محکمہ صحت کی ایک لانچ نے ان کے جہاز کو رکنے کا حکم دیا۔

تختے پر کھڑے کیپٹن نے مسلح گشتی دستے کے کیے گئے سوالوں کا چیخ چیخ کر جواب دیا۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ ان کے جہاز پر کسی قسم کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں کتنے مسافر تھے' ان میں سے کتنے بیمار تھے' اور مزید لوگوں میں اس وبا کے پھیلنے کے کس قدر امکانات تھے۔ کپتان نے جواب دیا کہ اس کے

جہاز پر صرف تین مسافر سوار ہیں' اور ان سب کو ہیضہ ہے۔ مگر انھیں سخت علاحدگی میں رکھا ہوا ہے' وہ لوگ جنھوں نے لا دورادا میں جہاز پر آنا تھا' اور عملے کے ستائیس آدمیوں کا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے مگر گشتی ٹیم کا کمانڈر مطمئن نہیں ہوا اور اس نے انھیں حکم دیا کہ وہ خلیج چھوڑ دیں اور لاس مرسیدس گل آب میں سہ پہر کے دو بجے تک انتظار کریں۔ اس وقت تک جہاز کو قرنطینہ میں رکھنے کے لیے کاغذات تیار کیے جانے تھے۔ کپتان نے ایک ویگن ڈرائیور کی طرح ہوا خارج کی اور اپنے ہاتھ لہرا کر پائلٹ کو جہاز موڑ کر واپس گل آب میں لے جانے کا حکم دیا۔

فلورنتینو آریزا اور فرمینا دازا اپنی میز پر بیٹھے یہ ساری گفتگو سن چکے تھے مگر لگتا تھا کہ کپتان کے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس نے خاموشی سے کھانا جاری رکھا، اس کی بدمذاقی اس کے اس انداز سے عیاں تھی۔

اس نے ان آداب کو پس پشت ڈال دیا تھا، جن کی وجہ سے دریائی کشتیوں کے کپتانوں کی افسانوی شہرت برقرار تھی۔ اس نے اپنی چھری کی نوک سے چار فرائی کیے ہوئے انڈے علاحدہ کیے' اور انھیں سبز سلائیسوں کے ساتھ کھاتا رہا، جسے وہ سارے کا سارا منہ میں رکھ لیتا اور ایک وحشیانہ لذت کے ساتھ چبانے لگتا۔ فرمینا دازا اور فلورنتینو آریزا بغیر کچھ بولے اس کی طرف دیکھتے رہے' جیسے وہ کسی سکول کے بنچ پر بیٹھے اپنے آخری امتحان کے نتائج سننے کے منتظر ہوں۔ انھوں نے محکمہ صحت کی گشتی ٹیم کے ساتھ اس کی گفتگو کے دوران میں ایک لفظ کا بھی تبادلہ نہیں کیا تھا' اور نہ ہی انھیں اس بات کا ذرہ بھر اندازہ تھا کہ ان کی زندگیوں کے ساتھ اب کیا ہونیوالا ہے مگر وہ دونوں جانتے تھے کہ کپتان انھی کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ وہ اسے، اس کی دھڑکتی ہوئی کنپٹیوں میں سے دیکھ سکتے تھے۔

اس نے اپنا انڈوں کا حصہ' تلی ہوئی نرم سبزیوں کی ٹرے' اور باقی چیزوں سے بھرا برتن ختم کر لیا۔ جہاز نے اپنے خاموش بوائلروں کے ساتھ خلیج کو چھوڑا' کھاڑیوں کے ساتھ گلابی اور بڑے دل کی طرح کے پتوں کے دریائی لوٹس میں سے اپنا راستہ بناتا ہوا' گل آب کی طرف لوٹ گیا۔ خاموش مچھیروں کے بارود سے مری ہوئی اپنے پہلو پر تیرتی ہوئی مچھلیوں کی کائنات' خشکی اور پانی کے تمام پرندے اپنی چیخوں کے ساتھ ان کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے' جس کی وجہ سے پانی قزح رنگ تھا۔ کریبئن سے آتی ہوا' پرندوں کے شور کے ساتھ کھڑکیوں میں آ رہی تھی اور فرمینا دازا نے اپنے لہو میں اپنی آزاد خواہش کی وحشی دھڑکن کو محسوس کیا۔ اس کے دائیں طرف عظیم ماگدالینا دریا کی تہہ اور سلامت رو سمندری شاخ دنیا کے دوسرے کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔

جب پلیٹوں میں کھانے کے لیے کچھ باقی نہیں رہ گیا' تو کپتان نے میز کے کپڑے کے کونے سے اپنے ہونٹ صاف کیے اور ایک غیر مہذب ملاحی زبان میں ان سے بات کی۔ اور یوں ہمیشہ کے لیے دریائی جہاز کے کپتانوں کی عمدہ گفتگو کی شہرت کو ختم کر دیا۔ وہ ان سے یا کسی اور سے مخاطب نہیں تھا بلکہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وحشیانہ لعنت ملامت کے بعد اس نے نتیجہ نکالا تھا کہ اس کے پاس اس مصیبت سے نجات پانے کا کوئی راستہ نہیں رہ گیا جس میں وہ ہیضے کے اس جھنڈے کی وجہ سے پھنس چکا ہے۔

فلورنتینو آریزا بغیر پلک جھپکائے اس کی بات سنتا رہا۔ پھر اس نے کھڑکیوں میں سے بحری قطب نما ربع دائرہ کے پورے چکر' واضح افق' کسی بادل کے بغیر دسمبر کے آسمان' ان پانیوں کو جن پر ہمیشہ جہاز رانی کی جا سکتی تھی' دیکھا اور کہا:

''ہم واپس لا دورا کی طرف جاتے۔۔۔جاتے۔۔۔۔جاتے رہتے ہیں۔''

فرمینا دازا' اس کی روح القدس کی عنایت سے روشن' اس کی پرانی آواز کو پہچان کر کانپ گئی اور اس نے کپتان کی طرف دیکھا: وہی ان کی تقدیر تھی مگر کپتان نے اس کی طرف نہیں دیکھا' کیوں کہ وہ فلورنتینو آریزا کی بے پناہ وجدانی قوت سے بدحواس ہو گیا تھا۔

''تم جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''جس وقت سے میں پیدا ہوا ہوں'' فلورنتینو آریزا نے کہا: ''میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی' جو میرا مطلب نہ ہو۔''

کپتان نے فرمینا دازا کی طرف نظریں کیں اور اس کی پلکوں پر سرما کی دھند کی پہلی کرن کو دیکھا۔ پھر اس نے فلورنتینو آریزا کی طرف نظر کی' اس کی ناقابل تسخیر قوت' اس کے منچلے عشق کو محسوس کیا اور وہ اس دیر آید وہم سے معمور ہو گیا کہ موت سے زیادہ' یہ زندگی ہے' جس کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ ''اور تمھارا کیا خیال ہے ہم کب تک اس بدبخت آنے جانے کو جاری رکھ سکتے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

فلورنتینو آریزا کے ذہن میں اس سوال کا جواب' ترپن برس' سات ماہ اور گیارہ دنوں اور راتوں سے تیار تھا۔

''تاابد۔'' اس نے کہا۔

اکادمی ادبیات پاکستان کی مطبوعات

(پاکستانی ادب کے معمار سیریز کی دستیاب کتب)

نام کتاب	مصنف	قیمت: مجلد	قیمت: غیر مجلد
حکیم محمد سعید: شخصیت اور فن	صادق حسین طارق		40روپے
امتیاز علی تاج: شخصیت اور فن	ڈاکٹر گوہر نوشاہی		40روپے
حفیظ جالندھری: شخصیت اور فن	عزیز ملک		40روپے
باقی صدیقی: شخصیت اور فن	پروفیسر نجمی صدیقی		40روپے
شاہ مراد خانپوری: شخصیت اور فن	ڈاکٹر نثار ترابی	130روپے	110روپے
محمد خالد اختر: شخصیت اور فن	اشفاق احمد ورک	150روپے	145روپے
میر گل خان نصیر: شخصیت اور فن	واحد بخش بزدار	150روپے	140روپے
ابوالفضل صدیقی: شخصیت اور فن	نذر الحسن صدیقی	100روپے	90روپے
مرزا قلیچ بیگ: شخصیت اور فن	نصیر مرزا	115روپے	110روپے
سوبھو گیان چندانی: شخصیت اور فن	سید مظہر جمیل	200روپے	190روپے
جمال ابڑو: شخصیت اور فن	منظور علی ویسریو	120روپے	110روپے
عبداللہ جان جمالدینی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر شاہ محمد مری	110روپے	100روپے
شوکت صدیقی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر انوار احمد	100روپے	90روپے
سید ہاشمی: شخصیت اور فن	پروفیسر صبا دشتیاری	100روپے	90روپے
شاہد احمد دہلوی: شخصیت اور فن	تاج بیگم فرخی	180روپے	175روپے
محمد حسن عسکری: شخصیت اور فن	عزیز ابن الحسن	155روپے	140روپے
رحمان بابا: شخصیت اور فن	ڈاکٹر پرویز مہجور خویشگی	185روپے	175روپے
عطا شاد: شخصیت اور فن	افضل مراد	165روپے	155روپے

قلندر مومند: شخصیت اور فن	پروفیسر محمد زبیر حسرت	175 روپے	165 روپے
ڈاکٹر تنویر عباسی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر ادل سومرو	176 روپے	166 روپے
مست توکلی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر شاہ محمد مری	170 روپے	160 روپے
مولانا صلاح الدین احمد: شخصیت اور فن	ڈاکٹر انور سدید	200 روپے	190 روپے
ڈاکٹر نبی بخش بلوچ: شخصیت اور فن	محمد راشد شیخ	165 روپے	155 روپے
شفیق الرحمان: شخصیت اور فن	ڈاکٹر اشفاق احمد ورک	160 روپے	155 روپے
ضیاء جالندھری: شخصیت اور فن	علی محمد فرشی	200 روپے	190 روپے
ممتاز شیریں: شخصیت اور فن	ڈاکٹر تنظیم الفاروق	215 روپے	210 روپے
پروفیسر فتح محمد ملک: شخصیت اور فن	محمد حمید شاہد	195 روپے	185 روپے
سعادت حسن منٹو: شخصیت اور فن	مبین مرزا	220 روپے	210 روپے
پروفیسر احمد علی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر محمد کامران	190 روپے	180 روپے
کرنل محمد خان: شخصیت اور فن	ایم اسماعیل صدیقی	190 روپے	180 روپے
عابد علی عابد: شخصیت اور فن	ڈاکٹر سلیم اختر	225 روپے	215 روپے
سائیں احمد علی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر ظہور احمد اعوان	170 روپے	160 روپے
فارغ بخاری: شخصیت اور فن	طارق ہاشمی	210 روپے	200 روپے
دوست محمد کامل مومند: شخصیت اور فن	مصطفیٰ کمال	160 روپے	150 روپے
مسعود مفتی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر مقصودہ حسین	280 روپے	270 روپے
مجید امجد: شخصیت اور فن	ڈاکٹر ناصر عباس نیر	170 روپے	160 روپے
رضا ہمدانی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار	240 روپے	230 روپے
ڈاکٹر فقیر محمد فقیر: شخصیت اور فن	محمد جنید اکرم	210 روپے	200 روپے
جمیل الدین عالی: شخصیت اور فن	بیگم رعنا اقبال	210 روپے	200 روپے
زیتون بانو: شخصیت اور فن	اباسین یوسفزئی	230 روپے	220 روپے
کشور ناہید: شخصیت اور فن	ڈاکٹر شاہین مفتی	150 روپے	140 روپے
عبداللہ حسین: شخصیت اور فن	محمد عاصم بٹ	160 روپے	140 روپے
احمد شمیم: شخصیت اور فن	منیرہ شمیم	220 روپے	210 روپے

احمد ندیم قاسمی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر ناہید قاسمی	390روپے	380روپے
حبیب جالب: شخصیت اور فن	سعید پرویز	280روپے	270روپے
افتخار عارف: شخصیت اور فن	عبدالعزیز ساحر	275روپے	250روپے
محمد عثمان ڈیپلائی: شخصیت اور فن	آفاق صدیقی	160روپے	150روپے
فخر زمان: شخصیت اور فن	ڈاکٹر امجد علی بھٹی	180روپے	170روپے
علامہ نیاز فتح پوری: شخصیت اور فن	ڈاکٹر عقیل شاہین	220روپے	210روپے
استاد دامن: شخصیت اور فن	ڈاکٹر امجد علی بھٹی	190روپے	180روپے
اقبال ساجد: شخصیت اور فن	ڈاکٹر جواز جعفری	240روپے	235روپے
خیر النسا جعفری: شخصیت اور فن	ڈاکٹر تنویر جونیجو	230روپے	220روپے
عطا الحق قاسمی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر اشفاق احمد ورک	320روپے	310روپے
سید آل رضا: شخصیت اور فن	ڈاکٹر سیدہ محسنہ نقوی	290روپے	280روپے
عرش صدیقی: شخصیت اور فن	بیگم نظیر افتخار	220روپے	210روپے
حجاب امتیاز علی تاج: شخصیت اور فن	ڈاکٹر غفور شاہ قاسم	240روپے	230روپے
خدیجہ مستور: شخصیت اور فن	تاج بیگم فرخی	210روپے	200روپے
ڈاکٹر اسلم انصاری: شخصیت اور فن	محمد افتخار شفیع	210روپے	200روپے
حبیب جالب: شخصیت اور فن	سعید پرویز	280روپے	270روپے
ڈاکٹر انور سدید: شخصیت اور فن	پروفیسر سجاد نقوی	400روپے	390روپے
صہبا اختر: شخصیت اور فن	ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ	250روپے	240روپے
غلام ثقلین نقوی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر انور سدید	310روپے	300روپے
مولوی غلام رسول عالمپوری: شخصیت اور فن	صاحبزادہ مسعود احمد	450روپے	400روپے
سوبھو گیان چندانی: شخصیت اور فن	سید مظہر جمیل	200روپے	190روپے
سلیم احمد: شخصیت اور فن	ڈاکٹر مختار احمد عزمی	225روپے	200روپے
علامہ اقبال: شخصیت اور فن پشتو	ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی/مترجم: م ر شفق	450روپے	400روپے
منشا یاد: شخصیت اور فن	اسلم سراج الدین	350روپے	340روپے
ڈاکٹر رشید امجد: شخصیت اور فن	ڈاکٹر شفیق انجم	210روپے	200روپے

پروفیسر غلام جیلانی اصغر: شخصیت اور فن	ڈاکٹر انور سدید	260روپے	250روپے
افضل پرویز: شخصیت اور فن	راجہ شکیل انجم	180روپے	170روپے
مجنوں گورکھپوری: شخصیت اور فن	جمال نقوی	190روپے	180روپے
علامہ اقبال: شخصیت اور فن (سندھی)	منظور علی ویسریو	450روپے	430روپے
شیخ سر عبدالقادر: شخصیت اور فن	ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ	260روپے	250روپے
شہزاد احمد: شخصیت اور فن	ڈاکٹر ضیاء الحسن	270روپے	260روپے
فرخندہ لودھی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر انور سدید	310روپے	300روپے
صوفی شاہ عنایت شہید: شخصیت اور فن	منظور علی ویسریو	210روپے	200روپے
بلھے شاہ: شخصیت اور فن	حمید اللہ ہاشمی	260روپے	250روپے
ڈاکٹر سلیم اختر: شخصیت اور فن	ڈاکٹر شاہین مفتی	370روپے	350روپے
عزیز احمد: شخصیت اور فن	ڈاکٹر اعجاز حنیف	240روپے	220روپے
مولانا الطاف حسین حالی: شخصیت اور فن	ڈاکٹر سیدہ قارا احمد رضوی	330روپے	320روپے
عبداللہ حسین: شخصیت اور فن	محمد عاصم بٹ	280روپے	250روپے
احمد فراز: شخصیت اور فن	محبوب ظفر	580روپے	560روپے
احمد بشیر: شخصیت اور فن	محمد ظہیر بدر	430روپے	400روپے
سید نصیر شاہ: شخصیت اور فن	ڈاکٹر اسد مصطفیٰ	370روپے	350روپے
سید ضمیر جعفری: شخصیت اور فن	ڈاکٹر عرفان اللہ خٹک	280روپے	260روپے
حسرت موہانی شخصیت اور فن	خورشید ربانی	250روپے	230روپے
قابل اجمیری: شخصیت اور فن	خالد مصطفیٰ	180روپے	160روپے

☆☆☆☆

ادبیات اور پاکستانی لٹریچر کے دستیاب شمارے

سہ ماہی ادبیات

نمبر شمار	شمارہ نمبر	دورانیہ	قیمت
1	22(خصوصی شمارہ)	سرما 1993	40 روپے
2	23(خصوصی شمارہ)	بہار 1993	40 روپے
3	24(خصوصی شمارہ)	خزاں 1993	40 روپے
4	25(خصوصی شمارہ)	سرما 1993	40 روپے
5	26(خصوصی: پشتو رکھوار ربند کوافسانہ)	بہار 1994	40 روپے
6	27 تا 30 (سالنامہ: خصوصی)	سرما، بہار، خزاں، گرما 1994	160 روپے
7	31 تا 34 (سالنامہ: خصوصی)	سرما، بہار، خزاں، گرما 96-95	300 روپے
8	35 تا 36 (بین الاقوامی ادب 1)	بہار گرما 1996	150 روپے
9	37 تا 38 (بین الاقوامی ادب 2)	1996	150 روپے
10	39 تا 40 (بین الاقوامی ادب 3)	بہار، گرما 1997	150 روپے
11	41 تا 42 (بین الاقوامی ادب 4)	خزاں، سرما 1997	150 روپے
12	43 تا 44 (بین الاقوامی ادب 5)	1998	150 روپے
13	47(شیخ ایاز کی یاد میں)	بہار 99	50 روپے
14	50-49-48	1999	50 روپے
15	52-51	2000	50 روپے
16	53	خزاں 2000	50 روپے

50 روپے	2001	54	17
50 روپے	2001	55	18
50 روپے	2001	56	19
50 روپے	2002	57	20
50 روپے	2002	58	21
350 روپے	2002	60-59	22
100 روپے	2007	75-74	23
50 روپے	2007	76	24
100 روپے	2007-08	78-77	25
	2008	80-79	26
300 روپے	اکتوبر 2009۔مارچ 2010	86-85(امرتا پریتم نمبر)	27
200 روپے	جولائی دسمبر 2010	89-88(پرواسی ادب)	28
200 روپے	جنوری۔جون 2011	91-90(پاکستانی زبانوں کے چار اہم شاعر)	29
200 روپے	جولائی۔دسمبر 2011	93-92بچوں کا ادب(نثر)	30
200 روپے	جنوری۔جون 2012	95-94بچوں کا ادب(نظم)	31
100 روپے	جولائی۔ستمبر 2012	96	32
100 روپے	اکتوبر۔دسمبر 2012	97	33
100 روپے	جنوری۔مارچ 2013	98	34
300 روپے	اپریل۔جون 2013	99	35
200 روپے	جولائی۔دسمبر 2013	100(خصوصی شمارہ)	36
200 روپے	جنوری۔جون 2014	101(نعت نمبر)	37
100 روپے	جولائی تا ستمبر 2014	102	38
100 روپے	اکتوبر تا دسمبر 2014	103	39

40	104:الطاف حسین حالی نمبر	جنوری۔مارچ 2015	100 روپے
41	105	اپریل تا جون 2015	100 روپے
42	106	جولائی تا ستمبر 2015	100 روپے
43	107	اکتوبر تا دسمبر 2015	100 روپے
44	108:احمد ندیم قاسمی نمبر	جنوری تا جون 2016	300 روپے
45	109	جولائی تا اکتوبر 2016	100 روپے
46	110	اکتوبر تا دسمبر 2016	100 روپے

شش ماہی پاکستانی لٹریچر

S #	Vol No	Issue	Price
1	Vol: 1 1992 No. 1	Regular	Rs.100
2	Vol: 2 1993 No. 2	Regular	Rs.100
3	Vol: 3 1994 No. 1	Regular	Rs.100
4	Vol: 3 1994 No. 2	Special (Women Writings)	Rs.150
5	Vol: 5 2000 No. 1	Regular	Rs.100
6	Vol: 6 No. 2 2001	Regular	Rs.100
7	Vol: 7 2002 No. 1	Regular	Rs.100
8	Vol: 7 2002 No. 2	Regular	Rs.100
9	Vol: 8 2003 No. 1	Literature from Pakistani languages	Rs.100
10	Vol: 8&9 2003-04 No. 2-1	Special (writings from SAARC countries)	Rs.150
11	Vol: 9 No. 2 (Book One)	50 Year Literature	Rs.100
12	Vol: 10 No. 1 (Book-2)	50 Year Literature	Rs.100

13	Vol: 10 No. 2 (Book-3)	50 Year Literature	Rs.100
14	Vol: 11 No. 1 2006	Literature from Pakistanni languages	Rs.100
15	Vol: 11 No. 2 2006	Regular	Rs.100
16	Vol: 12 No. 1 2007	New English Writings from Pakistan	Rs.100
17	Vol: 12-13 No. 2-1 2007-08	Special (Women Writers)	Rs.200
18	Vol: 13-14 No. 2-1 (Selection 1947-2010)	Regular	Rs.500
19	Vol: 14 2009 No. 2	Regular	Rs.200
20	Vol: 15 2012 No. 1	Regular	Rs.100
21	Vol: 16 No. 1- 2013	Regular	Rs.300
22	Vol: 18 , No 15, 2015	Regular	Rs.300

☆☆☆☆

شمارے حاصل کرنے کے لیے رابطہ کیجیے

میر نواز سولنگی

اسسٹنٹ ڈائریکٹر (سیلز اینڈ ایڈورٹائزمنٹ)

اکادمی ادبیات پاکستان، پطرس بخاری روڈ، سیکٹر H-8/1، اسلام آباد۔

فون:051-9269711